

ہندوستان کے مسلمانوں کی سماجی، اقتصادی اور تعلیمی حالت



رپورٹ



وزیراعظم کی اعلیٰ سطحی کمیٹی

کابینہ سکریٹریٹ

حکومت ہند

نومبر 2006

ہندوستان کے مسلمانوں کی سماجی، اقتصادی اور تعلیمی حالت

رپورٹ

وزیراعظم کی اعلیٰ سطحی کمیٹی

کابینہ سکرٹریٹ

حکومت ہند

نومبر 2006

وزیر اعظم کی اعلیٰ سطحی کمیٹی

کابینہ سکرٹریٹ

حکومت ہند

سر دار پٹیل بھون

پارلیمنٹ اسٹریٹ

نئی دہلی 110001

اردو ترجمہ: فرحت احساس

ڈاکٹر ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز،

جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی 110025

ترجمے میں معاونت: اسماء سلیم

ترجمے پر نظر ثانی: قیصر جمیل احمد، ریسرچ آفیسر،

قومی اقلیتی کمیشن، حکومت ہند، نئی دہلی۔

: سید راشد حسین، اردو مترجم

قومی اقلیتی کمیشن، حکومت ہند، نئی دہلی

اردو سٹیٹنگ : دی الائنڈ پرنٹر

پراسیڈنگ اور طباعت:

دی الائنڈ پرنٹر A-3809 فرسٹ فلور

ڈیوڈ اسٹریٹ، دریا گنج، نئی دہلی-2

ٹیلی فون 23264097, 43656566

موبائل: 9810463386

اردو ترجمہ زیر اہتمام :

وزارت اقلیتی امور حکومت ہند، نئی دہلی



حکومت ہند

(کابینہ سکریٹریٹ)

ہندوستان کے مسلمانوں کی سماجی، اقتصادی اور تعلیمی حالت سے متعلق رپورٹ تیار کرنے کے لئے وزیراعظم کی اعلیٰ سطح کی کمیٹی

(چیئر پرسن: جنرل راجندر پتھر)

سر دار پٹیل بھون، پارلیمنٹ اسٹریٹ، نئی دہلی

17 نومبر 2006

عزت مآب ڈاکٹر من موہن سنگھ

وزیراعظم ہند

محترم وزیراعظم!

9 مارچ 2005 کو دفتر وزیراعظم (پی ایم او) نے ہندوستان کے مسلمانوں کی سماجی، اقتصادی اور تعلیمی حالت کے بارے میں ایک رپورٹ تیار کرنے کے لئے ایک اعلیٰ سطحی کمیٹی تشکیل دینے سے متعلق نوٹیفکیشن جاری کیا تھا۔ اس رپورٹ کے دائرہ اختیار کی تفصیل رپورٹ کے ضمیمے میں شامل ہے۔ کمیٹی کا مقصد ہندوستانی مسلمانوں کی سماجی، اقتصادی اور تعلیمی حالت سے متعلق ضروری امور کے سلسلے میں حکومت ہند کے ذریعے کئے جانے والے اقدامات کے دائروں کی نشان دہی کے لئے مذکورہ بالا موضوع سے متعلق معلومات پر غور کرنا اور ان کا تقابل اور تجزیہ کرنا تھا۔

جولائی کے اواخر تک دفتر کی جگہ، عملہ اور دیگر تمام بنیادی سہولتیں فراہم کر دی گئیں، اسی دوران، کمیٹی کی پہلی میٹنگ 21 اپریل 2005 کو ہوئی اور اس کے بعد ایک پریس کانفرنس کی صورت میں منقہ ہوئی جس میں کمیٹی نے ہندوستان کے لوگوں سے کمیٹی کے زیر غور امور کے بارے میں معلومات فراہم کرانے کی درخواست کی۔ بعد ازاں ملک کے مختلف علاقوں سے ہندوستانی زبانوں میں شائع ہونے والے 100 سے زیادہ روزناموں میں بڑے بڑے اشتہارات دئے گئے۔ حکومت ہند کے کئی محکموں، تمام ریاستی چیف سیکریٹریوں اور دیگر تنظیموں بشمول رجسٹرار جنرل آف سینسز، آپریشنز، پبلسٹیٹی، ایس ایس سی، یو بی سی، یونیورسٹیوں اور دیگر تعلیمی اداروں، تنظیموں، تینوں مسلح افواج، عدلیہ وغیرہ وغیرہ اقلیتی کمیشن، پسماندہ طبقوں سے متعلق کمیشن، لسانی اقلیتوں سے متعلق کمیشن، یو پی ایس سی، یو جی سی، یونیورسٹیوں اور دیگر تعلیمی اداروں، تنظیموں، تینوں مسلح افواج، عدلیہ وغیرہ اور اداروں اور تنظیموں کو مکتوبات، پروفارمے ارسال کئے۔ کمیٹی نے مسلم آبادی والی تیرہ ریاستوں کا دورہ کیا اور ان ریاستوں کے لوگوں کے مختلف طبقوں، افراد، غیر حکومتی تنظیموں، نوجوانوں، دانشوروں، خواتین، چیف سکرٹری، پرنسپل سکرٹریوں، ڈائریکٹرز جنرل آف پولس اور دیگر اعلیٰ افسروں سے ملاقات اور بات چیت کی۔ ہر ریاست کے دورے کا اختتام وہاں کے وزیر اعلیٰ اور ان کے رفقاء کے ساتھ ملاقات پر ہوا۔


عرضداشت کمیٹی کو بہت سی زبانی اور تحریری پیش کی گئیں۔ ان کی تلخیص کو رپورٹ کی تیاری میں استعمال کیا گیا۔ اس ضمن میں جن ریاستوں کا جائزہ لیا گیا ان میں آندھرا پردیش، کرناٹک، اتر پردیش، راجستھان، جموں و کشمیر، آسام، مغربی بنگال، دہلی، کیرل، مدھیہ پردیش، گجرات، بہار اور مہاراشٹر شامل تھیں۔ ان کے علاوہ کمیٹی نے قتل ناڈو، جھارکھنڈ اور گلش دیپ کے دورے کا منصوبہ بھی بنایا تھا۔ لیکن قتل ناڈو کا دورہ سیلاب کی وجہ سے، گلش دیپ کا دورہ موسم کی خرابی اور جھارکھنڈ کا دورہ وہاں جاری اسمبلی کے بجٹ اجلاس کے سبب نہیں کیا جاسکا۔

کمیٹی اس امر پر متفق تھی کہ پندرہ مہینوں کی معینہ مدت کے اختتام پر یعنی 8 جون 2006 تک رپورٹ پیش کر دی جائے۔ لیکن اسے بعض ناقابل عبور حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ جون 2005 میں کمیٹی نے پروگراموں پر عمل درآمد اور شماریات سے متعلق وزارت (Ministry of Programme Implementation and Statistics) پر مبنی این ایس ایس او کے متعلقہ اعداد و شمار طلب کئے گئے تھے۔ توقع تھی کہ یہ اعداد و شمار نومبر 2005 تک دستیاب ہو جائیں گے۔ اگرچہ اس وزارت نے ہمیں یہ معلومات جلد از جلد فراہم کرنے کی کوشش کی مگر شاید اس کام کی وسعت کی وجہ سے یہ اعداد و شمار ہمیں مئی 2005 تک بھی فراہم نہیں کئے جاسکے۔ یہی صورت آری آئی، این اے بی اے آر ڈی، این بی سی ایف ڈی سی اور دیگر اہم تنظیموں کے ذریعے فراہم کئے جانے والے اعداد و شمار کے ساتھ بھی پیش آئی۔ کئی ریاستوں سے اہم اعداد و شمار وقت پر موصول نہیں ہوئے۔ کمیٹی کو محسوس ہوا کہ اس طرح اس کی رپورٹ اس نکتہ چینی کا نشانہ بنائی جاسکتی ہے کہ یہ پرانے یا ناکافی اعداد و شمار پر مبنی ہے۔ اسے یہ بھی احساس تھا کہ 23 اکتوبر تک ماہ رمضان کے روزے چلے گئے جس کے بعد عید الفطر پڑے گی اور اس سب


کے درمیان دیپولی ہوگی جس سے اس کے کام میں حرج ہوگا۔ لہذا کمیٹی کی سفارش پر آپ نے کمیٹی کی مدت کار میں 30 نومبر 2006 تک توسیع کرنے کی مہربانی فرمائی۔ ہم مرکزی اور ریاستی حکومتوں کے مختلف محکموں، ریزرو بینک آف انڈیا، این ایس ایس او اور دیگر تنظیموں کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے اس رپورٹ کی تیاری کے سلسلے میں درکار معلومات فراہم کر کے ہمارے ساتھ تعاون کیا۔ ہم ڈاکٹر سید ظفر محمود، جنہیں آپ نے افسر برائے امور خاص مقرر فرمایا تھا اور ان کی ٹیم کے ذریعے کمیٹی کو فراہم کی گئی اعلیٰ درجے کی انتظامی اور دیگر خصوصی معاونت کے لئے بھی اظہار تحسین کرتے ہیں۔

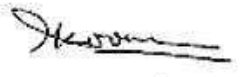
کمیٹی کو دستیاب کتابوں، عوامی عرضداشتوں اور دیگر مواد کے بارے میں سفارش کی جاتی ہے کہ انہیں نمبر و میموریل انمبریری، تین مورتی بھون، نئی دہلی میں منتقل کر دیا جائے جہاں یہ حکومت اور لوگوں کے لئے حسب ضرورت فراہم رہیں۔ آپ کو یہ رپورٹ پیش کرتے ہوئے ہمیں بڑی مسرت ہو رہی ہے۔

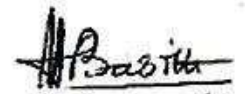
بہ صد خلوص و احترام
نیاز کیش

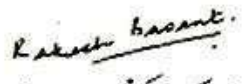

(راجندر چندر)
چیئر پرسن

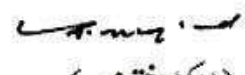
اراکین

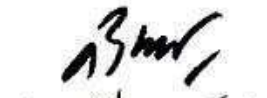

(سید حامد)


(ڈاکٹر انورگ)


(ایم اے باسٹ)


(ڈاکٹر راکیش بسنت)


(ڈاکٹر اختر مجید)


(ڈاکٹر ابوصالح شریف)

ممبر سکرٹری

حکومت ہند
دفتر وزیر اعظم
نئی دہلی

۱۹ مارچ ۲۰۰۵

نوٹیفکیشن

موضوع: ہندوستان کے مسلمانوں کی سماجی و اقتصادی اور تعلیمی حالت کے بارے میں ایک رپورٹ تیار کرنے سے متعلق اعلیٰ سطحی کمیٹی کی تشکیل۔

اس بات کے پیش نظر کہ ہندوستان کے مسلم فرقے کی سماجی، اقتصادی اور تعلیمی حالت کے بارے میں معتبر معلومات دستیاب نہیں ہیں اس فرقے کی سماجی و اقتصادی پسماندگی سے متعلق امور سے نمٹنے کے لئے خصوصی اقدامات، پالیسیاں اور پروگرام کی منصوبہ سازی، تشکیل اور عمل درآمد کے آڑے آتی ہے، حکومت نے مذکورہ امور کا احاطہ کرنے والی ایک جامع رپورٹ تیار کرنے کے لئے ایک اعلیٰ سطحی کمیٹی تشکیل دی ہے۔

2- کمیٹی کی ساخت حسب ذیل ہوگی:

- | | |
|-------------|-------------------------|
| چئیر پرسن | (1) جنٹلمن راجندر پتھر |
| رکن | (2) جناب سید حامد |
| رکن | (3) ڈاکٹر فی کے او مین |
| رکن | (4) جناب ایم اے باسط |
| رکن | (5) ڈاکٹر راکیش سنہت |
| رکن | (6) ڈاکٹر اختر مجید |
| ممبر سکرٹری | (7) ڈاکٹر ابو صالح شریف |

3- اس اعلیٰ سطحی کمیٹی (ایچ ایل سی) کا دائرہ کار حسب ذیل ہوگا:

(1) یہ کمیٹی ہندوستان کے مسلمانوں کی سماجی، اقتصادی اور تعلیمی حالت کے بارے میں ایک رپورٹ تیار کرے گی۔ کمیٹی یہ رپورٹ اس نوٹیفکیشن کی تاریخ کے پندرہ ماہ کے اندر مکمل کر کے پیش کرے گی۔

(2) یہ کمیٹی مندرجہ ذیل امور انجام دینے پر خصوصی توجہ دے گی:

(a) مرکزی اور ریاستی حکومتوں کے محکموں/ ایجنسیوں سے متعلقہ معلومات حاصل کرنا اور اس کے ساتھ ہی متعلقہ لٹریچر کا گہرا اور وسیع جائزہ لے کر ریاستی، علاقائی اور ضلعی سطحوں پر ہندوستانی مسلمانوں کی تعلیمی سماجی، اقتصادی اور تعلیمی حالت سے متعلق شائع شدہ اعداد و شمار، مضامین اور تحقیق کی نشان دہی کرنا تاکہ مندرجہ ذیل سوالات پر غور کیا جاسکے:

- بیشتر ہندوستانی مسلمان کن ریاستوں، علاقوں، اضلاع اور بلاکوں میں رہتے ہیں؟
- ان کی اقتصادی سرگرمی کا جغرافیائی قرینہ کیا ہے یعنی وہ مختلف ریاستوں، علاقوں اور اضلاع میں گزربسر کے لئے کیا کرتے ہیں؟
- مختلف ریاستوں اور علاقوں میں، دیگر گروپوں کے مقابلے میں ان کے اثاثوں کی بنیادیں اور آمدنی کی سطحیں کیا ہیں؟
- خواہدگی کی شرح، ترک تعلیم کی شرح، ایم ایم آر، آئی ایم آر وغیرہ اشاریوں کے لحاظ سے ان کی سماجی و اقتصادی ترقی کی سطح کیا ہے۔ یہ سطح مختلف

- (v) سرکاری اور نجی زمرے کے روزگار میں ان کا تقابلی حصہ کتنا ہے؟ کیا مختلف ریاستوں میں اس میں فرق پایا جاتا ہے اور اس فرق کا قرینہ کیا ہے؟ کیا مختلف ریاستوں میں روزگار میں ان کا حصہ آبادی میں ان کے تناسب کے مطابق ہے؟ اگر نہیں تو اس میں رکاوٹیں کیا ہیں؟
- (vi) مختلف ریاستوں میں، دیگر پسماندہ طبقوں (اوپر سی) کی مجموعی آبادی میں، مسلمانوں کی اوپری سی آبادی کا کیا تناسب ہے؟ کیا مسلم اوپری سی، قومی اور ریاستی پسماندہ طبقات کمیٹیوں کی تیار کردہ اور مرکزی ریاستی حکومتوں کے ذریعے مختلف مقاصد کے تحت ریزرویشن کے لئے منظور کردہ جامع اوپری سی فہرست میں شامل ہیں؟ مختلف برسوں کے دوران، مرکز اور مختلف ریاستوں میں، اوپری سی سے متعلق سرکاری زمرے کے فراہم کردہ روزگار میں مسلم اوپری سی کا کیا حصہ رہا ہے؟
- (vii) کیا مسلم فرقے کو تعلیم اور صحت خدمات، میونسپل سہولتوں، بینک قرضوں اور حکومت/سرکاری زمرے کے اداروں کے ذریعے فراہم کردہ دیگر سہولتوں تک رسائی حاصل ہے؟ یہ رسائی مختلف ریاستوں میں دیگر فرقوں کو حاصل رسائی کے مقابلے میں کہاں ٹھہرتی ہے؟ کثیر مسلم آبادی والے علاقوں میں سماجی بنیادی ڈھانچے (اسکول، صحت مراکز، آبی ذی اہلی مراکز وغیرہ) کی سطح مختلف ریاستوں میں ان سہولتوں کی عمومی سطح کے مقابلے میں کیسی ہے؟
- (b) مسلم فرقے کی سماجی، اقتصادی اور تعلیمی حالت سے متعلق امور سے منسلک کی غرض سے حکومت کے ذریعے کئے جانے والے اقدامات کے دائروں کی نشان دہی کرنے کے لئے مذکورہ بالا معلومات/الٹریچ کو جمع کرنا اور اس کا تقابل اور تجزیہ کرنا۔

4- مذکورہ اعلیٰ سطحی کمیٹی کو اس کے کام میں آسانی پیدا کرنے کے لئے اعداد و شمار اور معلومات کی بروقت فراہمی کو یقینی بنانے کی غرض سے حکومت کے ماتحت تمام وزارتوں/تھکنوں اور دیگر اداروں کے ذریعے تمام ممکنہ مدد فراہم کی جائے گی۔

5- یہ اعلیٰ سطحی کمیٹی اپنے اجلاسوں میں خصوصی مدعو (مدعوین) کے طور پر کسی بھی ایسے شخص (اشخاص) کو شریک کر سکتی ہے جسے/جنہیں وہ اس مقصد کے لئے مناسب تصور کرے۔

6- یہ اعلیٰ سطحی کمیٹی کا بینہ سکرٹریٹ کے ماتحت ہوگی اور کا بینہ سکرٹریٹ O.M. No. 105/1/1/75-CF مورخہ 20 نومبر 1975 کی تعریف اور وضاحت کے دائرے میں آئے گی۔

7- کمیٹی کا چیئر پرسن اعزازی حیثیت سے کام کرے گا۔ تاہم اسے ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کے لئے منظور شدہ آمدورفت کی سہولت اور سفر کی سہولتیں/الاؤنس فراہم کئے جائیں گے۔

8- کمیٹی کو درکار دفتر کی جگہ، ضروری ساز و سامان اور سکرٹریٹ/دیگر عملہ فراہم کیا جائے گا۔ کمیٹی کی مدت کار کے دوران ایک افسر جس کا عہدہ حکومت ہند میں ڈائریکٹر کے عہدے سے کم نہ ہو، اس سے منسلک رہے گا۔ کمیٹی کی سفارش پر، کا بینہ سکرٹریٹ اعداد و شمار جمع کرنے اور ان کا تقابل اور تجزیہ کرنے جیسے خصوصی تکنیکی کام انجام دینے کے لئے منظور شدہ رہنما خطوط کے مطابق مقررہ مدت کے لئے مشیروں کا تقرر کر سکتی ہے۔ کمیٹی کے چیئر پرسن کو فراہم آمدورفت اور سفر خرچ اور الاؤنس کی سہولتوں/الاؤنس، کمیٹی کے اجلاسوں، سکرٹریٹ کے کام کاج، مشیروں کی فیس، کمیٹی کے اراکین کے ٹی اے/ڈی اے (حکومت ہند کے اعلیٰ ترین زمرے کے گریڈ 1 افسروں کے لئے منظور شدہ) اور کمیٹی کے کام سے متعلق سفر کے لئے مشیروں کے ٹی اے/ڈی اے وغیرہ پر ہونے والے مصارف، کا بینہ سکرٹریٹ کے ذریعے برداشت کئے جائیں گے۔

سندھ

(ٹی کے اے ہیر)

وزیر اعظم کے پرنسپل سکرٹری

نقل برائے اراکین، اعلیٰ سطحی کمیٹی (منسلک فہرست کے مطابق)

Sanjaymitra

(بچے مترا)

وزیر اعظم کے جوائنٹ سکرٹری

مشمولات

| | |
|-----|---|
| IV | وزیر اعظم کے نام مکتوب |
| VI | حکومت ہند کا نوٹیفکیشن |
| XII | پیش لفظ |
| XIV | اظہار تشکر |
| XVI | گلو زری |
| 1 | 1- سیاق، طریق مطالعہ اور منہاجیات |
| 1 | 1- آئینیں اور ترقی |
| 2 | 2- کمیٹی کا دائرہ کار |
| 3 | 3- طریق مطالعہ اور منہاجیات |
| 7 | 4- رپورٹ کی ساخت |
| 8 | 2- عوامی محسوسات اور تناظرات |
| 8 | 1- پس منظر |
| 10 | 2- تشخیص سے متعلق امور |
| 12 | 3- تحفظ سے متعلق امور |
| 14 | 4- مساویانہ انصاف سے متعلق امور |
| 28 | 5- برائے اقتصامیہ |
| 27 | 3- مسلمانوں کی آبادی، تقسیم آبادی اور صحت کی صورت حال |
| 27 | 1- تعارف |
| 28 | 2- آبادی کا حجم اور اضافہ |

| | | |
|----|--------------------------------|----|
| 29 | آبادی کی علاقائی تقسیم | -3 |
| 31 | آبادی میں صنف اور عمر کا تناسب | -4 |
| 35 | شہری آبادی | -5 |
| 35 | آبادی میں تبدیلی کا عمل | -6 |
| 42 | بچوں کی غذا | -7 |
| 44 | آبادی میں اضافے کے امکانات | -8 |

48 4- مسلمانوں کی تعلیمی حالت

| | | |
|----|--|-----|
| 47 | تعارف | -1 |
| 40 | تعلیم یابی کے اشاریے | -2 |
| 51 | نواندگی کی سطحیں | -3 |
| 54 | داخلوں کی شرح اور اسکولی تعلیم کی اوسط عمر | -4 |
| 57 | تعلیم یابی میں تفریق: اسکولی تعلیم | -5 |
| 61 | تعلیم یابی میں تفریق: اعلیٰ تعلیم | -6 |
| 69 | تعلیم یابی کے مثبت اور منفی عوامل | -7 |
| 72 | تعلیمی اداروں کا انتخاب: مدارس کا معاملہ | -8 |
| 75 | تعلیم یابی اور زبان کا معاملہ | -9 |
| 77 | چند اختتامی معروضات | -10 |

83 5- معیشت اور روزگار: مسلمانوں کی صورت حال

| | | |
|-----|---|----|
| 83 | تعارف | -1 |
| 84 | اعداد و شمار اور منہاجیات | -2 |
| 84 | کارکن۔ شرح آبادی اور روزگار کی شرح | -3 |
| 87 | سرگرمی کی نوعیت کے مطابق کارکنوں کی تقسیم | -4 |
| 90 | کاروبار کی نوعیت اور کام کی جگہ کے مطابق کارکنوں کی تعداد | -5 |
| 93 | صنعتی زمروں کے مطابق کارکنوں کی تعداد | -6 |
| 98 | پیشوں کی نوعیت کے مطابق کارکنوں کی تعداد | -7 |
| 99 | آمدنی اور روزگار کے تحفظ کی صورتیں | -8 |
| 101 | روزگار کے حالات میں ریاست وار فرق | -9 |

| | |
|------------|--|
| 101 | 10- 1990 کی دہائی سے روزگار کے حالات میں تبدیلی کا قرینہ |
| 102 | 11- حاصل |
| 120 | 6- بینک قرضوں تک رسائی |
| 120 | 1- تعارف |
| 121 | 2- شیڈولڈ کمرشل بینکوں کے پی ایس اے |
| 129 | 3- انفرادی جمع رقوم |
| 130 | 4- دیگر خصوصی بینکنگ ادارے |
| 132 | 5- حاصل |
| 135 | 7- سماجی اور مادی سہولتوں تک رسائی |
| 135 | 1- آفتابیں اور ترقی |
| 137 | 2- دیہی سہولتیں |
| 141 | 3- گذر بسر کے حالات |
| 144 | 4- مخصوص مطالعے اور مشاہدات |
| 145 | 5- نتائج کا خلاصہ |
| 146 | 8- غربی، استعمال اشیا اور معیار زندگی |
| 146 | 1- تعارف |
| 147 | 2- استعمالی مصارف کی سطحوں کا فرق |
| 150 | 3- غربی کے تخمینے اور مختلف طبقوں کے درمیان فرق |
| 156 | 4- حاصل |
| 159 | 9- سرکاری ملازمتیں اور پروگرام |
| 159 | 1- تعارف |
| 160 | 2- سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کا حصہ |
| 170 | 3- پروگرام |
| 181 | 4- اختتامی معروضات |
| 186 | 10- مسلم اوبی سی اور مثبت اقدام |
| 186 | 1- تعارف |
| 187 | 2- دیگر پسماندہ طبقات کی اصطلاح کا آغاز |

| | | |
|-----|--|----|
| 109 | مسلم اوبلیٹی: تعارفی خاکہ | -3 |
| 191 | مسلم اوبلیٹی کے لئے مثبت اقدام کے طریقے | -4 |
| 196 | ریاستی اور مرکزی اوبلیٹی فہرست میں نام شامل مسلم اوبلیٹی | -5 |
| 198 | عملی صورت حال | -6 |
| 208 | انتظامی معروضات | -7 |

213 -11 مسلم مساعی کی حوصلہ افزائی: اوقاف کا معاملہ

| | | |
|-----|--|----|
| 218 | تعارف | -1 |
| 214 | ہندوستان میں وقف اثاثوں کے اقتصادی امکانات | -2 |
| 215 | اوقاف کے مقاصد کی تکمیل میں رکاوٹیں | -3 |
| 223 | مسائل کا حل: چند سفارشات | -4 |
| 230 | ماحصل | -5 |

232 -12 فکر آئندہ: تناظرات اور سفارشات

| | | |
|-----|-----------------------------------|----|
| 232 | سیاق | -1 |
| 233 | عمومی پالیسی اقدامات اور طریق کار | -2 |
| 239 | خصوصی پالیسی اقدامات | -3 |
| 255 | کمیشنڈ پیپر | |
| 257 | حوالے | |
| 259 | تکنیکی وضاحتیں | |
| 265 | ضمیمے | |
| 403 | کمیشن، کنسلٹینٹ اور سکرٹریٹ | |

پیش لفظ

9 مارچ 2005 کو، دفتر وزیراعظم (پی ایم او) نے ہندوستان کے مسلمانوں کی سماجی، اقتصادی اور تعلیمی حالت کے بارے میں رپورٹ تیار کرنے کے لئے ایک اعلیٰ سطحی کمیٹی تشکیل دینے سے متعلق ایک نوٹیفکیشن جاری کیا تھا۔

یہ کمیٹی اقتصادیات، سماجیات، تعلیم، آبادیات، پبلک اینڈ منسٹریشن، ترقیاتی منصوبہ بندی اور پروگرام عمل درآمد کے شعبوں کے معروف ماہرین پر مشتمل ایک آزاد جماعت ہے۔ اسے اعداد و شمار جمع کرنے اور ان کے تقابلی اور تجزیے کے بعد ایک رپورٹ تیار کرنے اور وزیراعظم کو پیش کرنے کی ذمہ داری دی گئی ہے۔

کمیٹی کی درخواست کے جواب میں، مرکزی اور ریاستی حکومتوں کے مختلف محکموں سے معلومات موصول ہوئی۔ اسی جیسے فارمیٹ میں مسلم افواج سمیت دیگر تنظیموں سے بھی معلومات طلب کی گئی۔ اس کا بے ضرر سا مقصد یہ معلوم کرنا تھا کہ کیا بعض محکموں یا دیگر شعبوں میں مسلمانوں کی نمائندگی کم ہے اور اس کے اسباب کیا ہیں، تاکہ حکومت تدارکی اقدامات کر سکے۔ یہ طریق کار پھوٹ ڈالنے والا نہیں بلکہ مثبت ہے اور حکومت کے عمل کے منصفانہ ہونے کے بارے میں، اعتماد پیدا کرنے کا عزم رکھنے والے، غیر جانب دارانہ اور باپروانظمنسق کی لازمی ضرورت ہے۔ ایسی معلومات کو زیر نظر لائے بغیر، حکومت کے لئے اپنے نیک ارادوں کے باوجود کوئی تدارکی اقدام کرنے میں دشواری آسکتی ہے۔ کمیٹی کو بحریہ اور فضائیہ کی جانب سے اعداد و شمار موصول ہوئے۔ تاہم وزارت دفاع نے کمیٹی کو مطلع کیا کہ اس کے لئے بڑی فوج سے متعلق اعداد و شمار فراہم کرنا ممکن نہیں۔ اس نے کمیٹی سے یہ درخواست بھی کی کہ بحریہ اور فضائیہ کے فراہم کردہ اعداد و شمار کا استعمال نہ کیا جائے۔ لہذا کمیٹی نے اس رپورٹ میں مسلح افواج کے فراہم کردہ اعداد و شمار کا استعمال نہیں کیا ہے۔

خواتین کے حلقوں سے کمیٹی کے تعاملات کے دوران، ان میں سے بعض نے پوری سنجیدگی سے یہ شکایت کی کہ کمیٹی میں کوئی خاتون رکن شامل نہیں ہے۔ کمیٹی نے اس کمی کو پورا کرنے کے لئے، ریاستوں میں اپنے دوروں کے موقع پر، خواتین کی تنظیموں کے ساتھ آدھے دن کے اجلاس منعقد کئے۔ اس کے علاوہ، خاتون سماجی کارکنوں نے بڑی تعداد میں تمام گروپوں کے ساتھ ہونے والے اجلاسوں میں شرکت کی اور بے باکی کے ساتھ اور کھل کر اپنا نقطہ نظر اور اندیشے ظاہر کئے۔ تعلیم، طبی سہولتوں، آنگن واڑی

وغیرہ امور سے متعلق ان کی فراہم کردہ معلومات نہایت مرکوز اور مبنی بر مطلب تھی۔ کمیٹی نے جولائی 2006 میں، دہلی میں، ملک کے مختلف حصوں کی خواتین کا ایک ایک روزہ خصوصی اجلاس بھی منعقد کیا۔

ایک اور معاملہ جس پر کمیٹی کے سامنے زور دیا گیا یہ تھا کہ کثیر مسلم ووٹروں والے کئی پارلیمانی اور اسمبلی حلقوں کو ایس سی (درج فہرست ذاتوں) کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے جب کہ وہاں ایس سی لوگوں کی آبادی زیادہ نہیں ہے۔ اس کے برعکس نسبتاً کم مسلم ووٹروں والے حلقوں کو غیر مخصوص رکھا گیا ہے حالانکہ وہاں ایس سی ووٹروں کی آبادی اچھی خاصی ہے۔ کمیٹی سے کہا گیا کہ یہ زیادہ منصفانہ ہوگا کہ ایس سی ووٹروں کی زیادہ تعداد والے حلقوں کو مخصوص کیا جائے نہ کہ ان حلقوں کو جہاں ان کی تعداد کم ہے اور ان کے بجائے مسلم آبادی زیادہ ہے۔ (دیکھئے دوسرا باب)

یہ معاملہ حد بندی کمیشن کے دائرہ اختیار میں آتا ہے۔ کمیٹی کو توقع ہے کہ اسے حکومت کی فوری توجہ حاصل ہوگی کیوں کہ حد بندی کمیشن ان دنوں اسی کام میں مصروف ہے اور ظاہر ہے کہ اس کے ذریعے جو بھی تجویز پیش ہوگی یا کارروائی کی جائے گی وہ موجودہ حد بندی کمیشن کی رواں مدت کے دوران ہی کی جائے گی۔

میں کمیٹی میں شامل اپنے تمام رفقاء کے کار کا حد درجہ شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اپنی بھاری مصروفیات کے باوجود اس رپورٹ کی تیاری میں بھرپور شرکت کی اور تعاون کیا۔

راجندر چجر

چیئر پرسن

اظہار تشکر

اس رپورٹ کو تحریر میں لانا نہایت صبر آزما کام تھا۔ مگر ملک اور بیرون ملک کے بہت سے اہل علم و تحقیق اور باخبر افراد کی پر خلوص اور انتھک کوششوں نے اسے ممکن کر دیا۔ کمیٹی ان تمام حضرات کے بیش قیمت عطیات کے لئے اپنی انتہائی ممنونیت کا اظہار کرتی ہے۔ کئی اداروں نے ہمیں مسلسل تعاون دیا، اعداد و شمار تک رسائی میں ہماری مدد کی اور ہندوستانی مسلمانوں سے متعلق امور پر کھل کر تفصیلی گفتگو میں حصہ لیا۔ نیشنل سیمپل سروے آرگنائزیشن، انڈین سینسس کے رجسٹرار جنرل کے دفتر، ریزرو بینک آف انڈیا، این سی اے ای آر اور این سی ای آر ٹی نے ہمیں اپنے بیش قیمت اعداد و شمار میں شریک کیا۔ ان نہایت اہم اعداد و شمار کے بغیر ہماری رپورٹ واقعی نامکمل رہ جاتی۔

کمیٹی کے مختلف ریاستوں کے دورے، ان ریاستوں کے وزرائے اعلیٰ، چیف سکریٹریوں اور دیگر اعلیٰ حکام کے زبردست تعاون کے سبب ممکن ہو سکے۔ کمیٹی کے قیام کے دوران ملنے والی مدد اور میزبانی کے لئے اور ساتھ ہی مختلف محکموں کے اعداد و شمار فراہم کرانے کے لئے ان کا بہت بہت شکریہ۔ ریاستوں کے ان دوروں میں، لوگوں کے پر جوش رد عمل اور مسلم فرقے سے متعلق امور کے سلسلے میں ان کے بصیرت آفریں تجزیوں اور کمیٹی کو پیش کئے گئے معروضات کی صورت میں ان کے بیش قیمت تعاون نے اس رپورٹ کو ایک سیاق فراہم کرنے میں بے انتہا مدد دی۔ مسلمانوں کو درپیش بہت سے امور کی لطیف باریکیوں کا اظہار کرنے والی یہ آوازیں نہایت بیش قیمت رہی ہیں۔ یہ باریکیاں بصورت دیگر محض اعداد و شمار سے گذرتے ہوئے ان دیکھی رہ جاتیں۔

پروفیسر عرفان حبیب، پروفیسر ائل دیواللیکر، ڈاکٹر جیمول اُنی، پروفیسر پی ایم کلکرنی، محترمہ فرح نقوی، محترمہ نجی وزیری اور پروفیسر ایبتا تھ کنڈو، اپنے بے گریز تعاون کے لئے خصوصی تذکرے کے مستحق ہیں۔ ڈاکٹر عذرا رزاق، جناب کے اے صدیقی، ڈاکٹر ذاکر حسین، جناب تنویر فضل، جناب مہتاب اعظم، محترمہ کاویری گانگولی، جناب پربیر گھوش، جناب رمیشن چیلان، ڈاکٹر بی جاگی رمن، جناب الیاس پاشا، محترمہ روحینہ خورشید، محترمہ آدیتی نندی، جناب اکھا کبھری ماؤ، جناب راکیش شریواستوا اور محترمہ روپندر

کور نے اعلیٰ درجے کا علمی اور تحقیقی تعاون اور تکنیکی مدد فراہم کی جس کے بغیر یہ شواہد پر مبنی رپورٹ وجود میں نہ آ پاتی۔ اس کے علاوہ پروفیسر راج موہنی سیٹھی، پروفیسر احمد اللہ خاں، پروفیسر اے جی محمد رحمت اللہ، پروفیسر اقبال انصاری، پروفیسر نجمہ اختر اور محترمہ شیباور گیز نے بھی علمی تعاون فراہم کیا۔ ہم ان کی لگن اور منظم مساعی کے لئے ہدیہ تحسین پیش کرتے ہیں۔

کمیٹی کے زیر اہتمام مشاورتی اجلاسوں میں بہت سی کثیر المقاصد تنظیموں، غیر حکومتی تنظیموں (این جی او) اور افراد نے ہمیں مسلمانوں کے درمیان کام کرنے کے اپنے تجربات میں شریک کیا۔ ہم بطور خاص یونیسف، ڈی ایف آئی ڈی، عالمی بینک، سی اے پی اے آر ٹی، آغا خاں فاؤنڈیشن، اوائکس ایف اے ایم، کیئر انڈیا، فورڈ فاؤنڈیشن، سی ایس ڈی ایس، سی آر وائی، انڈین سوشل انسٹی ٹیوٹ، ایکشن ایڈ، پرتھم، ایس ای ڈبلاو اے (سیوا) اور یو این ڈی پی کی سرگرم شرکت کے لئے شکر گزار ہیں۔ ہم سارے ملک کے ان ممتاز مسلمانوں کے بھی ممنون ہیں جنہوں نے مسلمانوں کو درپیش بہت سے مسائل کی جانب توجہ مبذول کرائی۔

اعلیٰ سطحی کمیٹی سے وابستہ ایچ، ایل سی کے تمام مشیروں اور تحقیقی و انتظامی عملے کے پیش قیمت تعاون کے بغیر یہ رپورٹ واقعی ممکن نہ ہو پاتی۔ ہم کمیٹی کے معاملات کو خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دینے میں کابینہ سگریٹریٹ کے تعاون اور سردار پٹیل بھون میں واقع ڈاکٹر سید ظفر محمود کی زیر سربراہی کمیٹی کے انتظامی عملے کی کوششوں کے لئے بھی اظہار تحسین کرتے ہیں۔ ڈاکٹر محمود نے بھی قابل ذکر علمی تعاون فراہم کیا۔ یونیورسٹی آف دہلی کا شکریہ بھی واجب ہے جس نے کمیٹی کو اس کی تمام ترمیمات کے دوران اپنے ایک فیکلٹی ممبر کی خدمات فراہم کیں۔

اراکین کمیٹی

گلو زری

| | |
|---|------------------|
| اسٹیج میٹ | اے سی ایچ |
| ایسٹس میٹ اینڈ مونیٹورنگ اتھارٹی | اے ایم اے |
| ایسٹس مونیٹریس اینڈ آرکیولوجیکل سائینس اینڈ ریمائنس | اے ایم اے ایس آر |
| ایگریکلچرل مارکیٹنگ کمیشنز | اے ایم سی |
| آکسیلیٹری ٹرس ملڈوائف | اے این ایم |
| آندھرا پردیش | اے پی |
| آل سیڈولیزڈ کمرشیل بینک | اے ایس سی بی |
| آرکیولوجیکل سروے آف انڈیا | اے ایس آئی |
| بہار | بی آئی ایچ |
| بیبو پارٹی لائن | بی پی ایل |
| برٹس پرومیز آفٹ سورسنگ | بی پی او |
| بارڈ ریگورٹی فورس | بی ایس ایف |
| کومن ایڈمیشن ٹیٹ | سی اے ٹی |
| کرور تھ ریٹ | سی بی آر |
| سینٹرل بورڈ آف سیکنڈری ایجوکیشن | سی بی ایس ای |
| چیف ایگزیکٹو آفیسر | سی ای او |
| سینٹرل انڈسٹریل سیکورٹی فورس | سی آئی ایس ایف |
| چیف ٹیکنگ ڈائریکٹر | سی ایم ڈی |
| کنزرویٹو پرائس انڈی کیسٹریبلر | سی پی آئی ایل |
| سینٹرل پلان اسکیمس | سی پی ایس |
| سینٹرل ریزرو پولیس فورس | سی آر پی ایف |
| سینٹرا سپورٹس ڈائریکٹریس | سی ایس ایس |
| سینٹرل وقف کمیٹی | سی ڈبلیو سی |

| | |
|------------------------------|---|
| ڈی۔ ای ڈی۔ | ڈیپلوما ان ایجوکیشن |
| ڈی بی ایل | ڈپلومیہ بیوروٹی لائن |
| ڈی ڈی اے | ڈپلومیہ پینٹ اتھارٹی |
| ڈی آر آئی پی | ڈسٹرکٹ رولر اینڈ سٹریٹس اینڈ پبلک ورکس |
| ای ای | ایگول اوپر چھوٹی کمیشن |
| ایف ایم ایس | فیکلٹی آف مینجمنٹ اسٹڈیز |
| جی اے آر ایس | گریجویٹ انٹرنیٹ ریسٹ |
| جی ڈی سی ایف (این) | گروس ڈومیسٹک کیپٹل فارمیشن (نومینل) |
| جی ڈی پی (این) | گروس ڈومیسٹک پروڈکٹس (نومینل) |
| جی ڈی پی | گروس ڈومیسٹک پروڈکٹ |
| ایچ ای آر | ہیڈ کاؤنٹ ریسٹ |
| ایچ۔ چین | ہندو جنرل |
| ایچ ایل سی | ہائی لیبل کیمنی |
| ایچ۔ او بی سی | ہندو۔ آریک ورڈ کالمیز |
| ایچ۔ ایس سی ایس / ایس ٹی ایس | ہندو۔ شیڈولڈ کاسٹس / سیڈولڈ ٹریڈس |
| ایچ۔ یو سی | ہندو۔ اپر کاسٹ |
| ایچ یو ڈی سی او | ہاؤسنگ آرین ڈیپارٹمنٹ کارپوریشن |
| آئی اے ایس | انڈین ایڈمنسٹریٹو سروس |
| آئی سی ڈی ایس | انڈین گریجویٹ جی ایم اے ڈیپارٹمنٹ سروسز |
| آئی سی ایس ایس آر | انڈین کونسل آف سوشل سائنس آر ریسرچ |
| آئی ایف ایس | انڈین فورسز سروسز |
| آئی آئی ایم | انڈین انسٹی ٹیوٹ آف مینجمنٹ |
| آئی آئی پی ایس | انڈین انسٹی ٹیوٹ آف پبلسیشن سائنسز |
| آئی آئی ٹی | انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی |
| آئی ایم آر | انٹرنیٹ مورٹگاج ریسٹ |
| آئی پی ایس | انڈین پولیس سروسز |
| آئی ٹی آئی | انڈین سٹیٹ ٹریڈنگ انسٹی ٹیوٹ |
| آئی ٹی پی او | انڈین ٹریڈ پروموشن آرگنائزیشن |
| جے اینڈ کے | جی اینڈ کیمبر |
| جبر | جبر |
| جے این این یو آر ایم | جوہر لال نہرو انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی |
| جے این وی | جوہر نوویہ ویڈیو |
| جے این وی ایس ٹی | جوہر نوویہ سلیکشن ٹیسٹ |
| جے پی سی | جوہر نوویہ پارٹنرشپ کیمنی |

| | |
|---|---------------------|
| کرناٹکا | کر |
| لیٹڈ اینڈ ڈیولپمنٹ آفیسر | ایل اینڈ ڈی او |
| لکوڈ پٹرولیم گیس | ایل پی جی |
| لوکل سیلف گورنمنٹس | ایل ایس جی |
| مہاراشٹر | مہا |
| موسٹ بیک ورڈ کلابز | ایم بی سی |
| میسری کلوٹن کمپنیز ریٹس | ایم سی آر |
| ملٹی میڈیو ڈیولپمنٹ کونسل | ایم ڈی جی |
| منجمنٹ ڈیولپمنٹ انسٹی ٹیوٹ | ایم ڈی آئی |
| مڈے سیل | ایم ڈی ایم |
| ماکرو فائیکٹیل انسٹی ٹیوٹس | ایم ایف آئی |
| میسری آف ہیومن ری سورس ڈیولپمنٹ | ایم ایچ آر ڈی |
| منجمنٹ انفارمیشن سسٹم | ایم آئی ایس |
| ممبر آف انجینئرنگ ایسوسی ایشن | ایم ایل اے |
| میٹریٹل مورٹلیٹی ریٹ | ایم ایم آر |
| مایا آر جیک سپورٹ سروسز | ایم او ایس ایس |
| ممبر آف پارلیمنٹ | ایم پی |
| منجمنٹ پراجیکٹس اینڈ ڈیولپمنٹ | ایم پی سی ای |
| مکسڈ ریفرنس پرووائڈر | ایم آر پی ایم |
| مین ایگزسٹنگ اسکولنگ | ایم ڈائی ایس |
| منجمنٹ بینک آف ایگریکلچرل اینڈ رورل ڈیولپمنٹ | این اے بی اے آر ڈی |
| منجمنٹ اکیڈمی آف سائنسز | این اے ایس |
| منجمنٹ بیک ورڈ کلاس فائننس ڈیولپمنٹ کارپوریشن | این بی سی ایف ڈی سی |
| منجمنٹ ڈائنامک | این بی ڈی |
| منجمنٹ کونسل آف ایڈوانسڈ ٹیکنالوجی ریسرچ | این سی اے ای آر |
| منجمنٹ بیک ورڈ کلابز کمیشن | این سی بی سی |
| منجمنٹ کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ | این سی ای آر ٹی |
| منجمنٹ سٹیٹ آف میٹریٹل | این سی ایچ ایس |
| منجمنٹ کمیشن آف مینارٹیز | این سی ایم |
| منجمنٹ کمپنیز ریٹری | این سی ٹی |
| منجمنٹ کونسل آف ٹیچر ایجوکیشن | این سی ٹی ای |
| منجمنٹ فیملی ہیلتھ سروس | این ایف ایچ ایس |
| نان گورنمنٹ آرگنائزیشن | این جی او |
| منجمنٹ ہیومن ریسورس کمیشن | این ایچ آر سی |

| | |
|---|---------------------|
| نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشنل پلاننگ اینڈ ایڈمنسٹریشن | این آئی ای پی اے |
| نیشنل ایملیٹیشن اینڈ مونیٹرنگ کمیٹی | این آئی ای پی سی |
| نیشنل مائیکرو ڈیولپمنٹ اینڈ فائنانس کارپوریشن | این ایم ڈی ایف سی |
| نیشنل پالیسی آف ایجوکیشن | این پی ای |
| نیشنل سوشل اسسٹنٹ پروگرام | این ایس اے پی |
| نیشنل سہیل سروے آرگنائزیشن | این ایس ایس او |
| نوو دیہہ دیالیاز | این وی ایس |
| اور بیک ورڈ کلاس | او بی سی |
| آپریشن ریسرچ گروپ | او آر جی |
| پوسٹ گریجویٹ | پی۔ جی۔ |
| پرائیویٹ اینڈ پبلک | پی ایف |
| ڈاکٹر آف فلاسفی | پھو۔ ڈی |
| پرائمری اینڈ جگ انسٹی ٹیوٹ | پی ایل آئی |
| پرائمری انسٹرکشن | پی ایم او |
| پاپولوشن | پوپ |
| پرائیویٹ سیکورٹری | پی آر ایس بی |
| پرائیویٹ سیکورٹری وائس | پی ایس اے |
| پبلک سیکورٹری اینڈ جگ | پی ایس یو |
| پری یونیورسٹی کالج | پی یو سی |
| پبلک سیکورٹری | پی یو ایس بی |
| ریزرو بینک آف انڈیا | آر بی آئی |
| ریٹ کنٹرول ایکٹ | آر سی اے |
| ریور اینڈ سٹیبل کلسٹر اسٹیمس | آر آئی سی |
| ریس ریٹینشن ایکٹ | آر آر اے |
| ریجنل ریور بینک | آر آر بی |
| شیڈولڈ کاسٹ | ایس سی |
| شیڈولڈ کاسٹس | ایس سی ایس |
| اسٹیٹ جینی لائزنگ ایجنسی | ایس سی اے |
| شیڈولڈ کمرشیل بینک | ایس سی بی |
| سوشل اینڈ ایجوکیشنل بیک ورڈ کلاسز | ایس ای پی سی |
| سیاف سیلپ گروپ | ایس ایچ جی |
| اسمال اینڈ میڈی ڈیولپمنٹ بینک آف انڈیا | ایس آئی ڈی پی آئی |
| سورنامینی سہاری روزگار یونین | ایس آئی ایس آر وائی |
| اسٹیٹ لیول بینکرس کمیٹی | ایس ایل بی سی |

| | |
|---|----------------------|
| اسٹیٹ پبلک سروس کمیشن | ایس پی ایس سی |
| سوسیور پیپینس کمیٹری | ایس آر سی |
| سرو اسکٹا اابھیان | ایس ایس اے |
| ساشرتا سیمان | ایس ایس بی |
| اسمال اسکیل انڈسٹری | ایس ایس آئی |
| شیڈولڈ ٹرائب | ایس ٹی |
| شیڈولڈ ٹرائبس | ایس ٹی ایس |
| ٹرائب کلائز | ٹی بی |
| ٹوٹل فرملائزری ریٹ | ٹی ایف آر |
| انڈر گریجویٹ | یو۔ جی۔ |
| انڈرفائیونٹیلی ریٹ | یو 15 ایم آر |
| یونیورسٹی گرانٹ کمیشن | یو جی سی |
| یونائیٹڈ نیشن ایجوکیشنل سائنٹفک اینڈ ٹیچر آرگنائیزیشن | یو این ای ایس سی او |
| یونائیٹڈ نیشن چلڈرنس فنڈ | یو این آئی سی ای ایف |
| ایئر پورٹس | یو پی |
| یونین پبلک سروس کمیشن | یو پی ایس سی |
| ان امپلائمنٹ ریٹ | یو آر |
| یونیفارم ریفرنس پرووائڈ | یو آر پی |
| یونین ٹریڈی | یو ٹی |
| ورلڈ ہیلتھ آرگنائیزیشن | ڈبلیو ایچ او |
| ورک پارٹی ریٹرائیڈیشن ریٹ | ڈبلیو پی آر |
| ایکسیور لیبر ریلیشن انسٹی ٹیوٹ | ایکس ایل آر آئی |

سیاق، طریق مطالعہ اور منہاجیات

1- اقلیتیں اور ترقی

ہندوستان کا آئین شہریوں کے درمیان مساوات اور اقلیتوں کی زبان، مذہب اور ثقافت سے متعلق حقوق کے تحفظ اور بقا، اور انہیں یقینی بنانے کے بارے میں ریاست کی ذمہ داری کے اصول کا پابند ہے۔ اس لیے ہمارے قومی رہنماؤں نے آئین وضع کرتے ہوئے کثرت میں وحدت کے اصول پر زور دیا تھا۔

قومی، نسلی، مذہبی اور لسانی اقلیتوں کے لوگوں کے حقوق سے متعلق اقوام متحدہ کے اعلامیے میں کہا گیا ہے کہ ان اقلیتوں کے لوگوں کے حقوق کے فروغ اور تحفظ سے ان ملکوں کے سیاسی اور سماجی استحکام میں مدد ملتی ہے جہاں یہ اقلیتیں رہتی ہیں۔ ان لوگوں کی امنگوں اور آرزوؤں کو پورا کرنا اور ان کے حقوق کو یقینی بنانا تمام شہریوں کے وقار اور مساوی حیثیت کو تسلیم کرنا ہے اور اس سے اشتراک و تعاون پر مبنی ترقیاتی عمل کو فروغ ملتا ہے۔ اس سے مختلف گروہوں اور افراد کے درمیان کشیدگی بھی کم ہوتی ہے۔ یہی عوامل استحکام اور امن کے بھی ضامن ہیں۔ تمام ترقی یافتہ اور پیشتر ترقی پذیر ملک اقلیتوں کے مفادات کی نگہداشت پر مناسب توجہ دیتے ہیں۔ لہذا کسی ریاست کے غیر جانب دار ہونے کے بارے میں اقلیتوں کے یقین و اعتماد کو اس ریاست کے منصف مزاج ہونے کا پیمانہ کہا جاسکتا ہے۔

ریاست کا غیر جانب دارانہ عمل
اس کے منصفانہ ہونے کا کلیدی
پیمانہ ہے

اقتصادی ترقی کے دوران، اگر ترقی کا عمل غیر مساویانہ ہو اور بعض گروہ یا اقلیتیں ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہ جائیں تو اس کے نتیجے میں طرح طرح کے دباؤ پیدا ہوتے ہیں اور شدت اختیار کرنے لگتے ہیں۔ مثالی صورت حال تو یہ ہے کہ ترقی کے عمل کے زیر اثر ملک کے تمام طبقوں کے درمیان اشتراک و تعاون اور باہمی احترام میں حائل اقتصادی اور سماجی رکاوٹیں ختم یا کم ہو جانی چاہئیں۔ لیکن ترقی کا عمل راہ سے بھٹک جائے تو معاملہ اس کے برعکس بھی ہو سکتا ہے۔ یہ ایک اہم پہلو ہے اور اقلیتوں میں اعتماد پیدا کرنے کے لیے اس پر غور کرنا ضروری ہے۔

آزادی کے بعد سے ہندوستان نے اہم پیش رفت کی ہے۔ اس نے غریبی کم کرنے اور خواندگی، تعلیم اور صحت جیسے اہم انسانی ترقیاتی اشاریوں کو بہتر کرنے میں بھی کامیابی حاصل کی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ایسے آثار بھی موجود ہیں کہ تمام مذہبی فرقوں اور سماجی طبقوں (جنہیں اب سماجی و مذہبی زمرہ یا ایس آر سی کہا جائے گا) کو ترقیاتی عمل کے ثمرات میں برابر کا حصہ نہیں ملا ہے۔ ان فرقوں میں مسلمان جو ملک کی سب سے بڑی اقلیت ہیں اور ملکی آبادی میں جن کا تناسب 13.4 فی صد ہے پیشتر انسانی ترقیاتی اشاریوں کے لحاظ سے حد درجہ پیچھے ہیں۔ مسلمانوں میں بڑے پیمانے پر احساس محرومی پایا جاتا ہے مگر آزادی کے بعد سے آج تک مذہبی اقلیتوں کی سماجی و اقتصادی حالت کا تجزیہ کرنے کی کوئی منظم اور

باضابطہ کوشش نہیں کی گئی ہے۔ مختلف سماجی و مذہبی طبقوں کی سماجی و اقتصادی اور تعلیمی حالت کے تجزیے کی ضرورت کے باوجود حکومت کی ایجنسیوں نے ابھی کچھ عرصہ پہلے تک ایسے کسی بھی تجزیے میں معاون ہونے والے مناسب اعداد و شمار پیش نہیں کیے تھے۔ ان سماجی و مذہبی طبقوں سے متعلق اعداد و شمار کی فراہمی کے معاملے میں ایک نمایاں تبدیلی بیسویں صدی کی آخری دہائی میں ظاہر ہوئی اور اس کی بنیاد پر ہی یہ رپورٹ ممکن ہو سکی ہے۔ زیر نظر کوشش ہندوستان کے مسلمانوں کے بارے میں اعداد و شمار پر مبنی تحقیق کی اپنے طرز کی اولین کوشش ہے۔

2- کمیٹی کا دائرہ کار

مسلمانوں میں بڑے پیمانے پر حالیہ برسوں کے دوران اقلیتوں، خاص طور پر مسلمانوں کے حالات کے بارے میں اہم اجتماعی بحث ہوتی رہی ہے۔ لیکن دست یاب اعداد و شمار کے منظم تجزیے کی عدم موجودگی میں یہ بحث بیشتر قیاسات اور لفاظی میں الجھی رہی ہے۔ توقع ہے کہ اس رپورٹ کی اشاعت سے، ان امور پر زیادہ سوچی سمجھی بحث شروع ہو سکے گی تاکہ اس سلسلے میں سرکاری پالیسی پر اثر انداز ہو جاسکے۔

مختلف حکومتوں نے ہندوستان کی اقلیتوں کی اقتصادی، سماجی اور تعلیمی ترقی کو بڑھاوا دینے کے لیے طرح طرح کی پالیسیاں وضع کی ہیں اور پروگرام جاری کیے ہیں۔ تاہم، اگرچہ مسلمانوں نے بلاشبہ کچھ ترقی ضرور کی ہے جو نظر بھی آتی ہے مگر اس کے باوجود یہ احساس برقرار ہے کہ مسلمانوں اور دیگر سماجی و مذہبی طبقوں کے درمیان اقتصادی و تعلیمی حالت کا فرق بڑھتا جا رہا ہے۔ ایک بار مسلمانوں کے اس ترقیاتی خسارے کا اندازہ کر لیا جائے تو پھر دستیاب شہادتوں کی بنیاد پر اب تک وضع کی گئی پالیسیوں پر نظر ثانی کی ضرورت پیش آئے گی اور سماجی، اقتصادی اور سیاسی دائروں میں مسلمانوں کے حاشیے پر چلے جانے کی صورت حال سے نمٹنے کے لیے نئے اقدامات کرنے ہوں گے۔

مسلمانوں میں بڑے پیمانے پر حالیہ برسوں کے دوران اقلیتوں، خاص طور پر مسلمانوں کے حالات کے بارے میں اہم اجتماعی بحث ہوتی رہی ہے۔ لیکن دست یاب اعداد و شمار کے منظم تجزیے کی عدم موجودگی میں یہ بحث بیشتر قیاسات اور لفاظی میں الجھی رہی ہے۔ توقع ہے کہ اس رپورٹ کی اشاعت سے، ان امور پر زیادہ سوچی سمجھی بحث شروع ہو سکے گی تاکہ اس سلسلے میں سرکاری پالیسی پر اثر انداز ہو جاسکے۔

مختلف حکومتوں نے ہندوستان کی اقلیتوں کی اقتصادی، سماجی اور تعلیمی ترقی کو بڑھاوا دینے کے لیے طرح طرح کی پالیسیاں وضع کی ہیں اور پروگرام جاری کیے ہیں۔ تاہم، اگرچہ مسلمانوں نے بلاشبہ کچھ ترقی ضرور کی ہے جو نظر بھی آتی ہے مگر اس کے باوجود یہ احساس برقرار ہے کہ مسلمانوں اور دیگر سماجی و مذہبی طبقوں کے درمیان اقتصادی و تعلیمی حالت کا فرق بڑھتا جا رہا ہے۔ ایک بار مسلمانوں کے اس ترقیاتی خسارے کا اندازہ کر لیا جائے تو پھر دستیاب شہادتوں کی بنیاد پر اب تک وضع کی گئی پالیسیوں پر نظر ثانی کی ضرورت پیش آئے گی اور سماجی، اقتصادی اور سیاسی دائروں میں مسلمانوں کے حاشیے پر چلے جانے کی صورت حال سے نمٹنے کے لیے نئے اقدامات کرنے ہوں گے۔

اس صورت حال کے پیش نظر وزیراعظم نے ہندوستان کے مسلم فرقے کی سماجی اقتصادی اور تعلیمی حالت پر ایک رپورٹ تیار کرنے کیلئے ایک اعلیٰ سطحی کمیٹی تشکیل دی۔ اس کا نوٹیفکیشن نمبر 850/3/C/3/05-pھ، حکومت ہند، دفتر وزیراعظم سے جاری کیا گیا۔ اس کمیٹی کے اغراض و مقاصد اور دائرہ کار مندرجہ ذیل ہیں:

(الف) مرکزی اور ریاستی حکومتوں کے محکموں، ایجنسیوں سے متعلقہ معلومات حاصل کرنا اور اس کے ساتھ ہی ریاستی، علاقائی اور ضلعی سطحوں پر، ہندوستان کے مسلمانوں کی سماجی، اقتصادی اور تعلیمی حالت کے بارے میں، شائع شدہ معلومات، مضامین اور تحقیق کی نشان دہی کے لیے تحریری مواد کا وسیع اور گہرا جائزہ لینا تاکہ مندرجہ ذیل سوالات پر غور کیا جاسکے:

- ☆ کن ریاستوں، علاقوں، ضلعوں اور بلاکوں میں ہندوستانی مسلمانوں کی آبادی سب سے زیادہ ہے؟
- ☆ ان کی اقتصادی سرگرمیوں کے جغرافیائی مظاہر کیا ہیں، یعنی وہ مختلف ریاستوں، علاقوں اور اضلاع میں گزر بسر کے لیے کیا کرتے ہیں؟
- ☆ مختلف ریاستوں اور علاقوں کے دیگر طبقوں کی نسبت سے ان کے اثاثے اور آمدنی کی صورت حال کیا ہے؟
- ☆ خواندگی کی شرح، تعلیم چھوڑنے کی شرح، ماؤں کے فوت ہونے کی شرح، نوزائیدوں کے فوت ہونے کی شرح جیسے اشاریوں کے لحاظ سے ان کی سماجی و اقتصادی ترقی کی سطح کیا ہے؟ اور یہ سطح مختلف ریاستوں کے دیگر فرقوں کے مقابلے میں کیسی ہے؟
- ☆ سرکاری اور نجی زمروں کے روزگار میں مسلمانوں کا دوسروں کی بہ نسبت کیا حصہ ہے؟ کیا یہ مختلف ریاستوں میں الگ الگ ہے اور اس فرق کا قرینہ کیا ہے؟ کیا مختلف ریاستوں میں، روزگار میں ان کا حصہ ان کی آبادی کے تناسب کے مطابق ہے؟ اگر نہیں تو اس میں کیا دشواریاں ہیں؟
- ☆ مختلف ریاستوں میں دیگر بے ماندہ طبقوں (اولیٰ سی) کی مجموعی آبادی میں مسلم فرقے کے اولیٰ سی طبقوں کا کیا تناسب ہے؟ کیا مسلم

اولیٰ ہی، پسماندہ طبقوں سے متعلق قومی و ریاستی کمیشنوں کی تیار کردہ اور مختلف مقاصد کے تحت ریزرویشن کے لیے مرکزی اور ریاستی حکومت کے ذریعے منظور شدہ، اولیٰ ہی کی جامع فہرست میں شامل ہیں؟ مختلف برسوں میں، مرکز اور مختلف ریاستوں میں اولیٰ ہی کو حاصل سرکاری زمرے کے روزگار میں مسلم اولیٰ ہی کا کیا حصہ رہا ہے؟

☆ کیا مسلم فرقے کو حکومت / سرکاری زمرے کے اداروں کے ذریعے فراہم کردہ تعلیم اور صحت خدمات، میڈیکل بنیادی سہولتوں اور بینک قرضوں تک مناسب رسائی حاصل ہے؟ مختلف ریاستوں میں دیگر فرقوں کو اس سلسلے میں حاصل رسائی کے مقابلے میں اس کی کیا نوعیت ہے؟ مسلم اقلیتی علاقوں میں دست یاب سماجی سہولتوں (اسکول، صحت مراکز، آئی سی ڈی ایس مراکز وغیرہ) کی سطح مختلف ریاستوں میں دست یاب ان سہولتوں کی عام سطح کے مقابلے میں کیسی ہے؟

(ب) مذکورہ بالا معلومات / تحریری مواد کو یکجا کرنا، تقابل اور تجزیہ کرنا تاکہ مسلم فرقے کی سماجی و اقتصادی اور تعلیمی حالت سے متعلق امور میں حکومت کی طرف سے کیے جانے والے اقدامات کے دائروں کی نشان دہی کی جاسکے۔

3- طریق مطالعہ اور منہاجیات

ساری دنیا میں، اقلیتوں کو تین قسم کے باہم مربوط معاملات سے دست و گریباں ہونا پڑتا ہے:

تشخیص کے معاملات: اقلیتوں کے سماجی و ثقافتی طور طریقوں اور تناظرات کا فرق انہیں اکثر دیگر لوگوں سے الگ کر دیتا ہے۔ ہندوستان میں شناختوں کی کثرت کی وجہ سے مختلف فرقوں کے درمیان راہ و رسم میں دشواریاں ہوتی ہیں۔

تحفظ کے معاملات:

بعض حالات میں، کوئی خاص انسانی گروہ، جس کی تعداد دیگر لوگوں کے مقابلے میں کم ہو، اپنی زندگی، املاک اور سلامتی کے بارے میں عدم تحفظ کا احساس کر سکتا ہے۔ اگر اقلیتی اور اکثریتی فرقوں کے درمیان تعلقات خوش گوار نہ ہوں تو عدم تحفظ کا یہ احساس شدید تر ہو سکتا ہے۔

مساویانہ انصاف سے متعلق امور

غیر منصفانہ سلوک کا احساس
محض خیالی ہو سکتا ہے یا اقلیت
کو 'شناخت' کے فرق کے سبب
درپیش امتیازات کا نتیجہ

کسی بھی معاشرے میں کوئی اقلیتی فرقہ اقتصادی ترقی سے پیدا ہونے والے مواقع کے شرات سے محروم ہو سکتا ہے۔ مساویانہ انصاف سے محرومی کا یہ احساس محض خیالی یا ایسی تعصب کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ جو اقلیت کو باہمی شناخت سے امتیازات سے دوچار کر دیتا ہے۔

ظاہر ہے کہ تشخیص، تحفظ اور مساویانہ انصاف سے متعلق امور تمام اقلیتوں کے لیے یکساں نہیں ہیں۔ اسی طرح مختلف شناختوں والے کسی معاشرے میں، ان میں سے بیشتر امور صرف اقلیتی فرقوں سے مخصوص نہیں ہیں اور اکثریتی فرقے کے بعض طبقات بھی ان سے دوچار ہو سکتے ہیں۔ اس وسیع تناظر کے تحت، مذکورہ زمروں کا احاطہ کرنے والے تین باہم متعلق امور کی نشان دہی کی جاسکتی ہے، جن سے ہندوستانی مسلمان دوچار ہیں:

☆ وہ امور جو تمام غریب لوگوں (مسلمان بڑی تعداد میں غریب ہیں) میں مشترک ہیں۔

☆ وہ امور جو تمام اقلیتوں میں مشترک ہیں

☆ وہ امور جو مسلمانوں سے مخصوص ہیں

مثلاً تعلیم اور روزگار کے بہت سے معاملات جن سے مسلمان خصوصی طور پر دوچار ہیں پہلے زمرے میں شامل ہو سکتے ہیں۔ اس طرح تشخیص اور تحفظ کے بعض پہلو مختلف اقلیتوں میں مشترک ہو سکتے ہیں جب کہ بعض دیگر پہلو مسلمانوں سے مخصوص ہو سکتے ہیں۔

یہ بات شروع ہی میں سمجھی جانی چاہئے کہ تشخص، تحفظ اور مساویانہ انصاف کے امور پیچیدہ انداز میں ایک دوسرے میں بیوست اور باہم مربوط ہیں۔ تاہم ان کے درمیان بہت سے باہمی رشتوں کی نشان دہی عملاً نہایت دشوار ہے۔ لہذا اس کمیٹی کے دائرہ اختیار کے تحت اسے لازمی طور پر 'مساویانہ انصاف' سے متعلق امور پر توجہ مرکوز کرنی ہے۔ لہذا ان امور کی اہم پیشگی کو تسلیم کرتے ہوئے بھی اس رپورٹ میں مساویانہ انصاف سے متعلق معاملات پر توجہ دی گئی ہے۔

3.1 تقابلی تناظر کی ضرورت۔ سماجی مذہبی زمروں کی تعریف

مذکورہ بالا موقف اور اس حقیقت کے پیش نظر کہ ہندوستانی معاشرے میں موجود تفریقات بہت سی صورتوں میں ظاہر ہوتی ہیں، کمیٹی نے مسلمانوں کی صورت حال کا تجزیہ ایک تقابلی تناظر میں کیا ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ اس تقابلی تجزیے کے لیے بھی ہمیشہ یکساں سماجی۔ مذہبی زمروں کا استعمال ممکن نہیں ہوتا کیوں مختلف ذرائع سے حاصل ہونے والے اعداد و شمار مختلف قسم کی معلومات فراہم کرتے ہیں۔ ملک کے اقتصادی، سماجی اور سیاسی شعبوں میں کارفرما ذات برادری، مذہب اور علاقے یا زبان کے امتیازات تاریخی بنیادوں پر قائم ہیں اور ان سماجی و اقتصادی رشتوں سے گہرا ربط رکھتے ہیں جن میں سے بعض رشتے صدیوں سے برقرار ہیں۔ ہندوستان کا سماجی تانابا اس سے زیادہ پیچیدہ ہے جتنا کہ عموماً سمجھا جاتا ہے اور اس کی وجہ متعدد برتوں اور خانے ہیں جن میں ہندوستانی سماج کی تقسیم و تقسیم ہوئی ہے۔

کمیٹی اپنے دائرہ کار اور دائرہ اختیار کو سامنے رکھتے ہوئے مذکورہ بالا امور پر غور کرنے کے لیے ضروری اعداد و شمار کے بارے میں فیصلہ کرنے میں آزاد تھی۔ اس کے ساتھ ہی کمیٹی نے مختلف ذرائع سے اعداد و شمار حاصل کیے اور ان کے استعمال میں خاصی ایجاد پسندی سے کام لیا۔ اس نے روزگار، ترقیاتی پروگراموں اور نگرانی کے عمل میں جمہوری حصہ داری سے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے مرکزی اور ریاستی سطحوں کے مختلف سرکاری محکموں اور اداروں کے اعداد و شمار حاصل کیے۔ اس کے علاوہ بینکوں، مالیاتی اداروں، تعلیمی اداروں اور سرکاری زمرے کے اداروں نے بھی اپنے اعداد و شمار ہمیں فراہم کیے۔ تاہم یہ رپورٹ بنیادی طور پر، بڑے پیمانے پر لیے گئے جائزوں اور مردم شماری کے اعداد و شمار کے تجزیوں پر مبنی ہے۔ ان میں نمایاں ترین حیثیت نیشنل سیکل سروسے آرگنائزیشن (این ایس ایس او) کے مختلف جائزوں کے دوران جمع کیے گئے اعداد و شمار ہیں۔ اس کے علاوہ ہم نے، نیشنل فیملی ہیلتھ سروسز (این ایف ایچ ایس) کے فراہم کردہ جائزوں اور نیشنل کونسل آف اسپلانڈ اکنامک ریسرچ (این سی ای آر ٹی) اور نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشنل پلاننگ اینڈ ایڈمنسٹریشن (این آئی ای پی اے) کے جائزوں کا بھی استعمال کیا ہے۔ مناسب اعداد و شمار اور معلومات کی دست یابی موثر پالیسی سازی کی ایک اہم بنیاد ہے۔

اعداد و شمار کے متنوع ذرائع اور اس بات کے پیش نظر کہ مسلمانوں سے متعلق مخصوص معلومات بہ آسانی دست یاب نہیں تھی، کمیٹی نے جو تجزیاتی زمرے استعمال کیے ہیں وہ اس کے اغراض و مقاصد کے تقاضوں پر مبنی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی کمیٹی نے اس بات کو بھی یقینی بنایا ہے کہ دست یاب اعداد و شمار کا بھرپور استعمال کیا جائے۔ چنانچہ اعداد و شمار کی مختلف نوعیتوں کے لیے مختلف سماجی۔ مذہبی زمرے استعمال کیے گئے ہیں۔

A ہندوستان کی مردم شماری کے اعداد و شمار

2001 کی مردم شماری کے اعداد و شمار کا استعمال مختلف سطحوں پر آبادی کی نوعیت، بنیادی سہولتوں کی فراہمی اور تعلیمی تفصیلات کی صورت حال کو سمجھنے کے لیے کیا گیا ہے۔ ان اعداد و شمار کے لیے اختیار کردہ سماجی۔ مذہبی زمرے اس طرح ہیں:

- ☆ مجموعی آبادی
- ☆ مسلمان

ہندوستان کے اقتصادی، سماجی اور سیاسی شعبوں میں کار فرما ذات برادری، مذہب اور علاقے یا زبان کے امتیازات تاریخی بنیادوں پر قائم ہیں اور ان سماجی و اقتصادی رشتوں سے گہرا ربط رکھتے ہیں جن میں سے بعض رشتے صدیوں سے برقرار ہیں

رپورٹ میں تمام سماجی، مذہبی زمروں میں 'ترقیاتی خسارہ' سے متعلق امور کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ ایس اے ساؤ، بینکوں اور حکومت کے تازہ ترین اعداد و شمار کے تازہ ترین اعداد و شمار استعمال کئے گئے ہیں

- ☆ ایس سی اور ایس ٹی
- ☆ دیگر قلمیتیں (غیر مسلم قلمیتیں اور وہ قلمیتیں جنہوں نے اپنا مذہب ظاہر نہیں کیا ہے یا جو لاادری ہیں)
- ☆ تمام تر ہندو (مختب تجزیوں میں)

B. نیشنل سیمپل سروے کے اعداد و شمار

این ایس ایس او کے 55 ویں اور 61 ویں دور کے اعداد و شمار کا استعمال روزگار، تعلیم، صحت کے طریقوں اور غربی کی سطحوں سے متعلق امور کا تجزیہ کرنے میں کیا گیا ہے۔ مردم شماری کے اعداد و شمار کے برعکس، این ایس ایس او کے اعداد و شمار سے دیگر پیمانہ طبقوں (اوبی سی) کی نشان دہی بھی کی جاسکتی ہے۔ این ایس ایس او اعداد و شمار پر مبنی سماجی۔ مذہبی زمرے اس طرح ہیں:

- ☆ کل یا مجموعی آبادی
- ☆ تمام مسلمان
- ☆ مسلم۔ عام زمرہ
- ☆ مسلم۔ اوبی سی (اس زمرے میں ان 1.5 فی صد مسلم کنہوں کو رکھا گیا ہے جنہوں نے اپنے آپ کو ایس سی / ایس ٹی بتایا ہے)
- ☆ تمام ہندو
- ☆ ہندو۔ عام زمرہ / ہندو اعلیٰ جاتیں (پیدونوں اصطلاحیں باہم متبادل طور پر استعمال کی گئی ہیں۔
- ☆ ہندو۔ اوبی سی
- ☆ ہندو ڈائیس سی / ایس ٹی
- ☆ دیگر قلمیتیں (غیر مسلم قلمیتیں اور وہ قلمیتیں جنہوں نے اپنا مذہب ظاہر نہیں کیا ہے یا جو لاادری ہیں)

مسلمانوں میں ایس سی / ایس ٹی طبقوں کی نشان دہی کیلئے مطلوبہ اعداد و شمار موجود نہیں ہیں

C. بینکنگ اور مالیاتی اداروں کے اعداد و شمار

بینکنگ سے متعلق اعداد و شمار مختلف ذرائع سے حاصل کیے گئے ہیں اور ہر ذریعے سے مقررہ سماجی۔ مذہبی زمروں کے مطابق اعداد و شمار درست یا ب ہو گئے۔ بنیادی اعداد و شمار، ریزرو بینک آف انڈیا (آر بی آئی) کے وزیر اعظم کے 15 نکاتی پروگرام سے متعلق اعداد و شمار تھے جن میں مندرجہ ذیل زمرے نمایاں ہیں:

- ☆ تمام لوگ
- ☆ مسلمان
- ☆ دیگر قلمیتیں
- ☆ تمام دیگر

آر بی آئی کے اعداد و شمار کے علاوہ، کمیٹی نے نیشنل بینک آف ایگری کلچرل اینڈ رورل ڈیولپمنٹ (این اے بی اے آر ڈی)، اسمال انڈسٹری ڈیولپمنٹ بینک آف انڈیا (ایس آئی ڈی بی آئی)، نیشنل مائیکرو ڈیولپمنٹ اینڈ فنانس کارپوریشن (این ایم ڈی ایف سی) اور نیشنل بینک ورڈ کلائم اینڈ فنانس ڈیولپمنٹ کارپوریشن (این بی سی ایف ڈی سی) سے بھی کچھ اعداد و شمار حاصل کئے گئے۔ این اے بی اے آر ڈی اور ایس آئی ڈی بی آئی کے اعداد و شمار میں دیگر آبادی کے مقابلے میں مسلمانوں سے متعلق معلومات علاحدہ دیکھی جاسکتی ہے جب کہ این ایم ڈی سی کے اعداد و شمار میں مسلمانوں کو دیگر قلمیتوں سے ممتاز کیا گیا ہے۔ این بی سی ایف ڈی سی کے اعداد و شمار میں مسلم اوبی سی کو دیگر اوبی سی سے الگ کر کے دیکھا جاسکتا ہے۔

D حکومت کے کمیشنوں اور دیگر سرکاری تنظیموں کے اعداد و شمار

- ☆ نیشنل بیک ورڈ کلاسز کمیشن
- ☆ ریاستی پسماندہ طبقات کمیشن
- ☆ نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ (این سی ای آر ٹی)

E اعداد و شمار کے دیگر ذرائع مثلاً وزارتیں / محکمے / پی ایس یو / یونیورسٹیاں اور کالج

مقررہ زمروں کو حتی الامکان دست یاب معلومات کے مطابق استعمال کیا گیا ہے۔ بیشتر معاملات میں ہمیں مسلم ادینی بن اور عام مسلمانوں سے متعلق الگ الگ اعداد و شمار کے بجائے عموماً تمام مسلمانوں سے متعلق اعداد و شمار ہی دست یاب ہو سکے۔

3.2 مزید تفریق کی ضرورت

جدول 1.1 میں ان سماجی- مذہبی زمروں کے آبادی سے متعلق تفصیلی تخمینے دیے گئے ہیں جن کی نشان دہی این ایس ایس او کے 55 ویں (1999-2000) اور 61 ویں (2004-05) ادوار سے حاصل شدہ اعداد و شمار میں کی جاسکتی ہے۔ دونوں جائزوں میں ایس سی / ایس ٹی کے طبقاتی رشتوں اور تمام مذہبی فرقوں کے خود اعلان کردہ او بی سی طبقوں کے بارے میں معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ ایسے اعداد و شمار مردم شمار یوں یا دیگر جائزوں میں دست یاب نہیں ہیں۔ ان تخمینوں کے مطابق، 41 فی صد مسلمانوں نے 2004-05 میں اپنے آپ کو او بی سی قرار دیا 1999-2000 میں یہ تناسب 32 فی صد تھا۔ ہندوؤں میں 2004-05 میں یہ تعداد 43 فی صد تھی 2004-05 میں تقریباً 31 فی صد لوگ ایس سی / ایس ٹی زمروں سے وابستہ تھے۔ سماجی- مذہبی زمروں کے شہری و دیہی علاقوں سے متعلق ریاستی تخمینے ضمیمہ جدول 1.1 تا 1.3 میں دیے گئے ہیں۔

رپورٹ بارہ ابواب پر مشتمل ہے جن میں آبادی، تعلیم، صحت، روزگار، بینک قرضوں، بنیادی سہولتوں اور سرکاری پروگراموں سے متعلق امور زیر بحث لائے گئے ہیں

Table 1.1: Distribution of Population according to SRCs

All India 1999-00 and 2004-05

| STATE | Popu- lation - 2001 (Mill ions) | Pop- 2001 (%) | HINDUS | | | | | | MUSLIMS | | | | Others- popu- lation 2001 (%) | |
|-----------|---|---------------------|-------------|-------------|-------------|-------------|-------------|-------------|-------------|-------------|-------------|-------------|---|-----|
| | | | % SCs/STs | | % OBCs | | % General | | % OBCs* | | % General | | | |
| | | | 1999- 00 | 2004- 05 | 1999- 00 | 2004- 05 | 1999- 00 | 2004- 05 | 1999- 00 | 2004- 05 | 1999- 00 | 2004- 05 | | |
| All India | 1028.6 | 80.5 | 31.3 | 31.2 | 38.3 | 43.0 | 30.5 | 25.9 | 13.4 | 31.7 | 40.7 | 68.3 | 59.3 | 6.1 |
| Urban | 286.1 | 75.6 | 20.6 | 20.5 | 33.0 | 36.9 | 46.5 | 42.6 | 17.3 | 32.6 | 40.2 | 67.4 | 59.8 | 7.1 |
| Rural | 742.5 | 82.3 | 34.6 | 34.5 | 39.9 | 44.9 | 25.5 | 20.6 | 12.0 | 31.2 | 40.9 | 68.8 | 59.1 | 5.7 |

Source: NSSO 55th Round (Schedule 10) and 61st Round (Schedule 10) data.

* A small percentage of SCs and STs included in this category.

تجزیاتی لحاظ سے ایس سی / ایس ٹی سے وابستہ مسلمانوں کو دیگر مسلمانوں سے علاحدہ کرنا کارگر ہو سکتا ہے۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان مسلمانوں کو جنھوں نے این ایس ایس او کے جائزوں میں اپنے آپ کو ایس سی اور ایس ٹی سے وابستہ قرار دیا ہے ایک علاحدہ زمرے میں رکھا جائے، جیسا کہ او بی سی کے معاملے میں کیا گیا ہے۔ تاہم یہ زمرہ بندی مناسب نہیں معلوم ہوتی کیوں کہ ان ذیلی زمروں سے متعلق سپیل سائز اتنا چھوٹا ہے کہ اس کی بنیاد پر مفید تخمینے قائم نہیں کیے جاسکتے لیکن او بی سی اور عام مسلمانوں کا حصہ اتنا ضرور ہے کہ اس کی بنیاد پر این ایس ایس او جائزے

کے اعداد و شمار میں پیش کردہ مختلف سماجی و اقتصادی عوامل کے مطابق قابل اعتبار تخمینے قائم کیے جاسکیں۔ مگر جب ہم ایس سی / ایس ٹی مسلمانوں کا ذکر کرتے ہیں تو اس سے متعلق تعداد بہت ہی کم نظر آتی ہے۔ (دیکھئے جدول 1.2)۔ صرف 0.8 فی صد مسلمانوں نے اپنے آپ کو ایس سی قرار دیا جب کہ خود کو ایس ٹی قرار دینے والوں مسلمانوں کی تعداد اور بھی کم ہے۔

Table 1.2: Distribution of Population of each Religion by Caste Categories

All India-2004-05

| Religion/Caste | SCs | STs | OBCs | Others | All |
|----------------|------|------|------|--------|-----|
| Hindu | 22.2 | 9.1 | 42.8 | 26.0 | 100 |
| Muslim | 0.8 | 0.5 | 39.2 | 59.5 | 100 |
| Christians | 9.0 | 32.8 | 24.8 | 33.3 | 100 |
| Sikhs | 30.7 | 0.9 | 22.4 | 46.1 | 100 |
| Jains | 0.0 | 2.6 | 3.0 | 94.3 | 100 |
| Buddhists | 89.5 | 7.4 | 0.4 | 2.7 | 100 |
| Zoroastrians | 0.0 | 15.9 | 13.7 | 70.4 | 100 |
| Others | 2.6 | 82.5 | 6.2 | 8.7 | 100 |
| Total | 19.7 | 8.5 | 41.1 | 30.8 | 100 |

Source: Distribution obtained from merged sample of Schedule 1 and Schedule 10 of NSSO 61st Round Survey

4 رپورٹ کی ساخت

اس باب کے بعد یہ رپورٹ گیارہ مزید ابواب پر مشتمل ہے۔ اگلے باب میں کمیٹی کے ذریعے مختلف ریاستوں میں منعقد کی گئی مجلسوں، ورک شاپوں اور نمائندگیوں کے توسط سے حاصل کردہ معلومات کو اجمالاً پیش کیا گیا ہے۔ اس کا مقصد تعلیم، روزگار، بنیادی ڈھانچے اور تحفظ وغیرہ کے بارے میں لوگوں کے خیالات کا ایک عمومی جائزہ پیش کرنا ہے۔ ان خیالات کو، ان پر کوئی رائے زنی کیے بغیر، تلخیص کے ساتھ اسی طرح پیش کر دیا گیا ہے جس طرح وہ ظاہر کیے گئے تھے۔ آئندہ ابواب میں دیگر امور کے ساتھ ساتھ ان میں سے بعض امور کا بھی تجزیہ کیا گیا ہے تاکہ ان خیالات کے جواز کا اندازہ کیا جاسکے۔ تیسرے باب میں مسلمانوں کی آبادی کی صورت حال کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ اس میں آبادی میں اضافے کی صورتوں کے ساتھ ہی اموات اور پیدائش جیسے صحت سے متعلق بعض پہلوؤں سے بھی بحث کی گئی ہے۔ چوتھے باب میں تعلیمی حالت کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ اس باب میں تعلیم کی مختلف سطحوں پر مسلمانوں کی حصے داری کے تجزیے کے علاوہ مدرسوں کے کردار کا بھی جائزہ لیا گیا ہے جو مسلم فرقے کی ایک اہم تعلیمی سرگرمی ہے۔ روزگار کی نوعیت اور ساخت کا تجزیہ پانچویں باب میں کیا گیا ہے۔ اس میں کام کرنے والے مسلمانوں کی صنعتی اور پیشہ ورانہ دستگیوں کے ساتھ ہی ان کے کام کے حالات کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔ چھٹے باب میں قرضہ دینے والے اداروں کے کام کاج پر نظر ڈالی گئی ہے اور اس کے ساتھ ہی بینکنگ خدمات اور قرضوں کی فراہمی کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کے بعد ساتویں باب میں سماجی اور مادی بنیادی ڈھانچے تک رسائی کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ غربی، صافیت اور معیار زندگی سے متعلق تخمینے آٹھویں باب میں پیش کیے گئے ہیں۔ بہت سے لوگ سرکاری محکموں / سرکاری زمرے کے اداروں میں ملازمتوں اور مختلف سرکاری ترقیاتی پروگراموں کو غریبوں کی حالت سدھارنے کا ایک اہم ذریعہ سمجھتے ہیں۔ چنانچہ نویں باب میں سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کے حصے کا جائزہ لیا گیا ہے اور مسلم فرقے کے نقطہ نظر سے سرکاری پروگراموں کے موثر ہونے کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ دسواں باب مسلم فرقے میں موجود ادنیٰ سی طبقوں کے جائزے کے لیے وقف ہے۔ اس باب میں مسلم فرقے کی اندرونی تفریقات کی تفتیش بھی کی گئی ہے۔ مدارس کے کردار کا تجزیہ تعلیم سے متعلق باب میں کیا گیا ہے جب کہ مسلمانوں کی ترقی سے متعلق ایک اور سرگرمی یعنی اوقاف کے بارے میں گفتگو کیا رہی ہے۔ آخری باب میں بعض پالیسی تناظرات اور سفارشات پیش کی گئی ہیں۔

عوامی تاثرات اور تناظرات

1- پس منظر

کمپنی جانتی ہے کہ سارے کے سارے تاثرات درست نہیں ہیں مگر یہ خلا میں بھی وجود میں نہیں آئے ہیں

کمپنی نے اپنے اغراض و مقاصد کے مختلف پہلوؤں سے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے ملاقاتوں اور بات چیت کی راہ اختیار کی۔ تمام بڑی ریاستوں کے دورے کئے گئے اور مختلف علاقہ لوگوں کے ساتھ ملاقاتیں کی گئیں۔ بعض لوگوں کو مختلف امور پر بات چیت کے لئے مدعو بھی کیا گیا۔ اس کے علاوہ مختلف زبانوں کے اخباروں اور دیگر ذرائع ابلاغ میں اشتہارات کے ذریعے لوگوں کو اپنے خیالات پیش کرنے کی ترغیب دی گئی۔ اس پر زبردست جوش و خروش کا اظہار کیا گیا۔ مجموعی طور پر ان تمام ملاقاتوں اور بات چیت اور موصول تمام نمائندگیوں سے ہندوستانی مسلمانوں کو درپیش مسائل کے بارے میں لوگوں کے تاثرات و تصورات سے متعلق گہری بصیرتیں فراہم ہوتی ہیں۔ مسلم فرقے کے اندرونی تنوع کے پیش نظر یہ بات متوقع ہے کہ مسلمانوں کے مختلف طبقات کے مسائل مختلف ہیں، اس لئے ان کے حل سے متعلق تصورات بھی مختلف ہوں گے۔ بہر حال کمپنی کو ان خیالات کے تنوع پر حیرت تو ہوئی مگر کمپنی نے ان میں سے بہت سے خیالات سے اتفاق بھی کیا۔

کمپنی کو معلوم ہے کہ یہ تمام تاثرات درست نہیں ہیں مگر یہ خلا میں بھی وجود میں نہیں آئے ہیں۔ تاثر اور تناظر کی تشکیل کے سیاق کو سمجھنا ان کے تجزیے کے لئے لازمی ہے۔ کمپنی کے لئے اس کام میں ہاتھ ڈالنا مشکل تھا اس لئے یہ سوچا گیا کہ ان تاثرات اور تناظرات کے بارے میں لوگوں کی رائے لینا سودمند ہوگا کیوں کہ اس سے یہ معلوم ہوگا ہے کہ لوگ مسلمانوں سے متعلق امور کے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔ اس باب میں لوگوں کے تاثرات اور تناظرات کو تفصیل سے ساتھ کسی بھی رائے زنی کے بغیر بالکل اسی انداز میں پیش کر دیا گیا ہے جیسے کہ وہ ظاہر کئے گئے تھے۔ بعد کے ابواب میں ہم نے ان میں سے بعض امور کا زیادہ تفصیلی تجزیہ پیش کیا ہے۔ اگرچہ ہمارا تجزیہ یہاں مذکور تمام امور کا احاطہ نہیں کرتا

بڑی تعداد میں تحریری نمائندگیاں حاصل کرنے کے علاوہ، کمپنی نے ملک کی تیرہ ریاستوں میں اپنے دوروں کے موقع پر بہت سے لوگوں سے ملاقاتیں کیں۔ یہ ریاستیں تھیں: آندھرا پردیش، کرناٹک، اتر پردیش، راجستھان، جموں و کشمیر، آسام، مغربی بنگال، دہلی، کیرالا، مدھیہ پردیش، گجرات، بہار اور ہریانہ۔ ان دوروں میں کمپنی نے جن لوگوں سے ملاقاتیں کیں ان میں اضلاع کے منتخب اور دیگر نمائندے، نوجوان، خواتین، تاجر برادری کے افراد، این جی او کے نمائندے، مذہبی رہنما، سرگرم کارکن اور اہل علم اور ان کے علاوہ وزرائے اعلیٰ اور ان کے رفقاء، مختلف وابستگیوں کے حامل سیاست کار، اعلیٰ بیوروکریٹ اور پولیس افسر اور اقلیتوں/مسلمانوں سے متعلق پروگراموں سے تعلق رکھنے والے بورڈوں اور کارپوریشنوں کے سربراہ اور اراکین شامل تھے۔ بعض ریاستوں میں، کمپنی کو مسلمانوں کی خاصی آبادی والی بستیوں میں جانے کا بھی موقع ملا۔ کمپنی نے مسلم فرقے کی چند منتخب غیر حکومتی اور کثیر فرقی تنظیموں کے ساتھ تعلیم، تفریح، صنف اور ترقی کے امور پر تبادلہ خیال سے بھی فائدہ اٹھایا۔ یہ تمام ملاقاتیں اور یہ تمام نمائندگیاں ممکن ہے تکنیکی لحاظ سے لازمی طور پر رائے عامہ کی ترجمانی نہ کرتی ہوں مگر کمپنی بڑی حد تک مختلف طبقوں کے موصول خیالات سے خاصی مطمئن ہے۔

مگر یہ ان تک محدود بھی نہیں ہے۔ لوگوں کے خیالات نے یقینی طور پر ہمارے تجزیے کے لئے ایک پس منظر فراہم کیا ہے اور ان سے ہماری رپورٹ میں نگاہ کی گہرائی پیدا ہوئی ہے۔

یہاں اس بات کو نشان زد کرنا ضروری ہے کہ جن تاثرات اور تناظرات کو یہاں زیر بحث لایا گیا ہے انہیں آئین ہند کی ان سہولتوں کی وجہ سے مسلم فرقہ کسی بھی نئے (provisions) کے ساتھ ملا کر دیکھا جانا چاہئے جنہوں نے ہندوستانی مسلمانوں کو ہندوستان کے شہریوں کی حیثیت سے حقوق دئے ہیں۔ مسلمانوں کو پروکار مساویانہ زندگی گزارنے، زندگی اور اپنے مذہبی معاملات انجام دینے کا اتنا ہی حق ہے جو ہندوستان کے دیگر شہریوں کو حاصل اقدام کے بارے میں بہت محتاط ہو ہے۔ (دیکھئے باکس 2.1)

گیا ہے۔ ”ایک کے بعد ایک میمورنڈم پیش کئے جانے سے تھکے ہوئے“ بہت سے لوگوں نے کہا کہ اب ”نتائج چاہئیں“۔

باکس 2.1: آئین ہند: تمام شہریوں کے لئے یکساں مواقع اور حقوق۔ اہم ترین سہولتیں

دفعہ 14: قانون کی نظر میں مساوات اور قانون کے تحت مساوی تحفظ کی ضمانت

دفعہ 15: مذہب، نسل، ذات برادری، جنس اور جائے پیدائش کی بنیاد پر امتیاز کی ممانعت

دفعہ 21: کسی بھی شخص کو قانون کے تحت قائم ضابطوں کے سوا اور کسی طرح اس کی زندگی یا آزادی سے محروم نہیں کیا جاسکتا

دفعہ 25: ضمیر کی آزادی اور آزادانہ طور پر مذہب اختیار کرنے، اس پر عمل کرنے اور اس کی تبلیغ و اشاعت کے حق کی ضمانت

دفعہ 26: اجتماعی نظم و ضبط، اخلاقیات اور صحت کے دائرے میں رہتے ہوئے مذہبی اداروں اور مذہبی امور کا انتظام کرنے کے حق کی ضمانت

دفعہ 29: اقلیتوں کو اپنی زبان، رسم خط یا ثقافت کو محفوظ رکھنے کے حق کی ضمانت

دفعہ 30: اقلیتوں کو اپنی مرضی کے تعلیمی ادارے قائم کرنے اور ان کا بندوبست کرنے کا حق دے کر ان کے مفادات کے تحفظ کی ضمانت ہے۔ ریاست کو ہدایت دی گئی ہے کہ وہ امداد دینے کے معاملے میں اقلیتی اداروں کے خلاف کوئی امتیاز نہ برتے۔

دفعہ 350 A: ریاست کو ہدایت دیتی ہے کہ تعلیم کی ابتدائی سطح پر مادری زبان میں تعلیم دینے کی سہولت فراہم کرے۔

آئینی محفوظات کے علاوہ، کئی اور رہنما اصول بھی ہیں جو مسلمانوں کے مذہبی اور ثقافتی معاملات کا تحفظ کرتے ہیں۔ روزمرہ مذہبی رسوم ادا کرنے اور مذہبی تہوار منانے کی آزادی بھی ان چند سہولتوں میں ہے جو دیگر مذاہب کے پیروؤں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو بھی دی گئی ہیں۔

اس سلسلے میں ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ ملاقاتوں، بات چیت اور نمائندگیوں میں اتنی بڑی تعداد میں لوگوں کی شرکت کے باوجود اس کمیٹی کی تشکیل کے بارے میں بہت سے اندیشے اور شکوک و شبہات بھی ظاہر کئے جا رہے تھے۔ بہت سے لوگوں نے اس اقدام کا خیر مقدم کیا مگر بہت سے لوگوں نے بے اعتباری رویہ اختیار کرتے ہوئے اسے محض ایک اور سیاسی حربہ قرار دیا۔ اس سلسلے میں مایوسی کا احساس بھی ظاہر تھا۔ ایک کے بعد ایک میمورنڈم پیش کئے جانے سے تھکے ہوئے بہت سے لوگوں نے کہا کہ اب ”نتائج چاہئیں“۔ کئی سابقہ کمیشنوں اور کمیٹیوں کی سفارشات پر ”عمل درآمد“ نہ ہونے سے مسلم فرقہ کسی بھی نئے اقدام کے بارے میں بہت محتاط ہو گیا ہے۔ اگرچہ سارے لوگوں نے امید کا دامن نہیں چھوڑا ہے مگر بہت سے لوگوں کا احساس ہے کہ ریاست کے رویے میں تبدیلی کے لئے ”عزم و ارادہ اور ذہنیت میں تبدیلی“ کی ضرورت ہے۔

اگرچہ سارے لوگوں نے امید کا دامن نہیں چھوڑا ہے مگر بہت سے لوگوں کا احساس ہے کہ ریاست کے رویے میں تبدیلی کے لئے ”عزم و ارادہ اور ذہنیت میں تبدیلی“ کی ضرورت ہے۔

ضرورت ہے۔ ایک اور بار بار کہی جانی والی بات یہ تھی کہ مسلم صورت حال کو محض ایک اقلیتی مسئلہ نہیں بلکہ قومی مسئلہ سمجھا جانا چاہئے۔

سابقہ باب میں کہا گیا تھا کہ مسلمانوں کو درپیش مسائل موٹے طور پر تشخص، تحفظ اور مساویانہ انصاف کے امور سے متعلق ہیں۔ اس باب میں پیش کردہ اجمالی جائزہ بھی انہی امور کے اطراف مرکوز ہے۔ جب کہ بقیہ رپورٹ میں مساویانہ انصاف پر توجہ مرکوز کی گئی ہے۔ متعلقہ مباحث سے یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ تشخص، تحفظ اور مساویانہ انصاف سے متعلق امور کئی لحاظ سے ایک دوسرے پر سایہ لگن ہیں اور ایک دوسرے کو تقویت دیتے ہیں۔ اس باب کے بقیہ مباحث کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ تشخص، تحفظ اور مساویانہ انصاف سے متعلق مسائل کے لئے ایک ایک حصہ مخصوص کیا گیا ہے۔ یہاں بنیادی توجہ اس بات پر دی گئی ہے کہ لوگوں سے ملاقاتوں اور بات چیت کے دوران ظاہر کئے گئے تاثرات اور اٹھائے گئے امور کی تمام تفصیلات کو گرفت میں لیا جائے بجائے یہ بتانے کے کہ یہ باتیں کتنے تو اتر کے ساتھ سامنے لائی گئیں۔ آخری حصے میں بعض انتہائی تعروضات پیش کئے گئے ہیں۔

ضمیمہ جدول 2.1 میں کمیٹی کو موصول ہونے والی آراء میں اٹھائے گئے معاملات و مسائل کے تو اتر کی تفصیل پیش کی گئی ہے۔ بیشتر آراء میں تشخص اور تحفظ سے متعلق امور سے بحث کی گئی ہے۔ قابل غور ہے کہ ان اظہارات میں سب سے زیادہ تو اتر کے ساتھ تعلیم کا معاملہ اٹھایا گیا ہے اور ریزرویشن، روزگار اور تحفظ سے متعلق امور اس کے بعد آتے ہیں۔ اگرچہ اس تو اتر سے لازمی طور پر کسی معاملے کو دی جانے والی اہمیت کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا مگر اس سے یہ ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ تعلیم، ہندوستانی مسلمانوں کو درپیش سنجیدہ ترین معاملات میں شامل ہے۔ یہاں سے آگے اس باب میں کمیٹی کو موصول آراء اور دیگر بات چیت کے مشمولات کی تلخیص پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

مسلمانوں کو بہ یک وقت وطن دشمن ہونے اور ناز برداری کا دوہرا الزام سہنا پڑ رہا ہے۔

2. تشخص سے متعلق امور

ہندوستان میں سماجی، ثقافتی اور اجتماعی تفاعل کے معاملات ہندوستانی مسلمانوں کے لئے بظاہر خاصہ حوصلہ شکن ہیں۔ مسلمانوں میں پائی جانے والی بے چینی کئی محاذوں پر، مسلمانوں اور دیگر سماجی۔ مذہبی طبقوں کے درمیان تعلقات اور ان سے متعلق سمجھ اور تعبیرات کے فرق میں ظاہر ہوتی ہے۔ اس فہم کا ایک پہلو حب الوطنی سے متعلق ہے۔ مسلمانوں کو بہ یک وقت وطن دشمن ہونے اور ناز برداری کا دوہرا الزام سہنا پڑ رہا ہے۔ مسلمانوں کو ایک جانب روزانہ یہ ثابت کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے کہ وہ وطن دشمن اور دہشت گرد نہیں ہیں اور دوسری جانب اس بات پر غور نہیں کیا جاتا ہے کہ مبینہ ناز برداری کے نتیجے میں مسلمانوں کی کوئی مطلوبہ سماجی و اقتصادی ترقی نہیں ہوئی ہے۔ مسلمانوں نے عام طور پر شکایت کی کہ انہیں سماج کے بعض طبقوں کی جانب سے ہی نہیں بلکہ سرکاری اور حکمرانی کے اداروں کی جانب سے بھی شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اس صورت حال نے مسلمانوں کو گہری مایوسی میں مبتلا کر دیا ہے۔ بہت سے لوگوں کا یہ احساس بھی ہے کہ میڈیا مسلمانوں کی اس مفروضہ شبیہ کو برقرار رکھنے میں مدد دے رہا ہے۔

مسلم تشخص کے امتیازی نشانات ہندوستانی مسلمانوں کی علاحدہ شناخت کی بنیاد ضرور ہیں مگر عام مقامات پر ان کے لئے خاصی دشواریوں کا باعث ہوتے ہیں۔

2.1 تشخص۔ عام مقامات پر موجودگی

2 تمام آراء کو ان میں اٹھائے گئے معاملات کی بنیاد پر مختلف زمروں میں تقسیم کیا گیا۔ اکثر ہر زمرہ میں کئی معاملات اٹھائے گئے تھے اس لئے ہر عمومی معاملے کے تحت کئی ذیلی معاملات کی نشان دہی کی گئی۔ تلخیص اور زمرہ بندی کی اس کوشش میں ان تمام باتوں کا خیال رکھا گیا ہے۔ مثلاً تعلیم سے متعلق ایک تحریری رائے میں علاقے میں اسکولوں کی قلت اور اس کے علاوہ اردو کی تدریس کے مسئلے اور لڑکیوں کی تعلیم کے خاص مسائل کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں یہ طے کیا گیا کہ اس تحریری رائے کو تعلیم سے متعلق تین خصوصی امور کے دائروں میں دیکھا گیا ہے (ضمیمہ جدول 2.1 سے متعلق نوٹ)

آج ہندوستان میں مسلم خواتین کی

تشخص کے تعلق سے ہندوستانی مسلمانوں کو درپیش ایک بڑا مسئلہ عام مقامات پر ایک 'مسلمان' کی شکل میں پہچانے جانے کا ہے۔ مسلمان نظر آنا بہت سے لوگوں کے لئے پریشان کن ہوتا ہے۔ مسلم تشخص کے امتیازی نشانات۔ برقعہ، پردہ، داڑھی اور ٹوپی۔ ہندوستانی مسلمانوں کی علاحدہ شناخت کی بنیاد ضرور ہیں مگر عام مقامات پر ان کے لئے خاصی دشواریوں کا باعث بھی ہوتے ہیں۔ ان امتیازی نشانات کے تعلق سے مسلم فرقے کو اکثر و بیشتر تضحیک کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور مشکوک سمجھا جاتا ہے۔ داڑھی اور ٹوپی والے مسلم مردوں کو پارکوں، ریلوے اسٹیشنوں اور بازاروں جیسے اجتماعی مقامات سے اکثر پوچھتا چھ کے لئے لے جایا جاتا ہے۔ کمپنی کے ساتھ بات چیت کے دوران بعض خواتین نے بتایا کہ حجاب پہننے والی مسلم خواتین کے لئے کارپوریٹ دفاتروں میں ملازمت حاصل کرنا زیادہ سے زیادہ دشوار ہوتا جا رہا ہے۔ برقعہ پہننے والی مسلم خواتین نے شکایت کی کہ بازاروں، اسپتالوں، اسکولوں اور اجتماعی سہولتوں مثلاً اجتماعی ٹرانسپورٹ وغیرہ کا استعمال کرتے وقت ان کے ساتھ ناروا سلوک رکھا جاتا ہے۔

2.2 تشخص۔ رہائش اور تعلیم

مسلم تشخص کئی طرح سے روزمرہ زندگی کو بھی متاثر کرتا ہے جس کا سلسلہ کرائے پر مکان حاصل کرنے یا مکان خریدنے سے لے کر اچھے اسکولوں میں بچوں کو داخل کرانے تک درپیش دشواریوں تک پھیلا ہوا ہے۔ اپنی مرضی کے علاقوں میں جائیداد خریدنا یا کرائے پر مکان وغیرہ حاصل کرنا مسلمانوں کے لئے دشوار تر ہوتا جا رہا ہے۔ مکان مالک مسلمانوں کو مکان کرائے پر دینے یا فروخت کرنے میں پس و پیش کرتے ہیں اور غیر مسلم علاقوں کی بہت سی ہاؤسنگ سوسائٹیاں مسلمانوں کو ان علاقوں میں سکونت اختیار کرنے سے باز رکھنے کی کوشش کرتی ہیں۔ مسلم تشخص اچھے تعلیمی اداروں میں بچوں کا داخلہ کرانے میں بھی حائل ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے مسلمانوں کے قائم کئے ہوئے بہت سے خصوصی اسکول وجود میں آگئے ہیں جو بعض لوگوں کے مطابق آج مسلمانوں کے لئے اچھی تعلیم کا واحد ذریعہ ہیں۔ لیکن مسلمانوں کی ایک بڑی اکثریت اپنے بچوں کو باضابطہ بنیادی دھارے کے اسکولوں میں بھیجے کو ترجیح دیتی ہے۔ ملاقاتوں کے دوران یہ بات بھی کہی گئی کہ اگرچہ اپنے لئے مخصوص ادارے قائم کرنا آئین کے تحت اقلیتوں کا حق ہے مگر اس کا مقصد یہ نہیں کہ وہ ان اداروں تک محدود ہو کر رہ جائیں۔

اگرچہ آئین کی دفعہ 30 کے تحت تعلیمی ادارے قائم کرنا اقلیتوں کا حق ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ان اداروں تک ہی محدود ہو کر رہ جائیں۔

2.3 تشخص اور صنف

بعض لوگوں نے کہا کہ مسلمانوں کے صنفی امور کو بھی مسلم رنگ دے دیا جاتا ہے۔ مسلم خواتین کی زندگی کے دیگر تمام امور (آمدنی، روزگار، تعلیم، تحفظ اور تغذیہ تک) کو خارج کر کے صرف شادی کے ضابطوں، طلاق کے حق اور نان نفقے کے امور کو صنفی انصاف کی بنیاد بنا دیا گیا ہے۔ مسلم خواتین سے متعلق چند منتخب واقعات و معاملات پر جس طرح حدود و توجہ دی جاتی ہے اور انہیں میڈیا میں نہایت جوش و خروش سے بحث کا موضوع بنایا جاتا ہے اس سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا مذہب ہی مسلم فرقے میں موجود صنفی ناانصافی کا واحد سبب ہے۔ نتیجتاً، سول سوسائٹی اور ریاست مسلم خواتین کی محرمیوں کے اسباب سماجی امتیازات اور غلط ترقیاتی پالیسیوں میں نہیں بلکہ مذہبی اور فرقے کے اندرونی معاملات میں تلاش کرتی ہے۔ اس کی وجہ سے ریاست سارا الزام مسلم فرقے پر ڈال کر اپنے آپ کو کوتاہ اقدامی کے الزام سے بری کر لیتی ہے۔

مسلم والدین اکثر اپنے بچوں کا داخلہ کرانے اور وظائف حاصل کرنے کی کوششوں کے دوران اسکول کے حکام کی جانب سے امتیازی سلوک سے دوچار ہوتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی باتیں مثلاً ناشائستہ برتاؤ، سخت لہجے میں سوالات اور یہ محسوس کرانے والا ماحول کہ انہیں اور ان کے بچوں کو دوسرے درجے کا شہری سمجھا جا رہا ہے، یہ ساری باتیں حدود درجہ حوصلہ شکن ہوتی ہیں جس سے مسلمانوں اور اسکولی نظام کے درمیان فاصلہ بڑھتا ہے۔ ایسے میں اس بات کا امکان کم سے کم ہو جاتا ہے کہ والدین اپنی لڑکیوں کو (لڑکوں کے مقابلے میں) ایسے معاندانہ ماحول میں پڑھنے بھیجیں گے۔

کسی بھی فرقے کے تشخص کی علم بردار عموماً خواتین ہوتی ہیں۔ لہذا جب یہ محسوس کیا جا رہا ہو کہ فرقے کے تشخص کو نشانہ بنایا جا رہا ہے تو خواتین بڑی تعداد کیلئے واحد محفوظ جگہ اس سے فطری طور پر بڑے ڈرامائی انداز سے متاثر ہوتی ہیں۔ بعض خواتین خود اپنی مرضی سے اور بسا اوقات بعض سماجی دباؤ کے تحت اپنی ذات اور طرز عمل میں اپنے تشخص کے امتیازی نشانات نمایاں کرنے لگتی ہیں۔ ان کی زندگی، اخلاقیات اور لوگوں سے ان کے ملنے جلنے پر مستقل نگاہ رکھی جاتی ہے۔ صنفی بنیادوں پر پبلک سے خوف جو کسی نہ کسی حد تک تمام خواتین کے ساتھ لگا ہوا ہے، مسلم خواتین کے معاملے میں کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔ محفوظ اور غیر محفوظ ماحول کے درمیان فرق کا احساس خاصا سخت ہو جاتا ہے۔ اس طرح پورا فرقہ اور اس کی خواتین مانوس راسخ العقیدگی کے محفوظ ماحول کے اندر سمٹ جاتی ہیں اور جدید طور طریقے اختیار کرنے سے گریز کرنے لگتی ہیں، جس سے فرقے کی حدیں دھندلانے لگتی ہیں۔ یہ خیال ظاہر کیا گیا کہ آج ہندوستان میں مسلم خواتین کی بڑی تعداد کے لئے واحد محفوظ جگہ (جسمانی تحفظ اور تشخص کے تحفظ دونوں اعتبار سے) گھر اور فرقے کے اندر ہے۔ اس تنگ ماحول کی حدوں سے باہر کی ہر چیز۔ بازار، سڑکیں، گلی کوچے، ٹرانسپورٹ، اسکول اور اسپتال، تھانے اور سرکاری دفاتر۔ غیر محفوظ اور معاندانہ نہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی بہت سی ملاقاتوں کے دوران خاتون شرکاء نے اس بات پر زور دیا کہ اگر انہیں کام کرنے اور تعلیم حاصل کرنے کے مناسب مواقع مل جائیں تو وہ ان تمام باتوں کو ٹھیک کر لیں گی۔

اس تشخص کے بحران اور اس کے ساتھ ہی بظاہر حکومت میں عزم و ارادے کی کمی کے سبب نیک ارادوں پر مبنی پروگراموں کے بارے میں بھی لوگوں کی رائے خراب ہو جاتی ہے۔ صحت سے متعلق حکومت کے پروگراموں سے مسلمانوں کے خوف کو اس سلسلے میں مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ مسلم اکثریتی علاقوں میں پولیو کا لگانے کی مہم کی محدود کامیابی مسلمانوں کی شرح پیدائش کم کرنے کی مہم سازی کے اندیشوں کا نتیجہ ہے۔

3 تحفظ سے متعلق امور

تحفظ کی کمی اور مسلمانوں کی جانب امتیازی رویے کا احساس بڑے پیمانے پر پایا جاتا ہے۔ تاہم مختلف ریاستوں میں اس احساس کی سنگینی، شدت اور وسعت میں قابل لحاظ فرق موجود ہے۔ ملک کے کسی بھی حصے میں ہونے والی فرقہ وارانہ کشیدگی یا کوئی ناخوش گوار واقعہ مسلمانوں کو اپنے تحفظ کے بارے میں خوف زدہ کرنے کے لئے کافی ہوتا ہے۔ حکومت کا ڈھل مل رویہ اور فرقہ وارانہ فسادات سے سیاسی فائدہ حاصل کرنے کی روش مسلمانوں کے لئے نہایت تکلیف دہ رہی ہے۔ فرقہ وارانہ تشدد برپا کرنے والوں کے خلاف کارروائی کرنے کے سلسلے میں حکومت کی بے عملی بھی تشویش کا باعث رہی ہے۔ دوسری جانب پولس اور میڈیا تشدد کے معاملات میں مسلمانوں کی شرکت کو بڑھا چڑھا کر اور دیگر گروپوں یا تنظیموں کی شرکت کو کم کر کے پیش کرتے ہیں۔ فسادات کے متاثرین کو دئے جانے والے معاوضے کے بارے میں ناانصافی برتے جانے کا احساس بھی پایا جاتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ فسادات کے بعد حکومت کے ذریعہ معاوضے کی رقم طے کرنے کے معاملے میں مسلمانوں سے امتیاز برتا گیا۔ اس کے علاوہ متاثرین کو معاوضے کی ادائیگی میں تاخیر بھی ہوتی ہے، اور اس وقت بطور خاص جب متاثرین مسلمان ہوں۔

مسلمانوں کے سلسلے میں پولس کی زیادتیوں پر تشویش ظاہر کی گئی۔ ”جب بھی کوئی واقعہ ہوتا ہے پولس مسلم لڑکوں کو اٹھا کر لے جاتی ہے“

3.1 پولس اور نفاذ قانون کی ایجنسیوں کا رویہ

مسلمانوں کے سلسلے میں پولس کی زیادتیوں پر تشویش ظاہر کی گئی۔ مسلمان احساس کمتری سے دوچار رہتے ہیں۔ کیوں کہ ”ہر داڑھی والے کو آئی ایس آئی کا ایجنٹ سمجھا جاتا ہے، جب بھی کوئی واقعہ ہوتا ہے، پولس مسلم لڑکوں کو اٹھا کر لے جاتی ہے“ اور فرضی مڈ بھیڑیں عام ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ مسلم محلوں میں اسکولوں، صنعتوں، سرکاری اسپتالوں اور بینکوں کے بجائے پولس کی موجودگی کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ سیکورٹی والے کسی بھی

معمولی بہانے سے مسلمانوں کے گھروں میں داخل ہو جاتے ہیں۔ سرحدی علاقوں کے مسلمانوں کی حالت تو اور بھی بدتر ہے کیوں کہ انہیں غیر ملکی سمجھا جاتا ہے اور پولس اور انتظامیہ انہیں پریشان کرتی رہتی ہے۔

فرقہ وارانہ تصادم کے واقعات، خاص طور پر وہ جیسے کہ حال ہی میں ایک ریاست میں ہوئے تھے اور جن کے دوران مسلم خواتین کو بڑے پیمانے پر جنسی تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا، ان علاقوں کو بھی متاثر کرتے ہیں جو اس تشدد سے براہ راست اثر انداز نہیں ہوئے۔ ایک گہرا اور مہیب خوف اور کمزور اور زرد پر ہونے کا احساس موجود ہے جس کے نتیجے میں ربط و تعلق اور تعلیم، خصوصاً لڑکیوں کی تعلیم بری طرح متاثر ہوتی ہے۔ پولس فورس میں مناسب مسلم نمائندگی نہ ہونے سے یہ مسئلہ تقریباً تمام ریاستوں میں شدت اختیار کر گیا ہے کیوں کہ اس کی وجہ سے خاص طور پر فرقہ وارانہ طور پر حساس حالات میں عدم تحفظ کا احساس بڑھ جاتا ہے۔

مسلمان احساس کمتری سے دوچار رہتے ہیں کیوں کہ ”ہر داڑھی والے کو آئی ایس آئی ایجنٹ سمجھا جاتا ہے“

3.2 رہائشی علاحدگی اور سکڑتے ہوئے مشترک مقامات

سارے ملک کے مسلمانوں میں اپنے تحفظ کے خیال سے علاحدہ بستیوں میں رہنے کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ یہ سلسلہ فرقہ وارانہ طور پر حساس قصبوں اور شہروں میں زیادہ نمایاں ہے۔ علاحدہ بستیوں میں رہنے سے، تعداد کی کثرت کے سبب ان میں احساس تحفظ ضرور پیدا ہوتا ہے مگر یہ مسلم فرقے کے حق میں اچھا نہیں رہا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ مسلمانوں کے اپنے اکثریتی علاقوں میں رہنے (تاریخی اسباب اور بڑھتے ہوئے احساس عدم تحفظ کے تحت) سے میونسپل اور حکومت کے حکام انہیں بہ آسانی نظر انداز کرنے لگتے ہیں۔ پانی، صفائی، بجلی، اسکول، صحت کی سرکاری سہولتیں، بینک، آنگن داڑی، راشن کی دکانیں، سڑکیں، ٹرانسپورٹ کی سہولتیں، یہ تمام چیزیں مسلم علاقوں میں کم سے کم ہوتی ہیں۔ اس بڑھتی ہوئی رہائشی علاحدگی کے پیش نظر، ان خدمات کی ناموجودگی سب سے زیادہ مسلم خواتین کو متاثر کرتی ہے، کیوں کہ انہیں یہ سہولتیں اپنے محفوظ محلوں سے باہر کہیں اور سے حاصل کرنے میں جھجھکتی ہیں۔ مسلم فرقے کی بڑھتی ہوئی رہائشی علاحدگی کا مطلب اجتماعی زندگی میں اس کی شرکت کے دائرے کا تنگ ہونا ہے۔ یہ ایک غیر صحت مندانہ رجحان ہے جو بڑھ رہا ہے۔ ملک کے بعض حصوں میں مسلمانوں کے سماجی بائیکاٹ نے انہیں ان مقامات سے نکلنے پر مجبور کر دیا ہے جہاں وہ صدیوں سے رہ رہے تھے۔ اس سے ان کے روزگار حاصل کرنے کے امکانات اور آمدنی کے ذرائع پر منفی اثر بڑا ہے۔ چنانچہ رہائشی علاحدگی کے بہت سے منفی اثرات ہیں: بنیادی سہولتوں کا ناکافی ہونا، عوامی دائروں کا سکڑتے جانا جہاں مختلف سماجی۔ مذہبی طبقے ایک دوسرے سے راہ و رسم اختیار کر سکیں اور گذر بسر کے ذرائع حاصل کرنے کے امکانات میں کمی۔

ملک کے بعض حصوں میں مسلمانوں کے سماجی بائیکاٹ کے سبب انہیں انہیں کو ان مقامات سے نکلنے پر مجبور کر دیا ہے جہاں وہ صدیوں سے رہ رہے تھے

رہائشی علاحدگی کے سلسلے کا ایک اور ضمنی اثر جو عام روش سے ہٹ کر ہے ان ریاستوں میں نظر آتا ہے جہاں شدید فرقہ وارانہ تصادم ہوتے رہے ہیں۔ یہاں کے غیر محفوظ مسلمان مسلم اکثریتی علاقوں میں منتقل ہونا چاہتے ہیں۔ لہذا ان علاقوں میں زمین جائداد کی مانگ میں خاصے اضافے کے سبب ان کی قیمتیں اوسط سے زیادہ بڑھ گئی ہیں۔ اونے پونے داموں میں فروخت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ منتقل ہونے والے مسلمانوں کو اپنی آبادی میں جائداد کی پوری قیمت حاصل نہیں ہوتی مگر نئی جگہ جائداد حاصل کرنے کے لئے زیادہ قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ شورش زدہ علاقوں میں جائداد کی خرید و فروخت پر عالمہ پابندی کے سبب اونے پونے یا جبراً فروخت کرنے کے سلسلے میں کمی آنے کے بجائے غیر قانونی خرید و فروخت کا سلسلہ بڑھ گیا ہے۔

4 مساویانہ انصاف سے متعلق امور

زبردست احساس پایا جاتا ہے
جس کے سبب ان میں اجتماعی
طور پر برگشتگی پیدا ہو رہی ہے

امتیازی سلوک کا شکار ہونے کا احساس مسلمانوں، خاص طور پر نوجوانوں میں بہت زیادہ ہے۔ مسلم محلوں میں شہری سہولتوں کی بد حالی، سیاسی اقتدار اور بیوروکریسی میں نمائندگی نہ ہونا اور مسلمانوں پر پولس کی زیادتیاں، ان سب نے مل کر مسلمانوں کے مختلف طبقوں میں منفی امتیازات برتے جانے کا احساس بہت بڑھا دیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ خیال بھی پایا جاتا ہے کہ ملک کے سماجی و ثقافتی تنوع اور کثرت پر اسکول کی نصابی کتابوں میں عموماً زور نہیں دیا جاتا۔ امتیازات کا شکار ہونے کے احساس اور اس کے ساتھ ہی تشخص اور عدم تحفظ کے معاملات کے نتیجے میں مسلم فرقے میں ایک شدید احساس کمتری پیدا ہو گیا ہے جو اجتماعی معاملات میں اس کی بھرپور شرکت میں رکاوٹ اور اس کے الگ تھلگ ہونے کا سبب بنتا ہے۔

4.1 تعلیم کا پست معیار

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے تعلیم مسلم فرقے کے لئے انتہائی تشویش کا موضوع ہے۔ یہ عام تاثر غلط ہے کہ مسلمانوں میں پائی جانے والی مذہبی قدامت پرستی ان کے تعلیم حاصل نہ کرنے کا بڑا سبب ہے۔ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد میں اپنے تعلیمی طور پر پسماندہ ہونے کا شدید احساس پایا جاتا ہے اور وہ اس صورت حال کو جلد از جلد درست کرنا چاہتے ہیں۔ یہ سب کیسے کیا جائے اس کے بارے میں ان کے اندر خاصی اہم بحث جاری ہے۔ نجی اقلیتی اداروں اور مدارس کو مسلمانوں کی تعلیمی حالت درست کرنے کا واحد ذریعہ سمجھا جا رہا ہے۔ تاہم بعض لوگ ان کے بارے میں یہ کہہ کر سوال اٹھا رہے ہیں کہ اس طرح ریاست اپنی ذمہ داری سے بچنے کی کوشش کر رہی ہے۔ بعض اور لوگوں کے نزدیک مسلمانوں کی تعلیمی حالت درست کرنے کے معاملے میں مدارس اور اقلیتی اداروں پر پوری طرح تکیہ کرنا آئین کی روح کے منافی ہے۔

غریبی۔ تعلیم کی کمی کا خاص سبب

مسلم طلبہ میں تعلیم چھوڑنے والوں کی کثرت پریشان کن ہے۔ دیگر بہت سے ہندوستانیوں کی طرح، مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی کا خاص سبب شدید غریبی ہے جس کے تحت بچے ابتدائی چند درجات کے بعد تعلیم چھوڑنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ یہ بات مسلم بچوں کے معاملے میں زیادہ نمایاں ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچوں سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ کارخانوں یا گھروں میں کام کر کے گھر کی آمدنی میں ہاتھ بٹائیں، یا ان کی مائیں کام کرنے لگی ہوں تو گھر میں اپنے بھائی، بہنوں کی دیکھ بھال کریں۔ مزدوری کرنے والے بچوں کی تعداد دیگر سماجی۔ مذہبی طبقوں کے مقابلے میں مسلمانوں میں زیادہ ہے۔ غریب اور ناخواندہ والدین اپنے بچوں کے لئے ٹیوشن کے اخراجات کا بار اٹھانے کے متحمل نہیں ہو سکتے، نہ وہ گھر پر ان کی تعلیم میں وہ مدد دے سکتے ہیں جو آج کے تعلیمی نظام کا لازمی جزو بن گئی ہے، بچوں کو اسکول بھیجنے کی قیمت اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ ایسا کرنا والدین کے لیے دشوار ہو جاتا ہے اور والدین اس وجہ سے بھی ایسا کرنے سے گریز کرتے ہیں۔

تعلیم کی کمی مسلمانوں میں ایک
مخصوص سبب یہ بھی ہے کہ
مسلمانوں کے نزدیک تعلیم سے
لازمی طور پر روزگار حاصل
نہیں ہوتا

تعلیم کے ناکافی فوائد کا احساس

تعلیم کی کمی کا مسلمانوں میں مخصوص ایک سبب یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک تعلیم سے لازمی طور پر روزگار حاصل نہیں ہوتا۔ سرکاری یا نجی زمرے کے روزگار میں مسلمانوں کی کم نمائندگی اور ہاتھواہ ملازمتیں حاصل کرنے میں منفی امتیازات برتے جانے کے خیال کے تحت مسلمان باضابطہ سیکولر تعلیم کو دوسرے سماجی۔ مذہبی طبقوں کے مقابلے میں کم اہمیت دیتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی مسلم فرقہ، بطور خاص مسلمانوں کا تعلیم

یافہ متوسط طبقہ، انتظامی، پاسی سازی اور سیاسی دائروں میں اپنی موجودگی اور مواقع کا امکان نہ پا کر مایوسی کا شکار ہو رہا ہے اور اپنے آپ کو الگ تھلگ محسوس کرتا ہے۔

اسکولوں تک ناکافی رسائی

بہت سے لوگوں نے شکایت کی کہ مسلم علاقوں میں اچھے اور معیاری اسکولوں، خاص طور پر سرکاری اسکولوں کی بہت کمی ہے۔ ان اسکولوں میں استاد۔ طالب تناسب بھی قابل اطمینان نہیں ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے مسلم بچے اگر وہ اس کے تحمل ہوں، نجی اسکولوں میں جاتے ہیں، ورنہ تعلیم چھوڑ دیتے ہیں۔ ابتدائی سطح کے اوپر کے اسکولوں کی تعداد مسلم محلوں میں بہت کم ہے۔ لڑکیوں کے اسکول اور بھی کم ہیں اور عموماً مسلم بستیوں سے خاصے فاصلے پر ہوتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر فرقہ وارانہ تشدد کے بعد والدین اپنی بچیوں کے تحفظ کے اندیشے سے انہیں اسکول سے اٹھالیتے ہیں۔ ہاسٹلوں کی کمی بھی ایک بڑی رکاوٹ ہے، خصوصاً لڑکیوں کے سلسلے میں۔ یہ دشواری اس لحاظ سے اور بڑھ جاتی ہے کہ لوگ مسلم طلبہ کو کمرے کرائے پر دینے سے کتراتے ہیں۔ پھر یہ بھی کہ ہاسٹلوں کی ناموجودگی میں علاحدہ رہائش کا انتظام کرنے میں مسلم کنیوں پر زبردست مالی بوجھ پڑتا ہے کیوں کہ مکانات کے کرائے بہت بڑھ گئے ہیں۔

اسکولوں سے متعلق عوامل

سرکاری اسکول مسلم محلوں میں موجود بھی ہوں تو وہ صرف غریبوں اور نظر انداز شدہ لوگوں کو الٹی سیدھی تعلیم دینے کے مراکز ہوتے ہیں۔ ان اسکولوں میں تدریس اور تحصیل علم کی بری حالت اور اساتذہ کی قلت کے سبب مسلمانوں، خاص طور پر تعلیم حاصل کرنے والی پہلی نسل کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ نجی ٹیوشن جیسے انتظامات کریں جن پر بہت زیادہ خرچ آتا ہے۔ اس کے سبب بھی بچوں کے اسکول میں رہنے اور تعلیم مکمل کرنے کے سلسلے پر منفی اثر پڑتا ہے۔ چنانچہ غریبی ہر لحاظ سے مسلمانوں کی تعلیم تک رسائی میں مانع ہے۔

اسکول کی نصابی کتابوں کا 'فرقہ بردارانہ مواد اور اسکولوں کا فرقہ وارانہ ماحول بھی کئی ریاستوں میں مسلمانوں کے لئے باعث تشویش ہے۔ اسکول جانے والے مسلم بچوں کے لئے اسکول کی کتابوں میں اپنے فرقے کا کوئی ذکر نہ پانا خاصا پریشان کن ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ کئی اسکولوں میں ثقافتی طور پر معاندانہ ماحول پایا جاتا ہے جہاں مسلم طلبہ الگ تھلگ کئے جاتے ہیں اور منفی امتیازات کے رویے سے دوچار ہوتے ہیں۔ اسکولوں میں داخلے سے متعلق درپردہ اور غیر ظاہر شدہ موانع کا ذکر پہلے ہی کیا جا چکا ہے۔ اساتذہ کی ایک بڑی تعداد کی فرقہ وارانہ ذہنیت بھی اسکول کے اس 'معاندانہ ماحول میں اضافہ کرتی ہے۔ بے اعتمادی کی سطح کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ لوگوں کو واقعی یقین ہے کہ بعض ریاستوں میں اسکولوں کے لئے ہدایات جاری کی جا چکی ہیں کہ مسلم طلبہ کو امتحانات میں کامیاب نہ ہونے دیں۔ یہ شکایت بھی کی جاتی ہے کہ مسلمانوں کے لئے مدرس کی حیثیت سے ملازمت حاصل کرنا آسان نہیں ہے۔ اس کے علاوہ مسلم اساتذہ کے ساتھ عموماً برا سلوک کیا جاتا ہے۔ مسلم اساتذہ کا بہت دور دراز اسکولوں میں تبادلہ کیا جانا بھی عام بات ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ مسلم اساتذہ کی تنخواہیں محض تعصب کے سبب روک لی جاتی ہیں۔ یہ بھی بتایا گیا کہ بعض جگہوں پر، ہندو والدین اپنے بچوں کو ایسے اسکولوں میں نہیں بھیجتے جہاں مسلم اساتذہ ہوتے ہیں۔

یہ شکایت کی گئی کہ مسلم فرقے کی جانب سے ٹیچر ٹریننگ ادارے اور کالج قائم کرنے کی کوششوں میں رکاوٹیں ڈالی جاتی ہیں۔ ایک ریاست میں ٹیچر ٹریننگ ادارے اور کالج قائم کرنے کی اجازت نہ ہونے اور انہیں تسلیم نہ کئے جانے کو ایک وسیع تر سازش کا حصہ سمجھا جاتا ہے۔ چون کہ اساتذہ ریاست کے نظریاتی پروگرامز کے لئے موثر آلہ کار ہو سکتے ہیں اس لئے اساتذہ کس قسم کے ہوں اس پر قابو رکھنے کی خواہش بھی شدید ہوتی ہے۔ یہ کہا گیا کہ مسلمانوں کو ٹیچر ٹریننگ کالج قائم کرنے کی اجازت نہ دے کر ریاستی حکومتیں اس بات کو یقینی بنانا چاہتی ہیں کہ چند برسوں میں کسی بھی مسلمان میں ٹیچر بننے کی اہلیت نہ رہ جائے۔

ابتدائی سطح سے بعد کے اسکولوں کی تعداد مسلم بستیوں میں بہت کم ہے

اسکول کی نصابی کتابوں کا 'فرقہ وارانہ مواد اور اس کے ساتھ ہی اسکول کا ماحول فرقہ وارانہ ماحول مسلمانوں کیلئے حد درجہ باعث تشویش ہے

مدارسہ تعلیم سے متعلق امور

مدارس اکثر و بیشتر مسلم بچوں،

مدارس، جن کے ذریعے مسلم فرقہ اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ اس کی آئندہ نسلیں اسلامی تعلیمات حاصل کرتی رہیں، ہندوستان میں مسلمانوں خاص طور پر وہ جو غریب ہیں کے تشخص کی علامت بن گئے ہیں۔ وسیع تر معاشرہ انہیں اکثر شک کی نگاہ سے دیکھتا ہے، اس کے باوجود کہ ان کا تعلق مسلمانوں کو صرف مذہبی تعلیم فراہم کرنے سے ہے۔ مدارس کو دہشت گردی کا اڈہ قرار دیا جانا مسلمانوں کے لئے حد درجہ تشویش کا باعث ہے۔ اس کے باوجود کہ ابھی تک اس کا کوئی ثبوت نہیں ملا ہے کہ مدارس میں دہشت گرد پیدا کئے جاتے ہیں، مگر ان پر نگاہ رکھی جاتی ہے۔ یہ سلسلہ مسلم فرقے کے لئے باعث جنگ ہونے کے علاوہ مدارس میں زیر تعلیم طلبہ کے لئے بھی تباہ کن اور تکلیف دہ ہے۔ یہ کہا گیا کہ مدارس کی موجودگی (اگرچہ باضابطہ اسکولوں کے متبادل کے طور پر نہیں) مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کیوں کہ وہ بنیادی تعلیم دینے کے علاوہ، مسلم فرقے کا تشخص برقرار رکھنے کا اہم ذریعہ بھی ہیں۔ مدارس اکثر و بیشتر مسلم بچوں کے لئے، خاص طور پر ان علاقوں میں جہاں مسلم عوام تک کسی بھی اسکول کی پہنچ نہیں ہو سکی ہے، حصول تعلیم کا واحد ذریعہ ہوتے ہیں۔ بچے اکثر مدارس کا رخ اپنی مرضی سے نہیں بلکہ دیگر اسکولوں کی عدم موجودگی اور ان کے پہنچ سے باہر ہونے، اور مادری زبان میں تعلیم کے تقریباً موجود ہونے کے سبب کرتے ہیں۔ جہاں تک خواندگی کا تعلق ہے، مدارس کا آمد خدمات انجام دے رہے ہیں۔ پھر بھی یہ حقیقت تسلیم کرنے کی فوری ضرورت ہے کہ مسلم بچوں کی بہت کم تعداد ہی مدارس میں تعلیم حاصل کرتی ہے۔

مدارس کے طلبہ کو مختلف مضامین کے تحت باضابطہ بنیادی دھارے کی تعلیم کی جانب منتقل ہونے کی اجازت دینے کے معاملے کو زیادہ چلک دار بنانے کا مطالبہ بھی بڑھ رہا ہے۔ اس بات پر بھی زیادہ سے زیادہ زور دیا جا رہا ہے کہ دینی مدارس کو ایک ہائر سکندری بورڈ کے تحت لے آیا جائے تاکہ باضابطہ بنیادی دھارے کی تعلیم اختیار کرنے والے طلبہ مدرسے سے فارغ ہونے کے بعد بھی ایسا کر سکیں۔ یہ بات بھی زور دے کر کہی جا رہی ہے کہ مدارس کی اسناد کو دیگر تعلیمی اداروں میں داخلے کے لئے بھی مساوی تسلیم کیا جائے۔ بعض یونیورسٹیوں نے ان کورسوں کو تسلیم کر لیا ہے جس سے ان کورسوں کے طلبہ کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے میں بڑی مدد ملی ہے۔

حکومت کے ذریعے مدارس کی
جدید کاری کا معاملہ خاصا متنازع
فیہ رہا ہے جس کے بارے میں
مسلم فرقے میں مختلف نقطہ نظر
پائے جاتے ہیں۔

حکومت کے ذریعے مدارس کی جدید کاری کا معاملہ خاصا متنازع فیہ رہا ہے جس کے بارے میں مسلم فرقے میں مختلف نقطہ نظر پائے جاتے ہیں۔ مدارس کی جدید کاری کی ضرورت کو عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے مگر حکومت کے جدید کاری سے متعلق منصوبے سے معیاری تعلیم کے لحاظ سے مسلمانوں کو کوئی خاص راحت نہیں پہنچی ہے۔ جدید کاری سے متعلق وعدے نا کافی ثابت ہوئے ہیں کیوں کہ اس سلسلے میں کوئی خاص کام نہیں کیا گیا ہے۔ اس منصوبے کے تحت مقرر کئے گئے سائنس اور ریاضی کے اساتذہ کو پابندی کے ساتھ تنخواہیں نہیں دی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ یہ کہ تنخواہیں بھی بہت کم ہیں۔ عام خیال ہے کہ مدارس کو دی گئی امداد محض کاغذ پر ہے۔ مدارس کے لئے کمپیوٹروں کی فراہمی کو مسلم فرقے کی کوئی بہت بڑی امداد نہیں سمجھا جاتا، بلکہ یہ کہا گیا کہ اس کی بجائے سائنس، ریاضی اور انگریزی کی تدریس کا انتظام کیا جانا چاہئے تھا۔ مدارس کے لئے ایک مستقل رقم کا بندوبست بھی کارگر ہو سکتا ہے۔ لیکن مدارس کی جدید کاری کا مطلب صرف سائنس یا ریاضی کے اساتذہ کا تقرر یا کمپیوٹروں کی تنصیب نہیں ہے۔ جیسے کہ پہلے ذکر کیا گیا مدارس کے لئے باضابطہ تعلیمی بورڈوں کے ساتھ الحاق یا ان کے ذریعے تسلیم کیا جانا ضروری ہے۔ مدارس عموماً اپنے طلبہ میں روزگار حاصل کرنے کی صلاحیت پیدا نہیں کر سکتے اور وہ جدید تہجی ہو سکتے ہیں جب اس پہلو پر دھیان دیا جائے۔ بنیادی دھارے کے اسکولوں کے ذریعے مفت اور لازمی تعلیم فراہم کیا جانا ضروری ہے (جو ریاست کی ذمہ داری ہے) اور اس سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی۔ مدارس کی اصلاح اور بنیادی دھارے کے اسکولوں کے ذریعے تعلیم کی فراہمی ایک دوسرے کا متبادل نہیں ہیں۔

مسلمانوں کا ایک حلقہ مدارس کی جدید کاری کے پروگرام کے خلاف ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ اندیشہ ہے کہ حکومت کے ذریعے کی گئی جدید کاری

کے تحت مدارس اپنی خود مختاری سے محروم کر دئے جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے مدارس اس اسکیم سے دور رہے ہیں۔ پچھیدہ رجسٹریشن فارم اور بہت زیادہ رجسٹریشن فیس نے بھی رکاوٹ ڈالی ہے جس کی وجہ سے بہت سے مدارس نے اپنے آپ کو مدرسہ بورڈوں میں، جہاں بھی وہ موجود ہیں، رجسٹر نہیں کرایا ہے۔ لیکن حکومت کی دخل اندازی کے اندیشوں کے باوجود بہت سے لوگوں نے اس خیال کو لیک کہا کہ جدید تعلیمی و تدریسی طریقے مدارس میں بھی رائج ہوں۔ تدریس اور نظم و نسق کے معاملے میں مدارس کے اساتذہ کی تربیت کے خیال کا خیر مقدم کیا گیا ہے۔ لوگوں کی ایک بڑی تعداد کے لئے مدارس کے نصاب میں مذہبی مضامین کو ہٹائے بغیر جدید مضامین کو شامل کیا جانا قابل قبول ہے۔

اردو۔ تشخیص کی علامت یا ذریعہ تعلیم؟

اردو کبھی بھی صرف مسلمانوں کی زبان نہیں رہی مگر اسے مسلم فرقے کے ساتھ مخصوص کر دئے جانے سے نقصان پہنچا ہے۔ ہندی اور اردو کے سوال پر پیدا ہونے والی فرقہ وارانہ خلیج بھی تقسیم کے بعد سے اردو کے زوال کا ایک بڑا سبب رہی ہے۔ اردو سے واقفیت دیکھتے ہی دیکھتے طاقت کے بجائے کمزوری کا باعث اور بوجھ بن گئی۔ آئین کی اس شق (دفعہ 351) نے اس مسئلے کو شدید تر کر دیا کہ ہندی کو زیادہ سے زیادہ سنسکرت الفاظ اختیار کرنے چاہئیں۔ کئی ہندی بولنے والی ریاستوں میں ہندی کی سنسکرت کاری اور سہ لسانی فارمولے کے سبب کئے جانے سے (صرف ہندی، سنسکرت اور انگریزی کی تعلیم کی فراہمی) بیشتر سرکاری اسکولوں میں اردو کی تعلیم کا سلسلہ عموماً بالکل ختم ہو گیا، جس سے مسلمانوں کی ایک پوری نسل کی تعلیم متاثر ہوئی۔

آزاد ہندوستان میں اردو کو مسلمانوں کی زبان قرار دئے جانے اور اسے سیاست میں الجھائے جانے سے یہ بات یقینی ہو گئی کہ اس کی ترقی اور فروغ کے عمل کو پس پشت ڈال دیا جائے۔ اسکولی نظام اور تعلیم وہ اہم شعبے ہیں جہاں اردو کی جانب بے توجہی نمایاں رہی ہے۔ اردو ذریعہ تعلیم کے اسکول برے حال میں ہیں۔ اردو ذریعہ تعلیم اسکولوں کے بورڈ امتحانات کے نتائج اس کا ثبوت ہیں۔ اردو ذریعہ تعلیم والے اسکولوں کی ناموجودگی، ان میں تعلیم و تدریس کے معیار کی اتھری، برسوں تک اساتذہ کی خالی جگہوں کو پُر نہ کیا جانا اور اردو اساتذہ کی جگہ ہندی اساتذہ کا تقرر ایسے چند مسائل ہیں جو اردو کی تعلیم و تدریس کے لئے پریشان کن رہے ہیں۔

اردو کا استعمال کرنے والی آنگن وائزیوں کے نہ ہونے کے سبب اردو ذریعہ تعلیم والے اسکولوں کے بچوں کو قبل اسکول تعلیم سے گزرے بغیر ہی دیگر باضابطہ اسکولوں میں داخلہ لینا پڑتا ہے۔ اس سے ان کی اسکولوں میں داخلے سے متعلق تیاری متاثر ہوتی ہے۔ اس طرح اردو میڈیم اختیار کرنے والے مسلم بچے قبل اسکول تعلیم سے جسے بچوں کے فروغ کے لئے مددگار سمجھا جاتا ہے محروم ہو جاتے ہیں۔ اردو ذریعہ تعلیم کے اسکولوں سے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے میں دشواری ہوتی ہے کیوں کہ اردو کے ذریعے ثانوی اور اعلیٰ تعلیم دینے والے اسکول زیادہ نہیں ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ درجہ پانچ سے آگے تعلیم جاری رکھنے والا بچہ ہندی/انگریزی/علاقائی زبانوں کے اسکول میں داخلہ لے۔ اس اسکول کی زبان سے اچھی واقفیت نہ ہونے کے سبب طلبہ کی کارکردگی متاثر ہوتی ہے۔ اس کی وجہ سے بہت سے طلبہ تعلیم جاری نہیں رکھ پاتے۔ جو کسی طرح تعلیم کا سلسلہ جاری بھی رکھتے ہیں وہ بار بار ناکامیوں سے دوچار ہوتے ہیں اور ان کے اسکول چھوڑنے کا امکان بہت بڑھ جاتا ہے۔

سہ لسانی فارمولے پر بھی مناسب عمل درآ نہیں کیا گیا ہے۔ اس کے باوجود کہ بعض ریاستوں میں اردو کو دوسری زبان کا درجہ دے دیا گیا ہے، بہت سے اسکولوں میں طلبہ کو سنسکرت پڑھنی پڑتی ہے کیوں کہ وہاں دیگر زبانوں کی تدریس کا انتظام نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ سے سنسکرت عملاً ایک لازمی مضمون بن جاتی ہے، خاص طور پر ہندی علاقے میں۔ سنسکرت پڑھنے میں دلچسپی نہ ہونے سے مسلم طلبہ کی کارکردگی متاثر ہوتی ہے اور ان

اردو کو مسلمانوں کی زبان قرار دئے جانے اور اسے سیاست بازی میں الجھائے جانے سے یہ بات یقینی ہو گئی کہ اس کی ترقی اور فروغ کے عمل کو ایک کنارے ڈال دیا جائے

اردو کا استعمال کرنے والی آنگن وائزیوں کے نہ ہونے کے سبب اردو ذریعہ تعلیم والے اسکولوں کے لئے طلبہ کو ما قبل اسکول تعلیم سے گزرے بغیر ہی باضابطہ اسکولوں میں داخلہ لینا پڑتا ہے

کے گریڈ کم ہو جاتے ہیں۔ طلبہ ہائر سکندری اسکول کا امتحان اردو میں نہیں دے سکتے کیوں کہ اس کا کوئی انتظام ہی نہیں ہے اور اس طرح انہیں ہندی میں امتحان دینے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔

ان مسائل کے پیش نظر، بہتوں کا احساس تھا کہ ثانوی اور اس کے آگے کے درجات میں اردو بطور ذریعہ تعلیم نقصان دہ ہو سکتی ہے۔ اچھی کتابوں کی ناموجودگی اور اردو ذریعہ تعلیم کے طلبہ کا روزگار نہ حاصل کر پانا ایسی باتیں ہیں جن سے مسئلہ حل ہونے کی بجائے اور بڑھ جائے گا۔ بعض لوگوں کا کہنا تھا کہ ریاست کے لئے ضروری ہے کہ طلبہ کی مادری زبان میں تعلیم دینے کے وعدے کی پابندی کرے۔ مگر زبان کے مسئلے کو اعلیٰ تعلیم تک لے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اردو اتنی ہی ہندوستانی ہے جتنی کہ کوئی اور زبان اور اس کی بقاء اور فروغ کے لئے کچھ اور طریقوں پر غور کیا جانا چاہئے۔

ریاستی حکومتوں کے ذریعہ اقلیتی
تعلیمی اداروں کو تسلیم کئے جانے
میں ڈالی جانے والی رکاوٹیں
مسلم فرقے کے لئے ایک بڑا
مسئلہ ہیں

اقلیتی تعلیمی ادارے

اقلیتی تعلیمی اداروں کو تسلیم کئے جانے میں ڈالی جانے والی رکاوٹیں کئی ریاستوں میں مسلمانوں کے لئے ایک بڑا مسئلہ ہیں۔ یہ آئین ہند کی دفعہ 30 کی کھلی خلاف ورزی بھی ہے۔ کئی لوگوں نے شکایت کی کہ انہیں اقلیتی تعلیمی ادارے قائم کرنے میں سخت دشواریاں پیش آتی ہیں۔ ان دشواریوں میں درخواست دینے کے ساتھ فیس کے طور پر لی جانے والی ایک بڑی رقم (نا قابل واپسی) بھی شامل ہے۔ جس سے ایسے ادارے قائم کرنے کے اخراجات بہت بڑھ جاتے ہیں اور مسلمان اس کے تحمل نہیں ہوتے۔ بعض اوقات اداروں کو صرف ایک ایک سال کے لئے تسلیم کیا جاتا ہے۔ کبھی کبھی نئے کورسوں کی منظوری حاصل کرنے میں بھی دشواری ہوتی ہے۔ اقلیتی اداروں کے خلاف تعصبات کے کئی معاملے کمیٹی کے علم میں لائے گئے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ اقلیتی اداروں کی ناموجودگی میں مسلمانوں کے تعلیم حاصل کرنے کے امکانات حد درجہ محدود ہو جاتے ہیں۔

تعلیمی نظام ممکن ہے مسلم لڑکیوں
سے دست بردار ہو گیا ہو مگر خود
لڑکیوں نے تعلیم کا دامن نہیں
چھوڑا ہے

خواتین کی تعلیم

مسلم خواتین کی تعلیم سے متعلق بہت سے مختلف مسائل اٹھائے گئے۔ ان مسائل کے نتیجے میں داخلوں اور اسکولوں میں تعلیم جاری رکھنے کے عمل میں رکاوٹ آتی ہے۔ مگر اس تاریک منظر نامے میں امید کی ایک کرن موجود ہے اور وہ یہ کہ تعلیمی نظام ممکن ہے مسلم لڑکیوں سے دست بردار ہو گیا ہو مگر خود لڑکیوں نے تعلیم کا دامن نہیں چھوڑا ہے۔ ہر طبقے کی مسلم خواتین اور لڑکیوں میں تعلیم کے لئے زبردست جوش و خروش اور خواہش پائی جاتی ہے۔ یہ بات ان سب سے زیادہ توجہ طلب باتوں میں شامل ہے جو مختلف ریاستوں میں ملاقاتوں اور بات چیت کے دوران کمیٹی کے علم میں آئیں۔

عام طور پر اسکولوں کے گھر کے آس پاس نہ ہونے کے سبب والدین کے پاس اپنے بچوں کو ناقابل برداشت اخراجات والے نجی اسکولوں یا مدارس میں بھیجنے کے سوا اور کوئی راستہ نہیں بچتا۔ اس کی وجہ سے معاشرے میں منفی صنفی امتیازات کے عمومی ماحول (جو تمام سماجی۔ مذہبی طبقوں میں ہے) کے پیش نظر مسلم لڑکیوں کی تعلیم حد درجہ متاثر ہوئی ہے کیوں کہ غریب مسلم والدین اکثر و بیشتر صرف بیٹوں کو ہی نجی اسکولوں میں بھیجتے ہیں۔ لہذا یہ کہا گیا کہ اس عام خیال کے برعکس کہ مسلمانوں میں عام مذہبی قدامت پسندی لڑکیوں کی تعلیم کے خلاف جاتی ہے، حالیہ تحقیق سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دراصل غریبی اور مالی دشواریاں ہیں جو مسلم لڑکیوں کو جدید/سیکولر تعلیم سے محروم رکھنے کا سب سے بڑا سبب ہیں۔ مسلم خواتین

بعض لوگوں کا یہ احساس بھی تھا کہ اقلیتی اداروں میں حکومتی کوٹے کے نفاذ سے بھی مسلمانوں کے تعلیمی مواقع کم ہو جاتے ہیں

کو اپنے بچوں کا داخلہ کرانے یا ان کے لئے وظائف حاصل کرنے میں کبھی کبھی اسکولی حکام کے کھلے تعصب سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔

والدین، تحفظ سے متعلق اندیشوں کے تحت، جس کا تعلق ایک حد تک فرقہ وارانہ تشدد کے بڑھتے ہوئے واقعات سے ہے، اپنی لڑکیوں کو گھر سے دور واقع ایسے اسکولوں میں نہیں بھیجتے جہاں جانے کے لئے اجتماعی ٹرانسپورٹ کی ضرورت ہو۔ ایسا اس وقت زیادہ ہوتا ہے جب لڑکیاں پرائمری اور مڈل اسکول میں ہوتی ہیں اور اس وجہ سے اس عمر کی مسلم لڑکیوں میں تعلیم چھوڑنے کی شرح زیادہ ہوتی ہے۔ اردو کے خلاف منظم امتیازی پالیسیوں کو بھی ان اسباب میں شامل کیا جاتا ہے جن کے تحت والدین اپنی لڑکیوں کو سرکاری اسکولوں میں داخل نہیں کراتے۔ چوں کہ اردو اب بیشتر سرکاری اسکولوں میں نہیں پڑھائی جاتی اس لئے بعض والدین اپنی لڑکیوں کو مدارس میں بھیجنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہ بات اس خیال سے بھی ہم آہنگ ہے کہ لڑکیوں/خواتین کو روایات کا امین ہونا چاہئے اور روزی کمانے یا یا تنخواہ ملازمتوں کی طرف کم جانا چاہئے۔ بعض لوگ اردو کی تعلیم کو ثقافتی طور پر زیادہ مناسب اور لڑکیوں کے لئے زیادہ موزوں سمجھتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ کہ چوں کہ بنیادی دھارے کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد بھی روزگار ملنا عموماً لازمی نہیں ہوتا اس لئے اسے غیر سود مند سرمایہ کاری سمجھا جاتا ہے۔ بعض اور لوگوں نے کہا کہ چوں کہ اردو زبان کا تعلق اب روزگار یا معیشت سے نہیں رہ گیا ہے اس لئے اردو ذریعہ تعلیم کے طلبہ کے لئے آگے جانے کی کوئی راہ ہی نہیں رہ جاتی۔ مزید یہ کہ اردو میڈیم اسکولوں میں سائنس کے کورس محدود تعداد میں ہوتے ہیں۔ کئی خواتین نے مسلم لڑکیوں کے لئے عام انگریزی میڈیم اسکولوں کے حق میں رائے دی۔

تحفظ کے خیال سے جن کا تعلق فرقہ وارانہ تشدد کے بڑھتے ہوئے واقعات سے ہے، والدین اپنی لڑکیوں کو اسکول نہیں بھیجتے

4.2 روزگار کے مواقع اور لیبر بازار کی خامیاں

تمام ریاستوں میں روزگار کے شعبے میں مسلمانوں کی حد درجہ ناکافی نمائندگی پر بار بار زور دیا گیا۔ ڈگریاں اور اسناد حاصل کر لینے کے باوجود مسلمانوں کو، خاص طور پر سرکاری اور منظم سیکٹر میں روزگار نہیں ملتا۔ کمیٹی کی توجہ اختیار و اقتدار کے عہدوں میں مسلمانوں کی عدم نمائندگی کی طرف مبذول کرائی گئی۔ سرکاری ملازمتوں، بیوروکریسی، پولس، عدلیہ وغیرہ۔ میں مسلمانوں کی ناموجودگی باعث تشویش ہے۔ درجہ چہارم یا گریڈ ڈی کی سرکاری ملازمتوں میں جہاں بہت زیادہ تعلیمی لیاقت درکار نہیں ہے مسلمانوں کی حد درجہ کم نمائندگی کا سبب انٹرویو کے دوران بتا جانے والا تعصب قرار دیا گیا۔ 15 نکاتی پروگرام کی ان سفارشات کو جن میں تقرر کمیٹیوں میں اقلیتی فرقے کے نمائندوں کی موجودگی کو لازمی قرار دیا گیا تھا بروئے کار نہیں لایا گیا۔ کئی ملاقاتوں میں پولس فورس میں مسلمانوں کی حد درجہ کم نمائندگی پر بار بار اظہار خیال کیا گیا۔ پولس کے اعلیٰ ترین عہدوں پر تو مسلم نمائندگی حد درجہ کم ہے، کانٹینٹل کی سطح پر بھی ان کی نمائندگی بہت کم ہے۔ پولس فورس میں بھرتی کے امتیازی طریقوں کے بارے میں بھی شکایت کی گئی، بعض ریاستوں میں اہلیت کے امتحان میں مقامی زبان اور بعض اوقات ہندو مذہب کی گہری واقفیت لازمی قرار دے دی جاتی ہے۔ اس کی وجہ سے اردو بولنے والے مسلمان نقصان میں رہتے ہیں۔ مسلسل ہونے والے ایسے واقعات کے نتیجے میں مسلم نوجوان بے حوصلہ ہو جاتے ہیں اور مسترد کر دئے جانے کے خوف سے مقابلہ جاتی امتحانوں میں شرکت سے بھاگنے لگتے ہیں۔ چوں کہ سیاست میں بھی مسلمانوں کی شرکت بہت کم ہے، اس لئے بھی ان کے حق میں آواز اٹھانے والے بھی بہت کم ہیں۔

15 نکاتی پروگرام کی ان سفارشات کو جن میں تقرر کمیٹیوں میں مسلم نمائندگی کی موجودگی کو لازمی قرار دیا گیا تھا بروئے کار نہیں لایا گیا

نئی زمرے میں مسلمانوں کی موجودگی کا حال اس سے بھی بدتر اور مایوس کن پایا گیا۔ یہ محسوس کیا گیا کہ نئی زمرے کو اس معاملے میں حساس بنائے جانے کی ضرورت ہے تاکہ وہ مثبت امتیازات اور مثبت اقدامات کے ذریعے مسلمانوں میں روزگار کے مواقع فراہم کرے۔ بزنس پرائس آؤٹ سورسنگ (BPO) Business Process Outsourcing (BPO) زمرے کا ذکر بھی کیا گیا جہاں قابل توجہ طور پر بظاہر مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کو روزگار مل رہا ہے۔ اس بات کی نشان دہی کی گئی کہ انگریزی کی استعداد اس زمرے میں روزگار حاصل کرنے

نئی زمرے میں مسلمانوں کو روزگار کے مواقع فراہم کرنے کے معاملے میں حساس بنائے جانے کی ضرورت ہے

زبردست اقتصادی ترقی کے
باوجود مسلمانوں کو نرم کاری کی پیدا
کردہ نام نہاد مقابلے کی قوتوں
کی سیدھی مار سہنی پڑ رہی ہے

روایتی پیشوں کی تباہی نے
مسلمانوں کو ذرائع آمدنی سے
محروم کر دیا

قرضے اور بازار کی فراہمی اہم
ضرورتیں ہیں

کی واحد بنیاد ہے۔ یہاں کسی قسم کے تعلقات یا وابستگیوں کے بجائے خالص بازار کی قوتیں بھرتی کے عمل پر حاوی ہوتی ہیں۔ تاہم یہ بات چند بڑی کمپنیوں کے معاملے میں جزوی طور پر درست ہو سکتی ہیں مگر چھوٹی یا اوسط درجے کی کمپنیوں نے، جو نجی زمرے میں حاوی ہیں، مسلمانوں کو برابری کے مواقع نہیں دئے ہیں۔

اقتصادی نرم روی اور ذرائع آمدنی

روایتی پیشوں سے بے دخل کئے جانے کے سبب مسلمان اپنے ذرائع معاش سے محروم ہوئے ہیں اور ان میں اقتصادی پسماندگی آئی ہے۔ آج ہندوستان میں ہر طرف زبردست اقتصادی ابھار کے چرچے ہیں مگر اس کے باوجود ہندوستانی مسلمانوں کو اقتصادی نرم کاری سے پیدا ہونے والی نام نہاد مقابلے کی قوتوں کے سیدھے واسطے پڑ رہے ہیں۔ اندرونی اور بیرونی نرم کاری، بے روزگاری اور کارکنوں کی برطرفی کی صورت میں خاصی بھاری قیمت اٹھانی پڑ رہی ہے۔ یہ کارکن مقابلے میں تیز تر درآمدی کمپنیوں کے ہاتھوں روزگار سے محروم کر دئے گئے ہیں۔ مسلمان زیادہ تر معیشت کے غیر منظم زمرے میں ہیں جہاں کبھی بھی کسی قسم کا کوئی تحفظ نہیں ہوتا اور اسی لئے نرم کاری کے منفی اثرات بھی ان کے لئے شدید تر رہے ہیں۔ مسلمانوں کے روایتی پیشے اور کاروبار مثلاً ریٹیم اور ریٹیم کے کیڑے پالنے کی صنعت، پینڈلوم اور پاپولوم، چڑے کی صنعت، مونڈ گاڑیوں کی مرمت کے کام، ملبوسات کے کاروبار وغیرہ نرم کاری کے بلے میں تباہ ہو چکے ہیں۔ اس سلسلے میں چین سے ریٹیم کی درآمد اور ریٹیم کی صنعت پر اس کے تباہ کن اثرات کا ذکر کیا گیا۔ تیار ملبوسات کی صنعت نے بہت سے درزیوں کا کاروبار، جن میں بیشتر مسلمان ہیں، ٹھپ کر کے رکھ دیا ہے۔ اصولی طور پر، ان کارمگروں کو نئے پیداواری سلسلوں کا حصہ بن جانا چاہئے تھا، بشرطیکہ ان کے پاس مناسب ساز و سامان (حکومت کی اسکیموں کے تحت محض سلائی مشینوں کی فراہمی بے کار تھی) اور ہنر ہوتا۔ جو دست کاران نامساعد حالات میں ڈٹے رہے وہ بنیادی ڈھانچے (مثلاً مہنگی بجلی، مہنگے خام مال (سبڈی نہ ہونے کی وجہ سے)، قرضوں کی عدم فراہمی اور بازار نہ ہونے کے مسائل سے دست و گریباں ہیں۔ ان سہولتوں کی ناموجودگی میں یہ دست کار بچیوں کے استحصال کا شکار ہوتے ہیں اور ان کے ذریعے کام کے لئے دی جانے والی اجرت عموماً بہت کم ہوتی ہے۔ نرم کاری کے پیش نظر، ہنرمندی میں تنوع پیدا کرنے اور پیشوں کا معیار بلند کرنے کے لئے باز آباد کاری کے اقدامات فوری طور پر ضروری ہیں۔ تربیت اتنی متنوع ہونی چاہئے کہ ان لوگوں کو نئی صنعتوں میں داخل ہونے میں مدد ملے۔ ان لوگوں کے لئے بھی جو میٹرک تک پاس نہیں ہیں تکنیکی تربیت درکار ہے۔ قرضے اور بازار کی فراہمی بھی اہم ضرورتیں ہیں۔ اس ضمن میں پیشہ ورانہ تعلیم پر بھی زور دیا گیا۔ اس قسم کی تعلیم دست کاروں کے بچوں کو نئے مواقع فراہم کر سکتی ہے۔

مسلم خواتین کام کے بہتر حالات
پر اصرار نہیں کر سکتیں کیوں کہ
بیشتر کام جو وہ کرتی ہیں ذیلی
ٹھیکیداروں کے تحت ہوتا ہے

خواتین کے روزگار سے متعلق امور

مسلم خواتین بہت بڑی تعداد میں خود اپنے طور پر روزگار (گھروں میں رہ کر کئے جانے والے کام) سے لگی ہوئی ہیں۔ سلائی، کڑھائی اور کشیدہ کاری، زری کا کام، چکن کا کام، تیار ملبوسات، اگر تھی اور بیڑی سازی وغیرہ ایسے پیشے ہیں جن میں بیشتر مسلم خواتین کارکن برسر کار ہیں۔ لیکن ان پیشوں میں انہیں کم آمدنی، کام کے ایتر حالات، ٹوائٹ اور بچوں کی دیکھ بھال کے مراکز کی ناموجودگی، صحت بیرو جیسی سماجی تحفظ کی سہولتیں نہ ہونے اور کام کی زیادہ سے زیادہ قیمت حاصل کرنے کے مواقع کی ناموجودگی کے مسائل درپیش ہیں۔ کئی ریاستوں میں گھریلو روزگار تقریباً بیٹھ چکا ہے جس سے غریب مسلم خواتین سخت افلاس کی حد تک جا پہنچی ہیں۔

گھریلو روزگار کی صورت میں مسلم خواتین کے روزگار کی اس حالت کا ایک سبب باضابطہ روزگار میں کارفرما امتیازات بھی ہیں۔ یہ ایک تاریک دائرہ ہے جس میں غریبی اور تعلیم اور تکنیکی مہارتوں کی کمی کے نتیجے میں کام میں ہنرمندی نہیں ہوتی جس سے آمدنی کم ہو جاتی ہے اور اس سبب کے سبب غریبی کا سلسلہ بڑھتا رہتا ہے۔ مسلم عورتیں کام کے بہتر حالات پر اصرار نہیں کر سکتیں کیوں کہ بیشتر کام جو وہ کرتی ہیں ذیلی ٹھیکیداری کے تحت ہوتا ہے۔ باہر نکل کر زیادہ دوڑ دھوپ کرنے پر عائد پابندیوں (سماجی اور ثقافتی اسباب کے تحت) کے سبب ان کے روزگار اور اچھی اجرت کے مواقع محدود ہو جاتے ہیں۔ وہ آزادانہ طور پر قرضوں کی سہولت، ہنرمندی میں اضافے کے مواقع یا بازاروں تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش نہیں کر سکتیں۔ یہ بتایا گیا کہ مسلم خواتین کو قرضے دینے کے معاملے میں امتیازات برتے جاتے ہیں۔ غریب مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی علاحدگی اور خود گزینی کے سبب گھروں میں رہ کر کام کرنے والی مسلم خواتین الگ تھلگ ہو کر رہ جاتی ہیں جس کے نتیجے میں باہر کی دنیا سے ان کے رابطے ٹوٹ جاتے ہیں اور ان کی اجتماعی کوششوں کی صلاحیت کند ہو جاتی ہے۔ گھروں میں رہ کر کام کرنے والی بہت سی خاتون کارکن پیداواری سلسلے کی اتنی چٹائی سطح پر ہوتی ہیں کہ انہیں پوری طرح بچوں کے توسط سے کام کرنا پڑتا ہے اور انہیں یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ ان کا اجر کون ہے۔ حکومت کے ماکرو ڈیٹا سٹانڈنگ پروگراموں مثلاً خود امداد گروپوں، سلف ہیپ گروپ (ایس، ایچ، جی) واٹر شیڈ پروگراموں اور پنچایتی راج اداروں میں مسلم خواتین کی شرکت بہت ہی کم ہے۔ ان اداروں میں ان کو شریک کرنے کی کوششیں ضروری ہیں۔ یہ بھی کہا گیا کہ حکومت کو چاہئے کہ اسکول یونیفارم بنانے جیسے کام مسلم خواتین کو ٹھیکے پر فراہم کرے۔ اس سے ممکن ہے بچوں پر ان کا انحصار کم ہو سکے۔

بہت سے بینکوں نے کئی مسلم علاقوں کو منفی یا سرخ علاقے قرار دے رکھا ہے جہاں وہ قرضے نہیں دیتے

قرضوں کا ناقص نظام

یہ مفروضہ احساس کہ سرکاری اور نجی دونوں زمروں کے بینک قرض فراہم کرنے میں امتیازات برتتے ہیں، بہت عام ہے اور یہ معاملہ بیشتر ریاستوں میں اٹھایا گیا۔ بعض ریاستوں میں یہ شکایت کی گئی کہ بہت سے بینکوں نے مسلم اکثریتی علاقوں کو منفی یا سرخ علاقے قرار دے رکھا ہے جہاں وہ قرضے نہیں دیتے۔ مزید یہ کہ مسلمانوں کے لئے سرکاری افسروں سے ضمانت حاصل کرنا (جو بینکوں کی شرط ہوتی ہے) انتہائی دشوار ہوتا ہے کیوں کہ وہ سرکاری افسروں تک بہ آسانی پہنچ نہیں سکتے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ مسلم سرکاری افسروں کی تعداد زیادہ نہیں ہے یا پھر یہ کہ غیر مسلم سرکاری افسرانہیں ضمانت دینے کو تیار نہیں ہوتے۔ اس سے غریب مسلمان سب سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔

بتایا گیا کہ قومی تحویل والے بینک بھی حکومت کی اسکیموں کے تحت مسلمانوں کو قرضے منظور کرنے میں پس پیش کرتے ہیں۔ حکومت کبھی بھی ان اسکیموں کا اس طرح جائزہ نہیں لیتی کہ ان کے فوائد مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کو پہنچ بھی رہے ہیں یا نہیں۔ ایسے جائزے پابندی سے کرائے جانے چاہئیں اور قصور داروں کے خلاف کارروائی کی جانی چاہئے۔ قرضوں کے نظام کی یہ خامیاں، مسلم آبادی والے علاقوں میں قومی تحویل والے، نجی اور کوآپریٹو بینکوں کی ناموجودگی کے سبب شدید تر ہو جاتی ہیں۔

بعض لوگوں کا خیال تھا کہ مسلم اہل صنعت کے لئے علاحدہ مالیاتی ادارے قائم کئے جانے چاہئیں۔ دیگر لوگوں نے کہا کہ موجودہ اقلیتی مالیاتی ادارے ناکام ہو چکے ہیں اور یہ کہ خود امدادی گروپوں کے ذریعے غیر مرکز و ماکرو کریڈٹ اسکیمیں مسئلے کا بہترین حل ہو سکتی ہیں۔ مسلم خاتون اہل صنعت سے متعلق بعض موجودہ خود امدادی گروپوں کو، جو کامیاب رہے ہیں، اس سلسلے میں قابل تقلید مثال کے طور پر پیش کیا گیا۔

مسلم اکثریتی علاقوں میں مناسب شہری سہولتوں اور بنیادی ڈھانچے کی سہولتوں کا فقدان

4.4 بنیادی ڈھانچے اور سرکاری پروگراموں تک رسائی اور استفادہ

مختلف ریاستوں میں مسلمانوں کی جانب سے کئی گئی ایک اور بڑی شکایت مناسب شہری سہولتوں اور بنیادی ڈھانچے کی ناموجودگی کے بارے میں تھی۔ خستہ حال سڑکیں اور ٹرانسپورٹ، صفائی، پانی، بجلی اور اجتماعی صحت کی سہولتوں کا نہ ہونا مسلم اکثریتی علاقوں کے منظر نامے کا لازمی حصہ ہے۔ بتایا گیا کہ یہ علاقے عموماً آنگن واڑیوں، راشن کی دکانوں اور سرکاری اسکولوں سے محروم ہوتے ہیں۔ اگرچہ سرکاری حکام مسلم علاقوں

میں ان سہولتوں کی فراہمی کے سلسلے میں کسی منفی امتیازی سلوک سے انکار کرتے ہیں مگر ان علاقوں کے باشندوں کو اس کا پورا یقین ہے۔ بعض لوگوں نے اس سلوک کو تاریخی اسباب سے منسوب کیا اور معمولہ ترقیاتی پیمانہ لگایا، قرار دیا جب کہ بعض دیگر لوگوں نے کہا کہ مقامی حکمرانی کے اوروں میں مسلمانوں کی ناکافی شرکت کے سبب ترقی کے ثمرات مسلم اکثریتی علاقوں کو حاصل نہیں ہو پاتے۔

مسلمانوں، بطور خاص مسلم خواتین کی صحت کا معاملہ غریبی اور پینے کے صاف پانی اور صفائی جیسی بنیادی خدمات کی ناموجودگی سے راست تعلق رکھتا ہے۔

ایک اور شکایت بطور خاص سڑکوں اور بجلی جیسی بنیادی سہولتوں کی کمی کے بارے میں تھی۔ اس سے مسلمانوں کے رہن سہن، خاص طور پر اہل حرفہ اور دست کاروں کی زندگی منفی طور پر متاثر ہوتی ہے، کیوں کہ اس کی وجہ سے ان کے خریدار بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ بین الاقوامی سطح پر کام کرنے والے مسلم اہل حرفہ اور دست کار اس سے اور زیادہ متاثر ہوتے ہیں اور وہ مال کی بروقت سپلائی کو یقینی بنانے کے لئے اچھی سڑکوں والے علاقوں میں منتقل ہو جاتے ہیں۔ یہ مسئلہ مسلم صنعت کاروں کے لئے شدید تر ہوتا ہے کیوں کہ ضلع کے صنعتی سرگرمیوں والے مخصوص علاقے، جہاں اچھی سہولتیں موجود ہوتی ہیں، مسلم علاقے کے آس پاس نہیں ہوتے۔ مسلمان عدم تحفظ کے اندیشے کے تحت ان مخصوص صنعتی علاقوں میں پلاٹ خریدنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔

مسلمانوں، بطور خاص مسلم خواتین کی صحت کا معاملہ غریبی اور پینے کے صاف پانی اور صفائی جیسی بنیادی خدمات کی ناموجودگی سے براہ راست تعلق رکھتا ہے۔ ان خدمات کے نہ ہونے کے سبب ناقص غذا، خون کی کمی اور طرح طرح کی بیماریاں اور کم متوقع عمر جیسے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ احساس علاقوں میں، بہت سے سماجی-نفسیاتی مسائل مثلاً ذہنی تناؤ، ڈپریشن، اور خواتین میں سناحت کے زیر اثر پیدا ہونے والی نفسیاتی ابتری تشویش ناک حد تک موجود ہیں۔ مسلم اکثریتی علاقوں میں رہنے والی خواتین کے لئے دست یاب صحت خدمات دیگر سماجی-مذہبی طبقتوں کی خواتین کے مقابلے میں بدتر ہیں۔ ابتدائی صحت خدمات بھی خاصے فاصلے پر دست یاب ہوتی ہیں۔ سرکاری صحت مراکز میں مسلم خواتین کے ساتھ ہونے والے ناگوار سلوک کے سبب وہ وہاں جانے سے گریز کرتی ہیں اور اپنے فرقے کے مقامی صحت خدمات فراہم کرنے والوں کو ترجیح دیتی ہیں، خاص طور پر امراض نسواں کے سلسلے میں، خواہ یہ لوگ سہولت یافتہ ہوں یا نہ ہوں۔ سرکاری صحت خدمات سے مستفید ہونے سے مسلم خواتین کے پس و پیش کے سبب نجی ڈاکٹر اکثر ان کا استحصال کرتے ہیں۔ وہ چند صحت مراکز جہاں خاتون ڈاکٹر ہوتی ہیں شہری علاقوں میں ہوتے ہیں جس سے دیہی علاقوں کے لوگوں کو تقریباً صحت خدمات کے بغیر ہی رہنا پڑتا ہے۔ مسلم اکثریتی علاقوں میں پینے کے پانی اور صفائی کی بد حالی پر بھی تشویش ظاہر کی گئی۔

آبادی پر قابو رکھنے کیلئے پروگراموں کی خدمات اور مانع حمل طریقوں سے واقفیت موثر طور پر مسلم خواتین کو حاصل نہیں ہوتی

بعض لوگوں کا خیال تھا کہ آبادی پر قابو رکھنے کے پروگراموں اور مانع حمل طریقوں سے واقفیت موثر طور پر مسلم خواتین کو حاصل نہیں ہوتی۔ مسلمانوں میں اونچی شرح پیدائش کسی حد تک آسانی سے دستیاب مانع حمل سہولتوں سے ناواقفیت اور بہ آسانی استعمال میں لائی جاسکتے والی صحت خدمات کی عدم موجودگی کی وجہ سے بھی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی کہ خواتین اکثر ان صحت مراکز کا رخ نہیں کرتیں جہاں خاتون ڈاکٹر نہیں ہوتیں۔

مسلمان، بطور خاص خواتین، حکومت کی ترقیاتی اسکیموں تک تقریباً بالکل نہیں پہنچ پاتے۔ وہ خط افلاس سے نیچے (بی پی ایل) رہنے والے لوگوں سے متعلق جو اہر روزگار یोजना کے پروگراموں کے تحت مکان بنانے کے لئے قرضے حاصل کرنے اور بیواؤں کی پنشن کے معاملوں میں امتیازات سے دوچار ہوتے ہیں۔ مسلمان اکثر ادبی سی کو دست یاب ریزرویشن کے فوائد حاصل کرنے سے بھی محروم رہتے ہیں کیوں کہ حکام انہیں طبقے سے وابستگی کا سند نامہ جاری نہیں کرتے۔ یہ شکایت بھی کی گئی کہ بہت سے مستحق مسلم ادبی سی کو سرکاری فہرست میں شامل نہیں کیا گیا ہے جس سے مسلم فرقہ اس کے بہت سے فوائد سے محروم ہیں۔ بہت سی مسلم خواتین کو نیاراشن کارڈ حاصل کرنے میں حکام کی بدسلوکی سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ سرکاری سہولتوں سے ان کی بددلی کا یہ عالم ہے کہ بہت سے غریب مسلمانوں نے بی پی ایل کارڈ تک حاصل نہیں کئے ہیں۔ وہ ذات برادری اور ادنیٰ سے متعلق مناسب سند نہ ہونے کے سبب اسکولوں میں مفت یونیفارم اور کالجوں میں وظیفے کی سہولتیں بھی حاصل نہیں کر

اس بات پر تشویش ظاہر کی گئی کہ

پاتے۔ بڑھتی ہوئی رہائش علاقہ جی کے پیش نظر، سماجی خدمات (صحت، اسکولی تعلیم، راشن، میونسپل/سرکاری دفاتر) کی ناموجودگی سب سے زیادہ خواتین کو متاثر کرتی ہے کیوں کہ وہ ان سہولتوں کو کہیں اور سے حاصل کرنے کے لئے اپنے 'محفوظ' محلوں سے باہر نکلنے میں جھجکتی ہیں۔ فیصلہ سازی کی جگہوں پر۔ گاؤں پنچایتوں سے پارلیمنٹ تک۔ مسلم خواتین تقریباً ناموجود ہیں۔ وہ حکومت کے قائم کردہ اقلیتی بہبود کے اداروں تک میں جگہ حاصل نہیں کر پاتیں۔

بہت سی ریاستوں میں ووٹر فہرستوں سے مسلمانوں کا نام غائب ہونا عام بات ہے

4.5 سیاسی شرکت، حکمرانی اور مساویانہ انصاف

جیسا کہ اس باب میں اس سے پہلے ذکر کیا گیا، کمیٹی نے جن لوگوں سے ملاقاتیں کیں ان میں سے بہت سوں نے کہا کہ حکومت، یہاں تک کہ مقامی حکومتی اداروں اور اس قسم کے دیگر اداروں میں مناسب، مسلم آواز، کی کمی کے سبب مسلمان بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔ ان کے خیال میں سیاسی شرکت اور حکمرانی کے اداروں میں نمائندگی، انصاف حاصل کرنے کے لئے لازمی ہے۔ بہت سے لوگوں نے شکایت کی کہ مسلمانوں کو کئی طریقوں سے سیاسی شرکت سے دور رکھا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں پیش کی گئی دو خصوصی مثالیں یوں ہیں:

حد بندی کمیشن نے بہت سے مسلم اکثریتی اسمبلی حلقوں کو ریزرو حلقے قرار دے دیا گیا ہے

☆ ووٹر فہرستوں میں مسلمانوں کا نام نہ ہونا

اس بات کی نشان دہی کی گئی کہ کئی ریاستوں میں ووٹر فہرستوں سے بہت سے مسلمانوں کے نام غائب ہیں۔ اس سے نہ صرف یہ کہ مسلمان سیاسی طور پر کمزور ہو جاتے ہیں بلکہ وہ حکومت کی اسکیموں سے فائدہ اٹھانے کے مستحق بھی نہیں رہ جاتے۔

☆ انتخابی حلقوں کا ریزرویشن

کمیٹی کی توجہ مسلم اکثریتی اسمبلی حلقوں کو ریزرو حلقے قرار دئے جانے کے مسئلے کی جانب مبذول کرائی گئی جہاں صرف ایس سی امیدوار ہی انتخابات میں حصہ لے سکتے ہیں۔ لوگوں کا کہنا تھا کہ اس اقدام سے مسلمانوں کو منصوبہ بند طریقے سے سیاسی شرکت سے بے دخل کیا جا رہا ہے۔

اگرچہ کمیٹی ووٹر فہرستوں کے معاملے پر غور نہیں کر سکی مگر ریزرو حلقوں کے معاملے سے متعلق حقائق کی توثیق کرنے کی کوشش ضرور کی گئی۔ تین ریاستوں اتر پردیش، بہار اور مغربی بنگال میں ایس سی امیدواروں کے لئے مخصوص کئے گئے ریزرو حلقوں سے متعلق ہمارے تجزیے سے معلوم ہوا کہ مذکورہ شکایتیں درست ہیں (دیکھئے ضمیمہ 2.1) [7]

مثبت اقدام، بطور خاص ریزرویشن کی شکل میں، کا مطالبہ بڑے پیمانے پر کیا گیا

5 اختتامیہ کے بجائے

بعض علاقوں میں، مسلم خواتین میں اوسط سے زیادہ تعداد بی بی میں مبتلا پائی گئی۔ ایسا کسی حد تک ان کے کام کی نوعیت کے سبب ہو سکتا ہے مگر اس کا زیادہ بڑا سبب صفائی ستھرائی کی کمی ہے۔ مسلم خواتین کا بی بی زدہ ہونا سارے گھر کو متاثر کرتا ہے کیوں کہ ان میں اس مرضی کے بارے میں معلومات عام نہیں ہے۔ اس لیے احتیاطی تدابیر بھی شاید ہی کبھی اختیار کی جاتی ہوں۔

مسلمان دولت کوٹے سے محروم ہیں
جب مذہبی سکھ اور نو بودھ لوگ اس
سے استفادہ کر رہے ہیں

مسلم پسماندگی کے معاملات کا
اندازہ لگانے اور ان پر غور کرنے
کیلئے اعداد و شمار جمع کرنے کی
ضرورت کے بارے میں مسلمان
تقریباً متفق ہیں

مجھے حصوں میں بیان کئے گئے بہت سے مسائل صرف مسلمانوں سے مخصوص نہیں ہیں۔ تمام محرومیوں کے شکار سماجی۔ مذہبی طبقے ان سے دوچار ہیں۔ مسلمانوں کا احساس عدم تحفظ اور تشخص کا بحران انہیں ان مسائل کو مسلم فرقے سے مخصوص سمجھنے پر مائل کرتا ہے اور ان مسائل پر غور بھی کیا جانا چاہئے۔ تاہم مختلف ریاستوں میں، تشخص، تحفظ اور مساویانہ انصاف کے امور کی اضافی اہمیت میں اہم علاقائی فرق واضح طور پر نظر آتا ہے۔

جس طرح مسائل کو سمجھنے کے انداز مختلف تھے اسی طرح ان کے حل کے طریقوں سے متعلق رائے بھی الگ الگ تھی۔ مثبت اقدام، بطور خاص ریزرویشن کی شکل میں، کا مطالبہ عام طور پر کیا گیا۔ بعض لوگوں کا کہنا تھا کہ مساوات کو فروغ دینے والی پالیسیوں کو محض ظاہری طور پر مساوی یا یکساں سلوک ہی نہیں ٹھوس مساوی نتائج حاصل کرنے کا مقصد بھی پیش نظر رکھنا چاہئے۔ روزگار اور تعلیمی اداروں میں مسلمانوں کے لئے ریزرویشن یا علاحدہ کوٹے کو اس کے حصول کا ذریعہ قرار دیا گیا۔ بعض دیگر لوگوں کا احساس تھا کہ ریزرویشن کا معاملہ خاصا متنازعہ ہو گیا ہے اور اس کے نتائج منفی ہو سکتے ہیں۔ کچھ اور لوگوں کا کہنا تھا کہ اچھی تعلیمی سہولتیں اور ان کے ساتھ غیر امتیازی سلوک مسلمانوں میں مقابلے کی اہلیت پیدا کرنے کے لئے کافی ہے۔

ریزرویشن کے حامی لوگوں میں اس بات پر اختلاف رائے تھا کہ اس کا فائدہ اٹھانے والے کون ہوں گے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ یہ سہولت صرف دولت، مسلمانوں کو حاصل ہونی چاہئے جب کہ دیگر لوگوں کی رائے تھی کہ اس سے سارے فرقے کو مستفید ہونا چاہئے۔ بعض لوگوں کے نزدیک اقتصادی پیمانہ ہی مسلمانوں کے لئے ریزرویشن کی بہترین بنیاد بن سکتا ہے کیوں کہ مسلمانوں کی بڑی تعداد اقتصادی طور پر محروم ہے مگر کچھ اور لوگوں کے مطابق اس پیمانے کے تحت سماجی امتیازات سے پیدا ہونے والے مسائل کا تدارک نہیں ہو سکے گا۔ بہت سے لوگوں نے مشورہ دیا کہ مسلمانوں کے لئے ریزرویشن حاصل کرنے کا زیادہ مناسب طریقہ یہ ہوگا کہ وہ مذہبی بنیادوں پر ریزرویشن کے بجائے او بی سی کوٹے کے تحت روزگار اور اقتصادی ترقی کے مواقع حاصل کریں۔ لہذا، لوگوں کی رائے تھی کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ ریزرویشن کے فوائد حاصل کرنے کے لئے موجودہ ذات برادری کے ذرائع کا بھرپور استعمال کریں۔ آئینی طور پر قابل قبول ہونے کے ساتھ ہی اس نظام کو خاصا اعتبار اور قبولیت بھی حاصل ہو گئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی بعض لوگوں نے مسلمانوں کو ایس سی کوٹے کی سہولتیں فراہم نہ ہونے پر سوال قائم کیا جب کہ یہ سہولتیں مذہبی سکھوں اور نو بودھوں کو حاصل ہیں۔

مسلم پسماندگی کے مسائل کا جائزہ لینے اور ان پر غور کرنے کے لئے اعداد و شمار جمع کرنے کی ضرورت کے بارے میں مسلمانوں میں تقریباً مکمل اتفاق رائے پایا جاتا ہے۔ اعداد و شمار کی ضرورت پر کوئی اختلاف نہیں کیوں کہ صرف اس کے ذریعے ہی یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ مسلم پسماندگی امتیازات کا نتیجہ ہے یا نہیں۔ یہ بات کہ امتیازات کی موجودگی سے اکثر و بیشتر انکار کیا جاتا ہے، اعداد و شمار جمع کئے جانے کی ضرورت کا واضح

7 کمیٹی نے تینوں ریاستوں اتر پردیش، بہار اور مغربی بنگال میں ایس سی امیدواروں کے لئے مخصوص ریزرو حلقوں سے متعلق اعداد و شمار کا تجزیہ کیا (ضمیمہ جدول 2.2)۔ ان ریاستوں میں ہندوستانی مسلمانوں کی نسبتاً زیادہ تعداد پائی جاتی ہے۔ اعداد و شمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ حد بندی کمیٹی نے ان ریاستوں میں جن حلقوں کو ایس سی لوگوں کے لئے مخصوص کیا ہے وہ کم و بیش وہی حلقے ہیں جہاں مسلمانوں کی بڑی تعداد موجود ہے اور جہاں ان کی آبادی کہیں کہیں 50 فی صد سے زیادہ ہے اور آبادی میں ان کا تناسب ایس سی لوگوں سے زیادہ ہے۔ دوسری جانب، ان ریاستوں میں ایسے دیگر حلقوں کی بڑی تعداد ہے جہاں ایس سی لوگوں کی تعداد زیادہ ہے اور کہیں کہیں پوری آبادی کی تقریباً آدھی یا اس سے بھی زیادہ ہے مگر ان حلقوں کو غیر مخصوص قرار دیا گیا ہے۔ ایک لحاظ سے اسے امتیازی طرز عمل کہا جاسکتا ہے اور اس سے مسلمانوں کے جمہوری اداروں کے لئے منتخب ہونے کے امکانات میں یقینی طور پر کمی آتی ہے۔

اشارہ یہ ہے۔ یہ کہا گیا کہ تفصیلی اعداد و شمار کی بنیاد پر پابندی سے کئے جانے والے جائزے اور مستعد نگرانی ریاستی پراجراموں کو مسلمانوں تک پہنچانے کے سلسلے کو فروغ دینے کے کارگر طریقے ہو سکتے ہیں۔

بہت سے لوگوں کا کہنا تھا کہ کچھ مسائل کو معلومات کی کمی کو دور کر کے حل کیا جاسکتا ہے۔ یہ تشویش ظاہر کی گئی کہ ملازمتوں اور حکومت کی اسکیموں اور پراجراموں سے متعلق معلومات مسلمانوں تک موثر انداز سے نہیں پہنچتی۔ میڈیا کے ذریعے، بطور خاص اس زبان میں جسے مسلمان بخوبی سمجھتے ہیں مثلاً اردو، کے ذریعے اس معلومات کو بڑے پیمانے پر عام کرنے کی کوششیں کی جانی چاہئیں۔ یہ مشورہ بھی دیا گیا کہ ایسے مشاورتی مراکز بھی قائم کئے جانے چاہئیں جہاں لوگ اپنے لئے بنائی گئی اسکیموں سے واقف ہوں اور ان کا فائدہ اٹھا سکیں۔ معلومات کی کمی کے سبب مسلمانوں سے متعلق سرکاری پیسہ بے استعمال رہ جاتا ہے۔

جمہوری ریاست کی اس بات کو یقینی بنانے کی ذمہ داری پر بھی زور دیا گیا کہ کوئی بھی شہری امتیازات کی وجہ سے پسماندہ نہ رہے۔ اگر کسی فرقے کی پسماندگی کا سبب امتیازات کے سوا کچھ اور عوامل ہیں تب بھی اس پسماندگی کو ختم کرنا ریاست کی ذمہ داری ہے۔ اسی کے ساتھ کئی لوگوں نے کہا کہ اپنی مدد آپ کا طریقہ ان مسائل کو حل کرنے میں حد درجہ مددگار ہو سکتا ہے۔ وقف جائیدادوں کا بہتر بندوبست، زکوٰۃ جیسے روایتی نظام کے ذریعے دست یاب ہونے والی رقوم کو تعلیم اور صحت کے شعبوں میں استعمال کرنے اور جمہوری عمل میں زیادہ سرگرم شرکت سے مسلم فرقے کو بڑا فائدہ ہو سکتا ہے۔

اس باب میں پیش کردہ تاثرات اور تناظرات، جن کا تعلق پالیسی نفاذ کے ذریعوں سے بھی ہے، اس رپورٹ کے بقیہ حصے کا ایک وسیع تر سیاق پیش کرتے ہیں۔ بقیہ ابواب میں عموماً مساویانہ انصاف کے امور پر توجہ دی گئی ہے اور اپنی بات اعداد و شمار کی بنیاد پر کہی گئی ہے۔ ان ابواب میں بھی مذکورہ بہت سے تاثرات کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

مسلمانوں کی آبادی، تقسیم آبادی اور صحت کی صورت حال

1- تعارف

2001 کی مردم شماری میں مسلم مسلمان ہندوستان میں دوسرا سب سے بڑا مذہبی فرقہ ہیں اور اس طرح وہ ملک کی سب سے بڑی مذہبی اقلیت ہیں۔ 2001 کی مردم شماری میں ہندوستان کی مسلم آبادی 13 کروڑ 80 لاکھ تھی اور اب 2006 میں بڑھ کر تقریباً 15 کروڑ ہو جائے گی۔ ہندوستان کی مسلم آبادی، پوری دنیا میں مسلمانوں کی سب سے بڑی آبادی ہے، جو انڈونیشیا کے بعد پاکستان و بنگلہ دیش سے زیادہ ہے۔ مزید برآں یہ دنیا کے بہت سے ملکوں کی مجموعی آبادی سے بھی زیادہ ہے۔ ہندوستان بہت زیادہ آبادی والا ملک سمجھا جاتا ہے اور ہندوستان کی آبادی سے متعلق پالیسی یہ ہے کہ 15 کروڑ ہو گئی ہوگی

2010 تک شرح پیدائش کی قابل تجدید سطح حاصل کر جائے۔ تاہم ہندوستان کی آبادی سے متعلق پالیسی کے انداز نفاذ پر، بطور خاص جدید مانع حمل طریقوں کے فروغ اور مقبول بنانے کے عمل میں مضمحلہ جبر کے عنصر کی وجہ سے سخت کٹھن چینی کی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ ہندوستان کی آبادی سے متعلق پالیسی ان موجودہ اقتصادی اور سماجی قوتوں کی ہمہ جہتی کو تسلیم نہیں کرتی، جو خاندان کے حجم کو متعین کرنے کے

فیصلوں کو متاثر کرتی ہیں۔ مثلاً کمزوروں اور غریبوں کے لئے کوئی بھی قابل ذکر اور قابل انحصار سماجی تحفظ کا نظام موجود نہیں ہے۔ اس لئے ابھی تک بچوں کو ضمنی کے دوران تحفظ کی بنیاد سمجھا جاتا ہے، حالانکہ گذشتہ برسوں کے دوران اوسط کنبے کے حجم میں کمی آئی ہے۔ آبادی سے متعلق پروگرام میں خواتین کی نس بندی پر ضرورت سے زیادہ انحصار کیا جا رہا ہے اور بچوں کی تعداد کم رکھنے کے دیگر طریقوں کے استعمال پر بہت کم یا کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔ اس کا احساس بھی بہت کم ہے کہ بالآخر ترقی اور مساویانہ انصاف ہی وہ بنیادیں ہیں جو لوگوں کو بچوں کی پیدائش کے سلسلے میں باخبر فیصلے کرنے کی قوت دیتی ہیں۔ اس سلسلے میں، تعلیم بطور خاص خواتین کی تعلیم نہ صرف شرح پیدائش کم کرنے بلکہ نوزائیدوں اور بچوں کی شرح اموات کم کرنے، نوزائیدوں کے وزن میں بہتری لانے اور مجموعی انسانی ترقی کے لحاظ سے بھی زبردست اہمیت کی حامل ہے۔

نہیں رکھی جاتی

ماضی قریب میں ہندوستان میں ہر بڑے مذہب کی آبادی میں خاصا اضافہ ہوا ہے، لیکن مسلمانوں کے درمیان اضافے کا تناسب اوسط سے زیادہ رہا ہے۔ آبادی میں اضافے کی شرح آزادی سے قبل بھی مختلف مذاہب میں مختلف رہی ہے۔ گذشتہ دو مردم شماریوں کے درمیانی عشرے

میں اضافہ آبادی کے رجحان میں ایک منفی رخ نظر آتا ہے۔ جس سے منفی اضافہ نہیں بلکہ آبادی میں کمی ظاہر ہوتی ہے۔ جو 91-1981 میں 23.9 فیصد تھی، 2000-1999 میں 21.5 تک کم ہو گئی۔ یہ کمی دونوں بڑے فرقوں ہندو اور مسلمانوں میں ہوئی۔ مؤخر الذکر میں 22.7 فی صد سے 19.9 فی صد تک یعنی 2.8 فی صد۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آبادی میں اضافے کا فرق کم ہوا ہے۔ جو حالات میں یکسانیت پیدا ہونے کی

اس باب میں ہندوستانی مسلم آبادی علامت ہے۔

کی صورت حال ان دنوں جاری اس باب میں ہندوستانی مسلمانوں کی آبادی کا خاکہ آبادی میں ہونے والی تبدیلیوں کے دائرے میں پیش کیا جا رہا ہے۔ ہندوستان میں مذہبی تنوع ہے اور یہ جغرافیائی اعتبار سے وسیع ملک ہے۔ اس لئے مختلف ریاستوں میں پیدائش و اموات کی شرحیں بھی مختلف ہیں۔ لہذا مسلم آبادی کی علاقائی تقسیم اور مختلف ریاستوں اور علاقوں میں ان کی آبادی کی صورت حال کا فرق جہاں ضروری ہوا، پیش کر دیا گیا ہے بقیہ باب کو سات حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ قومی سطح پر مسلم آبادی کی تعداد، اضافہ اور مسلم آبادی کے تناسب کی سطحوں اور رجحانات کو حصہ 3.2 میں پیش کیا گیا ہے۔ علاقائی تقسیم 3.3 میں، صنف اور عمر کا تناسب 3.4 میں اور شہری آبادی کے رجحان کو 3.5 میں بیان کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی آبادی کی حرکیات کے پہلوؤں بطور خاص شرح اموات، بالخصوص نومولود بچوں اور بڑے بچوں کی شرح اموات، اضافہ آبادی اور مہاجرت کا بیان 3.6 میں ہے۔ بچوں کی غذائی ضروریات سے 3.7 میں بحث کی گئی ہے اور آخر میں 3.8 میں آبادی میں اضافے کے امکانات کو، مختلف انداز سے سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے، تاکہ ہندوستان میں مذہبی طبقوں میں اضافہ آبادی کو غیر سیاسی اور غیر جذباتی انداز سے سمجھا جاسکے۔

2- آبادی کا حجم اور اضافہ

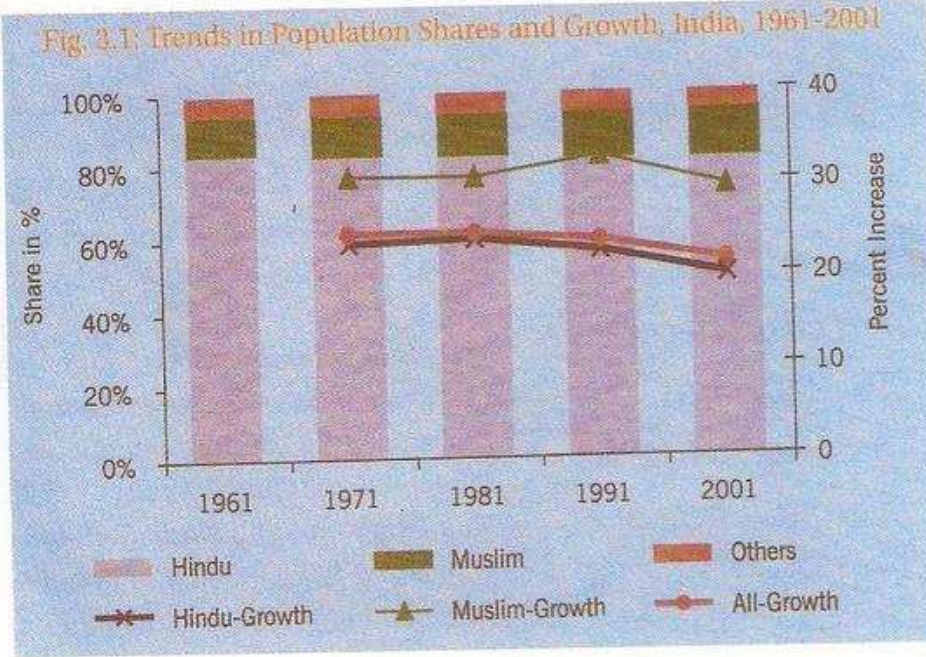
اس عرصے کے دوران تمام مذہبی

فرقوں کی آبادی بڑھی ہے اور مسلم بیسویں صدی کے اوائل میں مسلم آبادی تقریباً 3 کروڑ تھی۔ 1921 تک اس میں اضافے کی رفتارست رہی، مگر بعد میں مجموعی آبادی کی طرح تھوڑی تیز ہوئی۔ تقسیم کے نتیجے میں بڑی تعداد میں مہاجرت ہوئی 1961 میں جب ملک کی تقسیم ہوئی۔ مہاجرت کا سلسلہ ختم ہو چکا تھا، آبادی کی 4 کروڑ 70 لاکھ سے بڑھ ہندوستان کی مسلم آبادی 4 کروڑ 70 لاکھ شمار کی گئی، جو کل آبادی، 43 کروڑ 90 لاکھ کا تقریباً 10 فی صد تھی۔ آخری مردم شماری 2001 میں ہوئی، جس میں ہندوستان کی کل ایک ارب 2 کروڑ 90 لاکھ آبادی میں مسلم آبادی 13 کروڑ 80 لاکھ شمار کی گئی۔

1961 کے بعد سے 1990 کی دہائی تک ہندوستان کی آبادی میں لگاتار تقریباً 2 فی صد سالانہ کی شرح سے اضافہ ہوا۔ 1961 کے بعد سے دو مردم شماریوں کے درمیانی عرصے میں ہر دہائی میں آبادی تقریباً 20 فی صد کی شرح سے بڑھتی رہی۔ اضافہ آبادی کا عمل خاصاً مستحکم رہا، البتہ صدی کے آخر میں اس رفتار میں کمی آئی۔ 1961 سے 2001 تک چالیس سال کے عرصے میں آبادی تقریباً دو گنی یعنی 43 کروڑ 90 لاکھ سے ایک ارب 2 کروڑ، 90 لاکھ ہو گئی۔ یہ اضافہ 134 فی صد کی شرح سے ہوا۔ آبادی میں اس مسلسل اضافے کا سبب شرح اموات میں کمی تھی، حالانکہ شرح پیدائش بھی کم ہوئی، خاص طور پر اس عرصے کے آخر میں لیکن شرح پیدائش میں کمی شرح اموات کی کمی کا مقابلہ نہ کر سکی۔ اس پورے عرصے میں تمام مذہبی فرقوں کی آبادی میں اضافے کی رفتار زیادہ رہی اور مسلمانوں کی آبادی تو 4 کروڑ 70 لاکھ سے 13 کروڑ 80 لاکھ ہو گئی۔ (دیکھئے ضمیمہ 3.1) یہ 194 فی صد یعنی تقریباً تین گنا اضافہ تھا جو 134 فی صد کے اوسط اضافے سے بہت زیادہ تھا۔ 1961 کے بعد مردم شماری کی چاروں دہائیوں میں مسلمانوں کی آبادی میں 30 فی صد اضافہ ہوا۔ آخری دہے میں یہ اضافہ 30 فی صد سے کسی قدر کم ہو گیا۔

1961 سے 2001 تک مسلم آبادی میں اضافے کی اوسط شرح 2.7 فی صد سالانہ رہی جو اوسط قومی شرح 2.1 فی صد سے زیادہ ہے۔ ہندوؤں اور عیسائیوں میں یہ شرح نسبتاً کم یعنی 2.0 فی صد رہی۔ جینیوں میں اور کم یعنی 1.8 فی صد اور سکھوں اور بودھوں میں نسبتاً زیادہ 2.2 فی صد

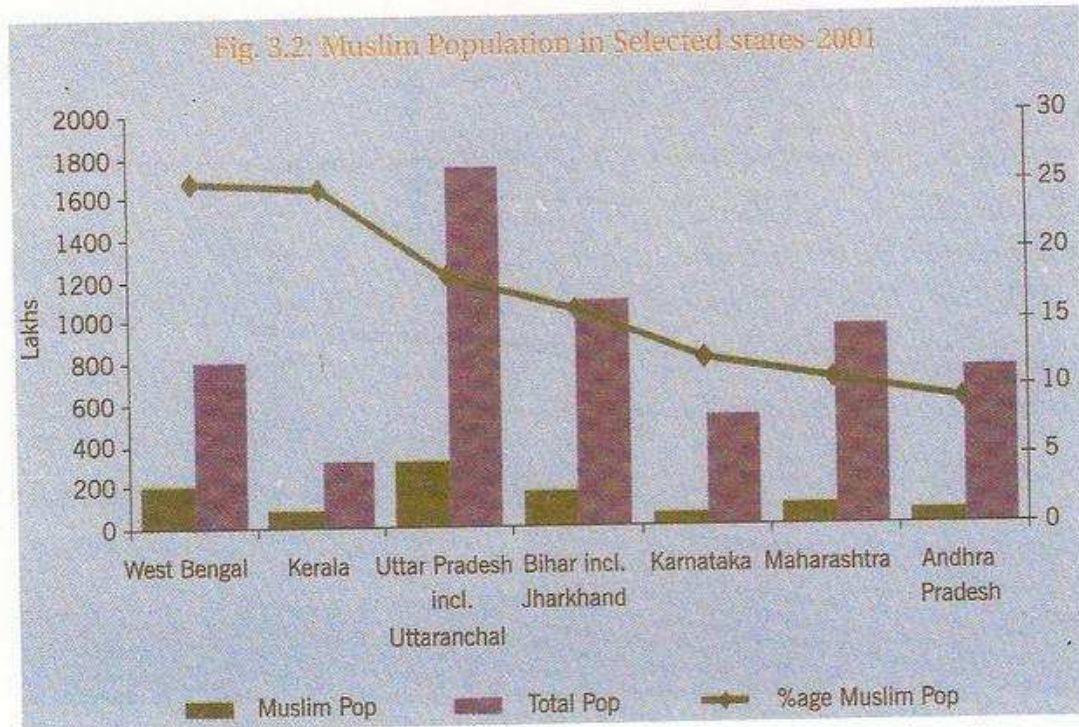
رہی۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے علاوہ دیگر فرقوں میں اضافے کے رجحان میں کچھ تبدیلی نظر آئی۔ 1961-71 کے دوران عیسائیوں میں اضافے کی شرح سب سے زیادہ رہی، مگر اگلی دو دہائیوں میں یہ شرح کم ہو گئی۔ سکھوں میں اضافہ بہت کم رہا، بدھسٹوں اور جینیوں میں ہونے والا اضافہ کسی قدر بے قاعدہ رہا جس کا سبب غلط اطلاعات اور تبدیلی مذہب کے واقعات، جیسے بہت سے دلتوں کا بودھ مذہب اختیار کرنا ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے، آخری دہائی میں اضافہ آبادی کی شرح میں نسبتاً کمی آئی۔ یہ شرح 1981-91 میں 23.9 فی صد سے 1991-2001 میں 21.5 فی صد ہو گئی۔ یہی کمی ہندوؤں اور مسلمان دونوں میں ہوئی۔ لیکن مسلمانوں میں نسبتاً زیادہ کمی آئی۔ (شکل 3.1)



1961 میں ہندوستان کی آبادی کا سب سے بڑا یعنی 83.5 فی صد حصہ ہندوؤں کا تھا۔ اس کے بعد مسلم آبادی تھا جس کا تناسب 10.7 فی صد تھا۔ دیگر اقلیتوں کی تعداد بہت کم تھی، عیسائی 2.4 فی صد، سکھ 1.8 فی صد اور بودھ اور جین ایک فی صد سے بھی کم۔ (ضمیمہ جدول 3.1)۔ 2001 میں ہندوؤں کا تناسب کم ہو کر 80.5 فی صد اور مسلمانوں کا تناسب بڑھ کر 13.4 فی صد ہو گیا۔ 1961 سے 2001 کے درمیان 2.7 فی صد کے اس اضافے کا سبب، اس عرصے میں اوسط سے زیادہ اضافہ آبادی تھا۔ دوسری اقلیتوں کا حصہ تقریباً یکساں رہا۔ البتہ سکھ اور عیسائیوں میں معمولی اتار چڑھاؤ آتے رہے۔ چار دہائیوں میں مسلمانوں میں اضافہ آبادی 3 فی صد سے بھی کم گذشتہ چار دہائیوں کے دوران ہر دہائی میں مسلم آبادی میں ایک فی صد اضافہ ہوا۔

گذشتہ چار دہائیوں کے دوران ہر دہائی میں مسلم آبادی میں ایک فی صد اضافہ ہوا۔

3- آبادی کی علاقائی تقسیم



مسلم آبادی سارے ملک میں ہے، مگر ان کی کثیر آبادی والے علاقوں میں خاصا فرق پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ مختلف علاقوں اور مختلف زمانوں میں ان کی آبادی کی صورت حال میں تبدیلی آتی رہی ہے۔ (دیکھئے ضمیمہ جدول 3.2 اور 3/3) جنوبی ریاستوں کا رجحان شمالی اور وسطی ریاستوں سے مختلف ہے۔ شکل 3.2 میں مسلم آبادی کی تقسیم 2001 کی مردم شماری کے مطابق دکھائی گئی ہے۔ 2001 میں مسلمانوں کی آبادی 13 کروڑ 80 لاکھ تھی جس میں سے 3 کروڑ 10 لاکھ یعنی 22 فی صد مسلمان صرف ایک ریاست یعنی اتر پردیش میں تھے۔ بلاشبہ اتر پردیش ہندوستان کی سب سے کثیر

آبادی والی ریاست ہے۔ جس کی آبادی ہندوستان کی کل آبادی کا 13 فی صد ہے۔ تین اور ریاستوں بہار، بنگال اور مہاراشٹر میں سے ہر ایک میں، ایک کروڑ سے زیادہ مسلمان ہیں۔ ہندوستان کے بیشتر مسلمان ان چار ریاستوں میں رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ، کیرل، آندھرا پردیش، آسام، جموں و کشمیر اور کرناٹک میں سے ہر ریاست میں 50 لاکھ سے ایک کروڑ تک مسلمان رہتے ہیں۔ راجستھان، گجرات، مدھیہ پردیش، جھارکھنڈ اور تمل ناڈو میں سے ہر ریاست میں 30 لاکھ سے 50 لاکھ مسلمان ہیں۔ دہلی، ہریانہ اور اتر اچھل میں سے ہر ایک میں 10 لاکھ سے 20 لاکھ مسلمان ہیں۔ عام طور پر کثیر آبادی والی ریاستوں میں مسلمانوں کی تعداد متوقع طور پر زیادہ ہے پھر بھی پنجاب اور اڑیسہ جیسی بڑی ریاستوں میں مسلمان 10 لاکھ سے کم ہی ہیں۔

1991-2001 کی درمیانی دہائی میں بیشتر ریاستوں میں مسلم آبادی میں کمی آئی ہے۔

اگرچہ آبادی میں اضافے کا رجحان 1961 سے 1991 تک کے چار عشروں میں جاری رہا، لیکن گذشتہ بین مردم شماری عشرے میں اکثر ریاستوں میں مسلمانوں کی شرح نمو میں گراوٹ آئی ہے۔ جو مجموعی قومی آبادی کے عمومی رجحان کے مطابق ہے۔ (شکل 3.1)۔ مسلمانوں میں اضافے کی شرح خاصی کم یعنی 20 فی صد رہی جو تمل ناڈو، کیرل اور آندھرا پردیش اس سے پہلے والی شرح سے بہت کم ہے (ضمیمہ جدول 3.4)۔

ملک کے 593 ضلعوں میں سے 9 اضلاع میں 75 فی صد سے زیادہ مسلم اضلاع میں آبادی کا فرق آبادی ہے۔

اضلاع میں مسلم آبادی کے حجم میں زبردست فرق پایا جاتا ہے۔ 2001 کی مردم شماری کے مطابق 25 اضلاع میں مسلم آبادی ایک لاکھ سے زیادہ تھی۔ ان میں سے کثیر ترین آبادی مرشد آباد میں 37 لاکھ (3.7 بلین) ہے جس کے بعد ملاپورم، جنوبی چوہیس پرگنا اور شمالی چوہیس پرگنا اضلاع آتے ہیں۔ 10 لاکھ سے زیادہ مسلم آبادی والے اضلاع میں سے، دس مغربی بنگال میں، پانچ اتر پردیش میں، تین جموں و کشمیر اور سات دیگر ریاستوں میں ہیں۔ اس کے علاوہ، 51 اضلاع میں مسلمانوں کی آبادی پانچ سے دس لاکھ کے درمیان ہے اس طرح 76 اضلاع ایسے ہیں جن میں سے ہر ایک میں مسلم آبادی کم از کم پانچ لاکھ ہے اور ان تمام اضلاع کی مجموعی مسلم آبادی، ہندوستان کے 13 کروڑ 80 لاکھ مسلمانوں کے تقریباً آدھے حصے یعنی 7 کروڑ 10 لاکھ پر مشتمل ہے۔ (جدول 3.1)۔ دوسری جانب 106 اضلاع ایسے ہیں جہاں مسلمانوں کی آبادی 10,000 سے کم ہے۔

Table 3.1: No. of Districts by Muslim Population Size and Concentration, 2001 Census

| Muslim Population in the district | Number of districts | Percentage of Muslims in the total populations of the district | Number of districts |
|-----------------------------------|---------------------|--|---------------------|
| 1,000,000 or more | 25 | 75 or more | 9 |
| 500,000 to 999,999 | 51 | 50 or more but less than 75 | 11 |
| 250,000 to 499,999 | 104 | 25 or more but less than 50 | 38 |
| 100,000 to 249,999 | 125 | 10 or more but less than 25 | 182 |
| 50,000 to 99,999 | 87 | 5 or more but less than 10 | 129 |
| 10,000 to 49,999 | 95 | 1 or more but less than 5 | 147 |
| Less than 10,000 | 106 | Less than 1 | 77 |
| Total | 593 | Total | 593 |

Source: Obtained from 2001 census data CDs, India, Registrar General (2005)

2001 میں ہندوستان کے 593 اضلاع میں سے صرف 9 ایسے تھے جنہیں مسلم اکثریتی کہا جاسکے یعنی جہاں مسلم آبادی 75 فی صد سے زیادہ ہے۔ (شکل 3.3) بھی دیکھئے) ان اضلاع میں کش دہلی اور جموں و کشمیر کے 8 اضلاع شامل ہیں۔ اس کے علاوہ 11 اضلاع (آسام کے چھ، جموں و کشمیر کے دو، اور کیرل، بہار و مغربی بنگال کا ایک ایک ضلع) میں مسلمانوں کی آبادی 50 سے 75 فی صد کے درمیان ہے۔ لہذا صرف 20 اضلاع میں مسلمانوں کی

اکثریت ہے۔ ان اضلاع کی مسلم آبادی مجموعی مسلم آبادی کے 13 فی صدھے (ایک کروڑ 80 لاکھ سے کچھ زیادہ) پر مشتمل تھی۔ 38 اضلاع میں مسلم آبادی 25 فی صد سے زیادہ اور 50 فی صد سے کم تھی۔ یہ اضلاع کئی ریاستوں، اتر پردیش (10)، مغربی بنگال (5)، کیرل (5)، آسام (4)، بہار (3)، جھارکھنڈ (2)، دہلی (2) اور آندھرا پردیش، ہریانہ اور جموں و کشمیر، اتر اچل اور پانڈیچری (ایک ایک) میں واقع تھے۔ ان اضلاع کی مسلم آبادی مجموعی مسلم آبادی کے 22 فی صدھے پر مشتمل تھی۔ اضلاع کی ایک بڑی تعداد (182) ایسی ہے جہاں مسلم آبادی کا تناسب 10 سے 25 فی صد کے درمیان تھا جو بڑا نہیں ہے اور غیر اہم بھی نہیں ہے۔ ان اضلاع کی مسلم آبادی ہندوستانی مسلمانوں کی مجموعی آبادی کے تقریباً آدھے حصے کے برابر ہے۔ (6 کروڑ 50 لاکھ یعنی 47 فی صد)۔ دوسری جانب، 77 اضلاع میں مسلم آبادی بہت کم یعنی 1 فی صد سے کم ہے۔ مسلم آبادی کے حجم اور فی صد تناسب کے لحاظ سے سب سے بڑے 150 اضلاع کی فہرست ضمیمہ جدول 3.5 میں پیش کی گئی ہے۔ یہاں پیش کئے گئے ضلع سطح کے نقشے میں ہندی بولنے والے علاقے، جموں و کشمیر، کیرل، شمال مشرق کے بعض حصوں (آسام) اور ہندوستان کے جنوب وسطی خطوں کے علاقوں کی مسلم آبادی کو نمایاں کیا گیا ہے۔ ضمیمہ 3.6 میں مسلم آبادی کے لحاظ سے ترتیب دئے گئے 100 اضلاع کے سماجی و اقتصادی اشاریے پیش کئے گئے ہیں۔

4- آبادی میں صنف اور عمر کا تناسب

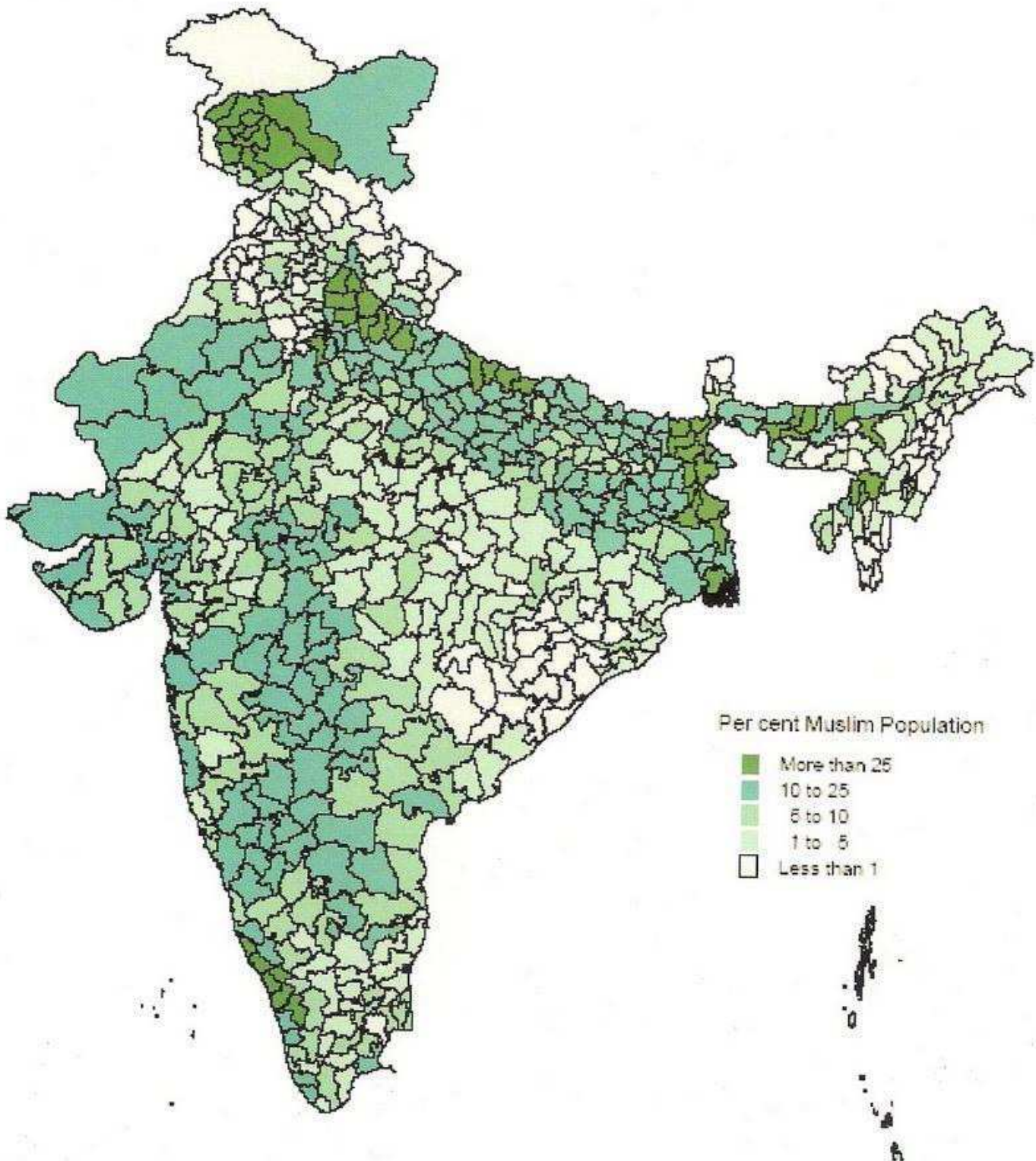
4.1 عمر کا اشاریہ

Table 3.2: Age-Sex Distribution of All Population and Muslim Population, India, 2001 (Percentage)

| Age Group | All religions | | Muslim | |
|----------------|---------------|--------|--------|--------|
| | Male | Female | Male | Female |
| 0-4 | 10.7 | 10.7 | 12.4 | 12.7 |
| 5-9 | 12.5 | 12.4 | 14.7 | 14.7 |
| 10-14 | 12.3 | 11.9 | 14.0 | 13.7 |
| 15-19 | 10.1 | 9.3 | 10.8 | 10.1 |
| 20-24 | 8.7 | 8.8 | 8.7 | 8.6 |
| 25-29 | 7.8 | 8.4 | 7.2 | 7.8 |
| 30-34 | 7.0 | 7.4 | 6.3 | 6.7 |
| 35-39 | 6.8 | 7.0 | 6.1 | 6.3 |
| 40-44 | 5.6 | 5.2 | 4.9 | 4.5 |
| 45-49 | 4.7 | 4.5 | 3.9 | 3.8 |
| 50-54 | 3.7 | 3.4 | 3.1 | 2.7 |
| 55-59 | 2.6 | 2.8 | 2.0 | 2.3 |
| 60-64 | 2.6 | 2.8 | 2.1 | 2.2 |
| 65 + | 4.5 | 5.0 | 3.5 | 3.8 |
| Age not stated | 0.3 | 0.2 | 0.3 | 0.2 |
| Total | 100.0 | 100.0 | 100.0 | 100.0 |

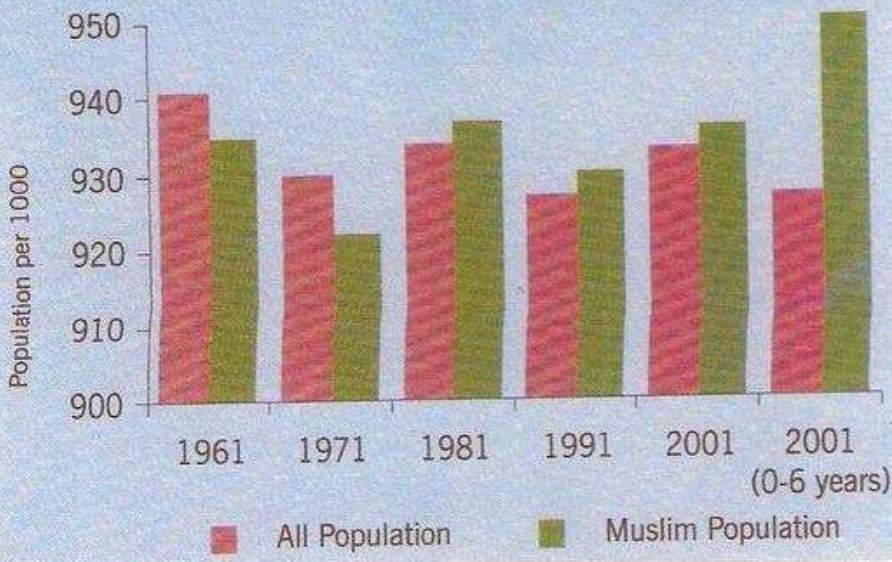
Source: Computed from data CDs from Census India, Registrar General (2005)

2001 کی مردم شماری میں پہلی بار عمر سے متعلق مذہب دار اعداد و شمار پیش کئے گئے تھے۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلم آبادی میں نوعمروں کی تعداد عام آبادی کی بہ نسبت خاصی مختلف ہے۔ (جدول 3.2، ریاست و اعداد ضمیمہ جدول 3.7 میں)۔ ملک کی مجموعی آبادی میں 23 فی صد کی عمر 10 سال سے کم ہے جب کہ مسلمانوں میں اس عمر کے لوگوں کی تعداد 27 فی صد ہے۔ مزید یہ کہ 10-14 سال عمر کے لوگوں میں مسلمانوں کی تعداد دو فی صد زیادہ ہے۔ آبادی میں نوعمروں کی زیادہ تعداد سے معلوم ہوتا ہے کہ اضافہ آبادی میں گراؤ کی رفتار سست ہے۔ اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ کام کرنے کے لائق لوگوں کی تعداد کم ہے جس سے گھروں اور معیشت پر زیادہ بوجھ پڑتا ہے۔ شرح پیدائش میں کمی آنے سے آبادی میں نوجوانوں کی تعداد کم ہوتی ہے اور کام کرنے والوں کی تعداد



میں اضافہ ہوتا ہے، جس کے نتیجے میں وہ صورت پیدا نہیں ہو سکتی جسے 'آبادیاتی منافع یا بونس' کہا جاتا ہے۔ اس تبدیلی کی رفتار مسلمانوں میں مسلمانوں میں صنفی تناسب دیگر ست ہے اور اسی لئے وہ ابھی تک 'آبادیاتی منافع' سے مستفید نہیں ہو سکے ہیں۔ عام آبادی اور مسلم آبادی دونوں میں معمر لوگوں (65 سال عمر طبقوں سے بہتر رہا ہے۔ اور زیادہ) کا تناسب زیادہ نہیں ہے۔ اس طرح ضعیفوں کی کفالت کا مسئلہ بھی کم ہے۔

Fig. 3.4: Trends in Sex Ratio, All Population and Muslim Population, India, 1961-2001



4.2 صنفی تناسب

دنیا کی بیشتر آبادیوں میں خواتین کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے۔ یوں تو لڑکے عموماً زیادہ تعداد میں پیدا ہوتے ہیں، اور پیدائش کا تناسب 100 لڑکیوں پر تقریباً 105 لڑکوں کا رہتا ہے۔ مگر خواتین کے مقابلے میں زیادہ شرح اموات کے سبب آبادی میں صنفی تناسب خواتین کے موافق ہو جاتا ہے۔ تاہم ہندوستان اور بعض جنوبی اور مشرقی ایشیائی ملکوں میں یہ صورت حال کچھ مختلف ہے۔ ان خطوں میں خواتین کی شرح اموات مردوں کے مقابلے میں زیادہ رہتی تھی، مگر اب یہ صورت حال بدل گئی ہے اور دونوں شرحوں کے درمیان فرق بہت کم رہ گیا ہے۔ نتیجتاً آج ہندوستان میں مردوں کی تعداد عورتوں سے زیادہ ہے اور صنفی تناسب

(ہزار مردوں پر عورتوں کی تعداد 1000 سے کم ہے 1961-2001 کے عرصے میں یہ تعداد 930 کے آس پاس تھی۔ مسلمانوں میں بھی یہی قرینہ نظر آتا ہے (شکل 3.4)۔ مگر ان میں صنفی تناسب عام آبادی کی بہ نسبت زیادہ سے زیادہ بہتر ہوتا جا رہا ہے۔ (دیکھئے ضمیمہ جدول 3.8)

4.3 بچوں میں صنفی تناسب

اسی سلسلے کا ایک اور اشاریہ جس سے ملک کی سماجی صورت حال کا اندازہ کیا جاسکتا ہے بچوں میں صنفی تناسب (5 سال سے کم عمر کے ہر 1000 بچوں پر 5 سال سے کم عمر کی بچیوں کی تعداد) ہے۔ جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ ہندوستان دنیا کے ان چند ملکوں میں ہے جہاں بچوں کا صنفی تناسب 1000 سے کم ہے۔ اس کے علاوہ، گذشتہ نصف صدی کے دوران ملک میں بچوں کا مجموعی صنفی تناسب گھٹتا رہا ہے۔ 1961 میں یہ تناسب 976 تھا جو 1971 میں گھٹ کر 964، 1981 میں 962، 1991 میں 953 اور 2001 میں 927 رہ گیا۔ اسکے دو اسباب ہیں: بچیوں کی زیادہ شرح اموات (بچوں کے مقابلے میں) اور نسوانی جنین کشی۔ ان دونوں سے بچیوں کے سلسلے میں والدین کا امتیازی رویہ ظاہر ہوتا ہے۔

Fig. 3.5: Child Sex Ratio (Females aged 0-5 years per 1,000 Males aged 0-5 years) by SRCs, 1998-99

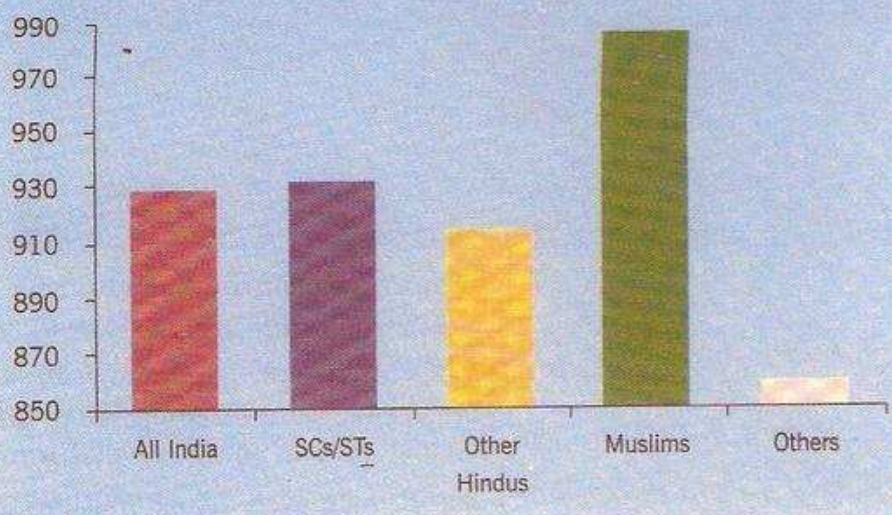
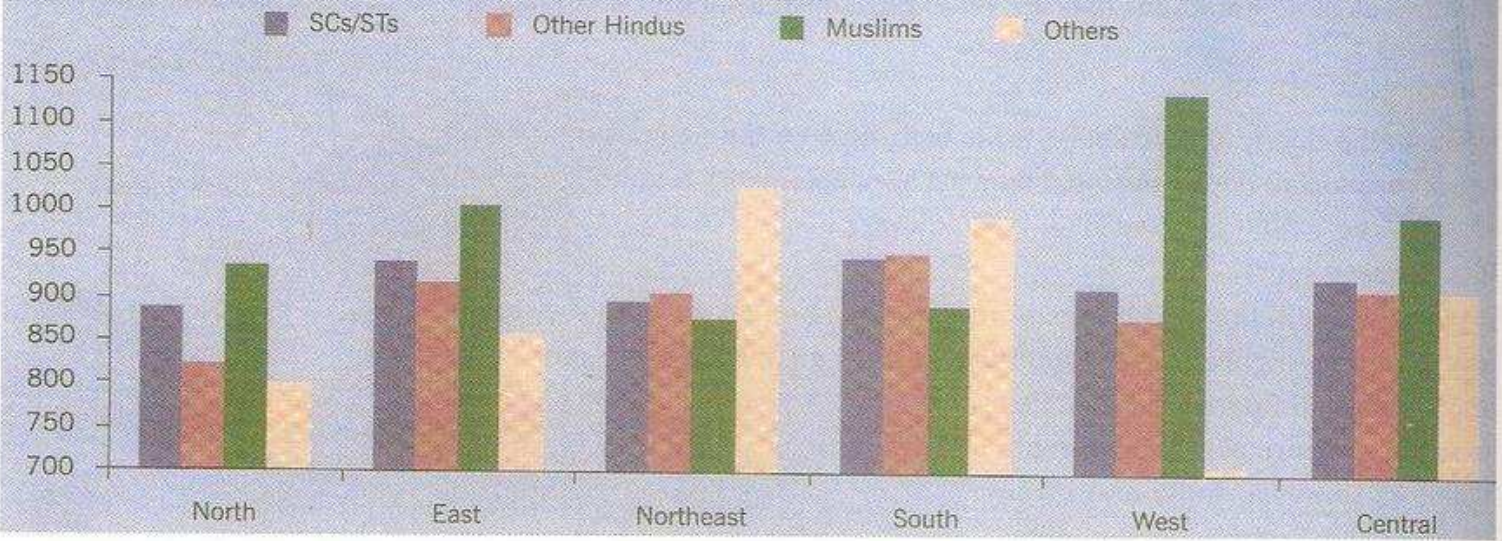


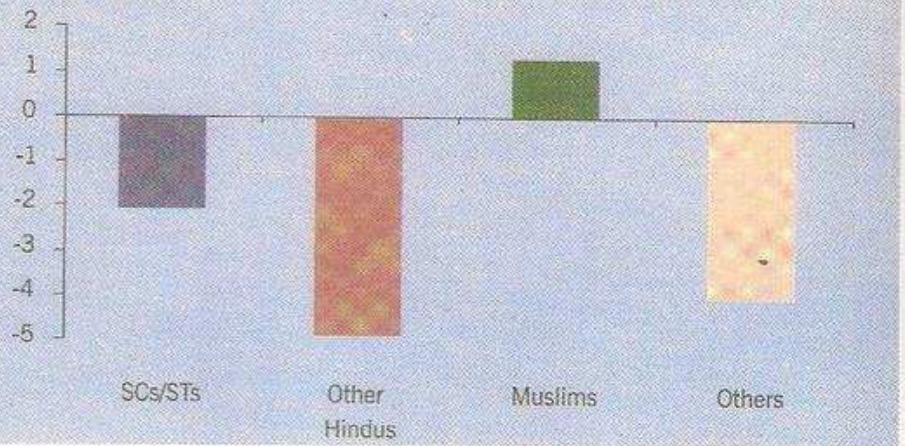
Fig. 3.6: Child Sex Ratio (females aged 0-5 years per 1,000 males aged 0-5 years) among SRCs by region, 1998-99



ایف ایف ایچ ایس اے اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ بچوں کا صنفی تناسب ملک کے تمام زمروں کے مقابلے میں سب سے زیادہ ہے۔ (شکل 3.5)۔ مثلاً 1998-99 کے دوران مسلمانوں میں 0-5 سال عمر گروپ میں صنفی تناسب 1000 لڑکیوں پر 986 لڑکیوں کا تھا جو ایس/سی/ایس ٹی میں 931، دیگر ہندوؤں میں 914 اور دیگر گروپوں میں 859 سے نمایاں طور پر زیادہ ہے۔

یہ معلوم کرنے کے لئے کہ سارے ملک میں صنفی تناسب میں کیا فرق ہے۔ پیچھے خطوں کی تفتیش کی گئی: شمال (جموں و کشمیر، ہماچل پردیش، پنجاب، ہریانہ اور نئی دہلی)، مشرق (بہار، اڑیسہ اور اتر پردیش)، شمال مشرق (آسام، مغربی بنگال اور دیگر شمال مشرقی ریاستیں جیسے میزورم، ناگالینڈ، منی پور وغیرہ)، جنوب (تمل ناڈو، کرناٹک، کیرل اور آندھرا پردیش)، مغرب (گجرات، مہاراشٹر، گوا)، اور وسطی ہند (راجستھان اور مدھیہ پردیش) جیسا شکل 3.6 سے ظاہر ہوتا ہے۔ ان علاقوں میں مسلمانوں اور دیگر طبقوں کے درمیان صنفی تناسب کا فرق یکساں نہیں ہے۔ مغربی خطے میں، بچوں کے صنفی تناسب کے لحاظ سے مسلمان، دیگر ہندوؤں سے بہت آگے ہیں۔ (تقریباً 30 فیصد)

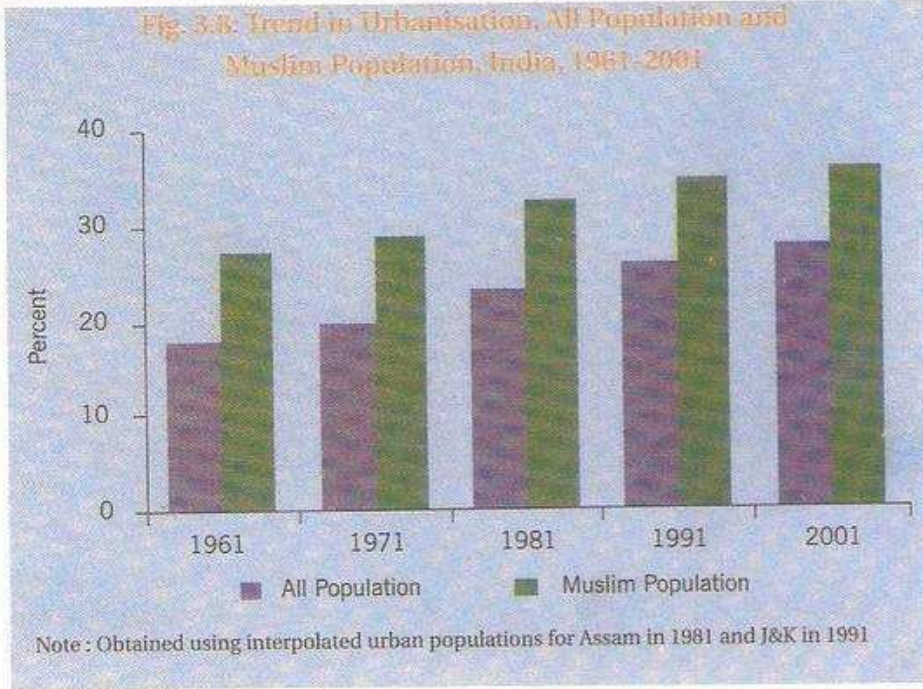
Fig. 3.7: Percent change in Child Sex Ratio (females aged 0-5 per 1,000 males aged 0-5) between 1992-93 and 1998-99, by SRC's



مشرق، شمال اور وسطی خطوں میں، مسلمانوں کو سبقت حاصل ہے مگر تھوڑی سی (تقریباً 13-10 فی صد)۔ اس کے مقابلے میں، جنوبی اور شمال مشرقی خطوں میں مسلمانوں میں بچوں سے متعلق صنفی تناسب دیگر ہندوؤں سے بہت کم ہے۔

حیرت انگیز طور پر 1992-93 کے دوران مسلمانوں میں بچوں سے متعلق صنفی تناسب دیگر تمام طبقوں سے پہلے ہی زیادہ تھا مگر 1992-93 اور 1998-99 کے درمیانی عرصے کے دوران، ان کے اندر اس تناسب میں مزید اضافہ ہوا (شکل 3.7)۔ اس کے برعکس، دیگر ہندوؤں میں بچوں کے صنفی تناسب میں سب سے زیادہ انحطاط ہوا (تقریباً 5 فی صدی) جب کہ 1992-93 میں اس صنفی تناسب کی نیچے

5 شہری آبادی



ہندوستان کی آبادی کا غالب حصہ دیہی ہے۔ 2001 میں مختلف جم کے شہروں اور قصبوں میں رہنے والوں کی تعداد صرف 27.8 فی صد تھی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شہری آبادی کی تعداد بہت کم ہے۔ 1981 کے بعد سے شہر کاری کی رفتار خاصی سست رہی اور اس دوران ہر دہائی میں شہری آبادی میں صرف تقریباً دو فی صد کا اضافہ ہوا۔ مسلمان بھی بیشتر دیہات میں رہتے ہیں مگر ان میں شہری آبادی کا تناسب دیگر لوگوں کے مقابلے زیادہ رہا ہے۔ 1961 میں، مجموعی آبادی کا صرف 18 فی صد شہری علاقوں میں رہتا تھا جب کہ مسلمانوں میں یہ تعداد 27.1 فی صد تھی (شکل 3.8)۔ یہ نمایاں فرق برقرار رہا۔ 2001 میں 35.7 فی صد مسلم آبادی شہری تھی جب کہ مجموعی آبادی میں یہ تناسب 27.8 فی صد تھا۔

کئی ریاستوں، تمل ناڈو، مہاراشٹر، کرناٹک آندھرا پردیش، مدھیہ

پردیش، گجرات اور چھتیس گڑھ میں، مسلمانوں کی غالب تعداد شہروں میں رہتی ہے۔ (ضمیمہ جدول 3.9)۔ مجموعی لحاظ سے، عام آبادی کی بہ مسلم آبادی بھی بیشتر دیہی ہے مگر نسبت مسلمان زیادہ شہری ہیں اور یہ کوئی آج ہی کا معاملہ نہیں ہے۔ مسلمان پہلے بھی نسبتاً زیادہ شہری رہے ہیں۔ ہندوستان کی مسلم آبادی کم و بیش، عام آبادی کے مقابلے میں کاشت کاری پر کم منحصر ہے۔ اور یہ بات دیہی علاقوں تک کے لئے درست ہے۔ 2001 کی مردم شماری کے مجموعی آبادی کی بہ نسبت مسلمان اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ مختلف مذہبی فرقوں کے 40 فی صد دیہی کارکن مزارع تھے مگر مسلمانوں میں یہ عدد صرف 30 فی صد تھا۔ (جیسا کہ رجسٹر ارجنل کی 2004 کی رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے)۔ دیہی کارکنوں میں زرعی کارکنوں (مزارع اور زرعی مزدوروں کو ملا کر) کی مجموعی تعداد 75 فی صد تھی مگر ان میں مسلمانوں کا حصہ صرف 60 فی صد تھا۔ ہندوستانی مسلمانوں کا زیادہ شہر مرکوز ہونا کئی تاریخی عوامل کا نتیجہ ہے۔

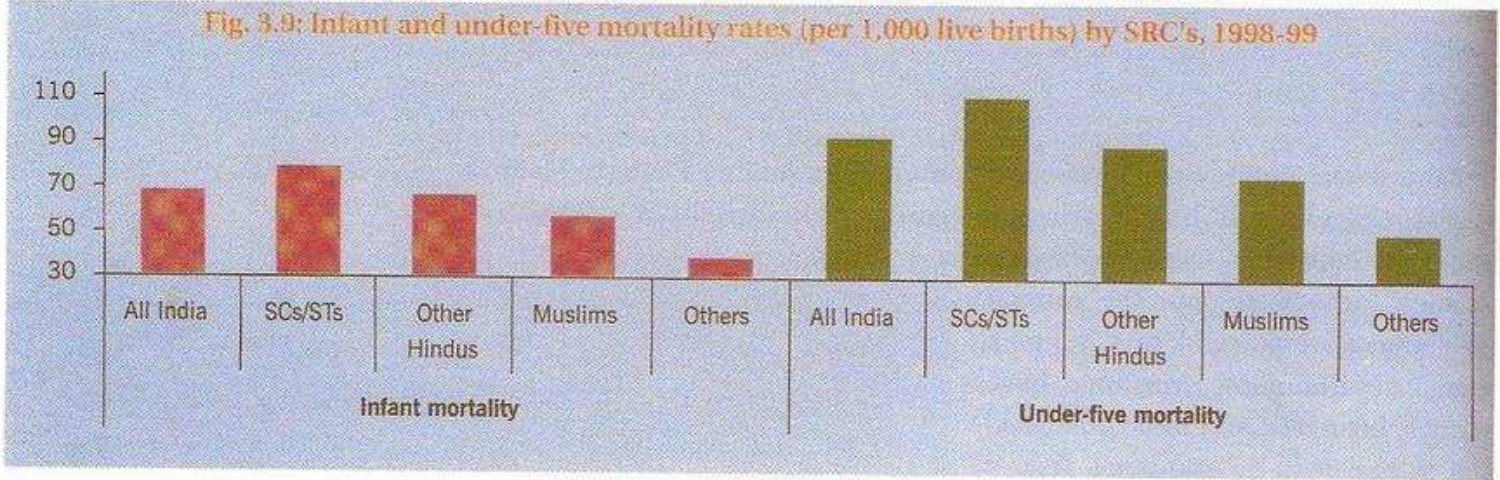
6 آبادی میں تبدیلی کا عمل

آبادی میں تبدیلی تین عوامل، اموات، پیدائش اور نقل مکانی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ مسلمانوں کی اوسط سے زیادہ شرح افزائش کے بارے میں اکثر یہ سوال اٹھایا جاتا رہا ہے کہ اس کا سبب کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ مذکورہ بالا عوامل میں سے کسی ایک یا زیادہ عوامل کی نوعیت مسلمانوں کے معاملے میں مختلف ہے۔ ہمیں اموات اور پیدائش سے متعلق مذہب وار معلومات دست یاب ہیں، اس لئے ہم اس معاملے کا قدرے تفصیلی تجزیہ کر سکتے ہیں۔

16.1 اموات

مختلف مذہبی فرقوں میں، عمر کے لحاظ سے شرح اموات کے بارے میں معتبر اعداد و شمار نہ ہونے کے سبب ہمیں مجبوراً نوزائیدوں کی شرح

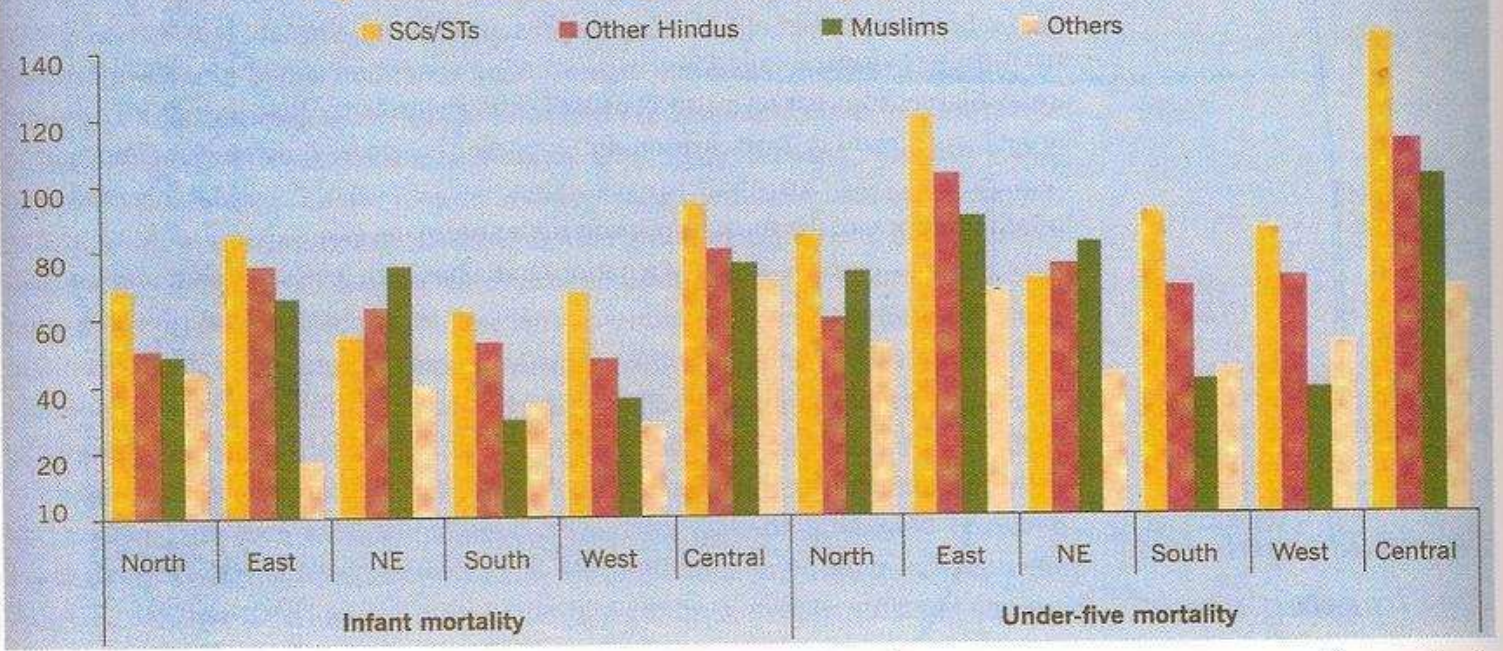
پیدائش کے فرق پر نگاہ ڈالنی ہوگی جس کے بارے میں مختلف جائزوں اور مردم شماریوں کے ذریعے اعداد و شمار دست یاب ہیں۔ یہاں یہ ذکر کارآمد ہوگا کہ نومولودوں اور 5 سال سے کم عمر بچوں کی شرح اموات، عموماً اموات کے کارگر اشاریے کے طور پر استعمال کی جاتی ہے۔ نومولودوں اور بچوں کی شرح اموات میں کمی لانا ہندوستان کی صحت عامہ سے متعلق اعلیٰ ترین ترجیحات میں شامل ہے، اور یہ الفیاتی ترقیاتی مقاصد کا بھی ایک اہم جزو ہے کیوں کہ بچے کسی ملک کا اہم ترین اثاثہ ہوتے ہیں۔ ہندوستان میں نوزائیدوں اور بچوں کی شرح اموات، ملک کی فی کس آمدنی کے لحاظ سے دیگر ملکوں اور سری لنکا اور بنگلہ دیش جیسے بڑی ملکوں سے زیادہ ہے۔ موٹے طور پر 17 لاکھ 50 ہزار ہندوستانی بچے اپنی پہلی سال گرہ سے پہلے ہی فوت ہو جاتے ہیں۔



نوزائیدوں اور بچوں کی شرح اموات مختلف جائزوں کے نتائج اور مردم شماری پر مبنی بالواسطہ تخمینوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں نوزائیدوں اور بچوں کی شرح اموات اوسط سے قدرے کم ہے (ضمیمہ جدول 3.1 اور 3.11)۔ 1981 اور 1991 کی مردم شماری (بالواسطہ) کے تخمینوں، اور 1992-93 اور 1998-99 کے قومی خاندانی صحت سروے 1 اور 2 (بالترتیب 1992-93 اور 1998-99 میں کئے گئے) کے تخمینوں کے ذریعے اس بات کی مسلسل توثیق ہوتی ہے۔ نوزائیدوں کی شرح اموات (آئی ایم آر) جو زندگی کا پہلا سال مکمل کرنے سے پہلے ہی فوت ہو جانے والے بچوں کا تناسب ہے اور پانچ سال سے کم عمر بچوں کی شرح اموات، (یو 5 ایم آر) جس سے پانچ سال کی عمر سے پہلے ہی فوت ہو جانے والے بچوں کا تناسب ظاہر ہوتا ہے، دو ایسے بنیادی اشاریے ہیں جن کی سطح ہندوؤں کے مقابلے مسلمانوں میں کم ہے اور اس لحاظ سے قومی اوسط سے بھی کم ہیں (شکل 3.9)۔ یہ بات پہلے ہی کہی جا چکی ہے کہ مسلمان، دیگر لوگوں کے مقابلے میں زیادہ شہر مرکوز ہیں اور یہ معلوم ہے کہ شہری آبادیوں میں شرح اموات کم ہوتی ہے۔ دیہی اور شہری علاقوں کے الگ الگ تخمینے بتاتے ہیں کہ مسلمانوں میں بچوں کی اوسط سے کم شرح اموات کا ایک سبب ان کا زیادہ شہر مرکوز ہونا بھی ہے۔ شہری علاقوں کے دائروں میں، مسلمانوں میں بچوں کی شرح اموات، اس کی اوسط شہری سطح کے آس پاس ہی ہے۔ بچوں کے زندہ رہنے کے معاملے میں مسلمانوں کی اس برائے نام سبقت کے مقابلے میں دیکھا جائے تو دیگر بڑی مذہبی اقلیتوں، عیسائیوں اور سکھوں میں یہ شرح مسلمانوں سے بھی کم تر نظر آتی ہے۔ مسلمانوں میں بچوں کی شرح اموات صرف ہندوؤں کے مقابلے ہی کم ہے۔

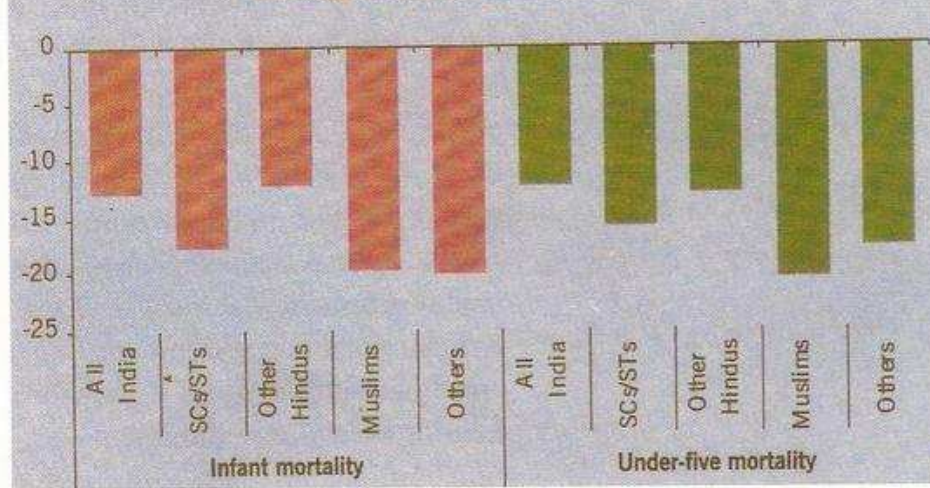
مختلف سماجی و مذہبی طبقوں میں سے، ایس سی / ایس ٹی لوگوں میں نوزائیدوں اور پانچ سال سے کم عمر بچوں کی شرح اموات سب سے زیادہ ہے اور دیگر ہندوان کے بعد آتے ہیں۔ اس شرح اموات کے لحاظ سے مسلمانوں کا درجہ تمام طبقوں میں دوسرا ہے۔ یہ بات مسلمانوں کی سماجی و اقتصادی محرومی کے پیش نظر خاصی حیرت انگیز معلوم ہوتی ہے۔ کیا اس معاملے میں مسلمانوں کی یہ خوش قسمتی سارے ملک میں یکساں ہے؟ جیسا کہ متوقع ہے۔ وسطی ہند میں، نومولودوں اور پانچ سال سے کم عمر بچوں کی شرح اموات سارے ملک میں سب سے زیادہ ہے۔ مشرقی خطہ اس

Fig. 3.10: Mortality among SRC's, by Geographical Region, 1998-99



کے بعد آتا ہے۔ (شکل 3.10)۔ جنوبی اور مغربی خطوں میں یہ شرح سب سے کم ہے۔ تقریباً ہر خطے میں صرف شمال مشرق کے سوا، اس شرح اموات کے معاملے میں مسلمانوں کا درجہ دیگر تمام طبقوں میں 'دیگر' گروپ کے بعد) دو سرا ہے۔ جنوب اور مغرب میں، ان کی یہ حالت دیگر خطوں کی بہ نسبت بہتر ہے۔ مثلاً جنوب میں، مسلمانوں میں نوزائیدوں کی شرح اموات ایک ہزار میں اتیس کی حد تک کم ہے، جو ایس/ایس نی میں 61 کی شرح اور دیگر ہندوؤں میں 52 کی شرح سے نمایاں طور پر کم نظر آتی ہے۔

Fig. 3.11: Percent Decline in Infant and Under-five Mortality Rates among SRC's, 1993-94 to 1998-99



گذشتہ برسوں کے دوران نوزائیدوں اور پانچ سال سے کم عمر بچوں کی شرح اموات کے معاملے میں مسلمانوں اور دیگر طبقوں کے درمیان یہ فرق کس طرح عمل میں آیا؟ شکل 3.11 سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شرح اموات 1992-93 اور 1998-99 کے درمیانی عرصے کے دوران تمام طبقوں میں کم ہوئی، مگر اس کمی کی رفتار مسلمانوں میں، دیگر ہندوؤں کے مقابلے میں زیادہ رہی۔ لہذا مسلمانوں میں یہ شرح اموات تمام طبقوں کے مقابلے میں نہ صرف سب سے کم ہے بلکہ 1990 کی دہائی کے دوران ان کے اندر اس شرح اموات میں کسی بھی دیگر طبقے کی بہ نسبت سب سے زیادہ کمی آئی ہے۔

جیسا کہ سب جانتے ہیں، نوزائیدوں اور پانچ سال سے کم عمر بچوں کی شرح اموات، بچے کی صنف اور پیدائش کے لحاظ سے اس کا شمار، ماں کی تعلیمی سطح اور گھر کی مالی حالت جیسے کئی حیاتیاتی اور سماجی و اقتصادی عوامل پر منحصر ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اس کا انحصار بجلی، پینے کے پانی اور صفائی جیسی سہولتوں پر بھی ہوتا ہے۔ ایک دلچسپ سوال یہ ہو سکتا ہے کہ کیا ان تمام عوامل کے یکساں ہونے کی صورت میں بھی مسلمانوں میں شرح اموات دیگر طبقوں سے کم رہے گی؟ قیاس کہتا ہے کہ ایسا ہی ہوگا کیوں کہ مسلمانوں میں خواتین کی تعلیم اور آمدنی کی سطح عموماً دیگر طبقوں سے کم ہے (ایس/ایس نی کے مقابلے میں لازمی نہیں) اور خواتین کی تعلیم اور بہتر مالی حالت دونوں ہی بچوں کی شرح اموات سے کوئی مثبت رشتہ نہیں رکھتی ہیں۔ اس مفروضے کی جانچ کے لئے (این ایچ ایف ایس)

اعداد و شمار کا تجزیہ کیا گیا۔ کسی خاص ریاست میں رہائش سمیت بچوں کی اموات سے متعلق تمام سماجی و اقتصادی عوامل یکساں رکھے جائیں تو زندگی کے پہلے پانچ برسوں کے دوران بچے کے حیات رہنے کی صورت میں کسی خاص طبقے سے وابستگی کے سبب کوئی اہم تبدیلی نظر نہیں آتی۔ تاہم یہ بھی نظر آتا ہے کہ مسلمانوں میں یہ صورت حال دیگر طبقوں سے بہتر ہے یعنی ان میں پہلے پانچ برسوں کے دوران بچوں کے فوت ہونے کے امکانات دوسروں سے کم ہوتے ہیں۔ مسلمانوں میں پانچ سال سے کم عمر بچوں کی شرح اموات دیگر بچوں کی بہ نسبت اوسطاً 13 عدد (فی 1000 پیدائش) کم ہے۔

مسلمانوں میں، خواتین کی تعلیم اور مالی حالت کی سطح کم ہونے کے باوجود نوزائیدوں اور پانچ سال سے کم عمر بچوں کی شرح اموات دوسرے طبقوں سے کم کیوں ہے اس کی درست وجہ معلوم کرنے کے لئے مزید تفتیش ضروری ہے۔ مثلاً یہ جاننا مفید ہوگا کہ کیا یہ بہتر صورت حال مسلمانوں میں بچوں کی بہتر خوراک اور اچھی دیکھ بھال کا نتیجہ ہے۔ نتائج یہ بتاتے ہیں کہ نوے کی دہائی میں دوسرے سماجی مذہبی طبقات کے مقابلے میں مسلمانوں میں نوزائیدوں اور پانچ برس سے کم عمر والے بچوں کی شرح اموات میں قابل لحاظ کمی آئی ہے۔ صرف مدھیہ پردیش اور راجستھان ہی ایسی ریاستیں ہیں جہاں مسلمانوں میں بچوں کی شرح اموات خود اپنے طور پر اور دیگر طبقوں کے مقابلے میں بھی زیادہ رہی ہے۔

مسلمانوں میں متوقع عمر اوسط سے تقریباً ایک سال زیادہ ہے۔

سروے کے اعداد و شمار میں عموماً متوقع اوسط عمر کا شمار کرنے کی گنجائش نہیں ہوتی کیوں کہ بالغوں کی عمروں سے متعلق عمروں سے مخصوص شرح اموات کے تخمینوں میں اتنی غلطیاں ہوتی ہیں کہ انہیں استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ پھر بھی، اور جائزوں، ایف ایچ ایس 1 اور 2، کے اعداد و شمار کی مدد سے ہندوؤں اور مسلمانوں سے متعلق متوقع عمر کا حساب لگایا گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں متوقع عمر اوسط سے تقریباً ایک سال زیادہ ہے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں میں ماؤں کی شرح اموات بھی اوسط سے کم ہے۔ موٹے طور پر کہا جاسکتا ہے کہ مسلمان زندہ رہنے کے معاملے میں متعلقہ اوسط کی بہ نسبت تھوڑی سی سبقت رکھتے ہیں۔

6.2 پیدائش

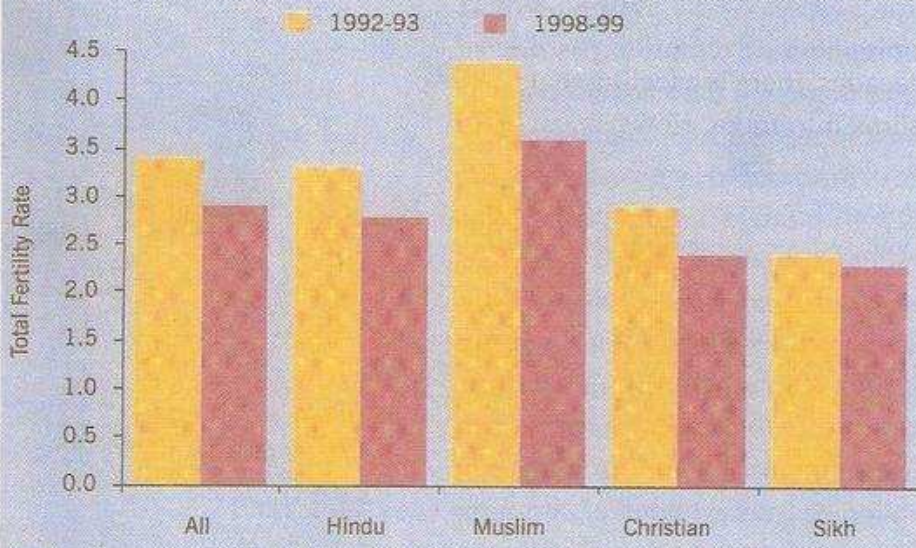
مجموعی شرح پیدائش (ٹی ایف آر) افزائشی عمل کا سب سے زیادہ استعمال کیا جانے والا اشاریہ ہے۔ اس سے کسی عورت کو ہونے والے حیات بچوں کی اوسط تعداد مراد ہے، اگر وہ عورت ایک خاص عمر تک تولیدی صلاحیت کی حامل رہتی ہے۔ مختلف ذرائع، ایف ایف ایچ ایس 1 اور 2 اور مردم شماریوں کے اعداد و شمار کے مطابق مختلف سماجی، مذہبی طبقوں میں شرح پیدائش کی تفصیل شکل 3.12 اور ضمیمہ جدول 3.12 میں پیش کی گئی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ چار بڑے مذہبی فرقوں میں شرح پیدائش سکھوں میں سب سے کم، اس کے بعد عیسائیوں میں اور سب سے زیادہ مسلمانوں میں ہے۔ این ایف ایچ ایس 1 اور 2 اور مردم شماریوں کے تخمینوں کے مطابق مسلمانوں میں ٹی ایف آر اوسط کی بہ نسبت 0.7 سے ایک پوائنٹ تک زیادہ ہے۔ شرح پیدائش کے دیگر پیمانوں سے بھی مسلمانوں میں اس کا زیادہ ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ مثلاً مردم شماری کے اعداد و شمار کے مطابق خام شرح پیدائش (سی بی آر) بھی مسلمانوں میں زیادہ ہے۔ (مجموعی آبادی میں 25.9 اور ہندوؤں میں 24.9 کے مقابلے میں 30.8)۔ دیگر جائزوں سے بھی مسلمانوں میں اوسط سے زیادہ شرح پیدائش کی تصدیق ہوتی ہے۔ 2 تمام مذہبی فرقوں میں شرح پیدائش میں بھاری کمی ہوئی ہے۔ اب سے پہلے ٹی ایف آر 6 سے زیادہ تھی جو حالیہ برسوں کے دوران گھٹ کر 4 سے نیچے ہو گئی ہے۔ لہذا شرح پیدائش تمام فرقوں میں کم ہو رہی ہے۔ مسلمانوں میں شرح پیدائش کی حالیہ سطح کو (این ایف ایچ ایس 2 یا 2001 کی مردم شماری کے مطابق) زیادہ نہیں بلکہ 'خاصاً اچھا' کہا جاسکتا ہے۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ جب ہم کسی فرقے کی شرح پیدائش کا ذکر کرتے ہیں تو

1 بحث اور زیونیر (2004)

2 مذہبی فرقوں کے لحاظ سے شرح پیدائش کے تنوعات کی تفتیش علم آبادی کے ماہرین کرتے رہے ہیں بعض حالیہ مطالعات کے لئے دیکھئے

مورگن وغیرہ (2002) اور ہندوستان سے متعلق مطالعات کے لئے اکنامک اینڈ پولیٹیکل ویبکی، XI (5) 2005

Fig. 3.12: Religious Differentials in Fertility, India



Sources: NFHS-1: IIPS (1995); NFHS-2: IIPS and ORC Macro (2000).

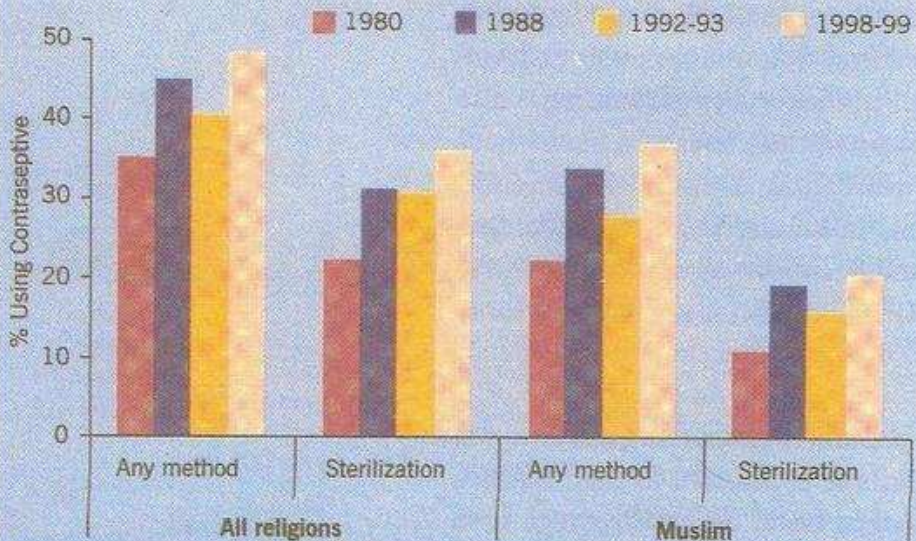
اس سے کسی عمومی نہیں بلکہ اوسط عمل کی بات کر رہے ہوتے ہیں۔ لہذا 'مسلم شرح پیدائش' کی اصطلاح سے مسلمانوں میں پیدائش کے عمومی قرینے سے نہیں بلکہ اوسط شرح پیدائش مراد ہوتی ہے۔ زیادہ قطعیت سے کہا جائے تو 'مسلم شرح پیدائش' جیسی کوئی چیز ہے ہی نہیں، اس معنی میں کہ مسلمانوں میں عموماً پیدائش کی کسی خاص سطح کی نشان دہی نہیں کی جاسکتی۔ مسلمانوں میں شرح پیدائش کی سطحیں سماجی و اقتصادی صورت حال اور انفرادی حالات کے مطابق تبدیل ہوتی رہتی ہیں اور سارے ہندوستان میں شرح پیدائش کی سطحوں میں فرق پایا جاتا ہے۔ بعض ریاستوں میں شرح پیدائش 2.1 تک کم ہو گئی ہے یا متبادل کی سطح تک جا پہنچی ہے۔ شمال مشرقی ریاستوں میں ٹی ایف آر کی سطح اوسط یعنی 4 کے آس پاس ہے۔ کم شرح پیدائش والی ریاستوں میں مسلمانوں کی شرح پیدائش بھی کم ہے، مگر اوسط سے پھر بھی زیادہ ہے۔ جنوبی ریاستوں میں،

مسلمانوں کی شرح پیدائش شمال۔ وسطی ریاستوں کی اوسط شرح پیدائش سے کم ہے۔ مثلاً این ایف ایچ ایس 2 کے مطابق، کیرل، تمل ناڈو، آندھرا پردیش اور کرناٹک اور اس کے ساتھ ہی جموں و کشمیر میں مسلمانوں میں یہ شرح (ٹی ایف آر) 2.5 سے 2.8 کے درمیان ہے جب کہ اتر پردیش میں عام آبادی میں یہ شرح (ٹی ایف آر) 4 اور راجستھان میں 3.8 ہے۔

مسلمانوں سمیت تمام طبقوں کی شرح پیدائش میں بھاری کمی آئی ہے۔

آبادی کے کسی حصے کی نسبتاً زیادہ شرح پیدائش کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں۔ شادی کی کم عمر اس کے لئے بہت سازگار ہوتی ہے۔ تاہم اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ مسلمانوں میں شادیوں کی عمر اوسط سے کم نہیں ہے۔ مسلمانوں کی زیادہ شرح پیدائش کا ایک سبب اب تک یہ بتایا جاتا تھا کہ ان میں تولیدی عمر کی شادی شدہ خواتین کا تناسب نسبتاً زیادہ ہے کیوں کہ ہندوؤں کے مقابلے میں مسلمانوں میں بیواؤں کی شادی زیادہ عام ہے۔ مگر 2001 کی مردم شماری کے اعداد و شمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں تولیدی عمر کی شادی شدہ عورتوں کی تعداد عام آبادی میں اسی عمر کی شادی شدہ عورتوں کی تعداد سے زیادہ مختلف نہیں ہے۔ یہی عمر شرح پیدائش کے لحاظ سے اہم ہوتی ہے۔ شرح پیدائش میں فرق کا ایک اور اہم

Fig. 3.13: Contraceptive Prevalence Rate, India



Sources: 1980: Operations Research Group (1983); 1988: Operations Research Group (1990); 1992-93: NFHS-1: IIPS (1995); 1998-99: NFHS-2: IIPS and ORC Macro (2000).

سبب مانع حمل طریقوں کا استعمال ہے۔ آپریٹو سرچ گروپ (او آر جی) کے ذریعے 1980 کی دہائی میں کرائے گئے دو جائزوں اور 1990 کی دہائی میں این ایف ایچ ایس کے دو جائزوں کے مطابق مسلمانوں اور عام آبادی میں، مانع حمل طریقوں کے استعمال (تولیدی عمر کے مانع حمل طریقے، استعمال کرنے والے جوڑوں کا فی صد تناسب) سے متعلق اعداد و شمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں مانع حمل طریقوں کا استعمال بڑے پیمانے پر کیا جاتا ہے مگر یہ اوسط سے کم ہے (شکل 3.13، ضمیمہ جدول 3.13 بھی دیکھئے)۔ مانع حمل طریقوں کے استعمال کی شرح کے معاملے میں، مسلمانوں اور قومی اوسط میں فرق تقریباً 10 شرح فی صد پوائنٹ کا ہے۔ اس معاملے کی گہرائی سے جانچ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرق دراصل نس بندی کے استعمال سے متعلق ہے۔

بظاہر مسلمانوں میں قابل بحالی مانع حمل طریقوں کا استعمال دوسروں کے مقابلے نسبتاً زیادہ عام ہے۔ نس بندی کا چلن مسلمانوں میں عام طور پر کم ہے۔ مسلمانوں میں مانع حمل طریقوں کی ضرورت کی عدم تکمیل کا سلسلہ نسبتاً زیادہ ہے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں میں قابل بحالی مانع حمل طریقوں کی مانگ کا زیادہ ہونا بھی واضح ہے۔

مسلمانوں میں شرح پیدائش کے

حقائق سے اس عام خیال کی توثیق نہیں ہوتی کہ مسلمان خاندانی منصوبہ بندی سے دور بھاگتے ہیں کیوں کہ ایک تہائی سے زیادہ مسلم جوڑوں نے معاملے میں، سماجی و اقتصادی مانع حمل طریقے استعمال کرنے کی بات کہی ہے۔³ دیگر مختلف جائزوں سے بھی اس بات کی توثیق ہوتی ہے کہ مسلمانوں میں مانع حمل حالات کے لحاظ سے خاصا فرق پایا۔⁴ طریقوں کا استعمال خاصا عام ہے (یہ بات ہندوستان کے ساتھ ساتھ بڑی مسلم آبادی والے دیگر ملکوں کے لئے بھی درست ہے) تاہم مانع حمل طریقوں کا استعمال دیگر طبقوں کے مقابلے میں مسلمانوں میں کم عام ہے اور یہی مسلم شرح پیدائش کے اوسط سطح سے اوپر ہونے کی بنیادی وجہ بھی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ مانع حمل طریقوں کا استعمال تعلیم کی سطح کے ساتھ ساتھ بڑھتا ہے۔ لہذا جیسے جیسے تعلیم کی سطح بڑھتی جاتی ہے اس معاملے میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان فرق کم ہوتا چلا جاتا ہے۔⁴

6.3 مہاجرت

ہندوستان کی مسلم آبادی میں اضافہ نقل مکانی سے متعلق مذہب و اعداد و شمار دست یاب نہیں ہیں۔ مگر پھر بھی نقل مکانی عمل کو واقعی افزائش اور قدرتی افزائش (اموات کی تعداد کم کر کے حاصل ہونے والی پیدائش کی تعداد) کے درمیان فرق قرار دیتے ہوئے بعض بالواسطہ اندازے قائم کئے جاسکتے ہیں۔ چون کہ مسلمانوں سے متعلق شرح پیدائش اور شرح اموات کے تخمینے دست یاب ہیں، اس لئے مردم شمار یوں کے درمیانی عرصے میں ہونے والی قدرتی افزائش کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اگر واقعی افزائش اس سے زیادہ ہے تو کہا جائے گا کہ یہ فرق نقل مکانی کی وجہ سے ہے۔ قومی سطح پر اس کا سبب بین الاقوامی نقل مکانی ہے۔ چون کہ تمام حالیہ دہائیوں کے دوران مسلم آبادی میں لگاتار اضافہ ہوا ہے، اس لئے یہ احساس پایا جاتا ہے کہ غیر ملکوں کے مسلمان بڑی تعداد میں ہندوستان میں آ رہے ہیں۔ تاہم ہم دیکھ چکے ہیں کہ مسلمانوں کی شرح اموات کم اور شرح پیدائش اوسط سے زیادہ ہے۔ 1981-91 کے عرصے کے تفصیلی تجزیے سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی اوسط سے زیادہ شرح افزائش کا ایک سبب ان کی اوسط سے کم شرح اموات تھی۔ مگر اس کا بڑا سبب ان کی زیادہ شرح پیدائش بتایا گیا۔⁵ ان کی افزائش میں نقل مکانی کا حصہ نسبتاً کم تھا، جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان افزائش کے فرق کے تقریباً چھٹے حصے کے برابر ہے۔ دیگر اندازوں⁶ سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ افزائش کے اس فرق میں نقل مکانی کا حصہ کم ہے۔ لہذا بین الاقوامی مہاجرت بھی ہندوستان کی مسلم آبادی میں کچھ اضافے کا سبب ہو سکتی ہے۔ مگر یہ کوئی خاص سبب نہیں ہے۔ اصل سبب ہے مسلمانوں کی اوسط سے زیادہ شرح پیدائش۔

6.4 آبادیاتی تبدیلی

آبادیاتی تبدیلی سے مراد زیادہ پیدائش اور زیادہ اموات کی سطح سے کم پیدائش اور کم اموات کی سطح میں منتقلی کا عمل ہے۔ اس کا آغاز عموماً شرح اموات میں کمی سے ہوتا ہے اور اس کے نتیجے میں شرح پیدائش میں کمی واقع ہوتی ہے۔ پیشتر ترقی یافتہ ملک اس عمل سے گزرے ہیں اور اموات

³ کسی بھی بڑی آبادی والے طبقے میں مانع حمل طریقوں کا استعمال بہت زیادہ، مثلاً 70 فی صد سے زیادہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ لا ولد یا

صرف ایک بچے والے لوگ عموماً

ایک اور بچے کے خواہش مند ہوتے ہیں اور جو نس بندی کراچکے ہیں انہیں اس کی ضرورت ہی نہیں۔

مثلاً دیکھئے چودھری (1984)، الگ راجن (2003)

⁶ بھٹ اینڈ زیویئر 2004 اور واپارا جن (2005)

کلرٹی (1996)

⁴ بعض ریاستوں میں مسلم شرح پیدائش

و پیدائش کی بہت نیچی سطح تک جانچنے ہیں۔ ہندوستان بھی اس تبدیلی کے عمل سے گزر رہا ہے جس کے تحت شرح اموات خاصی گر گئی ہے اور شرح پیدائش میں بطور خاص 1970 کے بعد سے کمی آرہی ہے۔ ٹھیک ہے کہ شرح اموات اب بھی بہت کم نہیں ہے مگر متوقع عمر 60 سال سے زیادہ ہو چکی ہے لیکن پھر بھی ترقی یافتہ ملکوں کی 75 سال سے زیادہ متوقع عمر سے خاصی کم ہے۔ اس کے علاوہ ٹی ایف آر 3 کے آس پاس ہے جو 2.1 یعنی نیچی قابل تجدید سطح سے زیادہ ہے۔ چنانچہ کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان میں آبادیاتی تبدیلی کا عمل خاصا آگے بڑھ چکا ہے مگر ابھی مکمل نہیں ہو سکا ہے۔

یہ دیکھنے کے لئے کہ مختلف زمرے اس عمل میں کتنا آگے پہنچے ہیں ہم ٹی ایف آر پیمانے سے معلوم کی جانے والی شرح پیدائش پر توجہ دیں گے۔ جب کہ شرح اموات میں تبدیلی کا عمل جاری ہے اور اس کے جاری ہونے والی تبدیلیوں کے عمل پر نظر رکھتے ہوئے آگے بڑھیں گے۔ اس کے لئے این ایف ایچ ایس 2 کے تخمینے استعمال کئے گئے ہیں کیوں کہ اس سروے میں بڑی ریاستوں سے متعلق مذہب وار تخمینے پیش کئے گئے ہیں۔ جدول 3.3 میں مجموعی آبادی اور مسلم آبادی کے تعلق سے پیدائش کی سطحوں کے مطابق ترتیب دی گئی ریاستوں کو دکھایا گیا ہے۔ (خاصی بڑی مسلم آبادی والی ریاستیں ہی شامل کی گئی ہیں تاکہ لائق اعتبار تخمینے حاصل کئے جاسکیں)۔ 2.2 یا اس سے کم ٹی ایف آر کو، نیچی شرح اموات کی صورت میں قابل تجدید سطح کے قریب سمجھا جاتا ہے اور اسی لیے اس سطح پر شرح پیدائش کو نیچا کہا جاتا ہے، 2.2 سے زیادہ مگر 3 سے کم ٹی ایف آر 'خاصا کم'، 3.0 سے زیادہ ٹی ایف آر جو 4.0 سے زیادہ نہ ہو اوسط اور 4.0 سے زیادہ ٹی ایف آر جو 5.0 نہ ہو اوسط اونچا کہا جائے گا۔ چون کہ این ایف ایچ ایس 2 کے تخمینے 1990 کی دہائی کے اواخر سے متعلق ہیں، اس لئے موجودہ سطح پیدائش تقریباً یقینی طور پر کم ہے اور ریاستیں / فرقے تبدیلی کے عمل میں اس سے زیادہ آگے ہیں جتنا کہ یہاں دکھایا گیا ہے۔

Table 3.3: Large States Classified according to Level of Fertility and Share of Muslim Population, India, NFHS-2

| Level of fertility | Range of TFR | All Population | Muslim Population |
|--------------------|---|--|--|
| Moderately High | Greater than 4.0 but Less than/equal to 5.0 | | Rajasthan, Uttar Pradesh, Bihar |
| Moderate | Greater than 3.0 but Less than/equal to 4.0 | Uttar Pradesh, Rajasthan, Bihar, Madhya Pradesh | INDIA, Madhya Pradesh, West Bengal, Maharashtra, Gujarat, Assam |
| Moderately Low | Greater than 2.2 but Less than/equal to 3.0 | INDIA, Gujarat, Jammu and Kashmir, Maharashtra, West Bengal, Assam, Andhra Pradesh | Karnataka, Jammu and Kashmir, Tamil Nadu, Kerala, Andhra Pradesh |
| Low | Less than/equal to 2.2 | Tamil Nadu, Karnataka, Kerala | |

Source: Obtained from NFHS-2; IIPS and ORC Macro (2000).

جدول 3.3 سے ظاہر ہوتا ہے کہ بیشتر ریاستوں کی مسلم آبادی اس تبدیلی کے عمل میں قابل لحاظ حد تک شامل ہے۔ ریاستوں میں مجموعی شرح پیدائش اور مسلم شرح پیدائش میں خاصی مطابقت پائی جاتی ہے، حالانکہ آخر الذکر، اوسط سے زیادہ ہے۔ عمومی لحاظ سے بعض ریاستوں میں مسلم شرح پیدائش، مجموعی شرح پیدائش سے قدرے زیادہ ہے اور چند دیگر ریاستوں میں اس کے آس پاس ہے، مسلم شرح پیدائش اور مجموعی شرح پیدائش کے درمیان فرق جموں و کشمیر، مدھیہ پردیش اور آندھرا پردیش میں خاصا کم ہے۔ ہندوستان کی مسلم آبادی، واضح طور پر، بطور

مجموعی شرح پیدائش سے قدرے زیادہ خاص تمام بڑی ریاستوں میں تبدیلی کے عمل سے گزر رہی ہے۔ حالاں کہ یہ اوسط سے پیچھے ہے۔ اس کی تبدیلی کا عمل واضح طور پر کچھ پچھڑا ہوا ہے۔ دیگر شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرقہ 10-15 سال کا ہے یعنی کسی خاص نقطہ وقت پر مسلم شرح پیدائش 10-15 سال پہلے کی اوسط ہے اور بعض دیگر ریاستوں میں اسی کے شرح پیدائش کے آس پاس ہوتی ہے۔

آس پاس ہے۔

7 بچوں کی خوراک

خوش حالی کا ایک اور اہم اشارہ بچوں کی خوراک ہے۔ بچوں کی ناقص خوراک سے نوزائیدوں اور بچوں کی اموات کا اندیشہ خاصا بڑھ جاتا ہے۔ بعض تخمینوں کے مطابق ترقی پذیر دنیا میں بچوں کی آدھی یا زیادہ اموات ناقص غذا کے سبب ہوتی ہیں 7 دنیا کے مختلف علاقوں میں اس کے بہت سے شواہد موجود ہیں کہ بچپن میں ناقص خوراک اسکول میں کم تر کارکردگی، کم ترقی، فروغ اور صحت کی خرابی کا سبب ہوتا ہے جس کے نتیجے میں بڑے ہو کر کام کرنے کی صلاحیت بہت کم ہو جاتی ہے۔ اس لئے ہمارے ملک کو بچوں کی ناقص غذا کے سبب بھاری اقتصادی، انسانی اور سماجی قیمت چکانی پڑ سکتی ہے۔

بچوں کی ناقص غذا اور کم وزن بچوں نوزائیدوں اور پانچ سال سے کم عمر بچوں کی شرح اموات کے معاملے کی طرح، پانچ سال سے کم عمر کے کم وزن یا باڑھ (قد) رک جانے والے بچوں کے فی صد تناسب کے معاملے میں بھی مختلف طبقوں میں بھاری فرق پایا جاتا ہے۔ (شکل 3.14) نوزائیدوں اور پانچ سال سے کم عمر بچوں کی شرح اموات کے برعکس جو مسلمانوں میں دیگر طبقوں کے مقابلے کم ہے۔

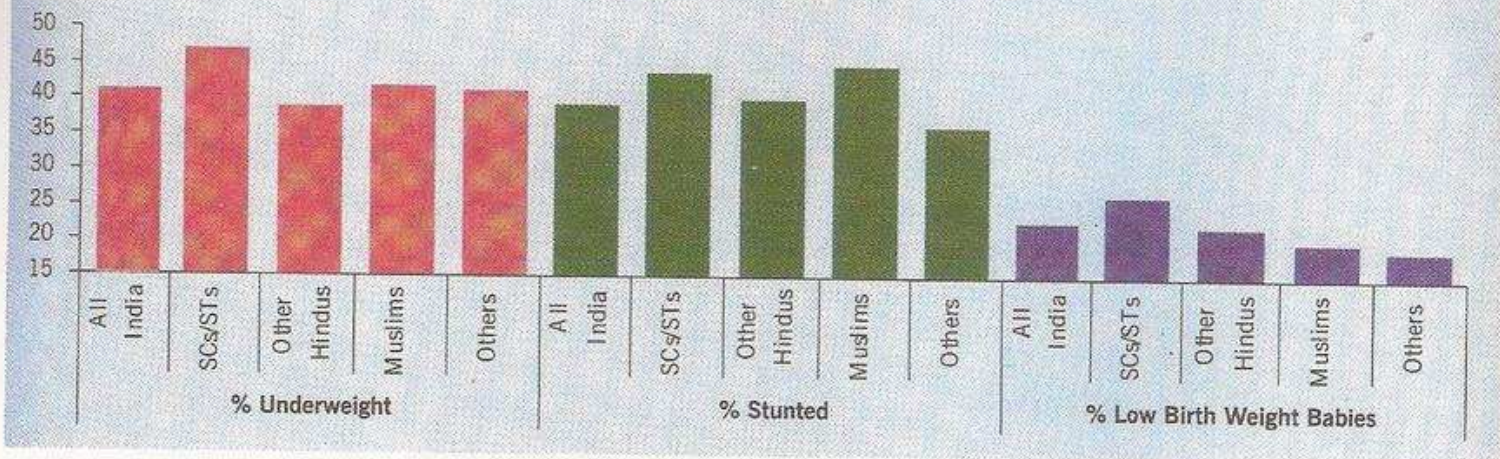
۔

بچوں کے ناقص خوراک کے معاملے میں مسلمانوں کی صورت حال دیگر تمام طبقوں سے بدتر ہے مثلاً دیگر تمام طبقوں کے مقابلے مسلمانوں میں بچوں کی باڑھ (قد) رک جانے کی شرح سب سے زیادہ اور کم وزن بچوں کی تعداد سب سے زیادہ کے بعد ہے۔ (8.9) عمومی لحاظ سے مختلف طبقوں کے درمیان کوئی زیادہ فرق نہیں ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بچوں کی ناقص خوراک اور کم وزن بچوں کی پیدائش تمام طبقوں میں عام ہے۔

شکل 3.15 میں ملک کے چھ جغرافیائی خطوں میں مختلف سماجی۔ مذہبی طبقوں کے لحاظ سے کم وزن بچوں کی پیدائش اور بچوں کی باڑھ رک جانے کی صورت حال دکھائی گئی ہے۔ شمال مشرقی ریاستوں کے سوا جہاں بچوں کے ناقص خوراک کا معاملہ مسلمانوں میں سب سے زیادہ ہے، باقی تمام خطوں میں مسلم بچوں کے ناقص خوراک کی شرح ایس سی اور ایس ٹی سے کم مگر دیگر ہندوؤں سے زیادہ ہے۔ ایک اور دلچسپ پہلو یہ ہے کہ ملک کے دیگر خطوں کی بہ نسبت جنوبی ہند (اور غالباً مغربی ہند) میں مسلمانوں کی یہ صورت حال (ایس سی/ایس ٹی کے مقابلے) بہتر ہے۔ مثلاً جنوب میں، ایس سی/ایس ٹی لوگوں میں کم وزن بچوں کی شرح پیدائش 43 فی صد اور مسلمانوں میں 32 فی صد ہے۔ اس کے برعکس مشرقی خطے میں، کم وزن بچوں کی شرح پیدائش کے معاملے میں مسلمانوں اور ایس سی و ایس ٹی کے درمیان فرق کم (48 فی صد بمقابلہ 50 فی صد) ہے۔

- 7 مثلاً ہیلینز اور فرنگیوں نے عالمی پیمانے کے شواہد کی بنیاد پر اندازہ لگایا ہے کہ کم وزن بچوں کے تناسب میں 5 فی صد کی کمی آجائے تو نوزائیدوں کی شرح اموات میں 30 فی صد اور پانچ سال سے کم عمر بچوں میں 13 فی صد کی کمی آجائے گی۔
- 8 کسی بچے کو کم وزن تب کہا جاتا ہے جب اس کی عمر کے مطابق اس کا وزن این سی ایچ ایس/ڈیو ایچ او کے مقرر کردہ معیار سے دو عدد کم ہو۔
- 9 یہ بات کم وزن نومولودوں کے لئے درست نہیں تاہم مسلمان اس معاملے میں دوسروں کے مقابلے دوسرے نمبر پر ہیں۔

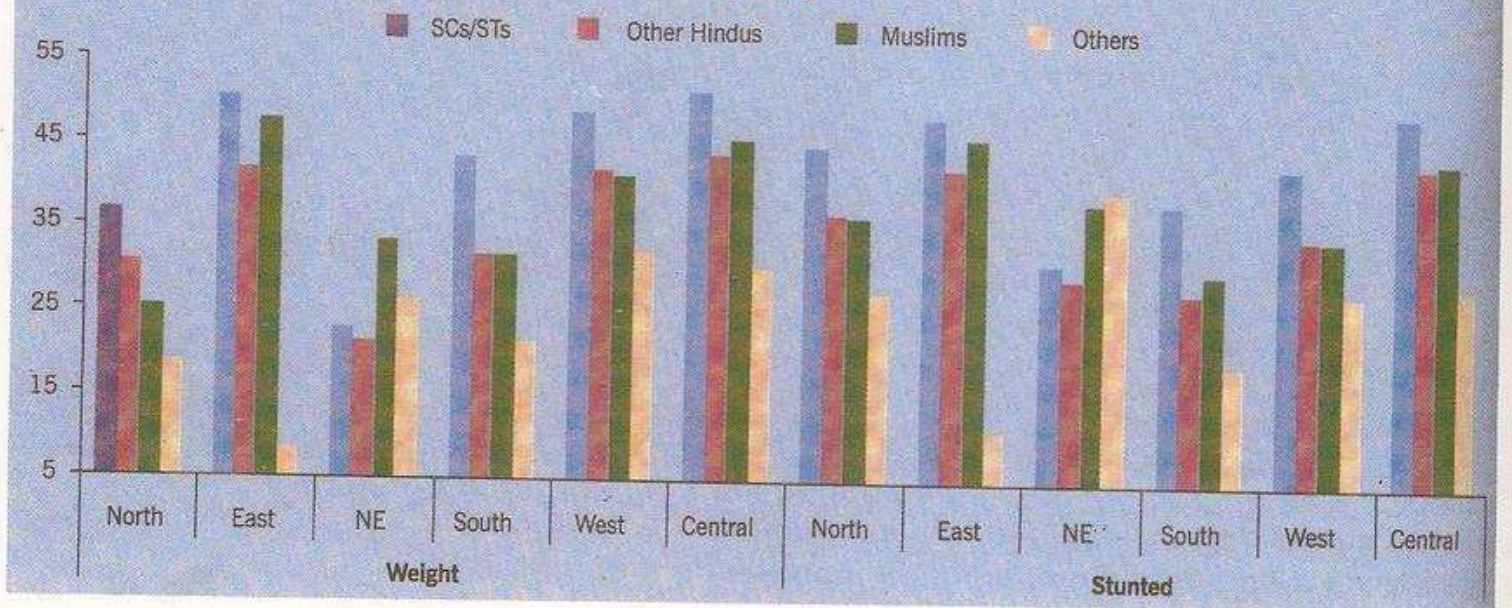
Fig. 3.14: Percentage of children under 5 who are Underweight and Stunted and % of low birth weight (<2,500 gms) babies, among Muslims and non-Muslims, 1998-99



کم وزن بچوں کی شرح پیدائش کے معاملے میں مسلمانوں اور دیگر طبقوں کے درمیان علاقائی فرق خاصا ناہموار ہے۔ (شکل 3.15)۔ جنوبی، مغربی اور وسطی خطوں میں، کم وزن بچوں کی شرح پیدائش مسلمانوں میں سب سے کم یا اس کے بعد ہے، مگر دیگر تین خطوں میں دیگر تمام طبقوں کے مقابلے میں یا زیادہ یا اس کے بعد ہے۔

نوزائیدوں اور پانچ سال سے کم عمر بچوں کی شرح اموات کی طرح، یہ معلوم کرنے کی کوشش کی گئی کہ انفرادی، خانگی اور فرقہ جاتی عوامل یکساں دیگر طبقوں کے مقابلے میں مسلمانوں رہیں تو مسلمانوں اور دیگر طبقوں کے درمیان بچوں کی ناقص خوراک کے معاملے میں کیا فرق پایا جاتا ہے تجزیے سے ظاہر ہوا کہ بچوں کی ناقص خوراک کا سبب بننے والے دیگر عوامل (بشمول مقام رہائش) یکساں ہوں تو دیگر طبقوں کے مقابلے میں مسلمانوں میں بچوں کے کم وزن رہنے یا ان کی باڑھ مارے جانے کا اندیشہ نمایاں طور پر زیادہ رہتا ہے۔ تاہم ایس سی/ایس ٹی اور دیگر ہندوؤں میں بھی بچوں سے متعلق یہ اندیشے زیادہ بچوں کی باڑھ مارے جانے کا ہیں۔ درحقیقت اس معاملے میں ان تینوں طبقوں کے درمیان فرق نسبتاً کم ہے۔

Fig. 3.15: Percentage of children under 5 who are Underweight and Stunted among SRC's, by geographical region, 1998-99



دیگر ہندو بچوں کی بہ نسبت مسلم اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلم بچوں کو دیگر ہندوؤں کے بچوں کے مقابلے ناقص خوراک ملنے کا اندیشہ نسبتاً زیادہ لاحق ہوتا ہے مگر ان کے کم وزن ہونے یا باڑھ مارے جانے کا اندیشہ ایس سی/ ایس ٹی بچوں سے کم ہے۔ 10۔ مگر شمالی اور مشرقی خطوں میں 1992-93 اور بچوں میں ناقص غذا کا اندیشہ تھوڑا 1998-99 کے درمیانی عرصے کے دوران مسلمانوں میں کم وزن بچوں کی شرح پیدائش میں نمایاں اضافہ ہوا اور اس معاملے میں ان کی صورت حال دیگر طبقوں کے اوسط کی بہ نسبت خاصی بدتر رہی۔ یہ تضاد خاصاً ناقابل فہم ہے کہ نوزائیدوں اور پانچ سال سے کم عمر بچوں کی شرح اموات کے معاملے میں تو مسلمان دیگر ہندوؤں سے بہتر ہیں مگر بچوں کی غذا کے لحاظ سے بدتر ہیں۔ یہ بات اس لحاظ سے اور بھی ناقابل فہم ہے کہ نوزائیدوں اور پانچ سال سے کم عمر بچوں کی شرح اموات سے متعلق پیشتر عوامل (مثلاً زچگی اور اعلیٰ درجے کی صحت خدمات سے استفادہ، خواتین کی زیادہ شرح خواندگی، بہتر ذاتی صفائی اور بچوں کو دودھ پلانے کی بہتر صورت حال) بچوں کی ناقص غذا سے بھی وابستہ ہیں۔

8۔ آبادی میں اضافے کے امکانات

علم آبادی کے ماہرین سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ مستقبل قریب و مستقبل بعید سے متعلق آبادی کے حالات کی پیش قیاسی کریں گے۔ اس میں شرح پیدائش و اموات کے بارے میں پیش قیاسی شامل ہیں۔ اس بات کے پیش نظر کہ حالیہ برسوں کے دوران شرح پیدائش میں کمی آئی ہے یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ کمی کا یہ سلسلہ آئندہ بھی جاری رہے گا اور شرح پیدائش آخر کار قابل تجدید ہونے کی خاصی کم سطح یعنی 2.1 کے ٹی ایف آر تک جانچنے لگی، کیوں کہ اس کے ساتھ ساتھ شرح اموات بھی بہت کم ہو جائے گی۔ مگر اس کی پیش قیاسی کرنا مشکل ہے۔ اس لئے اکثر متبادل تخمینے پیش کئے جاتے ہیں۔ اس قیاس کی بنیاد پر کہ 2030 کی دہائی کے دوران شرح پیدائش قابل تجدید سطح تک جانچنے لگی، پیش کئے جانے والے بعض تخمینوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی آبادی تقریباً 32 کروڑ پر مستحکم ہو جائے گی۔ 11۔ اس قیاس کی بنیاد پر کہ اگر قابل تجدید ہونے کی سطح 2041 تک حاصل کی گئی تو نتائج کیا ہوں گے قائم کئے گئے آزادانہ تخمینوں کے مطابق مسلم آبادی کے متوقع استحکام کی حد 34 کروڑ ہوگی۔ لہذا مسلم آبادی میں ایک عرصے تک، کچھ تو قابل تجدید سطح سے زیادہ شرح پیدائش اور کچھ آبادی کے تغیرات کے سبب اضافہ جاری رہے گا جو تقریباً 32 سے 34 کروڑ تک جانچنے گا۔

اکثر پوچھا جاتا ہے کہ کیا مسلمان ملک میں آبادی میں اضافے کی شرح اوسط سے زیادہ رہی ہے اور کچھ عرصے تک اس کے یوں ہی رہنے کا امکان ہے۔ اس لئے اکثر یہ سوال کیا جاتا ہے کہ کیا مسلمان ملک کا سب سے بڑا طبقہ بن جائیں گے اور ایسا ہوتا ہے تو کب تک ہوگا؟ تاہم اس سوال کا جوابی سوال یہ ہے کہ اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ کس طبقے کی آبادی سب سے زیادہ ہے؟ مگر سیاسی اور سماجی حالات کے پیش نظر یہ بحث جاری ہے اور طرح طرح کی قیاس آرائیوں کا بازار گرم ہے۔ ابھی ایک مطالعے میں اس سوال سے بحث کی گئی ہے جس میں بیسویں صدی کے رجحانات کی بنیاد پر یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ ہندوستان کی عیسائی اور مسلم آبادی 2050 تک 50 فی صد کی سطح کے آس پاس جانچنے لگی۔ 12۔ مگر یہ قیاس اس ہندوستان کے لئے ہے جس میں پاکستان اور بنگلہ دیش شامل تھے یعنی قبل از تقسیم کا ہندوستان۔ اس مفروضے کے ساتھ دو مسئلے ہیں۔ اول، یہ مطالعہ آبادی میں حصے داری کے مکمل عمل پر مبنی ہے اور یہ طریقہ کسی فرقے کی آبادی کا تناسب معلوم کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے (مصنفین نے ہندوستان کے مذہبی فرقوں کے ایک گروپ میں ہندوؤں، سکھوں، بودھوں اور جینیوں کو رکھا ہے اور دوسرے گروپ میں عیسائیوں اور مسلمانوں کو)۔ اور یہ سلسلہ وقت گزرنے کے ساتھ دراز تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس میں یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ موجودہ رجحانات آئندہ بھی

10۔ ان اعداد و شمار سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں 1990 کی دہائی کے دوران ناقص تغذیہ میں کمی لانے کی جانب پیش رفت کا موازنہ موئے طور پر دیگر طبقوں کی اسی پیش رفت سے کیا جاسکتا ہے (اگرچہ مسلمانوں کی پیش رفت ایس سی اور ایس ٹی سے بہتر ہے)

11۔ بحث اور زیوریکر 2005، 2004

12۔ جوشی وغیرہ (2003، 2005)

جاری رہیں گے۔ لیکن اب جب کہ شرح پیدائش میں کمی کا سلسلہ تمام فرقوں میں قائم ہو چکا ہے۔ پیدائش کی شرحوں کے درمیان فرق کو محض ایک وقتی معاملہ سمجھا جانے لگا ہے۔ جیسے جیسے شرح پیدائش میں تبدیلی کا یہ سلسلہ آگے بڑھے گا، عام فرقوں کی شرح پیدائش کم ہو جائے گی۔ بعض فرقوں کی شرح پیدائش ایک بار کم ہو جائے گی تو اس میں آئندہ گراؤ کی رفتار سست پڑ جائے گی۔ دوسری جانب جو طبقے مثلاً مسلمان اس سلسلے میں کچھڑے ہوئے ہیں وہ بھی بہت جلد اس سطح کو چھو لیں گے۔ اس کے نتیجے میں مختلف طبقوں کے درمیان فرق کم ہوتا چلا جائے گا اور آخر کار تمام طبقوں کی شرح پیدائش کم ہو جائے گی، جیسا کہ ترقی یافتہ ملکوں میں ہوا ہے۔ لہذا توقع ہے کہ مختلف طبقوں کی صورت حال یکساں ہو جائے گی اور شرح پیدائش اور اضافہ آبادی کے درمیان موجود فرق ہمیشہ جاری اور برقرار نہیں رہے گا۔ مگر سوال یہ ہے کہ یہ فرق ختم ہونے میں کتنا وقت لگے گا اور درمیانی عرصے کے دوران مختلف طبقوں کے درمیان اضافہ آبادی میں کتنا فرق رہے گا۔ 13

مسلم آبادی میں اضافے کا اندازہ کرنے کے لئے ساری آبادی کے بارے میں اندازہ قائم کرنا ضروری ہے۔ سابقہ قیاسی تخمینوں میں یہ فرض کر لیا گیا تھا کہ مسلمان قابل تجدید شرح پیدائش تک دیگر فرقوں سے دس سال بعد پہنچیں گے۔ ان سے یہ بھی ظاہر ہوتا تھا کہ مسلم آبادی بڑھنے سے 19 فی صد سے کچھ کم تک چاہنیچی (یعنی 1.7 ارب کی کل آبادی میں 32 کروڑ مسلمان)، اور پھر اسی سطح پر مستحکم ہو جائے گی۔ اگر مختلف طبقوں کے درمیان فرق ختم ہونے میں زیادہ وقت لگتا ہے تو مسلم آبادی کا تناسب بڑھ جائے گا۔ بعض اور تخمینے اس قیاس کی بنیاد پر قائم ہندوستانی مسلمانوں کی آبادی بڑھ کے گئے کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں کی شرح پیدائش قابل تجدید سطح تک پہنچ جائے گی مگر اول الذکر کو اس میں مزید 10 یا 20 سال سے 19 فی صد کے آس پاس تک لگیں گے۔ ان تخمینوں کے مطابق مسلم آبادی 2101 تک 32 سے 34 کروڑ ہو سکتی ہے جب مجموعی آبادی 1.7-1.8 ارب ہوگی اور اس میں مسلمانوں کا حصہ 18 اور 19 فی صد کے درمیان ہوگا (ضمیمہ جدول 3.14)۔ یہاں موٹے طور پر کہا جاسکتا ہے مسلم آبادی کی موجودہ سطح ہو جائے گی۔ بڑھے گی، مگر اس صدی کے آخر تک اس کے 20 فی صد سے زیادہ ہو جانے کا امکان نہیں ہے۔

جہاں ایک طرف ملکی آبادی میں مختلف طبقوں کے حصے کے بارے میں بحث جاری ہے وہیں دوسری جانب شرح پیدائش سے متعلق طرز عمل کے اس بحث سے متاثر ہونے کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ والدین بچوں کی پیدائش کے بارے میں فیصلے اپنے مصالح اور مفادات کے تحت کرتے ہیں نہ کہ ملکی آبادی میں اپنے فرقے کا حصہ بڑھانے یا اپنے فرقے کی سیاسی طاقت میں اضافے کی غرض سے۔ یہ بات تمام فرقوں کے لئے جوڑے بچوں کی تعداد سے متعلق درست معلوم ہوتی ہے، خواہ وہ اکثریت ہو یا اقلیت۔ بچوں کی پرورش، ان کی مفروضہ قدر و قیمت سے متعلق انفرادی فیصلے پورے فرقے کے فیصلے اپنے مفادات کے تحت کرتے مفادات سے متعلق تلقین و اصرار سے زیادہ اہم ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں ایک حالیہ شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ بچوں کی پیدائش پر روک لگانے کا خیال خاصا عام ہو رہا ہے، چھوٹے کنبے کو زیادہ پسندیدہ سمجھا جا رہا ہے اور مانع حمل طریقوں کی طلب اور استعمال میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ہیں نہ کہ آبادی میں اپنے فرقے کا گزشتہ تین دہائیوں کے دوران، ہندوستان میں شرح پیدائش میں خاصی گراؤ آئی ہے اور مانع حمل طریقوں کے استعمال کو زیادہ قبولیت حاصل ہوئی ہے۔ مزید یہ کہ گزشتہ دہائی کے دوران اضافہ آبادی میں کمی آئی ہے اور حالیہ تخمینوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ کمی ہونے کا یہ سلسلہ جاری ہے۔ پھر یہ بھی کہ یہ معاملہ مسلمان سمیت تمام بڑے فرقوں کے ساتھ ہے۔ مجموعی آبادی اور مسلم آبادی دونوں میں مزید گراؤ آئی یقینی ہے حتیٰ کہ ان کی شرح افزائش کی سطح صفر ہو جائے۔ اس بات کے مضبوط اشارے موجود ہیں کہ یہ صورت حال اس صدی کے خاتمے سے پہلے ہی سامنے آ جائے گی۔

یورپی ملکوں کے حالیہ تجربے سے ظاہر ہوتا ہے کہ بہت سی آبادیوں کی شرح پیدائش قابل تجدید سطح سے بھی خاصی کم ہوئی ہے اور آبادی کا حجم گزشتہ صدی میں کئے گئے قیاس کے مطابق کسی آخری سطح پر مستحکم ہونے کے بجائے کم ہوا ہے۔ اس وقت یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ صورت اس مختلف اجزاء سے متعلق قیاسی تخمینہ سازی کے تحت جسے آبادیاتی ماہرین عموماً استعمال کرتے ہیں۔ شرح پیدائش و اموات کی واضح قیاسی تخمینہ سازی ممکن ہو جاتی ہے اور اس مقصد کے لئے یہی طریقہ مناسب ہے۔

صدی کے دوران ہندوستان میں بھی پیش آسکتی ہے۔ اگر ایسا ہوتا ہے تو اس صدی کے آخر تک مجموعی آبادی اور مسلم آبادی کا حجم اس مذکورہ بالا قیاسی تخمینوں کے مقابلے میں کم ہوگا۔ (ضمیمہ جدول 3.14 میں پیش کئے گئے بعض متبادل قیاسی تخمینوں کے نتائج سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس صدی کے آخر تک مجموعی آبادی 1.5 ارب اور مسلم آبادی 30 کروڑ سے کم ہوگی۔)

مختلف طبقوں کی آبادی کی صورت حال میں یکسانیت پیدا ہونے کا عمل کئی سماجی و اقتصادی، سیاسی امور اور پروگراموں سے متعلق عوامل پر منحصر ہے اور تعلیم بطور خاص خواتین اور لڑکیوں کی تعلیم میں بڑے پیمانے پر اضافے اور ملک کے تمام طبقوں میں غربی کم کرنے کی مسلسل کوششوں سے یہ عمل تیز تر ہو سکتا ہے۔ اگرچہ شہریوں کے ایک بڑے حصے کا طرز حیات نمایاں طور پر مذہب کے زیر اثر ہے مگر مسلمانوں کی شرح افزائش پر روک لگانے کے معاملے میں اس کا اثر زیادہ نہیں معلوم ہوتا۔ مثلاً مانع حمل طریقوں کا استعمال، جو خاندانی منصوبہ بندی کے جدید طریقوں کی قبولیت کا بدیہی اظہار ہے۔ حالیہ برسوں کے دوران مسلمانوں میں بڑھتا رہا ہے اور اس کی شرح تقریباً 40 فی صد ہو گئی ہے۔ اس وقت 2 کروڑ سے زیادہ مسلم جوڑے جدید مانع حمل طریقے استعمال کر رہے ہیں اور اگر سارے ملک میں مسلمانوں کو معیاری اور مرضی کے مطابق تولیدی صحت خدمات فراہم کی جائیں تو یہ تعداد اور بڑھ سکتی ہے۔ تاہم، مسلمانوں میں غربی کا نسبتاً زیادہ ہونا اور مسلمانوں اور دیگر طبقوں کے درمیان خواندگی کے معاملے میں بڑھتا ہوا فرق، بطور خاص نوجوان خواتین میں 14 ایسے عوامل ہیں جن کے سبب مسلم شرح پیدائش میں کمی کا عمل سست ہو سکتا ہے۔ کیرل کے سوا ان تمام ریاستوں میں جہاں شرح پیدائش میں تبدیلی کا عمل خاصا ترقی کر گیا ہے مثلاً تمل ناڈو، کرناٹک اور حالیہ دنوں میں آندھرا پردیش، شرح پیدائش میں کمی انسانی ترقی کے اشاریوں میں کسی اہم بہتری کے بغیر حاصل کی گئی ہے۔ مگر دنیا بھر میں خوش اسلوبی کے ساتھ کی گئی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ غربی کی سطح میں کمی لانے والی خواتین کی تعلیم میں بہتری لانے سے شرح پیدائش میں تیز رفتار کمی اور متوقع عمر میں اضافہ کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔ مذکورہ بالا دونوں عوامل خصوصی مقاصد کے طور پر بروئے کار لائے جانے چاہئیں۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں سمیت تمام فرقوں میں اضافہ آبادی کا سلسلہ کچھ وقت تک جاری رہے گا مگر آبادیاتی تبدیلی کے جاری و ساری عمل کے ترقی کرنے کے ساتھ ساتھ یہ سلسلہ آخر کار ختم جائے گا بلکہ اس میں گراؤ بھی آسکتی ہے۔ 21 ویں صدی کے آخر تک، ہندوستان کے مسلمانوں کی آبادی 32 سے 34 کروڑ (1.7 سے 1.8 ارب کی مجموعی آبادی میں) تک ہونے کا قیاس ہے جس کا تناسب 18-19 فی صد ہوگا۔ آبادی اور صحت کے حالات کا تقابلی تجزیہ کرنے سے بعض اوقات دلچسپ بصیرتیں حاصل ہوتی ہیں۔ مثلاً:

☆ شرح پیدائش میں خاصی کمی ہونے سے مسلم آبادی میں اضافے کا عمل ماند پڑا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان آبادیاتی تبدیلی کے عمل میں پوری طرح شامل ہیں۔ آئندہ شرح افزائش اور بھی کم ہونی ہے جس سے مسلم آبادی آخر کار قابل تجدید سطح تک پہنچ جائے گی۔

☆ مسلمان اور دیگر طبقے شمالی اور وسطی خطوں میں آبادیاتی تبدیلی کے معاملے میں پیچھے ہوئے ہیں اور اس علاقے میں زیادہ تیز رفتار تبدیلی سے تبدیلی کا عمل مسلمانوں میں بھی تیز تر ہوگا۔

☆ عام خیال کے برعکس، مسلمانوں میں بچوں کی پیدائش روکنے اور مانع حمل طریقوں کے استعمال کا سلسلہ خاصا مضبوط ہے۔ ایسے میں ضروری ہے کہ مسلم جوڑوں کو ان کی مرضی کی سہولتیں فراہم کی جائیں۔

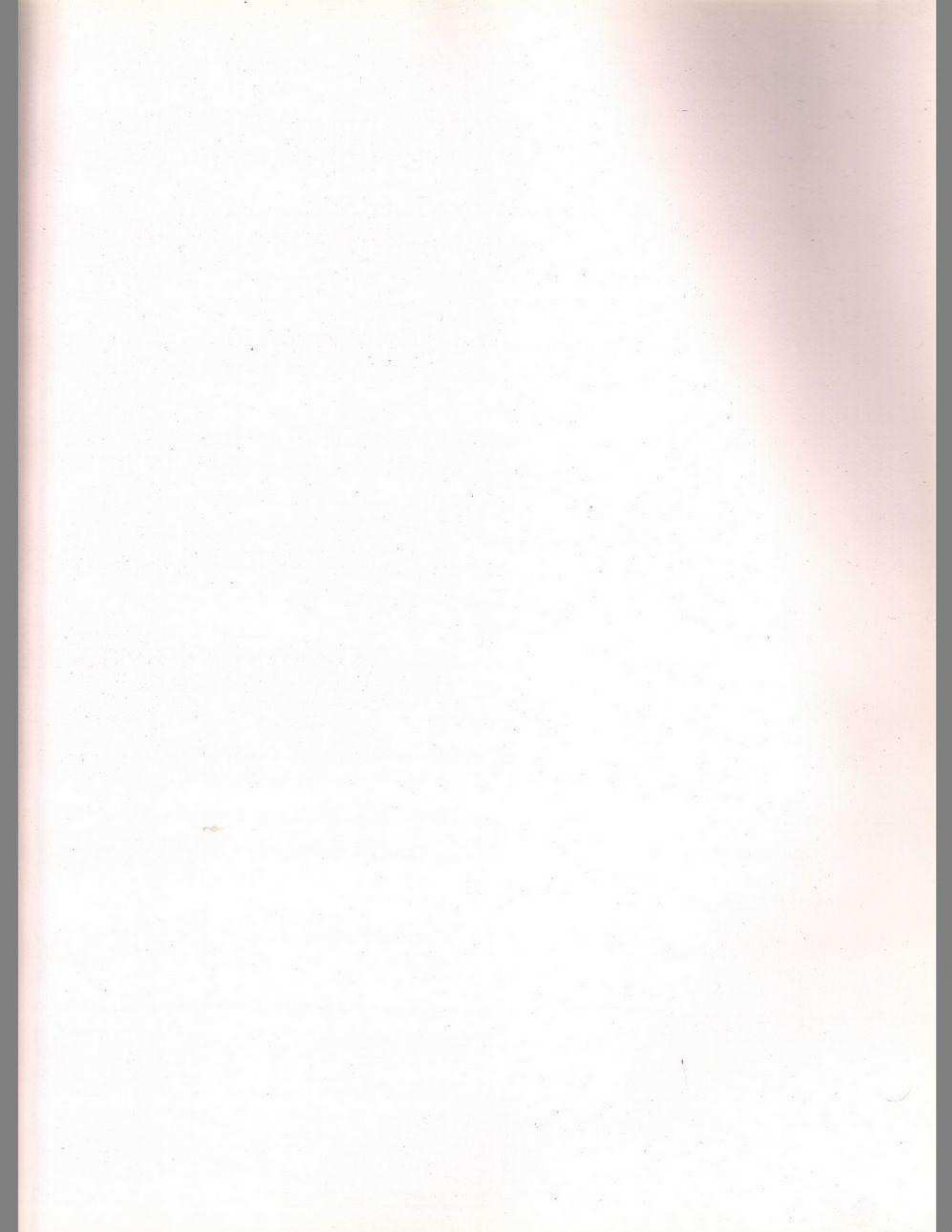
☆ بچوں میں شرح اموات اور بچوں کی صحت کے معاملے میں مسلمانوں کی حالت اوسط سے قدرے بہتر ہے مگر بچوں کی صحت کے مجموعی

شرح پیدائش میں خاصی کمی آنے سے مسلم آبادی میں اضافے کی رفتار کم ہوگئی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان آبادیاتی تبدیلی کے عمل میں اچھی طرح شریک ہیں۔

مسلمانوں کی آبادی، تقسیم آبادی اور صحت کی صورت حال

حالات میں انسانیت کو بڑا نقصان پہنچا رہا ہے۔ لہذا انہیں بہتر کرنے کی ضرورت ہے۔ شہری غریبوں کو صحت خدمات فراہم کئے جانے سے غریب مسلمانوں کو بھی فائدہ پہنچے گا کیوں کہ جنوبی اور مغربی ریاستوں میں مسلمانوں کی بڑی تعداد شہری علاقوں میں رہتی ہے۔

مسلمانوں کی علاقہ دار آبادی کی صورت حال خاصی ناہموار ہے کیوں کہ ان کی خاصی بڑی تعداد ایسی ریاستوں میں رہتی ہے جو ترقی کے معاملے میں پچھڑی ہوئی ہیں۔ علاقائی عدم مطابقتوں کو کم کرنے سے آبادی سے متعلق فرق کم کرنے میں بڑی مدد ملے گی۔



مسلمانوں کی تعلیمی حالت

1- تعارف

ان دنوں سماجی اور اقتصادی ترقی کے عمل میں تعلیم کے معاون کردار کو بخوبی تسلیم کیا جاتا ہے۔ موجودہ ماحول میں جب سائنس اور ٹکنالوجی میں تیز رفتار تہذیبیاں آرہی ہیں کسی ملک کی حصول تعلیم اور کارکردگی کی صلاحیت اس کی ترقی کے لئے بے انتہا اہمیت کی حامل ہے۔ ملکی ترقی کے لئے انسانی سرمایے اور اس کے فروغ کی اہمیت تو ظاہر ہے ہی، اس کے ذیلی اقتصادی نتائج پر بھی نظر رکھنی ضروری ہے۔ تعلیم کے ذریعے بچوں اور نوجوانوں کی تجزیاتی اور عملی صلاحیتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس کے صلے میں ان پر نئے مواقع روشن ہوتے ہیں جس سے انفرادی اور اجتماعی کامیابیوں کی راہیں کھلتی ہیں۔ بہتر تعلیم سے صرف کارکردگی (اور اس کی وجہ سے آمدنی) ہی نہیں بڑھتی بلکہ جمہوری شرکت میں بھی اضافہ ہوتا ہے، صحت بہتر ہوتی ہے اور معیار زندگی بھی بلند ہوتا ہے۔

آئین کے نفاذ کے وقت ہندوستانی ریاست نے ریاستی پالیسی کے رہنما اصولوں کی دفعہ 45 کے تحت ابتدائی تعلیم فراہم کرنے کا عہد کیا تھا۔ دفعہ 45 میں کہا گیا ہے: 'ریاست اس آئین کے آغاز کے دس سال کے اندر تمام بچوں کو جب تک کہ وہ چودہ سال کی عمر مکمل نہ کر لیں مفت اور لازمی تعلیم فراہم کرنے کی کوشش کرے گی'۔ 1993 میں، سپریم کورٹ نے ایک سنگ میل نوعیت کے فیصلے میں کہا کہ تعلیم کا حق، آئین کی دفعہ 21 میں زندگی کے حق کے تحت ایک بنیادی حق ہے۔ اس کے بعد 2002 میں، آئین کی 86 ویں ترمیم کے ذریعے تعلیم کے بنیادی حق ہونے کی توثیق کی گئی۔ دفعہ (21-A) کہتی ہے: 'ریاست چھ سال سے چودہ سال عمر کے تمام بچوں کو مفت اور لازمی تعلیم فراہم کرے گی، اس طریقہ کار کے تحت جو وہ از روئے قانون متعین کرے'۔ 86 ویں ترمیم کے تحت دفعہ 45 میں بھی تبدیلی کی گئی جس کے الفاظ اب یوں ہیں: 'ریاست تمام بچوں کو جب تک کہ وہ چھ سال کی عمر مکمل نہ کر لیں، اوائل طفولیت کی خدمات اور تعلیم فراہم کرنے کی کوشش کرے گی'۔ تاہم اس عہد اور عزم کے باوجود اس عمر کے اسکول نہ جانے والے بچوں کی تعداد تھوڑی ناک حد تک بہت زیادہ ہے۔

ریاست کے چھ سے چودہ سال
کی عمر کے تمام بچوں کو مفت اور
لازمی تعلیم فراہم کرے گی: (دفعہ
21A)

ایک کے بعد ایک آنے والی حکومتیں تعلیم کے حق سے متعلق بل کو قانون بنانے میں پس و پیش کرتی رہی ہیں۔ اس کے باوجود کہ آئین کی دفعہ (21-A) نے ریاست پر ہر بچے کو مفت اور لازمی تعلیم فراہم کرنے کی ذمے داری عائد کی ہے۔ چونکہ تعلیم مرکز اور ریاستوں دونوں سے متعلق موضوع ہے، اس لئے مرکزی اور ریاستی دونوں حکومتیں اس کے لئے ذمے دار ہیں۔ حق تعلیم کو ممکن بنانے کے لئے قانون منظور نہ کر کے، مرکزی حکومتوں نے اپنی ذمے داری ادا کرنے میں کوتاہی کی ہے۔ نتیجتاً ہندوستان کے بچوں کے تعلیمی حالات کی ابتری برقرار ہے۔

اس باب میں ہندوستانی مسلمانوں کی تعلیم سے متعلق امور کے بارے میں ایک وسیع تناظر فراہم کیا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان تعلیم کی کم سطح اور تعلیم کے کم معیار کی دوہری محرومی سے دوچار ہیں، اور جیسے جیسے تعلیم کو فروغ ہوتا ہے، ان کی محرومیاں بھی بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ بعض معاملوں میں مسلمانوں کا تعلیم میں حصہ درج فہرست ذاتوں سے بھی کم ہے جو عرصہ دراز سے ذات پات کے نظام کے شکار رہے ہیں۔ یہ محرومیاں اس بات کی متقاضی ہیں کہ اس مسئلہ کو سمجھنے، اصلاحی اقدامات وضع کرنے اور قوم مختص کئے جانے کے لئے اہم پالیسی تبدیلیاں کی جائیں۔ اس باب میں مختلف سماجی۔ مذہبی فرقوں کے درمیان تعلیم یابی کی سطحوں کے فرق پر توجہ مرکوز کی گئی ہے۔ مردم شماری کے تحت آزادی کے بعد پہلی بار تعلیم یابی سے متعلق مذہب وار اعداد و شمار فراہم کئے گئے ہیں جس سے کمیٹی کو تعلیم یابی کے زمانی رجحانات کی تفتیش میں مدد ملی ہے۔

مردم شماری کے تحت آزادی کے بعد پہلی بار تعلیم یابی سے متعلق مذہب وار اعداد و شمار فراہم کئے گئے ہیں جس سے کمیٹی کو تعلیم یابی کے زمانی رجحانات کی تفتیش میں مدد ملی ہے

یہاں سے اس باب کو نو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اگلے حصے میں اس باب میں زیر استعمال تعلیم یابی کے اشاریوں سے بحث کی گئی ہے۔ تیسرے حصے میں مختلف طبقوں میں خواندگی کی سطحوں اور گذشتہ برسوں کے دوران ان میں آنے والی تبدیلیوں کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ اسکولی تعلیم کے تین اہم پہلوؤں، اسکولی تعلیم کی مدت، داخلے اور حاضری کی شرحوں، کا تجزیہ چوتھے حصے میں کیا گیا ہے۔ اس کے بعد دو حصے مختلف طبقوں کے درمیان تعلیم یابی کے فرق کے تجزیے کے لئے وقف کئے گئے ہیں۔ پانچواں حصہ اسکولی تعلیم اور چھٹا حصہ اعلیٰ تعلیم کے حصول کا مابینوں کے تجزیے پر مرکوز ہے۔ تعلیم یابی کے فرق سے بحث کرنے کے بعد ساتویں حصے میں تعلیم یابی کے عوامل کی تفتیش کی گئی ہے۔ یہاں اس بات کی توثیق کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اگر اقتصادی حالت، مقام رہائش اور بعض دیگر سماجی و اقتصادی عوامل یکساں ہوں تو کیا کسی طبقے سے وابستگی تعلیم یابی کے لحاظ سے کسی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ بچے کی تعلیم کے لئے اسکول کا انتخاب ایک اہم فیصلہ ہوتا ہے۔ آٹھویں حصے میں مسلم فرقے کو تعلیم کی فراہمی اور دیگر تعلیمی مواقع کی توسیع میں مدارس کے کردار سے بحث کی گئی ہے۔ مسلمانوں کی تعلیم کے سلسلے میں اردو زبان کے کردار پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے تاکہ اردو کے ذریعے تعلیم کے مواقع مسلمانوں کے وسیع حلقوں تک پہنچائے جاسکیں۔ نویں حصے میں اس معاملے سے بحث کی گئی ہے۔ آخری حصے میں ساری بحث کا خلاصہ اور بعض پالیسی اقدامات کے خاکے پیش کئے گئے ہیں۔

2 تعلیم یابی کے اشاریے

چونکہ تعلیم یابی اور تعلیمی محرومی دونوں کے کثیتی (Quantitative and qualitative) پہلو بھی ہیں اور کیفیتی پہلو بھی، اس لئے ان کے درمیان فرق معلوم کرنا آسان نہیں ہے۔ اس کے لئے اعداد و شمار کے مختلف ذرائع سے کئی اشاریے مرتب کئے گئے ہیں۔ خارجی جائزوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے نام نہاد خواندہ لوگ اپنی پڑھنے اور لکھنے کی اہلیت، روزمرہ ضروریات زندگی کے لئے استعمال نہیں کر سکتے۔ 1 اور ان کی اچھی خاصی تعداد اسکول چھوڑنے کے چار پانچ سال بعد دوبارہ ناخواندوں جیسی ہو جاتی ہے۔ مردم شماری کے تحت مقرر کردہ تعریف میں اس پہلو کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے۔ اس کے برعکس، قومی خواندگی مشن کی مقرر کردہ تعریف میں پڑھنے، لکھنے اور حساب کی اہلیت حاصل کرنے، اور انہیں روزمرہ ضروریات زندگی میں استعمال کرنے کی صلاحیت پر توجہ دی گئی ہے۔ 2 مسلمانوں اور دیگر طبقوں کے درمیان، مختلف سطحوں پر تعلیم یابی کا فرق معلوم کرنے کے لئے مندرجہ ذیل اشاریوں کا استعمال کیا گیا ہے:

بہت سے نام نہاد خواندہ لوگ اپنی پڑھنے اور لکھنے کی اہلیت روزمرہ ضروریات زندگی کیلئے استعمال نہیں کر سکتے ہیں اور ان کی خاصی تعداد اسکول چھوڑنے کے چار پانچ سال بعد دوبارہ ناخواندوں جیسی ہو جاتی ہے

☆ خواندگی کی شرحیں: ناکافی ہونے کے باوجود، خواندگی تعلیم یابی کا سب سے زیادہ قابل فہم اور بڑے پیمانے پر استعمال کیا جانے والا اشاریہ ہے۔ مردم شماری کے تحت شرح خواندگی کی پیمائش پڑھنا اور لکھنا جانے والے سات سال اور اس سے زیادہ عمر کے لوگوں کے فی صد تناسب کی بنیاد پر کی جاتی ہے۔

☆ تعلیم کی خصوصی سطح حاصل کرنے والی آبادی کا تناسب: کم از کم گریجویٹیشن مکمل کر لینے والی آبادی کے تناسب کو اعلیٰ تعلیم کے حصول کے اشاریے کے بطور استعمال کیا جاتا ہے۔ اس طرح میٹرکولیشن تک کی تعلیم ثانوی سطح کی تکمیل کا اشاریہ ہوتی ہے۔ ابتدائی، مڈل اور ہائر سکندری سطحوں کی تعلیم کے لئے بھی ایسی ہی تعریفات مقرر کی گئی ہیں 3۔ ان میں سے ہر معاملے سے وابستہ لوگوں کی تعداد متعلقہ عمر گروپ والی آبادی کے تناسب کے ذریعے ظاہر کی جاتی ہے۔ 4

☆ اسکولی تعلیم کی اوسط مدت: متعلقہ عمر میں کسی شخص کے اسکول میں گزارنے کے برسوں کی اوسط تعداد۔ اس کا شمار میٹرکولیشن کے تعلق سے 7 سے 16 سال عمر گروپ کے لوگوں کے لئے کیا گیا ہے۔

☆ داخلے کی شرحیں: یہ ان بچوں کی تعداد ہے جو اسکول میں داخل ہیں اور کلاسیں کر رہے ہیں۔ 5

تعلیم یابی کی پیمائش کے لئے اعداد و شمار کا ایک اہم ذریعہ 2001 کی مردم شماری ہے، جس کے تحت پہلی بار مذہبی فرقوں اور ایس سی اور ایس ٹی کی تعلیمی حالت سے متعلق معلومات فراہم کی گئی ہے۔ اگرچہ یہ اعداد و شمار نمائندہ نوعیت کے ہیں، مگر پھر بھی ان کے ذریعے تعلیم یابی کے فرق میں آنے والی تبدیلیوں کے مجموعی تخمینے حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ اس کے لئے تعلیم یابی کی مختلف سطحوں والے لوگوں کی عمر سے متعلق معلومات کا استعمال کیا جاتا ہے۔ عمر سے مخصوص اشاریے حاصل کرنے کے طریقے کی تفصیلات تکنیکی نوٹ 1، 4 اور 4.2 میں پیش کی گئی ہیں۔ 2001 کی مردم شماری اس باب کے لئے اعداد و شمار کی خاص بنیاد ہے۔ مگر جہاں ضروری ہوا تجزیے کا معیار بڑھانے کے لئے این ایس ایس او کے 61 ویں دور کے اعداد و شمار بھی استعمال کئے گئے ہیں۔

مذکورہ بالا تمام پیمانے کتنی نوعیت کے ہیں۔ تعلیم کے کیفیاتی پہلوؤں کی تفتیش اعداد و شمار کے دیگر ذرائع کی بنیاد پر کی گئی ہے۔ مثلاً داخلوں اور حاضری کی شرحیں، تعلیمی اداروں کا انتخاب جیسے سرکاری یا نجی اسکول یا مدارس، تعلیم کے اخراجات اور تعلیم تک رسائی اور دیگر کیفیاتی پہلوؤں کا مطالعہ این ایس ایس او، نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ (این سی ای آر ٹی)، نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشنل پلاننگ اینڈ ایڈمنسٹریشن (این آئی ای پی اے)، سنٹرل بورڈ آف سکندری ایجوکیشن (سی بی ایس ای) اور نیشنل کونسل آف ایڈوانسڈ ایڈیوٹری (این سی اے ای آر) کے ذریعے کرائے گئے انسانی ترقیاتی جائزوں کے اعداد و شمار کی بنیاد پر کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ، اعلیٰ تعلیم کے اداروں جیسے یونیورسٹیوں، انڈین انسٹی ٹیوٹ آف مینجمنٹ (آئی آئی ایم)، انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ٹکنالوجی (آئی آئی ٹی) اور ملک کے مختلف حصوں کے دیگر تکنیکی اور پیشہ ورانہ تعلیم کے اداروں کے اعداد و شمار بھی اعلیٰ تعلیم تک رسائی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کے لئے استعمال کئے گئے ہیں۔

کل ہند سطح اور چند خاص ریاستوں سے متعلق تخمینے، جہاں بھی ممکن ہوا ہے، شہری اور دیہی علاقوں اور صنف کے لحاظ سے الگ الگ بھی پیش کئے گئے ہیں۔ ریاستی سطح کے تخمینے بھی ضمیمہ جدول 4.1 میں دئے گئے ہیں تاکہ یہ اعداد و شمار اس باب میں زیر بحث امور کی مزید تحقیق کرنے والوں کے لئے فراہم رہیں۔

2 اسی طرح 'یونیٹسکو' کی مقرر کردہ خواندہ شخص کی تعریف ہے وہ جس نے ایسا تمام علم اور مہارتیں حاصل کی ہوں جو اسے ایسی تمام سرگرمیوں کا اہل بنا سکیں جن میں اسے اپنے گروپ یا فرقے میں موثر بنانے والی خواندگی کی ضرورت ہوتی ہے یا جس کی پڑھنے، لکھنے اور حساب کرنے کی صلاحیت اسے اس صلاحیت کو اپنے اور اپنے فرقے کی ترقی کے لئے استعمال کرنے کا اہل بنا سکے۔

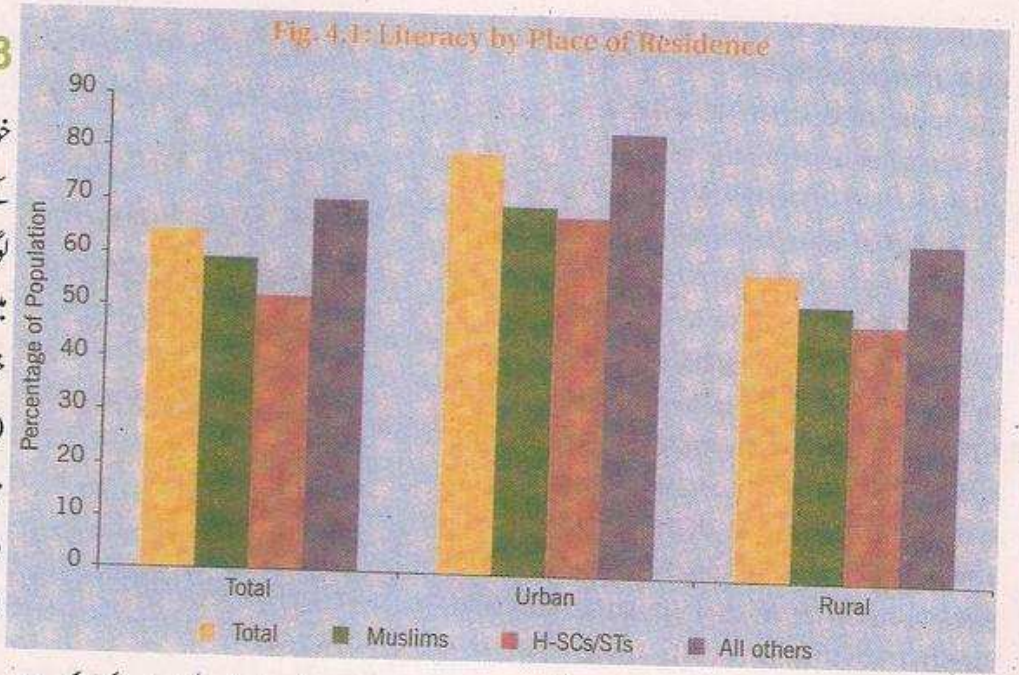
3 میٹرکولیشن سے مراد سوئس تک تعلیم کی تکمیل اور کسی امتحان بورڈ/کونسل کی سند حاصل کرنا ہے۔

4 متعلقہ عمر گروپ ہیں: 12 سال اور زیادہ (ابتدائی گروپ)، 15 سال اور زیادہ (مڈل اسکول تعلیم)، (17 سال اور زیادہ (میٹرکولیشن)، 19 سال اور زیادہ (ہائر سکندری اور ڈیپلوما) اور 20 سال اور زیادہ (گریجویٹ)

5 این ایس ایس اعداد و شمار ایسے بچوں سے متعلق معلومات فراہم کرتے ہیں جو اسکولی تعلیم حاصل کر رہے ہوں، جو اسکول میں داخل کئے گئے مگر تعلیم چھوڑ دی اور جو کبھی اسکول گئے ہی نہیں۔ لہذا این ایس ایس اعداد و شمار کے لئے داخلے اور حاضری کی شرحیں یکساں ہیں۔ انہیں اس متن میں باہم متبادل طور پر استعمال کیا گیا ہے۔

3- خواندگی کی سطحیں

خواندگی کا سب سے زیادہ استعمال کیا جانے والا تخمینہ مردم شماری کے اعداد و شمار میں شامل ہے۔ ہندوستان کے تقریباً 65 فی صد لوگ خواندہ ہیں⁶۔ خواندگی کی سطح خواتین کے مقابلے مردوں میں زیادہ ہے یعنی 53.7 فی صد کے مقابلے 75.3 فی صد۔ خواندگی دیہی علاقوں (58.7 فی صد) کے مقابلے شہری علاقوں (79.9 فی صد) میں زیادہ ہے۔ دیہی اور شہری علاقوں اور مردوں اور عورتوں کے درمیان تقریباً 20 فی صد کا یہ فرق گذشتہ دو دہائیوں کے دوران خواندگی کی سطحوں میں اضافے کے باوجود برقرار ہے۔



تحقیقی مطالعوں میں مسلمانوں اور ایس سی/ایس ٹی میں خواندگی کی کمی کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ 1960 کی دہائی کے وسط کے دوران، ان دونوں طبقوں میں خواندگی کی سطحیں کم اور دیگر تمام کے مقابلے میں بہت کم تھیں۔⁷ تاہم کئی ریاستوں میں، ایس سی/ایس ٹی کی خواندگی کی حالت مسلمانوں سے بدتر تھی۔ 2001 میں مسلم خواندگی کی شرح 59.1 فی صد تھی جو قومی اوسط (65.1 فی صد) سے بہت کم ہے۔ اگر 52.2 فی صد کی سطح خواندگی والے ایس سی/ایس ٹی اور مسلمانوں کو الگ کر دیا جائے تو دیگر تمام میں خواندگی کی سطح 70.8 فی صد نظر آتی ہے۔ شہری علاقوں میں، مسلمانوں کی خواندگی سطحوں (70.1 فی صد) اور قومی اوسط میں 11 فی صد پوائنٹ کا فرق ہے اور دیگر تمام کی بہ نسبت یہ فرق 15 فی صد پوائنٹ کا ہے۔ اگرچہ دیہی علاقوں میں خواندگی کی سطحیں کم ہیں (مسلمانوں میں 52.7 فی صد)، زیر تقابل طبقوں کے درمیان فرق زیادہ نہیں ہے۔ تاہم یہ بات توجہ طلب ہے کہ ایس سی/ایس ٹی لوگ دیہی اور شہری دونوں علاقوں میں اب بھی سب سے کم خواندہ ہیں۔ اگرچہ مرد ایس سی/ایس ٹی اور مسلمانوں کی خواندگی سطحوں کو جو بالترتیب 64 فی صد اور 68 فی صد ہیں، کم نہیں کہا جاسکتا، مگر یہ دیگر تمام کے مد نظر بہت کم ہیں جن کی خواندگی سطح 81 فی صد ہے، اس کے برعکس، مسلم خواتین 50 فی صد خواندگی کی سطح کے ساتھ دیگر فرقوں کی خواتین سے آگے اور دیہی علاقوں کی ایس سی/ایس ٹی خواتین سے بہت آگے ہیں۔

مسلمانوں میں شرح خواندگی 2001 میں قومی اوسط سے بہت کم تھی

ریاستی سطح کے تخمینوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں اور عام اوسط کے درمیان خواندگی کا فرق شہری علاقوں اور خواتین میں زیادہ ہے

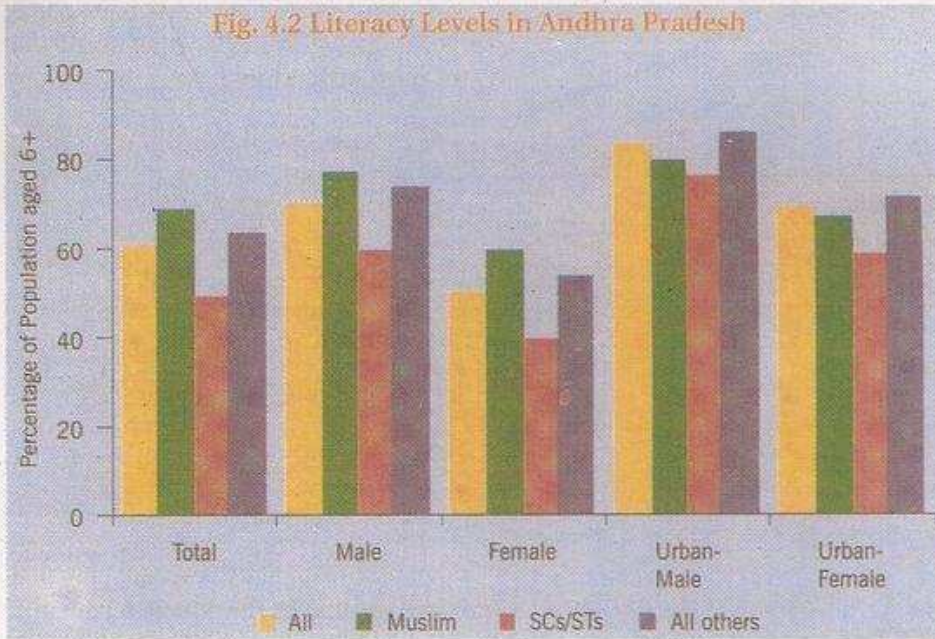
ریاستی سطح کے عمومی تجزیے سے مسلمانوں کی بہتر تصویر ابھرتی ہے۔ 21 منتخب ریاستوں میں سے 10 میں مسلمانوں کی شرح خواندگی ریاستی اوسط سے زیادہ ہے۔ ان ریاستوں میں جھارکھنڈ، کرناٹک، مہاراشٹر، آندھرا پردیش اور گجرات شامل ہیں (دیکھئے ضمیمہ جدول 4.1)۔ تاہم اس قسم کے تخمینے گمراہ کن بھی ہو سکتے ہیں اور ان سے بعض خصوصی گروپوں میں تعلیم یابی کی کم سطح کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ ان میں سے چند ریاستوں میں، مردوں اور عورتوں دونوں میں، خواندگی کی برتر مجموعی سطحوں کا تعلق کم تر شہری خواندگی سطحوں سے ہے۔

مثلاً آندھرا پردیش میں، 68 فی صد مسلمان خواندہ ہیں جب کہ ریاست کی مجموعی آبادی میں خواندوں کی تعداد 61 فی صد اور تمام دیگر میں 63 فی صد ہے۔ مردوں اور عورتوں سے متعلق مجموعی خواندگی سطحوں پر نظر ڈالیں تو مسلمان بالترتیب 77 فی صد اور 59 فی صد کے ساتھ تمام دیگر (73 فی صد اور 52 فی صد) سے بہتر نظر آتے ہیں۔ مگر مردوں اور عورتوں دونوں میں مسلمانوں کی شہری خواندگی کی شرح کم ہے۔ (شکل 4.2)۔ آندھرا پردیش

⁶ اس سلسلے میں ابھی کیا کچھ پایا جاتا ہے اس کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ 6 سال تک کی عمر کے 46.8 کروڑ لوگ اب بھی ناخواندہ ہیں۔

⁷ اس کا مطلب اس بات سے انکار کرنا نہیں ہے کہ ان فرقوں میں خواندگی کی سطح اب بھی کم ہے اور اس میں بہتری لانی ضروری ہے۔

میں یہ بات نمایاں ہوتی ہے کہ انسانی ترقیاتی عمل (مثلاً خواندگی) کے اہم پہلوؤں کا تجزیہ صرف ریاستی سطح پر نہیں کیا جانا چاہئے۔



لہذا ضروری ہے کہ مناسب متعلقہ سطحوں پر الگ الگ تجزیہ کیا جائے۔ عمومی لحاظ سے، ریاستی سطح کے تخمینوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں اور عام اوسط کے درمیان خواندگی کا فرق شہری علاقوں اور خواتین میں زیادہ ہے۔ شہری علاقوں کے مسلمانوں، بطور خاص مسلم خواتین میں خواندگی کی اوسط حالت کے لحاظ سے خواندگی کی سطح کم ہے۔ تاہم، تمل ناڈو جیسی ریاستوں میں مسلمانوں کی حالت تمام ذیلی گروپوں میں بہتر ہے اور کیرل جیسی ریاستوں میں مختلف طبقوں کے درمیان فرق بہت ہی کم ہے۔ چونکہ مقام رہائش (دیہی شہری) اور صنف (مرد-عورت) دونوں عوامل پالیسی اقدامات میں توجہ کا مرکز بنائے جاسکتے ہیں، اس لئے مناسب ہوگا کہ مالی وسائل مختص کرنے کا فیصلہ کرنے سے پہلے غیر مجموعی صورت حال پر بھی نظر ڈالی جائے۔

3.1 خواندگی کی سطحوں میں زمانی رجحانات

گذشتہ برسوں کے دوران تمام فرقوں میں خواندگی کی سطحوں میں بہتری آئی ہے مگر یہ عمل یکساں اور ہموار نہیں رہا ہے۔ کل ہند تصویر سے ظاہر ہوتا ہے کہ 1960 کی دہائی کے دوران مسلمانوں، ایس سی/ایس ٹی اور تمام دیگر کے درمیان خاصا فرق موجود تھا۔ اس عرصے کے دوران مسلمانوں اور تمام دیگر کے درمیان فرق شہری علاقوں میں تو کچھ کم ہو گیا ہے مگر دیہی علاقوں میں اب بھی برقرار ہے۔ ایس سی/ایس ٹی لوگوں کی خواندگی سطحوں میں دیگر طبقوں کے مقابلے میں زیادہ تیز رفتار اضافہ ہوا جس کی وجہ سے 1990 کی دہائی کے وسط میں کل ہند سطح پر مسلمانوں سے سبقت لے گئے، اور دیگر تمام کے خاصے قریب پہنچ گئے۔ یہ رجحان مردوں اور عورتوں اور دیہی و شہری دونوں میں مشترک ہے (شکل سیٹ 4.3، چند خاص ریاستوں کے رجحانات کے لئے ضمیمہ شکل سیٹ 4.1 بھی دیکھئے)۔ لہذا گذشتہ برسوں کے دوران خواندگی کی نسبتاً برتر سطح والے فرقوں کی صورت حال مسلسل بہتر ہوئی ہے۔ جب کہ ایس سی/ایس ٹی لوگوں کو ان کے لئے کئے گئے مثبت اقدامات سے بالواسطہ فائدے پہنچے ہیں۔ 8۔ دوسری جانب مسلمان اپنے تعلیمی سدھار کے چیلنج کو قبول نہیں کر سکے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ 1980 کی دہائی کے بعد سے ان میں اور دیگر تمام کے جانے والے گروپ (خواندگی کی برتر سطح) کے درمیان فرق اور بڑھ گیا ہے۔

جدول 4.1 میں این ایس ایس او، 61 ویں دور (2004-05) کے اعداد و شمار پر مبنی عمر سے مخصوص شرح خواندگی پیش کی گئی ہے۔ اس سے

Table 4.1: Literates as Proportion of Population by Age Groups - 2004-05

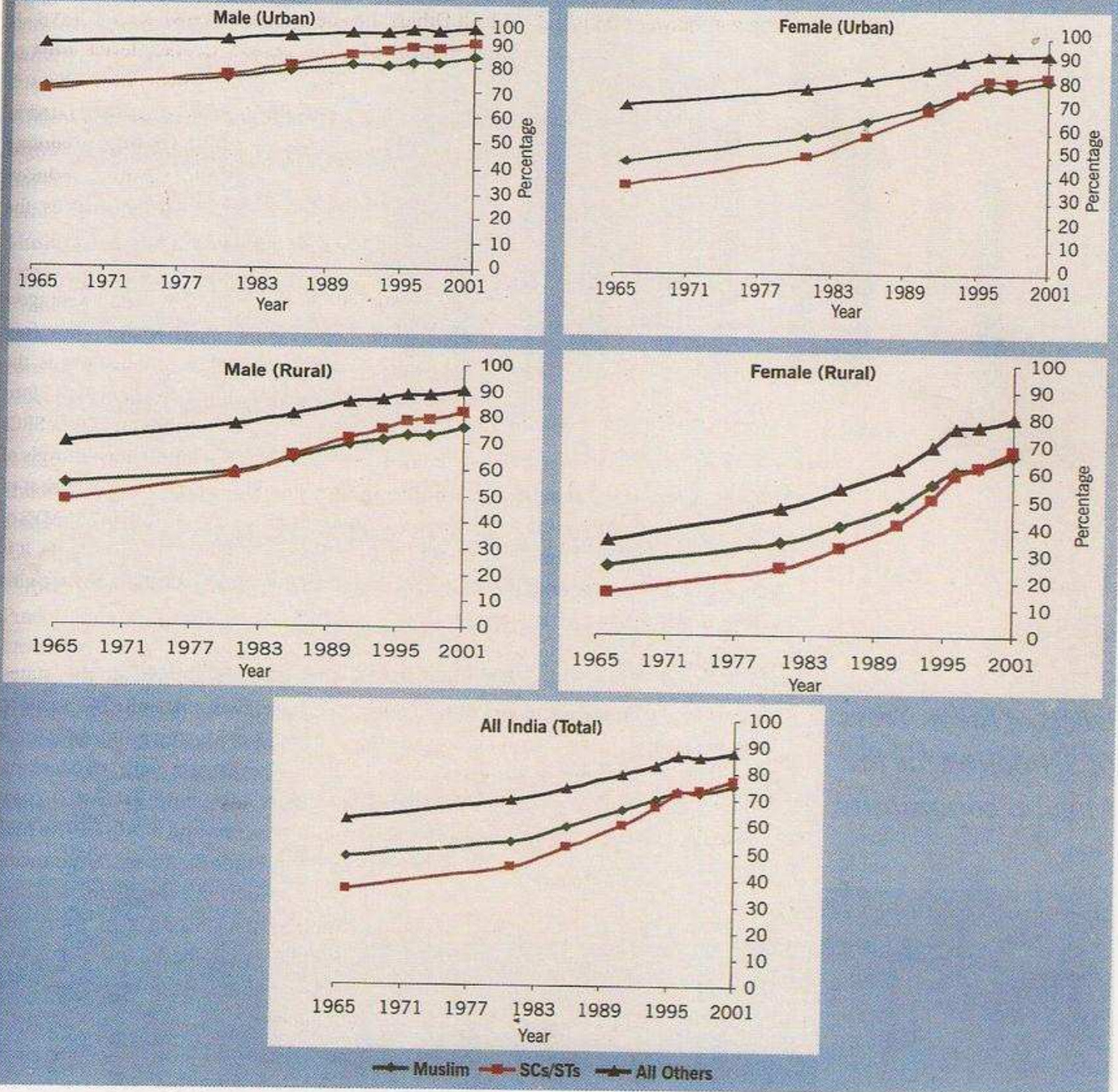
| Age Groups | Hindus | | | Muslims | Other Minorities |
|------------------|--------|------|---------|---------|------------------|
| | Gen | OBC | SCs/STs | | |
| 6-13 years | 90.2 | 80.8 | 74.7 | 74.6 | 88.5 |
| 14-15 years | 95.7 | 87.5 | 80.0 | 79.5 | 91.9 |
| 16-17 years | 95.0 | 85.2 | 78.6 | 75.5 | 91.3 |
| 18-22 years | 91.4 | 76.9 | 65.0 | 70.5 | 85.8 |
| 23 years & above | 74.0 | 50.6 | 36.5 | 46.1 | 67.0 |
| Total | 80.5 | 63.4 | 52.7 | 59.9 | 75.2 |

Source: Estimated from NSSO 61st Round, Sch. 10 (2004-05).

واضح طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ حالیہ برسوں کے دوران ایس سی / ایس ٹی کی شرح خواندگی مسلمانوں سے خاصی زیادہ ہو گئی ہے۔ مسلمانوں میں، زیادہ عمر کے لوگوں میں خواندگی کی سطح کہیں زیادہ اونچی تھی جب کہ ایس سی / ایس ٹی میں نسبتاً کم عمر لوگوں کی خواندگی سطح زیادہ پائی گئی۔ لہذا مردم شماری میں ظاہر ہونے والے رجحانات این ایس ایس او کے اعداد و شمار میں بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔

بہتری لانے کیلئے چیلنج کا جواب
نہیں دے سکے

Fig (Set) 4.3: All India - Literacy rates by Social Groups - 2001



8 یہ کہا گیا ہے کہ ریٹرویشن کے زیر اثر روزگار کے امکانات میں اضافہ اور اس سے حاصل ہونے والا اقتصادی تحفظ، ایس سی / ایس ٹی میں بچوں کی تعلیم پر سرمایہ لگانے میں ضائعے کا باعث ہوا ہے (ڈیہائی اور گلگرنی، 2005)

مگر اعلیٰ تعلیم کی سطحوں پر مختلف طبقوں کے درمیان فرق کتنا اہم ہے؟ کیا خواندگی کی سطح پر موجود فرق اسکول اور کالج تعلیم کی اعلیٰ تر سطحوں پر بھی برقرار ہے؟ اب ہم ان سوالات کا تجزیہ کریں گے۔

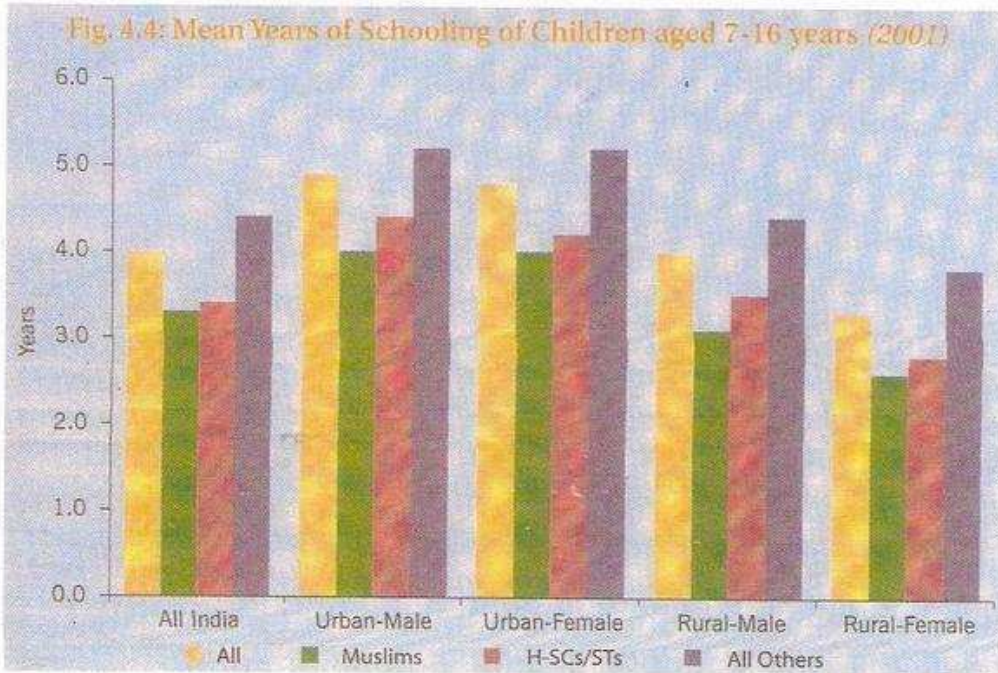
4 داخلوں کی شرح اور اسکولی تعلیم کی اوسط مدت

اسکولی تعلیم کی مدت اور اسکولوں میں داخلوں کے درمیان گہرا ربط ہے۔ بچے اسکول میں داخل اور حاضر ہوئے بغیر اسکولی تعلیم سے مستفید نہیں ہو سکتے۔ داخلوں کی کم تعداد اور کم حاضری کے نتیجے میں اسکولی تعلیم کی اوسط مدت کم ہو جاتی ہے۔

14.1 اسکولی تعلیم کی اوسط مدت

2001 کی مردم شماری میں پہلی بار ایسے اعداد و شمار فراہم کئے ہیں جن سے مختلف طبقوں کے مطابق اسکولی تعلیم کی اوسط مدت (ایم وائی ایس) معلوم کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔ 9۔ ایم وائی ایس 7-16 سال عمر کے بچوں کے لئے معلوم کی گئی جو میٹرکولیشن مکمل کر لینے کی عمر ہوتی ہے۔ 10۔ اس کے نتائج شکل 4.1 میں پیش کئے گئے ہیں۔

چونکہ مردم شماری میں مختلف طبقوں میں تکمیل تعلیم کی سطحوں کے اعداد و شمار فراہم کئے جاتے ہیں، اس لئے ان میں ان لوگوں کی اسکولی تعلیم کی مکمل مدت جو اب بھی زیر تعلیم ہیں تخمینوں میں شامل نہیں کی جاسکتی۔ اگر بعض ترغیبات کے ذریعے ترک تعلیم کرنے والے بچوں کی تعداد کم ہو جائے تو ایم وائی ایس بڑھ جائے گی۔



یہ دیکھا گیا ہے کہ بچے اوسطاً صرف چار سال کے لئے اسکول جاتے ہیں۔ مسلمانوں میں ایم وائی ایس سب سے کم ہے (تقریباً تین سال چار مہینہ)۔ تمام ایس آر سی گروپوں میں جائے رہائش (شہری۔ دیہی) اور صنفی (مرد عورت) دونوں بنیادوں پر مسلمانوں میں ایم وائی ایس کا جائزہ لیا گیا تو وہ سب سے کم نکلا۔ مسلمان بچوں میں ایم وائی ایس دیگر بچوں کے مقابلے میں بہت کم یعنی صرف 83 فی صد ہے اور یہ فرق سب سے زیادہ دیہی لڑکوں کے درمیان (تمام دیہی بچوں میں مسلمانوں کا ایم وائی ایس صرف 78 فی صد ہے) اور اس کے بعد دیہی لڑکیوں میں ہے۔ یہ بات دلچسپ ہے کہ لڑکیوں کے تناسب میں یہ فرق لڑکوں میں زیادہ ہے شہروں میں بھی اور دیہات میں بھی۔

تقریباً تمام ریاستوں میں مسلمانوں کی پیش رفت خراب ہے، خاص طور پر مغربی بنگال اور اتر پردیش میں، ان دونوں ریاستوں میں مسلمانوں میں ایم وائی ایس تمام دیگر طبقوں میں سب سے کم ہے۔ مسلمانوں میں ایم وائی ایس تمام ریاستوں میں تمام گروپوں سے کم ہے صرف چھتیس

9 اس طریقے کی تفصیل تکنیکی نوٹ 4.1 میں پیش کی گئی ہے۔

10 7 سال سے کم عمر بچوں پر غور نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ مردم شماری میں 6 سال یا اس سے کم عمر کے تمام بچوں کو ایک زمرے میں رکھا جاتا ہے۔ اس طریقے پر مبنی ایم وائی ایس تخمینوں سے برتر تعداد حاصل ہونے کا امکان ہے کیوں کہ نامور سے مخصوص ہے، جب کہ عموماً تمام آبادی کو شمار کنندہ اور سب نمادوں لحاظ سے استعمال کیا جاتا ہے۔

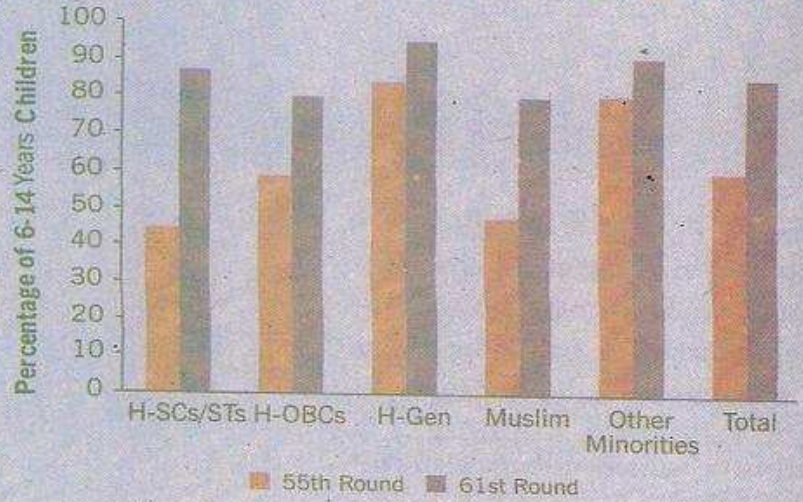
گڑھ میں جہاں مسلمان صرف 2 فی صد ہیں مسلمانوں میں ایم وائی ایس دوسروں سے زیادہ ہے۔ (ضمیمہ جدول 4.2)۔ مسلمانوں اور ایس سی/ایس ٹی کے تناسب میں قابل ذکر فرق ہے۔ مسلمانوں میں ایم وائی ایس مغربی بنگال، اتر پردیش، آسام، اتر اچل اور دہلی میں بہت کم ہے۔ لیکن بعض دوسری ریاستوں جیسے کیرل، بہار، جھارکھنڈ، کرناٹک، مہاراشٹر، آندھرا پردیش اور گجرات میں مسلمان بچے ایس سی/ایس ٹی سے زیادہ مدت تک اسکول میں رہتے ہیں۔

مختلف طبقوں کے درمیان تقابلی سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلم فرقے میں اسکولی تعلیم کی اوسط مدت مسلسل کم رہی ہے

4.2 داخلوں کا کتاب

مردم شماری میں داخلوں اور اسکول میں حاضری سے متعلق معلومات نہیں ہوتیں۔ حالیہ داخلوں کے اعداد و شمار این ایس ایس او سے حاصل کئے گئے ہیں۔ انڈیا ہیومن ڈیولپمنٹ سروے سے 2004-05 سے حاضری کے عبوری تخمینے حاصل کئے گئے۔ کمیٹی نے این ایس ایس او کے 61 ویں دور کے اعداد و شمار بھی حاصل کئے۔ ان اعداد و شمار کا 55 ویں دور (1999-2000) سے موازنہ کیا گیا تاکہ اسکول کی حاضری میں بدلتے ہوئے رجحان کا اندازہ ہو سکے۔ یہ دیکھا جاسکتا ہے کہ تمام طبقوں میں اسکول داخلوں اور حاضری میں اضافہ ہوا ہے (شکل 4.5)۔

Fig 4.5: Current Enrolment Rates, 1999-00 and 2004-05

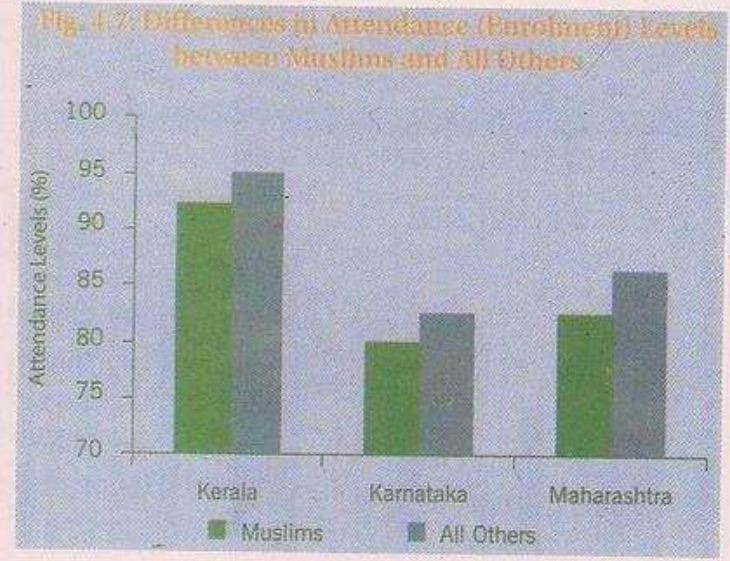
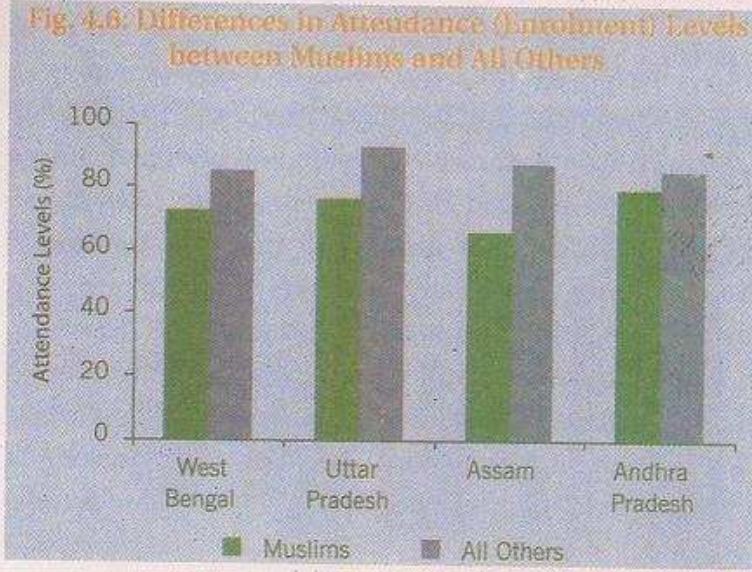


لیکن ایس سی/ایس ٹی میں یہ اضافہ سب سے زیادہ یعنی 95 فی صد ہوا ہے اور اس کے بعد مسلمانوں میں 65 فی صد۔ اگرچہ اس اضافے سے بھی اس سطح پر مسلمانوں کی حالت میں کوئی نمایاں تبدیلی نہیں ہوئی لیکن مختلف طبقوں میں یہ فاصلہ ڈرامائی انداز سے کم ہو گیا۔ 1999-2000 میں تمام طبقوں میں مسلمانوں کی شرح داخلہ ایس سی/ایس ٹی کے بعد سب سے کم تھی۔ اس وقت پوری آبادی کی اوسط شرح داخلہ 78 فی صد تھی۔ 2004-05 میں مسلمانوں کی شرح داخلہ او بی سی سے تھوڑی زیادہ ہوئی، لیکن اوسط شرح داخلہ سے پھر بھی کم رہی۔ مسلمانوں میں تعلیم کے لئے یہ مثبت رجحان کمیٹی کو مختلف مواقع پر نظر آیا۔ اس کا تذکرہ اس رپورٹ کے دوسرے باب میں موجود ہے۔ ریاست وارتجزیے سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمان بچوں میں اکثر ریاستوں میں اسکول میں داخلے کا رجحان بڑھا ہے۔ کیرل، کرناٹک، دہلی، مہاراشٹر اور بعض دیگر ریاستوں میں مسلمان بچوں میں شرح داخلہ ان ریاستوں کے اوسط سے بھی زیادہ ہے۔ دوسری ریاستوں جیسے اتر پردیش، بہار، جھارکھنڈ اور اتر اچل میں شرح داخلہ بہت کم یعنی 70 فی صد ہے جو ریاست کے اوسط داخلوں سے کم ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اتر پردیش، جھارکھنڈ اور آندھرا پردیش میں مسلمان بچوں کی شرح داخلہ دیگر طبقوں سے کم ہے (ضمیمہ جدول 4.3)

اسکول داخلوں کی تعداد میں اضافہ سب سے زیادہ ایس سی/ایس ٹی میں اور اس کے بعد مسلمانوں میں ہوا ہے

این سی اے ای آر سروے میں بھی نئے داخلوں کا تخمینہ پیش کیا گیا ہے۔ عارضی اندازے ذیل میں زیر بحث آئے ہیں۔ این سی اے ای آر کے تخمینے این ایس ایس او کے تخمینوں سے کم ہیں۔ مسلمانوں (74 فی صد) اور بقیہ آبادی (83 فی صد) میں نمایاں فرق ہے۔ شرح داخلہ کیرل، تمل ناڈو میں 90 فی صد سے زیادہ اور کرناٹک، مہاراشٹر اور دہلی میں قابل اطمینان 80 فی صد ہے۔ کیرل، کرناٹک اور مہاراشٹر میں بھی شرح داخلہ میں فرق کم ہے۔ لیکن یہ بات قابل ذکر ہے کہ کسی بھی ریاست میں مسلمانوں میں شرح حاضری بقیہ آبادی سے زیادہ نہیں ہے۔ اس کے ساتھ مغربی بنگال، اتر پردیش، آسام، آندھرا پردیش اور کچھ دیگر چھوٹی ریاستوں میں داخلوں کی شرحوں میں خاصا فرق پایا جاتا ہے۔ (شکل 4.6 اور 4.7) وہ بچے جو اب اسکول نہیں جاتے این ایس ایس او نے ان کا بھی تجزیہ کیا ہے۔ ان بچوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ وہ جنہوں نے کبھی کسی اسکول میں داخلہ نہیں لیا اور وہ جنہوں نے داخلہ لیا تھا پھر تعلیم چھوڑ دی۔

مسلمانوں میں 14-6 سال کے تقریباً 25 فی صد بچے ایسے ہیں جنہوں نے یا تو کسی اسکول میں داخلہ ہی نہیں لیا یا پھر بیچ میں تعلیم چھوڑ دی۔ یہ

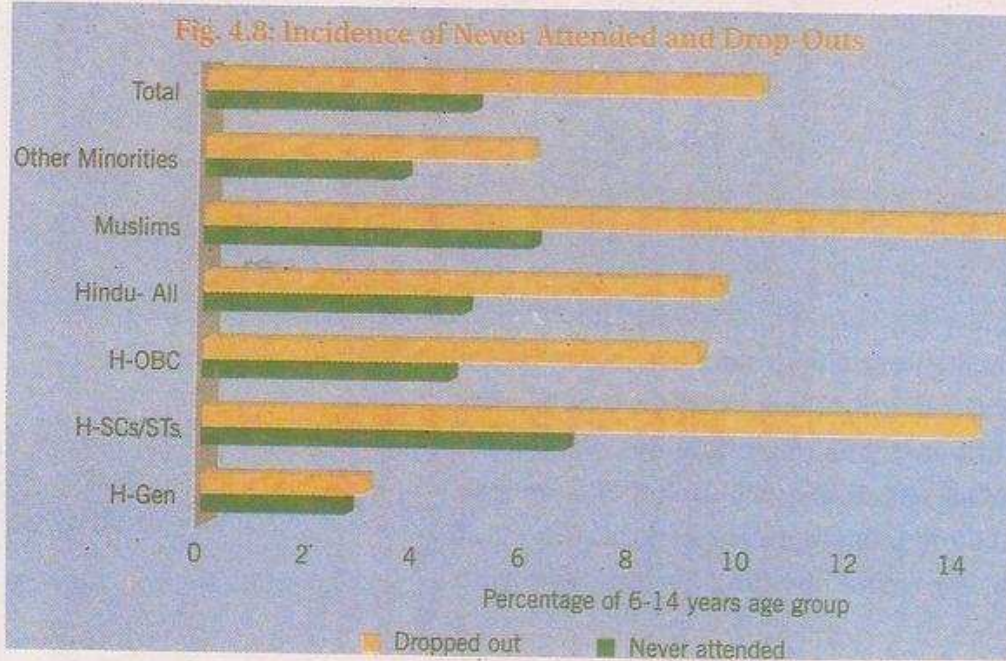


مسلمانوں میں 14-6 سال کے تقریباً 25 فی صد بچے ایسے ہیں جنہوں نے یا تو کسی اسکول میں داخلہ ہی نہیں لیا یا پھر بیچ میں تعلیم چھوڑ دی

تعداد زیر تجزیہ طبقوں کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔ مسلمانوں میں اسکول چھوڑنے کا رجحان دوسروں سے کافی زیادہ ہے۔ البتہ ایس سی/ ایس ٹی میں مسلمانوں سے تھوڑا سا زیادہ ہے۔ (شکل 4.8)

جن بچوں نے تعلیم چھوڑی دی یا جنہوں نے کبھی اسکول میں داخلہ نہیں لیا ان کی تعداد تمام طبقوں میں سب سے زیادہ ہے۔ لیکن حالیہ برسوں میں داخلوں کی شرح میں اضافہ ہوا ہے۔ ایک حالیہ مطالعے میں کہا گیا ہے کہ معاشی صورت حال کے علاوہ مقامی ترقی (جیسے اسکولوں کی سہولت اور دیگر سہولتیں) کے زیر اثر بھی تمام فرقوں میں داخلے کی شرح میں اضافہ ہوا ہے۔ شرح داخلہ میں اس اضافے کی دوسری وجہ والدین کی تعلیم ہے۔ اس مطالعے میں 1993-94 کے اعداد و شمار کی بنیاد پر دکھایا گیا ہے کہ گاؤں میں ترقی کے تناسب اور والدین کی خواندگی

کی سطح کے لحاظ سے وہاں تمام مذہبی طبقوں کی تعلیم میں اضافہ ہوا ہے۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ جب بچوں کو زیادہ موزوں ماحول ملتا ہے یعنی اسکولوں کی سہولت ہو اور والدین خاص طور پر ماں خواندہ ہو تو پھر مختلف گروپوں (ہندو، ایس سی، ایس ٹی اور مسلمان) کے درمیان شرح داخلہ کا فرق برائے نام رہ جاتا ہے۔ بلکہ والدین کی خواندگی، علاقائی ترقی سے زیادہ بڑا سبب ہوتی ہے، جس کی بنیاد پر مختلف گروپوں میں شرح داخلہ میں اضافہ ہوتا ہے۔ 12



اس اصول کی روشنی میں دیکھا جائے تو حالیہ برسوں کے دوران داخلوں کی شرح میں اضافہ خاصا قابل توجہ ہے کیوں کہ 1999-2000 اور 2004-05 کے درمیانی عرصے میں والدین کی تعلیم میں کوئی خاص اضافہ نظر نہیں آتا۔ یہ دیکھا

جاسکتا ہے کہ مسلمان والدین کی ناخواندگی اور دیگر سماجی و اقتصادی موانع کے سبب داخلوں میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنے کی کوشش کر رہے

مسلمانوں میں تعلیم یابی کی سطح ایس ہیں۔

5 تعلیم یابی میں فرق: اسکولی تعلیم

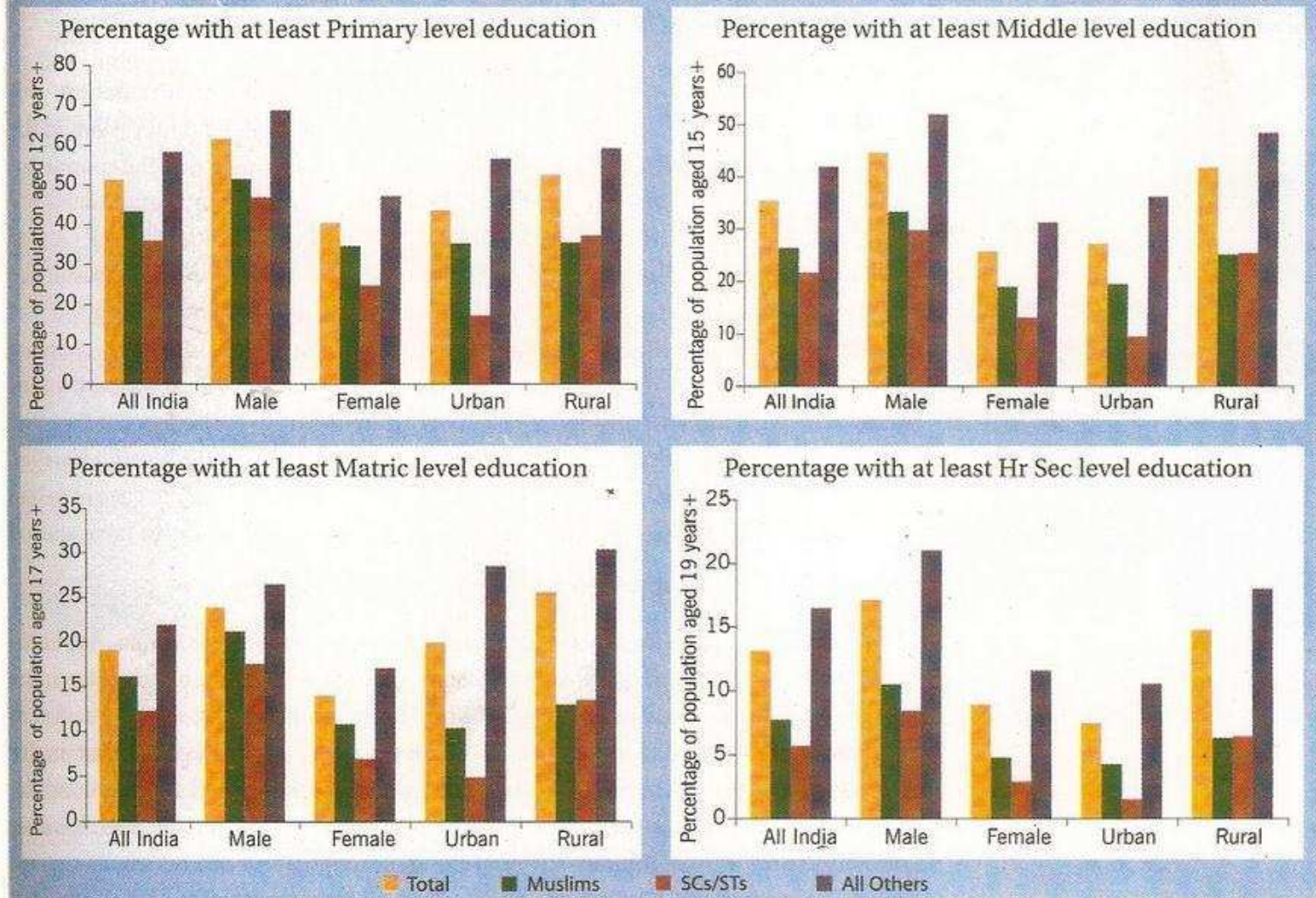
سی/ایس ٹی کے قریب تھوڑی زیادہ اور دیگر طبقوں سے بہت کم ہے

مردم شماری میں عمر کے مطابق تعلیم کی سطح کے اعداد و شمار کو مسلمانوں، ایس سی/ایس ٹی اور دیگر تمام کے درمیان تعلیم یابی کا تناسب معلوم کرنے کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اسکول کی سطح پر حصول تعلیم کی چار سطحیں بیان کی جاتی ہیں۔

- 1- ابتدائی تعلیم: 12 یا اس سے زیادہ عمر کے بچے جنہوں نے کم از کم پانچ سالہ تعلیم مکمل کر لی ہو۔
- 2- مڈل سطح کی تعلیم: 15 سال یا اس سے زیادہ عمر کے بچے جنہوں نے 8 سالہ تعلیم مکمل کی ہو اس گروپ میں شامل ہیں۔
- 3- میٹرکولیشن: وہ بچے جنہوں نے میٹرکولیشن (دس سالہ تعلیم) مکمل کر لی ہو اور ان کی عمر کم از کم 17 سال ہو، اس گروپ میں شامل ہیں۔
- 4- ہائر سکندری: وہ بچے جنہوں نے ہائر سکندری یا اس کے مساوی کوئی امتحان پاس کیا ہو اور اس وقت ان کی عمر 19 سال یا اس سے زیادہ ہو۔ جن کے پاس تکنیکی یا غیر تکنیکی ڈپلوما ہوں جو ثانوی تعلیم کے بعد ہوتے ہیں اور ہائر سکندری کے مساوی تسلیم کئے جاتے ہیں وہ بھی اس گروپ میں شامل ہیں۔

عمومی طور پر اسکول کی تعلیم میں تمام طبقوں کے درمیان شہری اور دیہی آبادی میں نمایاں فرق ہے۔ مسلمانوں میں حصول تعلیم کا معیار ایس سی/ایس ٹی کے مساوی یا ان سے برائے نام زیادہ ہے لیکن دیگر طبقوں سے بہت کم ہے۔ تاہم دیہی علاقوں میں مسلمانوں کی شرح خواندگی ایس سی/ایس ٹی سے کم ہے۔ ہندوستان گیر سطح پر دیکھا جائے تو نیچے سے اوپر تک کی تعلیم کے اعتبار سے مسلمانوں کا تناسب بہت خراب ہے۔ اس فرق کو جانے

Fig. (Set) 4.9: Percentage Attainment Levels in SRCs



رہائش (شہر۔ دیہات) اور صنفی (مرد عورت) فرق کے ساتھ دیکھا جاسکتا ہے اور ابتدائی اور مڈل دونوں سطح پر دیکھا جاسکتا ہے۔ (شکل 4.9)

5.1 تعلیم یابی کے زمانی رجحان: میٹرکیولیشن

اب تک کے تجزیوں میں صرف موجودہ معیار پر گفتگو موزر رہی ہے۔ اگرچہ موجودہ منظر نامہ اہم ہے تاہم زمانی پس منظر کو بھی ملحوظ رکھنا کارگر ہو سکتا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ مختلف مذہبی اور سماجی طبقوں میں وقت کے ساتھ تعلیم کے حصول میں کیا تبدیلی آئی۔ تبدیلی کے دست یاب مطالعات صرف ہندوستان گیر یا ریاست گیر سطح پر حصول تعلیم سے بحث کرتے ہیں۔ اس حصے میں مختلف سطحوں پر تعلیم یابی کے رجحانات معلوم کرنے کے لئے 2001 کی مردم شماری کے اعداد و شمار استعمال کئے گئے ہیں۔ اس کے لئے مردم شماری میں، عمر، مقام رہائش، صنف مذہب اور ذات برادری کے مطابق تعلیم یابی کے اعداد و شمار کا استعمال کیا گیا۔ مندرجہ ذیل حصے میں ہم نے صرف میٹرکیولیشن تک تعلیم سے متعلق زمانی رجحانات کا تجزیہ کیا ہے کیوں کہ خواندگی کا تجزیہ اس سے پہلے کیا جا چکا ہے۔ اسے ہم میٹرکیولیشن کمپلیشن رٹس (میٹرکیولیشن تکمیل شرح) ایم سی آر کہیں گے۔

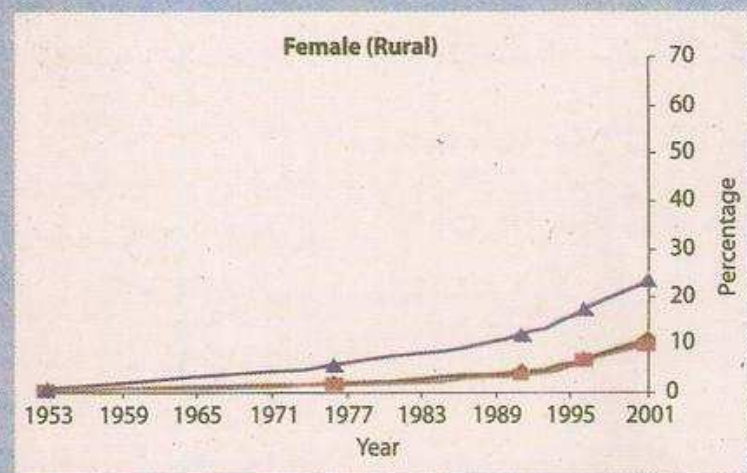
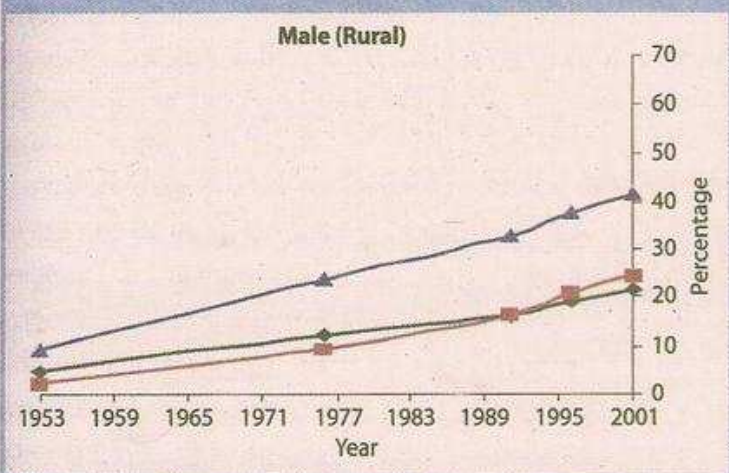
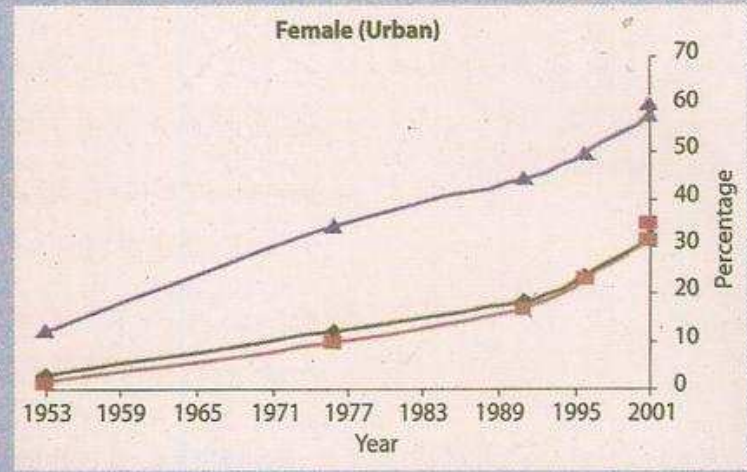
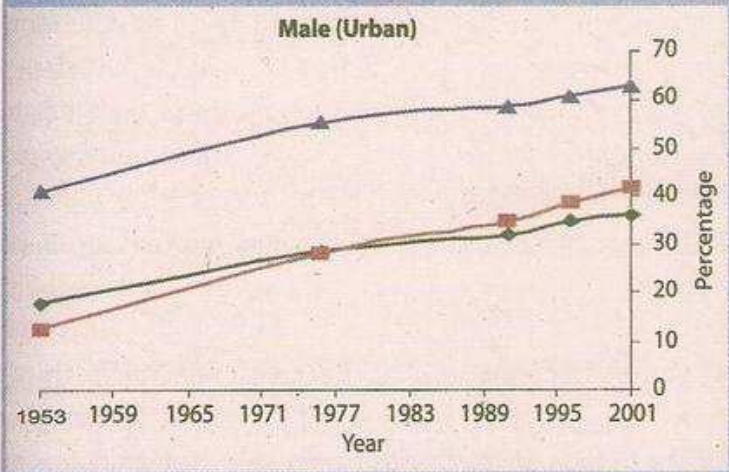
آزادی کے بعد سے تعلیم کے مواقع میں آنے والی وسعت مسلمان اور دیگر تمام کے درمیان فرق کرنے کا سبب نہیں بن سکی

17 سال یا اس سے زیادہ عمر کے 26 فی صد لوگوں نے میٹرکیولیشن مکمل کر لیا ہے مگر مسلمانوں میں یہ تعداد صرف 17 فی صد ہے۔ جیسا کہ خواندگی کا معاملہ تھا، میٹرکیولیشن سطح پر بھی، آزادی کے بعد وسیع تر ہونے والے تعلیمی مواقع کے باوجود مسلمانوں اور دیگر تمام کے درمیان تعلیم یابی کے معاملے میں کوئی یکسانیت پیدا نہیں ہوئی ہے۔ (شکل سیٹ 4.10)، یہی نہیں بلکہ مسلمانوں اور دیگر تمام کے درمیان پایا جانے والا فرق مقام پیدائش اور صنف کی بنیاد پر علاحدہ کئے گئے چاروں گروپوں میں اور بڑھ گیا ہے۔ اس میں اضافہ سب سے زیادہ شہری علاقوں کی خواتین اور دیہی مردوں میں نظر آتا ہے۔ شہری مردوں کے درمیان فرق میں کوئی اہم تبدیلی نہیں آئی ہے اور یہ تقریباً 30 فی صد کے عدد پر برقرار ہے۔ یہ فرق بہت وسیع ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتا رہا ہے، ان توقعات کے برخلاف کہ تعلیمی نظام میں مجموعی طور پر بہتری آنے سے یہ خلج کم ہو جائے گی۔ تاہم ایس سی/ایس ٹی میں یہ خلج پانے کی کچھ کوششیں، بطور خاص شہری مردوں اور خواتین اور دیہی مردوں میں نظر آتی ہیں۔ تبدیلی کا یہ عمل 1960 کی دہائی میں شروع ہو گیا تھا۔

تفصیلی اعداد و شمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قرینہ کیرل جیسی ریاستوں میں بھی موجود ہے (ضمیمہ شکل سیٹ 4.1)۔ اس ریاست میں تعلیم کی پچھلی سطحوں پر حاصل کامیابیوں کے باوجود، مسلمانوں اور دیگر تمام کے درمیان نابرابری، شہری مردوں اور عورتوں دونوں میں نمایاں طور پر بڑھی ہے۔ مغربی بنگال میں، دیگر تمام گروپ میں میٹرکیولیشن مکمل کر لینے والے شہری مردوں کا فی صد تناسب تقریباً 50 فی صد پر برقرار ہے، جو مسلمانوں کو آگے بڑھنے کی دعوت دے رہا ہے۔ مغربی بنگال ہی میں، دیہی علاقوں اور خواتین میں محرومی کی سطح نسبتاً کم ہے مگر مسلم خواتین کی مجموعی صورت حال رفتہ رفتہ خراب تر ہوئی ہے اور اس میں دیہی اور شہری دونوں علاقوں میں 10 فی صد گراؤٹ آئی ہے۔ آندھرا پردیش اس لحاظ سے الگ ہے کہ یہاں مسلمان جن کی تعلیم یابی کی سطحیں شروع میں شہری علاقوں میں زیادہ تھیں، دیگر فرقوں سے نمایاں طور پر پیچھے نہیں ہوئے ہیں، تاہم ان کی رفتار نموست رہی جس کی وجہ سے دیگر تمام 1990 کی دہائی میں ان کے برابر جا پہنچے۔ دیہی علاقوں میں اگرچہ مسلمان دیگر گروپوں سے پیچھے جا پڑے ہیں مگر یہ فرق اب بھی بہت نمایاں نہیں ہے۔

اسکولی تعلیم کے نظام۔ ابتدائی، مڈل، ثانوی اور ہائر سکندری تعلیم کی تکمیل میں آنے والی تبدیلیاں اس لحاظ سے اہم ہیں کہ ان سے کسی فرد کو حاصل اقتصادی اور دیگر مواقع اثر انداز ہوتے ہیں۔ یہ معلوم کرنا اہم ہے کہ مختلف فرقوں کے لوگوں کی کتنی تعداد اعلیٰ تعلیم کی سطح تک پہنچ پاتی ہے۔ مثلاً کیا ابتدائی تعلیم مکمل کر لینے کے بعد مڈل سطح کی تعلیم جاری رکھنے کے امکانات مختلف طبقوں میں مختلف ہیں؟ ایک حالیہ مطالعے میں اس سوال کی تحقیق کی گئی ہے جس سے کئی دلچسپ قرینے سامنے آتے ہیں 13۔ پہلی توجہ طلب بات یہ ہے کہ 1983-2000 کے دوران اسکولی تعلیم (ابتدائی، مڈل، ثانوی وغیرہ) مکمل کرنے کے امکانات تمام فرقوں میں بڑھے ہیں۔ نمایاں ترین اضافہ تمام فرقوں بشمول مسلمانوں

Fig. (Set) 4.10: All India - Matriculation (Completion Rates)



میں، مڈل اسکول کی تعلیم مکمل کرنے کے امکانات میں ہوا ہے۔ مگر فرق اب بھی موجود ہیں اور مسلمان اور ایس سی/ایس ٹی دوسروں سے پیچھے ہیں۔ چار سال کے اعداد و شمار پر مبنی اوسط کے مطابق، ہندو اعلیٰ ذاتوں اور دیگر مذہبی فرقوں (مسلمانوں کو چھوڑ کر) کے تقریباً 62 اہل بچے امکاناً ابتدائی تعلیم مکمل کر لیں گے۔ مسلمان (44 فی صد)۔ ایس سی (39 فی صد) اور ایس ٹی (32 فی صد) ان کے بعد ہیں۔ تاہم ابتدائی تعلیم پوری کر لینے کے بعد مڈل تعلیم مکمل کرنے والے بچوں کی تعداد مسلمانوں، ایس سی اور ایس ٹی کے لئے یکساں، (65 فی صد) مگر دیگر تمام (75 فی صد) سے کم ہے۔ اگلی تبدیلی میں بھی قرینہ نظر آتا ہے۔ تقریباً 50 فی صد مسلم اور ایس سی/ایس ٹی بچے جنہوں نے مڈل اسکول کی

ابتدائی تعلیم اسکولی تعلیم
میں سب سے بڑی رکاوٹ
معلوم ہوتی ہے

دیگر تمام طبقوں کے مقابلے
مسلمانوں میں ترک تعلیم کی شرح
ابتدائی مڈل اور ہائر سکینڈری
سطحوں پر سب سے زیادہ ہے

معیاری اسکولوں کے قیام سے
توقع پیدا ہوئی تھی کہ اچھی
معیاری تعلیم کی فراہمی کی
دشواریاں کم ہوں گی مگر ان
اسکولوں میں بھی مسلمانوں کی
حصے داری اطمینان بخش نہیں ہے

تعلیم مکمل کر لی ہے ثانوی تعلیم بھی مکمل کرنے والے ہیں۔ یہ تناسب دیگر تمام (62 فی صد) سے کم ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ثانوی سے کالج تعلیم تک منتقلی میں مسلمانوں کی کارکردگی ایس سی اور ایس ٹی سے کچھ بہتر نظر آتی ہے۔ ثانوی تعلیم پوری کرنے والے صرف 23 فی صد ایس سی/ایس ٹی طلبہ امکاناً کالج تعلیم مکمل کرتے ہیں جب کہ مسلمانوں میں یہ تناسب 26 فی صد اور دیگر گروپوں میں 34 فی صد ہے۔ ان تخمینوں کے پیش نظر، اگرچہ رکاوٹیں ہر سطح پر ہیں مگر ابتدائی تعلیم کی تکمیل، اسکولی تعلیم کے معاملے میں سب سے بڑی رکاوٹ معلوم ہوتی ہے۔ توقع تھی کہ دیہی علاقوں میں جواہر نوو دے ودیا لے جیسے معیاری اسکولوں کی فراہمی سے معیاری تعلیم کے حصول کی رکاوٹیں کسی حد تک دور ہو جائیں گی مگر ان اسکولوں میں مسلمانوں کی حصے داری اطمینان بخش نہیں ہے (دیکھئے باکس 4.1)۔ یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ تعلیم میں مسلمانوں کی حصے داری اوسط سے کم ہے، اب ہم اعلیٰ تعلیم سے بحث کریں گے۔

باکس 4.1: جواہر نوو دے ودیا لے (جے این وی)

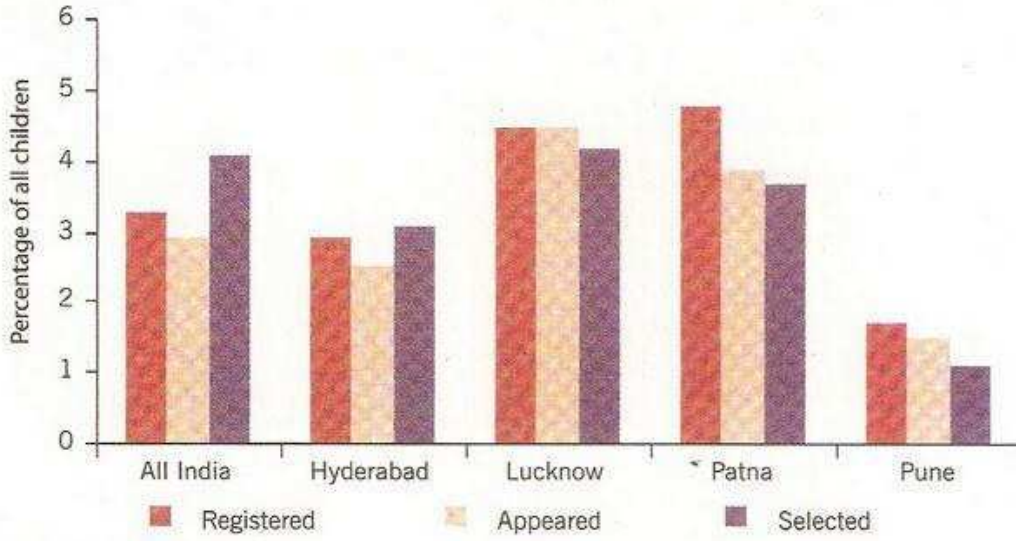
جواہر نوو دے ودیا لے رجمن سائزر رہائشی اسکولوں کے ذریعے دیہی علاقوں کے باصلاحیت بچوں کو اعلیٰ معیاری تعلیم فراہم کرنے کے لئے قائم کئے گئے تھے۔ ان اسکولوں کے قیام اور انتظام کے لئے ایک خود مختار تنظیم نوو دے ودیا لے سمیٹی تشکیل دی گئی۔ یہ سوچا گیا تھا کہ ملک کے ہر ضلع میں ایک جے این وی قائم کیا جائے گا۔ اس وقت 531 اضلاع میں اتنی ہی تعداد میں جے این وی ہیں جن میں 1.50 لاکھ سے زیادہ طلبہ زیر تعلیم ہیں۔

جے این وی درجہ چھ سے بارہ تک پوری طرح رہائشی مخلوط تعلیم کے اسکول ہیں جو سنٹرل بورڈ آف سکینڈری ایجوکیشن (سی بی ایس ای) سے الحاق رکھتے ہیں اور سی بی ایس سی نصاب کے تحت تعلیم دیتے ہیں۔ ذریعہ تعلیم درجہ آٹھ تک مادری زبان یا علاقائی زبان ہوتی ہے، اس کے بعد سماجی مطالعات اور انسانی علوم کے لئے ذریعہ تعلیم ہندی اور ریاضی اور سائنس کے لئے انگریزی ہوتا ہے۔ ان ودیالیوں میں داخلہ درجہ چھ میں سی بی ایس ای کے زیر اہتمام اردو سمیت 21 زبانوں میں ضلع سطح پر کرائے جانے والے کھلے ٹیسٹ کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ ہر سال تک تقریباً 30,000 طلبہ کو داخلہ دیا جاتا ہے۔ ان اسکولوں میں تعلیم مع قیام، یونیفارم اور نصابی کتابوں کے مفت ہوتی ہے۔ درجہ نو سے بارہ تک 200 روپے ماہانہ کی معمولی فیس لی جاتی ہے۔ ایس سی/ایس ٹی، جسمانی معذور اور خط افلاس سے نیچے زندگی بسر کرنے والے کنبوں کے بچے اس فیس سے مستثنیٰ ہیں۔

نوو دے ودیالیوں کے قیام کے بنیادی مقصد، اعلیٰ درجے کی تعلیم مساوات اور سماجی انصاف کے ساتھ (قومی پالیسی برائے تعلیم 1986) کے پیش نظر یہ معلوم کرنا مناسب ہوگا کہ اس اسکیم سے مسلمانوں کو کتنا فائدہ پہنچا ہے جنہیں قومی پالیسی برائے تعلیم 1986 میں سرکاری طور پر تعلیمی لحاظ سے پسماندہ قرار دیا گیا تھا۔ دیہی علاقوں میں جواہر نوو دے ودیا لے جیسے اعلیٰ درجے کے معیاری اسکولوں کے قیام سے توقع پیدا ہوئی تھی کہ اچھی معیاری تعلیم کی فراہمی کی دشواریاں کم ہوں گی مگر ان اسکولوں میں بھی مسلمانوں کی حصے داری اطمینان بخش نہیں ہے۔

شکل 4.11 میں دیکھا جاسکتا ہے کہ جواہر نوو دے سلیکشن ٹیسٹ (جے این وی ایس ٹی) کے لئے رجسٹریشن کرانے، شریک ہونے اور منتخب ہونے والے بچوں میں مسلمانوں کا تناسب حد درجہ کم، اور آبادی میں ان کے تناسب سے بہت کم ہے۔ لکھنؤ (جواہر پردیش اور اترانچل کا احاطہ کرتا ہے) اور حیدرآباد (آندھرا پردیش، کیرل، کرناٹک، پانڈیچری، جزائر انڈمان و نکوبار اور گلش دیپ کے بشمول) جیسے جے این وی خطوں میں بھی، جہاں مسلمانوں کی تعداد اچھی خاصی ہے، اس ٹیسٹ میں مسلمانوں کی شرکت بہت کم رہتی ہے۔ مسلم لڑکیوں کی کارکردگی لڑکوں کے مقابلے بدتر ہے۔

Fig. 4.11: Percentage of Muslim Children in JNVST



نوٹ:

- (1) حیدرآباد ریجن (آندھرا پردیش، کیرل، کرناٹک، پانڈیچری، جزائر انڈمان و نکوبارا اور کشمیر)
 - (2) لکھنؤ ریجن (اتر پردیش اور اتر پردیش)
 - (3) پٹنہ ریجن (بہار، جھارکھنڈ اور مغربی بنگال)
 - (4) پٹنہ ریجن (مہاراشٹر، گجرات، گوا، دادر و گروہلی اور دمن و دیو)
- ذریعہ: نووڈے ودیالے، نئی دہلی

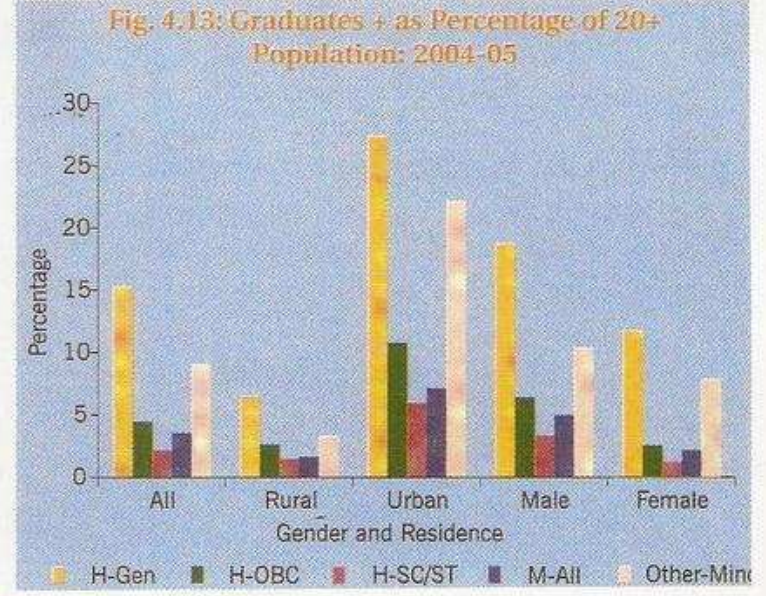
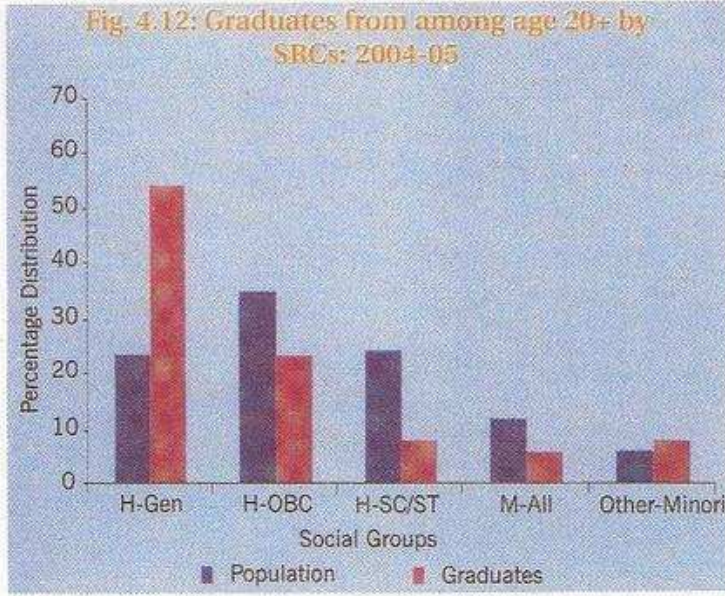
6 تعلیم یابی میں فرق: اعلیٰ تعلیم

ہندوستان کی مجموعی آبادی کا ایک بڑا حصہ ابھی اعلیٰ تعلیم کے فوائد حاصل کرنے سے محروم ہے اور مسلمان ان محروم طبقوں میں ایک اہم طبقہ ہیں۔ (جدول 4.2) مردم شماری کے اعداد و شمار سے اندازہ ہوتا ہے کہ 20 سال کی عمر کے صرف 7 فی صد لوگوں نے ہی گریجویٹیشن یا ڈپلوما کیا ہے۔ مسلمانوں میں یہ تناسب 4 فی صد سے کم ہے، اور تکنیکی تعلیم کی ڈگری رکھنے والے (18 سال یا اس سے زیادہ عمر کے لوگ) ایک فی صد

Table 4.2: Graduates and Diploma Holders by SRCs

Census 2001

| SRCs | Number (in lakhs) | | Percentage of 20 years+ Population | | Distribution across SRCs | |
|------------|-------------------|-------------------------|------------------------------------|-------------------------|--------------------------|-------------------------|
| | Graduates | Diploma and Certificate | Graduates | Diploma and Certificate | Graduates | Diploma and Certificate |
| Total | 376.7 | 40.5 | 6.7 | 0.7 | 100 | 100 |
| Muslim | 23.9 | 2.7 | 3.6 | 0.4 | 6.3 | 6.8 |
| SCs/STs | 30.8 | 4.1 | 2.4 | 0.3 | 8.2 | 10.2 |
| All Others | 322 | 33.7 | 8.8 | 0.9 | 85.5 | 83.0 |



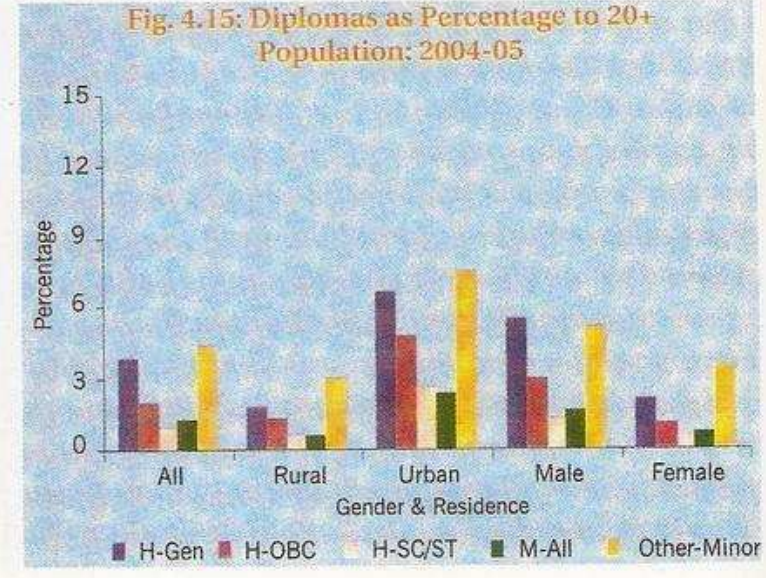
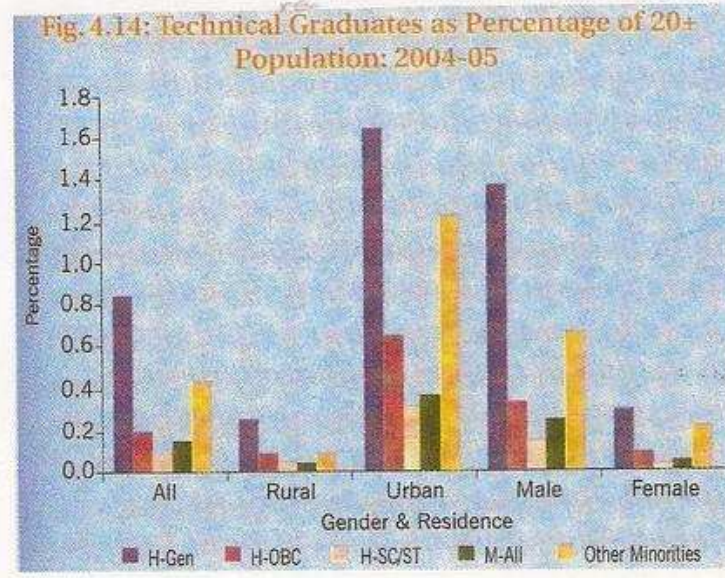
سے بھی کم ہیں، جو نہ ہونے کے برابر ہیں۔

چونکہ دست کاری مسلمانوں کی غالب اقتصادی سرگرمی ہے اس لئے اسکولی تعلیم مکمل نہ کر پانے والے لوگوں کو بھی تکنیکی تعلیم فراہم کی جانی چاہئے

2001 کی مردم شماری کے اعداد و شمار سے اندازہ ہوتا ہے کہ 20 سال یا اس سے زیادہ عمر کے 3 کروڑ 80 لاکھ مردوں اور خواتین نے گریجویٹن تک یا زیادہ تعلیم حاصل کی ہے اور صرف 40 لاکھ کے پاس تکنیکی ڈپلوما یا سرٹیفکیٹ ہیں۔ اس کا مطلب یہ کہ مجموعی طور پر تقریباً 6 فی صد لوگوں نے گریجویٹن کیا ہے اور اس کی نصف فی صد آبادی نے ڈپلوما یا سرٹیفکیٹ سطح کی تکنیکی تعلیم حاصل کی ہے۔ مسلمانوں میں گریجویٹن کرنے والوں کا تناسب 40 لاکھ سے کم ہے جو ان کی آبادی کا 3.6 فی صد حصہ ہے اور تکنیکی ڈگری رکھنے والوں کی تعداد درجہ کم، 0.4 فی صد ہے۔

این ایس ایس او کے 61 ویں دور کے گریجویٹن سے متعلق اعداد و شمار سے جو اس نے کمیٹی کو فراہم کئے اندازہ ہوتا ہے کہ گریجویٹ سطح پر مسلمانوں اور ایس ای/ایس ٹی کا تناسب آبادی میں ان کے تناسب کے اعتبار سے بہت کم ہے۔ (شکل 4.12) مسلمانوں میں گریجویٹ 6 فی صد ہیں جب کہ 20 سال یا اس سے زیادہ عمر کے لوگوں کی آبادی میں ان کا تناسب 11 فی صد ہے۔

صنف، مقام پیدائش اور طبقوں کے لحاظ سے الگ الگ تخمینے شکل 4.13 میں پیش کئے گئے ہیں۔ اعلیٰ ہندؤں کا حصہ، چاروں گروپوں میں، آبادی میں ان کے تناسب سے بہت زیادہ ہے۔ بطور خاص مردوں اور شہری علاقوں میں ہندو اور بی سی میں گریجویٹوں کی تعداد، آبادی میں ان کے تناسب سے کم ہے مگر اس معاملے میں ان کا نقصان (گریجویٹوں اور آبادی میں ان کے حصے کی شرح) مسلمانوں اور ایس ای/ایس ٹی سے بہت کم ہے۔



تکنیکی گریجویٹوں کی تعداد خاص اہمیت کی حامل ہے کیوں کہ اس سے کسی فرقے / ملک کی تکنیکی صلاحیتوں کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

تکنیکی گریجویٹوں کا تناسب بہت کم یعنی فی 1000 افراد 2 ہے اور اس معاملے میں ایس سی / ایس ٹی کے سوا باقی سماجی مذہبی طبقوں کی بہ نسبت مسلمانوں کی صورت حال بدتر ہے۔ اس سلسلے میں شہری علاقوں اور مردوں کے درمیان نمایاں فرق پایا جاتا ہے۔ (شکل 4.14)

ڈیپلوما کورس نسبتاً کم تر درجے کی تکنیکی تعلیم کی علامت ہیں مگر اس دائرے میں بھی مسلمانوں کی مجموعی صورت حال یہی ہے کہ وہ ایس سی / ایس ٹی کے سوا باقی تمام طبقوں سے پیچھے ہیں۔ اس سلسلے میں مسلمانوں اور دیگر طبقوں کے درمیان فرق اس لحاظ سے بھی قابل غور ہے کہ مسلمانوں کی خاصی بڑی تعداد دست کاری سے وابستہ ہے اور مناسب تکنیکی تربیت حاصل ہو جائے تو وہ بہت سی ابھرتی ہوئی اور اقتصادی طور پر سود مند سرگرمیوں میں اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کر سکتے ہیں (شکل 4.15)

6.1 تعلیم یابی کے زمانی رجحانات: اعلیٰ تعلیم

کل ہند سطح پر، عمر سے مخصوص گریجویٹوں کی تعداد کے تجزیے (شکل 4.16) سے معلوم ہوتا ہے کہ گذشتہ برسوں کے دوران گریجویٹوں کی مجموعی تعداد میں اضافہ ہوا ہے۔ مگر دو باتیں باعث تشویش ہیں (1) گریجویٹوں کی تعداد اب بھی بہت کم ہے اور (2) اس کم تعداد پر بھی، مختلف طبقوں کے درمیان غیر مساویانہ فرق قابل توجہ ہے۔ مسلمانوں میں ان کی تعداد تمام دیگر گروہ کی آدھی سے کم ہے۔ یہ فرق شہری علاقوں میں مردوں اور عورتوں دونوں میں بہت نمایاں ہے۔

شہری مردوں میں گریجویٹ ایٹن منٹ ریٹ (گریجویٹوں کی تعداد کا تناسب) (جی اے آر) میں فرق کو زمانی لحاظ سے دیکھا جائے تو مسلمانوں اور دیگر تمام کے درمیان مسلسل خاصا بڑا فرق نظر آتا ہے۔ 1970 کی دہائی کے اوائل تک اس فرق میں کوئی نمایاں تبدیلی نظر نہیں آتی۔ اس کے بعد سے یہ خلیج تھوڑی اور چوڑی ہوئی۔ شہری خواتین کے معاملے میں، مسلمانوں اور دیگر تمام کے درمیان فرق وقت کے ساتھ بڑھا ہے۔ آزادی کے وقت ان دونوں کے درمیان فرق نسبتاً کم تھا، مگر اس کے بعد سے اس میں اضافہ ہوتا رہا اور اب یہ خاصا زیادہ ہو چکا ہے۔ اس وقت یہ فرق شہری علاقوں میں دونوں صنفوں میں 15 فی صد ہے۔ دیہی علاقوں میں، بطور خاص خواتین میں، مجموعی طور پر بہت کم بہتری آئی ہے۔ مگر ابھی تک مسلمانوں اور دیگر تمام کے درمیان فرق میں کوئی بڑا اضافہ نظر نہیں آیا ہے۔

مسلمانوں اور ایس سی / ایس ٹی کے درمیان تقابل سے بھی بعض دلچسپ نتائج ظاہر ہوتے ہیں۔ شروع میں، مسلمانوں کی جی اے آر، ایس سی / ایس ٹی سے قدرے زیادہ تھی۔ منصوبہ بندی کے ابتدائی مرحلوں میں، ایس سی / ایس ٹی کی تعلیمی کارکردگی تھوڑی ست رہی جس سے ان میں اور مسلمانوں کے درمیان فرق تھوڑا بڑھ گیا مگر 1970 کی دہائی کے دوران ایس سی / ایس ٹی کا جی اے آر مسلمانوں کے مقابلے زیادہ تیز رفتاری سے بڑھا۔ درحقیقت تمام شہری مردوں میں آگے بڑھنے کا عمل 1950 کی دہائی میں، شروع ہو گیا تھا جس کے نتیجے میں ایس سی / ایس ٹی نے 1970 کی دہائی میں مسلمانوں کو پچھاڑ دیا۔ موجودہ بہتر سطحیں بھی اسی کا نتیجہ ہیں۔

1970 کی دہائی سے
مسلمانوں اور دیگر تمام طبقوں کے
درمیان شہری اور دیہی دونوں
علاقوں میں گریجویٹیشن تک تعلیم کی
شرح میں فرق بڑھتا رہا ہے

Table 4.3: Graduates as Proportion of Population by Age Groups - All India, 2004-05

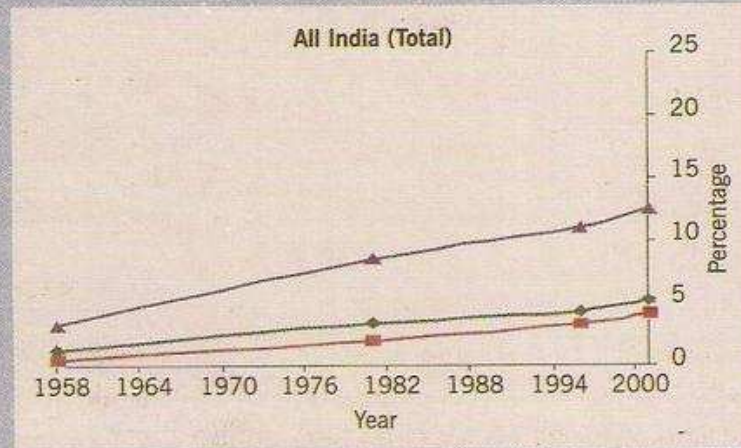
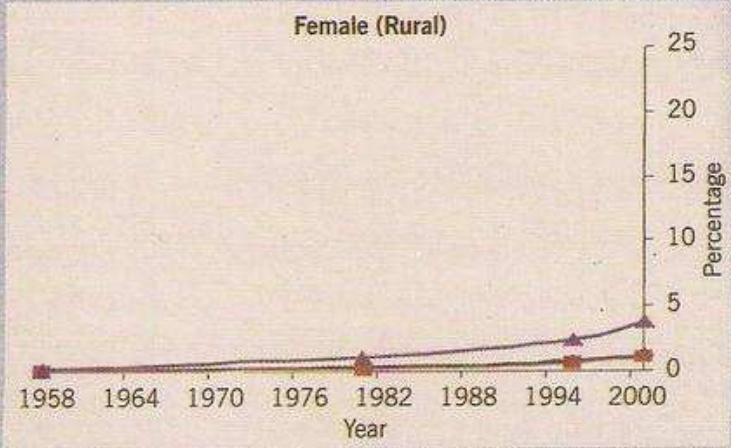
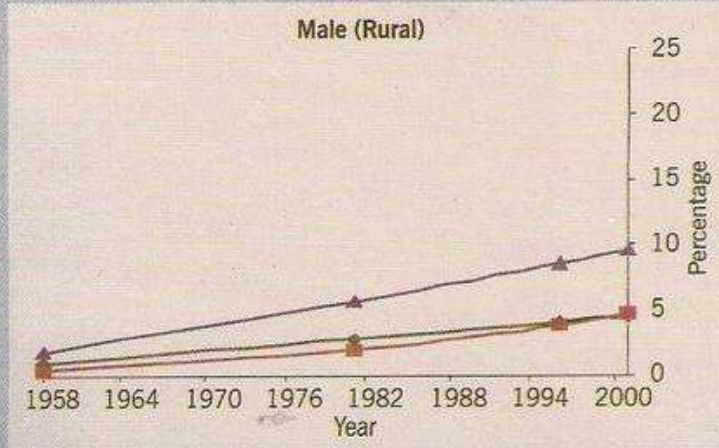
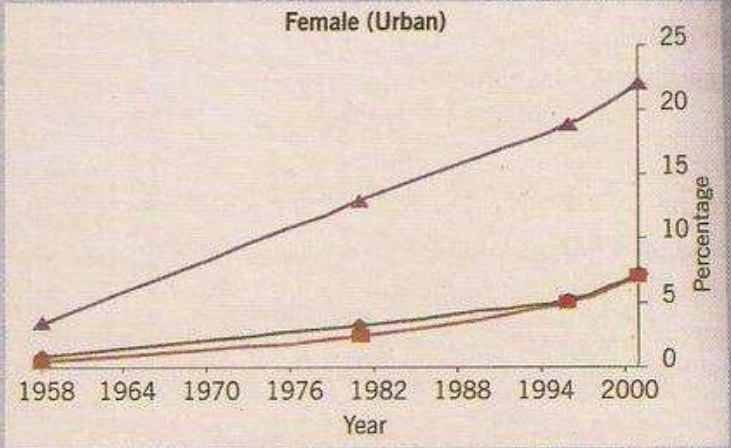
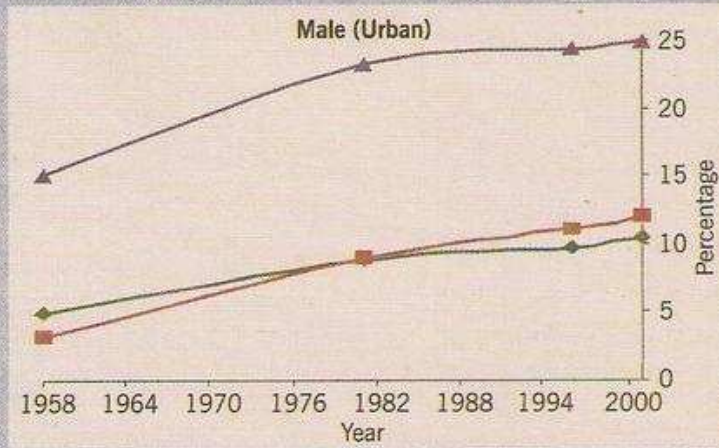
| Age Groups | Hindus | | | Muslims | Other Minorities |
|------------------|--------|------|---------|---------|------------------|
| | Gen | OBCs | SCs/STs | | |
| 20-30 years | 18.6 | 6.5 | 3.3 | 4.5 | 11.6 |
| 30-40 years | 16.8 | 4.6 | 2.3 | 3.3 | 9.2 |
| 40-50 years | 14.6 | 3.2 | 1.5 | 2.8 | 8.1 |
| 51 years & above | 9.8 | 1.9 | 0.9 | 2.1 | 5.7 |
| Total | 15.3 | 4.4 | 2.2 | 3.4 | 8.9 |

Source: Estimated from NSSO (2004-05) 61st Round, Sch. 10.

یہی رجحانات دیہی علاقوں میں بھی نمایاں ہیں۔ البتہ ان کی سطح خاصی کم ہے کیوں کہ گریجویٹوں کی تعداد خاصی کم ہے۔ مگر جو چیز یقینی ہے وہ یہ کہ دیگر تمام کے مقابلے میں مسلم مردوں اور عورتوں کے درمیان فرق بڑھ رہا ہے۔ اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو مسلمانوں کا ایس سی / ایس ٹی سے بھی کچھڑ جانا تقریباً یقینی ہے۔

یہی کل ہند قرینہ گریجویٹوں کی عمروں کے معاملے میں بھی نظر آتا ہے (جدول 4.3)۔ مسلمانوں میں 51 سال اور زیادہ عمر کے لوگوں میں گریجویٹوں کی تعداد 2.1 فی صد ہے جو عام ہندوؤں (9.8 فی صد) کے سوا دیگر تمام طبقوں سے زیادہ ہے۔ مگر 20-30 سال عمر گروپ

Fig. (Set) 4.16: All India - Graduation (Completion Rates)



◆ Muslim ■ SCs/STs ▲ All Others

میں، مسلم گریجویٹوں کی تعداد بڑھ کر 4.5 فی صد ہو گئی ہے مگر ہندو او بی سی کی یہ تعداد اور زیادہ 6.5 فی صد ہے اور ایس سی/ ایس ٹی میں یہ تعداد اگر چہ اب بھی کم ہے مگر اس میں زیادہ تیزی سے اضافہ ہوا ہے۔

ریاستی سطح کے قرینے

مسلمانوں اور دیگر تمام کے درمیان گریجویٹوں کی تعداد سے متعلق بڑھتے ہوئے فرق کا کل ہندرجان ریاستوں میں بھی نظر آتا ہے (ضمیمہ شکل سیٹ)۔ کئی ریاستوں میں، شہری علاقوں کے مسلمان نہ صرف دیگر تمام بلکہ ایس سی/ ایس ٹی سے بھی پیچھے ہوتے جا رہے ہیں۔ اور یہ صورت مردوں اور عورتوں دونوں میں موجود ہے۔ بہار اس سلسلے میں واحد استثنا ہے جہاں گذشتہ برسوں کے دوران نا برابری کا سلسلہ تھا ہوا ہے۔ مسلمانوں کی تعلیم یابی کے لحاظ سے دیہی منظر نامہ بھی اتنا ہی خراب ہے۔ بیشتر ریاستوں میں، مسلمانوں اور دیگر تمام کے درمیان گریجویٹوں کی تعداد سے متعلق فرق بڑھا ہے۔ چند ریاستوں میں، ایس سی/ ایس ٹی اس معاملے میں مسلمانوں کے برابر آگئے ہیں یا انہیں پچھاڑ چکے ہیں۔ مثلاً اتر پردیش میں، آزادی کے بعد سے ایس سی/ ایس ٹی اور مسلمانوں کے درمیان تعلیمی فاصلہ بڑھتا رہا ہے، جس میں ایس سی/ ایس ٹی کی کارکردگی بہتر رہی ہے۔

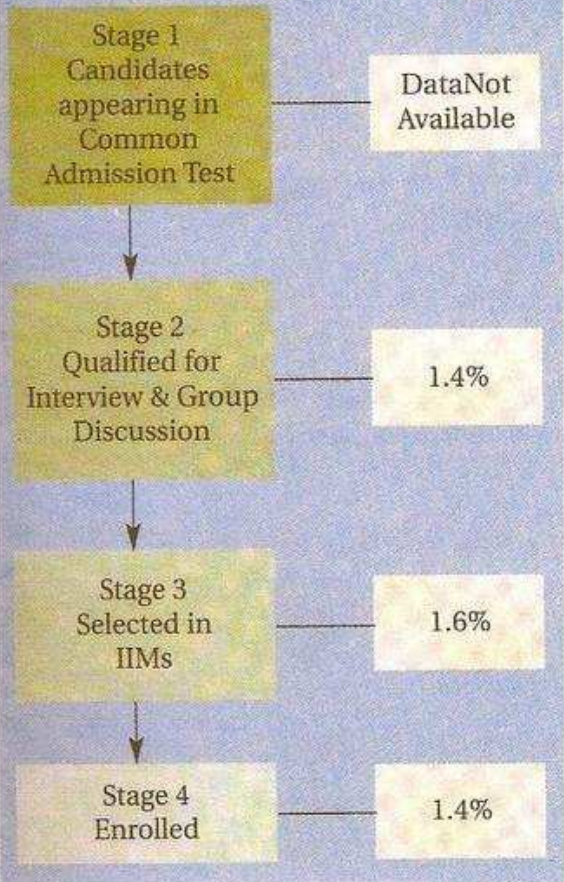
6.2 اعلیٰ تعلیم کے اداروں میں شرکت

مختلف طبقوں میں، معروف تعلیمی اداروں میں، گریجویٹ اور پوسٹ گریجویٹ سطحوں کی تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کا تناسب بہت کم ہے۔ حالیہ برسوں کے دوران، ان تعلیمی اداروں میں مختلف طبقوں کی حصے داری بحث کا ایک اہم موضوع رہی ہے۔ یہاں ان اداروں سے حاصل اعداد و شمار کا تجزیہ پیش کیا جا رہا ہے۔

انڈین انسٹی ٹیوٹس آف مینجمنٹ اور انڈین انسٹی ٹیوٹس آف ٹکنالوجی: کمیٹی نے دو قسم کے ممتاز اداروں۔ انڈین انسٹی ٹیوٹس آف مینجمنٹ (آئی آئی ایم) اور انڈین انسٹی ٹیوٹس آف ٹکنالوجی (آئی آئی ٹی) میں مسلم طلبہ کے داخلوں کی صورت حال پر بطور خاص نگاہ ڈالی ہے۔ اس سلسلے میں 2004-05 اور 2005-06 کے دوران داخلوں کے اعداد و شمار حاصل کرنے کی کوشش کی گئی۔ آئی آئی ایم میں داخلوں کا عمل خاصا پیچیدہ ہے اور اسے یونیورسٹیوں کے راست طریقہ کار سے مختلف انداز میں سمجھنا پڑے گا۔ چونکہ یہ قومی سطح کے اعلیٰ تعلیم کے ادارے ہیں، ان میں داخلوں کا عمل تمام آئی آئی ایم اداروں کے لئے ایک 'کامن ایڈمیشن ٹیسٹ' (سی اے ٹی) سے شروع ہوتا ہے۔ لہذا داخلوں کا انحصار اس ٹیسٹ میں شریک امیدواروں، انٹرویو کے لئے طلبہ کئے جانے والوں اور منتخب امیدواروں کی تعداد پر ہوتا ہے۔ کتنے طلبہ کس ادارے میں داخل ہوتے ہیں اس کا تعین اس سے ہوتا ہے کہ کون طالب علم کس ادارے کا انتخاب کرتا ہے۔

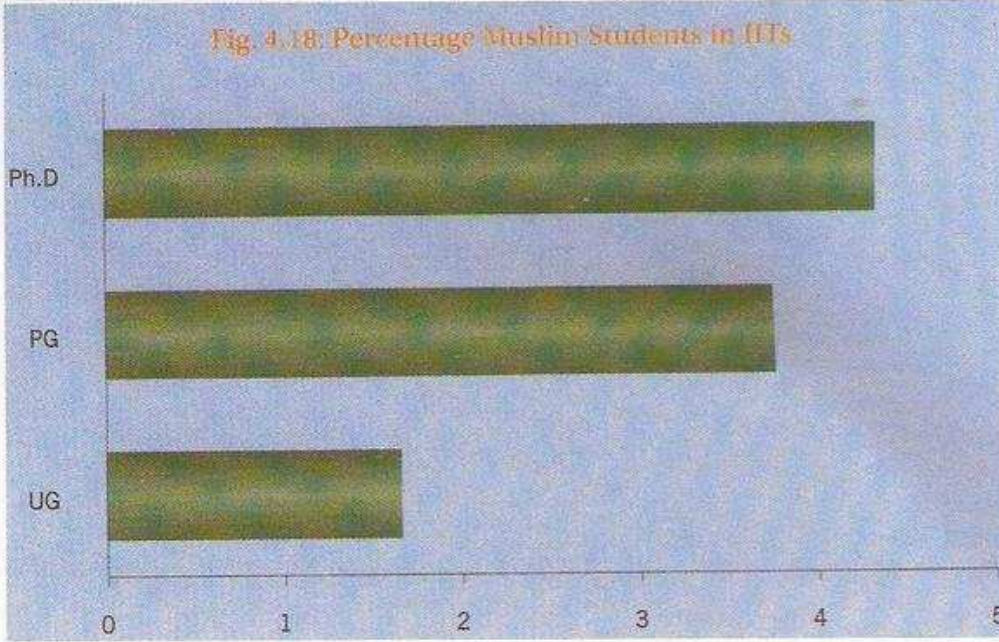
یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ سی اے ٹی میں شریک امیدواروں اور مختلف طبقوں سے متعلق ان کی تعداد کی تفصیل کمیٹی کو فراہم نہیں کی گئی کیوں کہ یہ ادارے ایسے اعداد و شمار مرتب نہیں کرتے۔ اس معاملے میں مسلمانوں کی کامیابی کی شرح معلوم کرنے کے لئے انٹرویو کے لئے طلبہ کردہ مسلم امیدواروں اور ان میں سے منتخب ہونے والوں کی تعداد کا استعمال کیا گیا ہے۔ تجزیے سے معلوم ہوتا ہے کہ تین میں سے ایک امیدوار کا انتخاب کر لیا گیا جو دیگر امیدواروں کی شرح کامیابی کے نہ صرف برابر بلکہ واقعہ یہ ہے کہ کچھ بہتر ہے۔ اس بہتر شرح کامیابی کے باوجود ہندوستان کے تمام آئی آئی ایم اداروں میں تمام کورسوں میں زیر تعلیم طلبہ میں مسلمانوں کا تناسب صرف 1.3 فی صد ہے۔ یہ تعداد 4743 میں سے صرف

Fig. 4.17: Admission process of IIMs and Share of Muslim students



63 ہے 14 (شکل 4.17)

یہاں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ انٹرویو سطح تک پہنچنے والے مسلم طلبہ کی تعداد اتنی کم کیوں ہے۔ ایک ممکنہ وجہ تو سی اے ٹی میں کم کامیابی ہو سکتی ہے۔ دوسرا امکان یہ ہو سکتا ہے کہ اگرچہ کامیابی کی شرح تمام سماجی۔ مذہبی طبقوں میں یکساں ہے مگر سی اے ٹی میں شریک ہونے والے مسلم امیدواروں کی تعداد ہی بہت کم رہی ہو 15۔ یہاں اس بات پر پھر زور دینا ضروری ہے کہ اگر مسلم طلبہ انٹرویو سطح تک (جو تحریری امتحان میں حاصل نمبروں پر مبنی ہوتا ہے) پہنچ جاتے ہیں تو ان کی کامیابی کی شرح خاصی زیادہ ہو جاتی ہے۔ 16

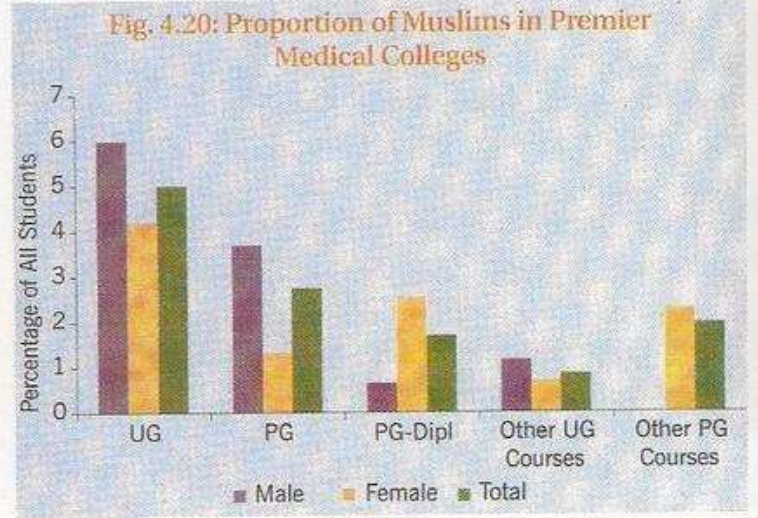
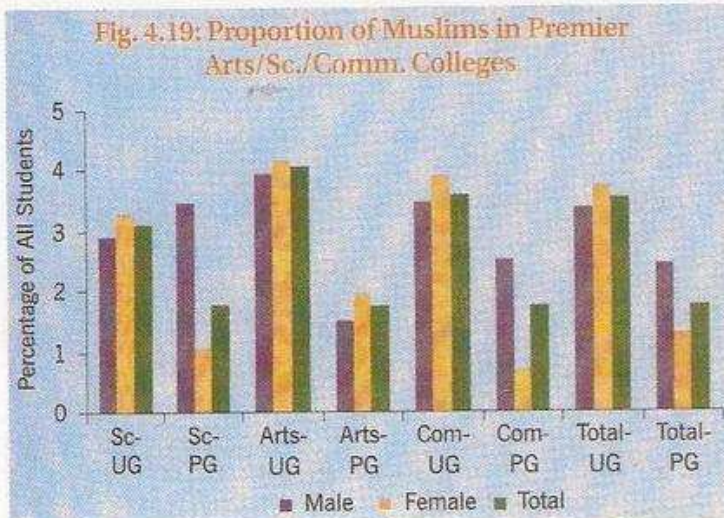


آئی آئی ٹی اداروں میں، مختلف پروگراموں میں داخل آئی آئی ٹی اداروں میں 27161 طلبہ میں مسلمانوں کی تعداد صرف 894 ہے۔ مختلف کورسوں کے طلبہ کی تعداد دست یاب ہے۔ پوسٹ گریجویٹ کورسوں میں مسلمانوں کا حصہ 4 فی صد سے ذرا زیادہ ہے۔ مگر انڈر گریجویٹ کورسوں میں اور بھی کم یعنی 1.7 فی صد ہے (شکل 4.18)۔ پی ایچ ڈی پروگراموں میں مسلمانوں کا حصہ دیگر کورسوں کے مقابلے میں قدرے بہتر ہے۔ قابل توجہ ہے کہ آئی آئی ٹی کے انڈر گریجویٹ پروگراموں میں داخلہ صرف ایک مشترکہ ٹیسٹ کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ مگر پوسٹ گریجویٹ کورسوں میں، دیگر تعلیمی اداروں کے گریجویٹ طلبہ آئی آئی ٹی پر مشتمل داخلہ امتحان کے ذریعے بھی داخلہ لے سکتے ہیں۔ بظاہر

معلوم ہوتا ہے کہ مسلم طلبہ، گریجویٹیشن کرنے کے بعد اس امتحان میں زیادہ بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ان کورسوں کی طلبہ کے پیش نظر، اس سطح پر مقابلہ نسبتاً کم ہو سکتا ہے۔

ہندوستان کے ممتاز کالجوں میں حصے داری

کمبلی نے سائنس، آرٹس اور کامرس کورس پڑھانے والے ملک کے بعض ممتاز کالجوں اور ممتاز میڈیکل کالجوں میں اس وقت داخل طلبہ کا



15 مختلف کورسوں کے اعداد سے یہی تصویر ابھرتی ہے۔ آئی آئی ایم ادارے 5 اضلاع کورس فراہم کرتے ہیں: پوسٹ گریجویٹ ڈپلوما ان انجینئرنگ، پوسٹ گریجویٹ ڈپلوما ان سائنس، پوسٹ گریجویٹ ڈپلوما ان ایجوکیشن، پوسٹ گریجویٹ ڈپلوما ان ایجوکیشن اور ٹیلوٹھ پروگرام۔

16 آئی آئی ایم اداروں میں داخل مسلمانوں کی تعداد اس وجہ سے زیادہ ہے کہ مختلف آئی آئی ایم کے ذریعے منتخب بعض امیدوار یکساں ہیں۔

سروے کرایا 17 سائنس، آرٹس اور کامرس کورسوں میں داخل مسلم طلبہ کی تعداد شکل 4.19 میں پیش کی گئی ہے 18 انڈرگریجویٹ کورسوں (یو جی) میں پچیس طلبہ میں صرف ایک اور پوسٹ گریجویٹ (پی جی) کورسوں کے ہر پانچ طلبہ میں صرف ایک مسلمان ہے۔ تمام کورسوں، بطور خاص پی جی میں مسلمانوں کا حصہ کم اور سائنس کورسوں میں برائے نام ہے۔ تاہم دلچسپ بات یہ ہے کہ یو جی کورسوں میں لڑکوں کے مقابلے لڑکیوں کا تناسب زیادہ ہے۔ مگر پی جی سطح پر، آرٹس کورسوں کے سوا باقی تمام کورسوں میں یہ تناسب کم ہے۔

کمیٹی نے اعلیٰ مینجمنٹ اداروں سے اعداد و شمار حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی (یہاں پیش کردہ اعداد و شمار آئی آئی ایم کے علاوہ دیگر مینجمنٹ کالجوں سے متعلق ہیں) 19 ایم بی اے کورس میں مسلم طلبہ و طالبات دونوں کا حصہ صرف ایک فی صد پایا گیا۔ اگرچہ یہ اعداد و شمار اتنے نہیں ہیں کہ کسی نتیجے تک پہنچا جاسکے مگر آئی آئی ایم سے حاصل اعداد و شمار سے ہم آہنگ ہیں۔

بڑے میڈیکل کالجوں 20 میں مسلمانوں کی نمائندگی کچھ ہی بہتر ہے۔ (شکل 4.20) تمام کورسوں میں داخل طلبہ میں یہ تناسب تقریباً 4 فی صد ہے۔ ان میں بیشتر مسلم طلبہ یو جی سطح کے کورسوں مثلاً ایم بی بی ایس، ڈینٹل، نرسنگ وغیرہ میں ہیں۔ دیگر کورسوں میں مسلمانوں کی موجودگی بہت ہی کم ہے۔ پی جی ڈیپلوما کورس کے سوا اور تمام کورسوں میں مسلم لڑکیوں کا فی صد تناسب مسلم لڑکوں سے کم ہے۔

یونیورسٹیوں میں داخلے

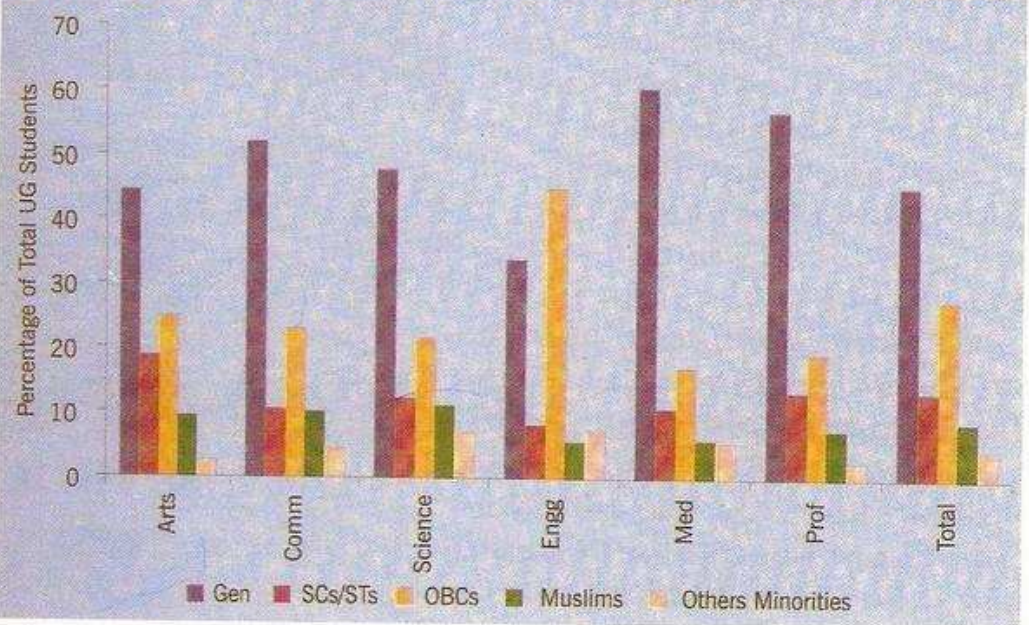
ہندوستان میں تقریباً 300 یونیورسٹیاں ہیں۔ ہر یونیورسٹی میں بہت سے شعبے اور بڑی تعداد میں الحاق شدہ کالج ہیں۔ تمام یونیورسٹیوں سے یو جی اور پی جی سطحوں کے کورسوں میں داخل طلبہ کی سماجی و مذہبی وابستگی سے متعلق اعداد و شمار فراہم کرنے کی درخواست کی گئی۔ 129 یونیورسٹیوں اور 84 کالجوں نے اعداد و شمار فراہم کئے۔ ان اعداد و شمار پر مبنی 'کل ہند' تخمینوں کا تعلق تقریباً 13 لاکھ گریجویٹ (پچلر ڈگری) اور 15 لاکھ پوسٹ گریجویٹ (ماسٹر ڈگری اور اس سے بالاتر سطح) طلبہ سے ہے۔

یوں تو انڈرگریجویٹ سطح کے طلبہ کی تعداد تقریباً ایک کروڑ 17 لاکھ اور پوسٹ گریجویٹ سطح سے متعلق طلبہ کی تعداد تقریباً 43 لاکھ ہے۔ مگر دستیاب اعداد و شمار میں، کل ہند سطح پر، صرف تقریباً 11 فی صد انڈرگریجویٹ اور تقریباً 38 فی صد پوسٹ گریجویٹ طلبہ کی نمائندگی ہوئی ہے۔

چوں کہ یہ اعداد و شمار جوی ہیں، اس لئے مندرجہ ذیل تجزیہ بھی محض علامتی نوعیت کا ہوگا۔ 28 لاکھ طلبہ جن سے متعلق اعداد و شمار دست یاب ہوئے۔ سارے ملک کے مختلف کالجوں اور یونیورسٹیوں میں زیر تعلیم تقریباً 19 فی صد طلبہ و طالبات پر مشتمل ہیں۔

ان اعداد و شمار کے مطابق (شکل 4.21) طلبہ کی خاصی بڑی تعداد، ایک تہائی سے زیادہ آرٹس کے کورسوں میں داخل ہیں۔ دیگر مقبول تر کورس انجینئرنگ اور کامرس ہیں۔ اگرچہ یہ فرق زیادہ نہیں ہے مگر یو جی کورسوں میں مسلم طلبہ کا تناسب آبادی میں ان کے تناسب سے تقریباً 9 فی صد کم ہے۔ مسلمانوں کی تعداد امکاناً سب سے زیادہ سائنس اور کامرس اور اس کے بعد آرٹس کورسوں میں نظر آتی ہے۔ چوں کہ زیر

Fig. 4.21: Distribution of Students Enrolled in Undergraduate courses: 2004-05



17 اداروں کا انتخاب انڈیا ٹوڈے کے ذریعے 2003، 2004 اور 2005 میں کی گئی اور ہندوستان کی بنیاد پر کیا گیا

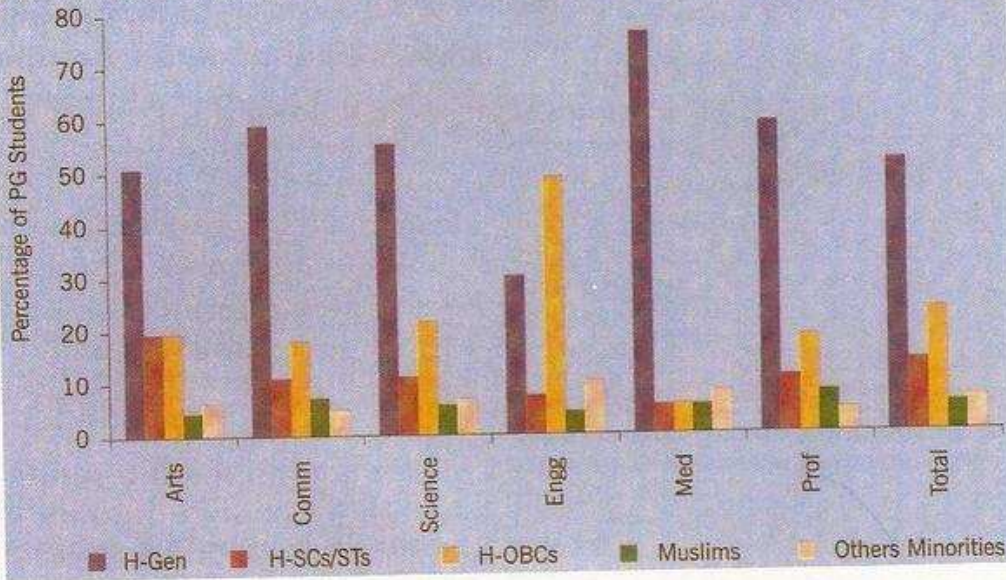
18 کمیٹی کو اعداد و شمار فراہم کرنے والے کالج ہیں: ایس آر کالج، جس راج کالج، سینٹ اسٹیفنس کالج (نئی دہلی)، بی بی سی کالج، سینٹ زیویرز کالج (کوکتا)،

سینٹ زیویرز کالج (ممبئی)، بی آئی ایم کالج آف کامرس، ڈاکٹر امبیڈکر کالج (پنے)، کے بی سوسیا کالج، مدراس کرچین کالج (ممبئی) اور ماؤنٹ کارمل کالج (بنگلور)۔

19 نیکی آف مینجمنٹ اسٹڈیز (دہلی یونیورسٹی)، مینجمنٹ ڈیپارٹمنٹ آف ایس ٹی ٹی (گڑگاؤں) اور زیویر لبریری سائنسی ٹیٹ (جھینڈ پور)

حوالہ کالجوں کی تعداد زیادہ اور نمائندہ نہیں ہے، اس لئے ان نتائج کو زیادہ تفصیلی اعداد و شمار کی بنیاد پر پرکھنا ضروری ہے۔ مگر ہر تعلیمی ادارے میں، مسلمانوں کا حصہ آبادی میں ان کے تناسب سے کم، اور ایس سی/ ایس ٹی اور او بی سی سے نمایاں طور پر کم ہے۔ انجینئرنگ اور میڈیکل کورسوں میں مسلمانوں کی موجودگی بطور خاص کم ہے۔

Fig. 4.22: Distribution of Students Enrolled in PG courses 2004-05



پی جی کورسوں میں بھی مسلمانوں کا حصہ اتنا ہی مایوس کن ہے (شکل 4.22)۔ بیس میں سے صرف تقریباً ایک طالب علم مسلمان ہے۔ یہ تعداد او بی سی (24 فی صد) اور ایس سی/ ایس ٹی (13 فی صد) سے نمایاں طور پر کم ہے۔ تاہم مسلم طلبہ بطور رجحان سب سے زیادہ پروفیشنل کورسوں اور اس کے بعد کامرس کی جانب مائل نظر آتے ہیں۔ کل تعداد اور فی صد تناسب کے لحاظ سے ان کا مقام تمام طبقوں میں سب سے نیچے ہے۔ اعداد و شمار کے محدود ہونے کے سبب اس موضوع پر ریاست وارانے زنی ممکن نہیں ہے۔ 21

اب تک ہم نے تعلیمی اکتسابات پر توجہ مرکوز رکھی ہے اور ان میں سے بعض اکتسابات کا عمر گروپوں کے لحاظ سے تجزیہ کیا ہے، ان ممکنہ شماریاتی غلطیوں سے بچنے کے لئے جو

گزشتہ برسوں کے دوران کچھ پیش رفت ضرور ہوئی ہے مگر مختلف طبقوں کے درمیان فرق اب بھی برقرار ہے اور نئی نسل بھی کچھڑی ہوئی ہے

20 سال یا زیادہ عمر گروپ کے بہت بڑے ہونے کے سبب تجزیے میں داخل ہو سکتی ہیں۔ مثلاً 20 سال یا زیادہ عمر کے لوگوں میں گریجویٹوں کی تعداد دیگر طبقوں کے مقابلے میں خاصی کم تھی۔ مگر اس میں یہ اندیشہ بھی ہے کہ اعلیٰ تعلیم میں ان طبقوں کی شرکت کو کم دکھایا گیا ہو جن کی گذشتہ نسل نے تعلیم کی مختلف سطحوں پر اہم پیش رفت کی ہے۔ 20 سال اور زیادہ عمر کے لوگ تقریباً دو نسلوں پر مشتمل ہیں۔ اگر حالیہ نسلوں کی تعلیمی پیش رفت مثبت رہی ہو تو مذکورہ بالا فی صد تناسب اعلیٰ تعلیم میں ان کے اعداد و شمار نے ظاہر کیا کہ اگرچہ گذشتہ برسوں کے دوران کچھ پیش رفت ضرور ہوئی ہے مگر فرق وفاصلے اب بھی برقرار ہیں اور مسلمانوں کی موجودہ نسل بھی کچھڑی ہوئی ہے۔ مستقبل قریب میں ہونے والے تعلیمی اکتسابات تعلیم میں شرکت کی موجودہ صورت حال پر منحصر ہیں۔ جدول 4.4 میں اس وقت زیر تعلیم لوگوں پر توجہ دیتے ہوئے داخلوں کی موجودہ حالت پیش کی گئی ہے۔ مثلاً اگر 6-13 سال عمر گروپ پر توجہ دی جائے تو اس گروپ بچوں کو ابتدائی اسکول میں ہونا چاہئے۔ اسی طرح زیادہ عمر گروپ کا تعلق تعلیم کی برتر سطحوں سے ہوگا۔ جدول 4.4 میں مختلف طبقوں کے لحاظ سے ہر عمر گروپ کے طلبہ کی تعداد اور مجموعی آبادی میں ان کی تعداد پیش کی گئی ہے۔ دونوں قسم کے فی صد تناسبوں میں فرق سے ہر طبقے کی کم یا زیادہ نمائندگی ظاہر ہوتی ہے۔

تعلیم کی سطح میں اضافے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں اور دیگر طبقوں کے درمیان فرق بھی بڑھتا جاتا ہے

6-13 سال عمر گروپ کے تعلق سے بات کی جائے تو مختلف طبقوں کے درمیان، طلبہ کی اور مجموعی آبادی میں حصہ داری میں یہ مشکل ہی کوئی فرق نظر آتا ہے۔ مگر عمر زیادہ ہوتے ہی فرق پیدا ہونے لگتا ہے۔ ایس سی/ ایس ٹی مسلمانوں اور او بی سی طبقوں کا طلبہ کی تعداد میں حصہ، زیادہ عمر کے طلبہ کی تعداد کی بہ نسبت کم ہونے لگتا ہے۔ یہ فرق ہندو او بی سی کے مقابلے میں ایس ٹی اور مسلمانوں میں زیادہ بڑا ہے۔ تعلیم میں شرکت کی موجودہ صورت حال کے پیش نظر، ادھر خاصی بہتری آنے کے باوجود، آنے والے برسوں میں مسلمانوں اور دیگر طبقوں کی تعلیم یابی کی سطحوں کے درمیان خاصا بڑا فرق پیدا ہو جائے گا۔ ایس سی/ ایس ٹی میں بھی بڑی عمر کے لوگوں میں تعلیم کی کمی نظر آتی ہے۔ مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ

20 سینٹ ہائرس میڈیکل کالج (بنگلور)، بنگلور میڈیکل کالج، بے آئی پی ایم آئی آر (پانڈیچری)، گریجویٹ میڈیکل کالج (دلیور)، کستور بائیو میڈیکل کالج (منی پال)، جی ایم جے میڈیکل کالج (پنے) اور لیڈی بارڈنگ میڈیکل کالج (دہلی)

21 چون کہ جواب دینے والے کالجوں اور یونیورسٹیوں کی تعداد زیادہ اور تمام علاقوں کی نمائندگی کرنے والی نہیں ہے، اس لئے ان پر مبنی اعداد و شمار کی قیمت نہیں کی جاسکتی۔

بعض معاملوں میں بڑی عمر کے گروپوں میں ایس سی/ایس ٹی کے مقابلے میں زیادہ تعلیمی خسارے میں نظر آتے ہیں (جدول 4.4)۔
مسلمانوں میں ادھر ایک عرصے سے تعلیم پر دی جانے والی توجہ کے عمل کو جو داخلوں میں اضافے سے ظاہر ہوتا ہے اسکولوں میں حاضری میں اضافے کر کے برقرار رکھا جانا چاہئے۔

Table 4.4: Children Currently Studying as a Proportion of Population by Age Groups - 2004-05

| Age Groups | Hindus | | | Muslims | Other Minorities |
|------------------|-------------|-------------|-------------|-------------|------------------|
| | Gen | OBC | SCs/STs | | |
| 6-13 years | 19.1 (17.3) | 36.1 (35.5) | 25.7 (27.4) | 14.0 (15.1) | 5.1 (4.8) |
| 14-15 years | 24.3 (19.9) | 36.1 (35.2) | 21.4 (25.2) | 12.2 (14.5) | 6.0 (5.3) |
| 16-17 years | 28.9 (21.1) | 33.7 (35.0) | 20.2 (24.7) | 10.7 (14.0) | 6.3 (5.1) |
| 18-22 years | 34.0 (20.8) | 30.5 (34.4) | 17.7 (25.5) | 10.2 (13.9) | 7.6 (5.5) |
| 23 years & above | 35.6 (23.9) | 29.2 (35.1) | 18.3 (24.1) | 7.4 (10.9) | 9.5 (5.9) |

Source: Estimated from NSSO (2004-05) 61st Round, Sch. 10.

Note: 1. Figures in parentheses report the share of each socio-religious group in the total population of that age group.

7 تعلیم یابی کے بعض عوامل

تعلیمی اکتسابات اور اقتصادی حالات میں بہت سے عوامل کا دخل ہوتا ہے۔ اس حصے میں اقتصادی حالات کے اثرات کا تجزیہ کیا جائے گا اور پھر یہ تفتیش کی جائے گی کہ اگر اقتصادی حالات اور دیگر عوامل قابو میں ہوں تو کیا کسی طبقے کے حالات اس کی تعلیم یابی کی صورت حال

Table 4.5: Incidence of Graduation and those Pursuing Post-Graduate Studies among Poor and non-Poor Households according to SRCs: 20-30 Age Group - 2004-05

| SRCs | 20-30 years old persons | | Graduates | | Attending PG courses | | Unemployment Rates among Graduates | |
|----------|--------------------------|--------------------------|---|---------------------------------|-------------------------------------|---------------------------------|------------------------------------|------|
| | Percentage to Population | Distribution across SRCs | Percentage of population in the age group | Distribution across SRCs (SRCs) | Percentage of graduates in the SRCs | Distribution across SRCs (%age) | | |
| Non-Poor | SCs/STs | 66.3 | 21.8 | 3.8 | 10.1 | 21.5 | 8.9 | 19.1 |
| | H-OBCs | 78.5 | 35.1 | 6.2 | 26.6 | 22.1 | 24.2 | 23.8 |
| | H-General | 89.2 | 25.5 | 15.7 | 48.9 | 26.6 | 53.4 | 20.5 |
| | Muslims | 71.2 | 11.4 | 4.9 | 6.8 | 22.9 | 6.4 | 25.6 |
| | All Minorities | 86.1 | 6.2 | 10.1 | 7.6 | 22.4 | 7.2 | 25.3 |
| | Total | 77.3 | 100 | 8.2 | 100 | 24.4 | 100 | 21.4 |
| Poor | SCs/STs | 33.7 | 37.7 | 0.8 | 17.4 | 27.6 | 19.6 | 9.8 |
| | H-OBCs | 21.5 | 32.7 | 1.7 | 30.8 | 23.0 | 29.0 | 16.2 |
| | H-General | 10.8 | 10.5 | 5.8 | 34.9 | 29.3 | 41.9 | 14.4 |
| | Muslims | 28.8 | 15.7 | 1.2 | 10.5 | 16.3 | 7.0 | 16.7 |
| | All Minorities | 13.9 | 3.4 | 3.4 | 6.4 | 9.5 | 2.5 | 17.4 |
| | Total | 22.7 | 100 | 1.8 | 100 | 24.4 | 100 | 12.7 |

کو متاثر کرتے ہیں۔

تمام طبقوں کے مقابلے مسلم
گریجویٹوں کی بے روزگاری
کی شرح غریبوں اور ناغریبوں
دونوں میں سب سے زیادہ ہے

این ایس ایس او، 61 ویں دور کے اعداد و شمار کی بنیاد پر ہر طبقے کے غریب اور ناغریب کنبوں میں گریجویٹوں کی تعداد کا اندازہ قائم کیا جاسکتا ہے 22۔ ان لوگوں کے بھی ایسے ہی تخمینے قائم کئے جاسکتے ہیں جو پوسٹ گریجویٹ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ جدول 4.5 میں 20-30 سال عمر گروپ کے لوگوں سے متعلق معلومات پیش کی گئی ہے۔ یہ عموماً اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی عمر ہوتی ہے۔ ہر طبقے کے گریجویٹوں سے متعلق بے روزگاری کی شرحیں بھی پیش کی گئی ہیں۔ اس سلسلے میں بعض دلچسپ نتائج حسب ذیل ہیں:

☆ حسب توقع، غریب کنبوں کے مقابلے ناغریب کنبوں کے لوگوں کی زیادہ تعداد گریجویٹیشن مکمل کر چکی ہے۔ 20-30 سال عمر گروپ کے 2 فی صد سے کم غریب لوگ گریجویٹ ہیں جب ناغریب طبقے کے ایسے گریجویٹوں کی تعداد 8 فی صد سے زیادہ ہے۔

☆ غریب اور ناغریب دونوں کنبوں میں، عام ہندوؤں میں گریجویٹوں کی تعداد دیگر طبقوں سے بہت زیادہ ہے۔ بلا لحاظ اقتصادی حالت، مسلمانوں میں گریجویٹوں کی تعداد ایس سی / ایس ٹی سے زیادہ مگر دیگر تمام طبقوں سے کم ہے۔ دیگر اقلیتیں اور ہندو ادو بی سی مسلمانوں اور ایس سی / ایس ٹی سے بہتر مگر عام ہندوؤں سے بدتر ہیں۔ اس کے نتیجے میں، غریب اور ناغریب دونوں کنبوں کے گریجویٹوں میں ایس سی / ایس ٹی مسلمانوں کا حصہ آبادی میں ان کے تناسب سے بہت کم ہے۔ تاہم غریب کنبوں کے لحاظ سے، مسلمانوں اور ایس سی / ایس ٹی اور دیگر طبقوں کے درمیان گریجویٹوں کی تعداد کا فرق ناغریب کنبوں کی بہ نسبت بہت کم ہے۔

☆ گریجویٹوں میں بے روزگاری کی شرح غریب کنبوں کے مقابلے ناغریب کنبوں میں زیادہ ہے۔ یہ صورت حال اس مفروضے سے مطابقت رکھتی ہے کہ غریب لوگ عموماً بے روزگاری کے تحمل نہیں ہوتے اور جو کام بھی ہاتھ آتا ہے کر لیتے ہیں۔ دوسری جانب ناغریب لوگوں میں بہتر روزگار کے مواقع کا انتظار کرنے کی سکت ہوتی ہے۔ تقابلی لحاظ سے دیکھا جائے تو غریب اور ناغریب دونوں کنبوں کے ایس سی / ایس ٹی گریجویٹوں میں بے روزگاری کی شرح سب سے کم ہے اور مسلم گریجویٹوں میں سب سے زیادہ ہے۔ (اگرچہ ممکن ہے کہ بعض اوقات یہ شرح بعض دیگر طبقوں سے زیادہ مختلف نہ ہو) (شکل 4.5)

☆ عام ہندوؤں (جنہیں دیگر طبقوں پر 5 فی صد کی سبقت حاصل ہے) کو چھوڑ کر، تمام طبقوں میں، گریجویٹیشن کے بعد پوسٹ گریجویٹ تعلیم حاصل کرنے والے ناغریب کنبوں سے متعلق لوگوں کی تعداد تقریباً یکساں ہے۔ تاہم غریب کنبوں کے پوسٹ گریجویٹ تعلیم حاصل کرنے والے لوگوں کی تعداد، دیگر طبقوں کے مقابلے مسلمانوں میں نمایاں طور پر کم ہے۔ دلچسپ طور پر، یہ تعداد سب سے زیادہ، عام ہندوؤں میں (29 فی صد) اور اسی سے کچھ ہی کم ایس سی / ایس ٹی (28 فی صد) میں ہے۔ ادو بی سی (23 فی صد) اور مسلمانوں کا حصہ (16 فی صد) بہت کم ہے۔ لہذا ایس سی / ایس ٹی کے گریجویٹوں میں بے روزگاری کم ہونے کے باوجود غریب ایس سی / ایس ٹی گھروں کے پوسٹ گریجویٹ تعلیم حاصل کرنے والے لوگوں کی تعداد غریب مسلمانوں سے بہت زیادہ ہے جن میں بے روزگار گریجویٹوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

ہندوستان میں تعلیم پر آنے والے نسبتاً کم مصارف کے پیش نظر اکثر کہا جاتا ہے کہ پوسٹ گریجویٹ تعلیم کا سلسلہ عموماً بے روزگاروں کو ملتوی رکھنے یا نالنے کے لئے اختیار کیا جاتا ہے۔ (نسبتاً غریب تر لوگوں میں بھی)۔ دست یاب اعداد و شمار سے اس دلیل کی توثیق کرنا مشکل ہے۔ تاہم اس سلسلے میں دیگر طبقوں کے مقابلے، غریب اور ناغریب مسلمانوں میں گریجویٹوں کی کم تعداد اور غریب مسلمانوں میں پوسٹ گریجویٹ تعلیم کی کمی پر نگاہ ڈالنا چشم کشا ہو سکتا ہے۔ بلاشبہ، اعلیٰ تعلیم کے معاملے میں غریب اور ناغریب مسلمانوں کو درپیش خسارے کا ازالہ کرنے کے

لئے مثبت اقدام کی پالیسیوں کو حسب ضرورت تبدیل کرنا ضروری ہوتی۔

اقتصادی حالات کی مذکورہ بالا اہمیت کے پیش نظر گریجویٹوں کی تعداد سے متعلق عوامل کا مزید تجزیہ ضروری ہے۔ یہ معلوم کرنے کے لئے ایک تفتیشی مشق کی گئی کہ اگر اقتصادی حالات، عمر، صنف، دیہی/شہری رہائش اور جائے وقوع (ریاست) جیسے عوامل یکساں ہوں تو کیا مختلف طبقوں میں، گریجویٹوں تک تعلیم مکمل کرنے کے امکانات میں فرق ہوگا۔ این ایس ایس او، 61 ویں دور کے 20-30 سال عمر گروپ کے لوگوں سے متعلق اعداد و شمار کے تجزیے سے بعض دلچسپ نتائج حاصل ہوئے۔ 23 حسب توقع، نتائج سے ظاہر ہوتا ہے کہ اقتصادی حالات گریجویٹوں کی تعداد پر بہت زیادہ، مثبت اور اہم طور پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ مجموعی لحاظ سے، اگر دیگر معاملات یکساں ہوں تو دیگر طبقوں کے مقابلے عام ہندوؤں میں گریجویٹوں تک تعلیم مکمل کرنے کے امکانات نمایاں طور پر زیادہ ہوتے ہیں۔ تاہم اس معاملے میں، مختلف طبقوں (عام ہندوؤں کے سوا) اور دیہی و شہری علاقوں کے مردوں اور عورتوں میں فرق پایا جاتا ہے۔ مسلمانوں اور ایس سی/ایس ٹی میں گریجویٹوں تک تعلیم مکمل کرنے کے امکانات یکساں ہیں مگر دیگر طبقوں کے مقابلے کم ہیں۔ اگرچہ یہ فرق دیہی علاقوں میں زیادہ نمایاں نہیں ہیں بطور خاص خواتین میں۔ مگر شہری علاقوں میں، مسلمانوں، ایس سی/ایس ٹی میں گریجویٹوں تک تعلیم مکمل کرنے کے امکانات او بی سی اور دیگر اقلیتوں کے مقابلے نمایاں طور پر کم تر ہوتے ہیں۔ یہ بات شہری مردوں کے لئے بطور خاص درست ہے۔ بہ الفاظ دیگر، دیگر عوامل یکساں ہوں تو دیگر طبقوں کے مقابلے مسلمان اور ایس سی/ایس ٹی ہونے کا مطلب گریجویٹوں کی تکمیل کے امکانات کا کم ہونا ہے۔ بطور خاص شہری علاقوں اور مردوں کے لحاظ سے۔

دیگر تمام طبقوں کے مقابلے خاص طور پر شہری علاقوں اور مردوں میں، گریجویٹوں تک تعلیم مکمل کرنے کا امکان مسلمانوں میں اور ایس سی/ایس ٹی میں سب سے کم ہوتا ہے

دوسرا اہم سوال یہ ہے کہ کیا یہ فرق وفاصلہ صرف گریجویٹوں تک تعلیم سے خاص ہے یا تعلیم کے ابتدائی برسوں کے دوران پیدا ہونے والے فرق و فاصلے کا نتیجہ ہے۔ اس سوال کی تفتیش کے لئے دو اور سوالوں کا شاریاتی تجزیہ کیا گیا: (1) اگر ہم صرف ہائر سکینڈری تعلیم جو گریجویٹوں تک تعلیم کے لئے کم از کم اہلیت ہے مکمل کرنے والوں کو پیش نظر رکھیں تو کیا گریجویٹوں کی تکمیل کا معاملہ مختلف طبقوں میں مختلف ہوگا اور (2) کیا مختلف طبقوں کے درمیان ہائر سکینڈری تعلیم مکمل کرنے کے امکانات میں اہم فرق پایا جاتا ہے۔

☆ اگرچہ اہلیت یافتہ (جو ہائر سکینڈری تعلیم پوری کر چکے ہوں) عام ہندوؤں کے مقابلے میں اہلیت یافتہ مسلمانوں کے گریجویٹوں تک تعلیم مکمل کرنے کے امکانات اب بھی نمایاں طور پر کم ہیں مگر دونوں کے درمیان فرق کم ہو رہا ہے۔ اس کے علاوہ کئی بار اہلیت یافتہ مسلمانوں میں گریجویٹوں تک تعلیم مکمل کرنے کے امکانات او بی سی اور دیگر اقلیتوں کے مقابلے میں بہت مختلف نہیں ہوتے۔ بہ الفاظ دیگر، اگر مسلمان کم سے اہلیت کی رکاوٹ پار کر لیں اور جائے وقوع، اقتصادی حالات وغیرہ کے معاملات یکساں ہوں تو مسلمانوں اور دیگر طبقوں کے درمیان فرق میں کمی آنے لگتی ہے۔

☆ گریجویٹوں کی تکمیل کے امکانات سب سے زیادہ عام ہندوؤں اور سب سے کم مسلمانوں میں ہوتے ہیں۔ دیہی و شہری علاقوں میں بھی اور مردوں اور عورتوں میں بھی۔ ہائر سکینڈری تعلیم مکمل کرنے کے امکانات اگرچہ کم ہیں مگر اس معاملے میں مسلمانوں اور ایس سی/ایس ٹی میں زیادہ فرق نہیں ہے۔ تاہم ان دونوں میں یہ امکانات۔ عام ہندوؤں، ہندو او بی سی اور دیگر اقلیتوں کے مقابلے بہت کم ہیں۔

مسلمان ہائر سکینڈری سطح پر نسبتاً زیادہ نقصان میں ہیں

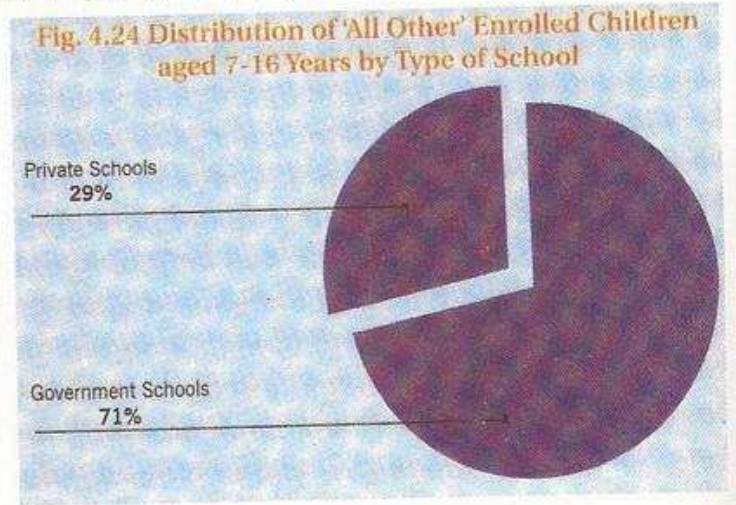
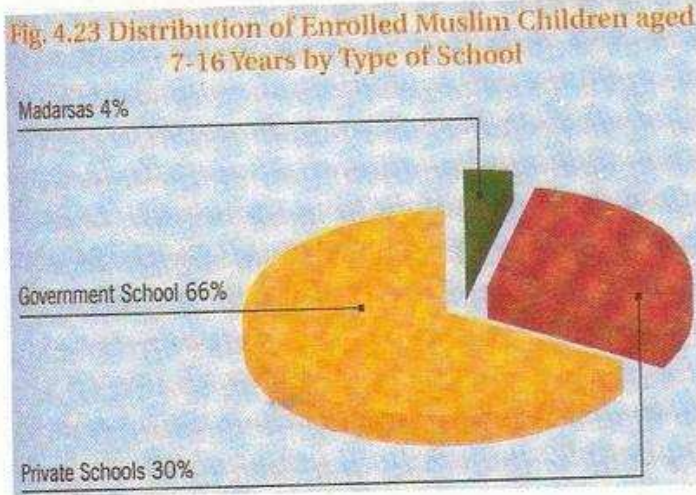
ہائر سکینڈری اور گریجویٹوں تک تعلیم کی تکمیل کے ان تخمینوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان ہائر سکینڈری سطح پر کہیں زیادہ محرومیوں سے دوچار ہیں اور شاید اس کے نتیجے میں ہی مسلمانوں کی بہت کم تعداد اعلیٰ تعلیم کی اہلیت حاصل کر پاتی ہے۔ اس تجزیے کے نتائج اب بھی عبوری نوعیت کے ہیں مگر ان سے کارآمد گہری معلومات حاصل ہوتی ہے۔ موٹے طور پر، ان نتائج اور اس سے پہلے کئے گئے وقت کے ساتھ آنے والی تبدیلیوں کے تجزیے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ مسلمان اور ایس سی/ایس ٹی دونوں وہی دیگر طبقوں کی بہ نسبت اہم محرومیوں سے دوچار ہیں مگر ایس سی/ایس

ٹی میں اعلیٰ تعلیم کی اہلیت یافتہ لوگوں کی تعداد مسلمانوں کے مقابلے زیادہ تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ اس سلسلے کی مزید تحقیق ضروری ہے۔

مجموعی لحاظ سے اس حصے کی بحث سے معلوم ہوا کہ اگرچہ تمام طبقوں نے وقت کے ساتھ ساتھ اپنے حالات بہتر کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے مگر یہ عمل یکساں نہیں رہا ہے۔ مسلمانوں اور دیگر تمام کے درمیان فرق میں کل ہند سطح اور ریاستوں میں، بطور خاص اعلیٰ تعلیم کی سطح پر، مسلسل اضافہ ہوا ہے۔ یہاں یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ ایس سی/ایس ٹی مسلمانوں کے برابر آجپتے میں کامیاب رہے ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اسکول قائم کرنے یا بنیادی سہولتوں کے فروغ اور اسکولوں میں داخلے کے لئے ترغیبات فراہم کرنے والے خصوصی پروگراموں میں ایس سی/ایس ٹی کنیوں پر خاص توجہ مرکوز کی جاتی ہے۔ ملازمتوں میں ریڑرویشن نے بھی، بچوں کو تعلیم دینے میں اضافے کے ذریعے، انہیں بالواسطہ فائدے پہنچاتے ہیں۔

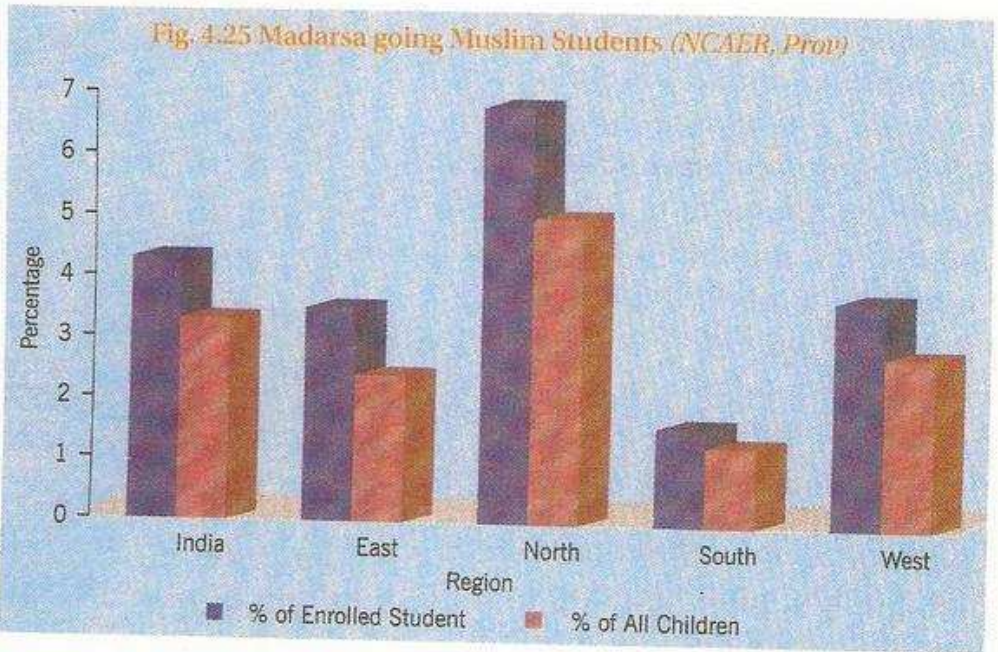
8 تعلیمی اداروں کا انتخاب: مدارس کا معاملہ

بچے کن تعلیمی اداروں میں پڑھتے ہیں۔ یہ بھی تعلیمی حیثیت کا ایک اہم اشاریہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مختلف اسکولوں میں تعلیم کے معیار اور مصارف میں فرق ہوتا ہے۔ مختلف زیر تجزیہ طبقوں کے درمیان، تعلیمی اداروں کے انتخاب کے معاملے میں کوئی بڑا فرق نظر نہیں آتا۔ (شکل 4.23 اور 4.24)۔ مسلمانوں اور دیگر دونوں زمروں کے بچے پیشتر کم مصارف والے سرکاری یا سرکاری امداد یافتہ اسکولوں میں پڑھتے ہیں۔ تقریباً ایک تہائی بچے نجی اسکولوں میں جاتے ہیں۔ بہت سے سرکاری امداد یافتہ اسکولوں میں زیر تعلیم بچوں کی تعداد کا تجزیہ معلومات افزا ہو سکتا ہے۔ مسلم بچوں کی ایک قلیل تعداد (4 فی صد) مدارس میں بھی تعلیم حاصل کرتی ہے۔ (شکل 4.23 اور 4.24)

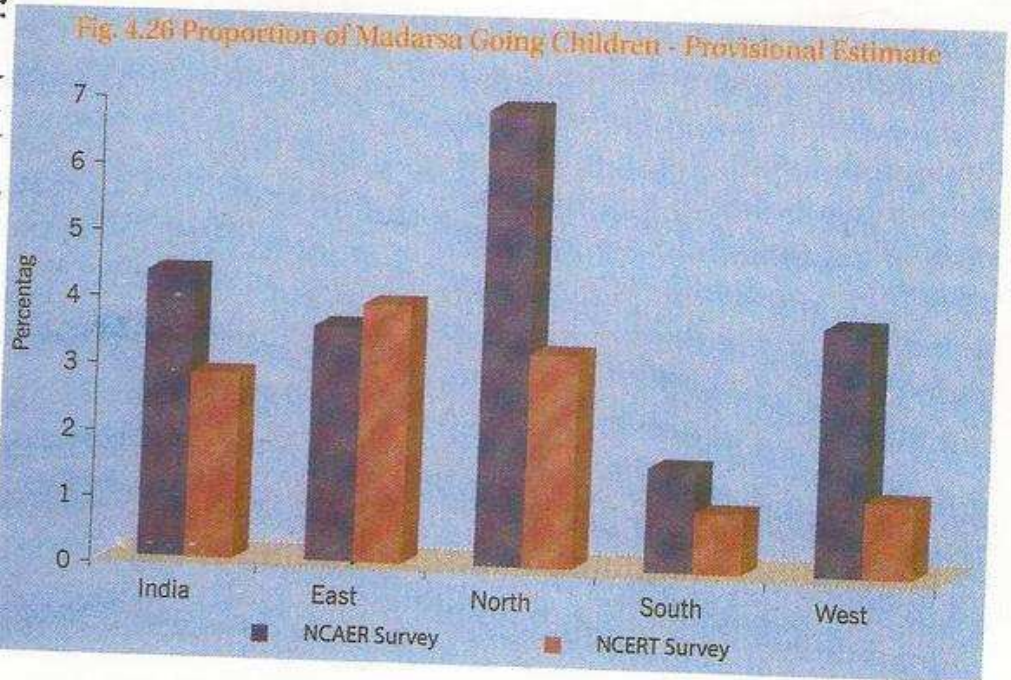


اکثر لوگ سمجھتے ہیں کہ مسلم بچوں کی ایک بڑی تعداد مدارس میں پڑھتی ہے اور اس کا مقصد عموماً مذہبی تعلیمات سے واقف ہونا اور اسلامی تہذیب و معاشرت کو جاری اور برقرار رکھنا ہوتا ہے۔ مناسب اعداد و شمار اور شواہد کی ناموجودگی میں یہ خیال بھی مسلسل پرورش پاتا رہا ہے کہ مسلم والدین مذہبی تعلیم کو ترجیح دیتے ہیں جس کا نتیجہ مدارس پر انحصار ہوتا ہے۔ 24 یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مدارس کی تعلیم اکثر مذہبی بنیاد پرستی کو بڑھا دیتی ہے اور بنیادی و ہمارے سے کاٹنے کا کام کرتی ہے۔ مگر درحقیقت مدارس میں زیر تعلیم بچوں کی تعداد اس سے بہت کم ہے جتنی کہ عموماً تسلیم کی جاتی ہے۔ (ضمیمہ جدول 4.4)۔ مثلاً مغربی بنگال میں، جہاں آبادی میں مسلمانوں کا تناسب 25 فی صد ہے۔ مدارس میں زیر تعلیم طلبہ کی 3.41 لاکھ تعداد 7-19 سال عمر کے بچوں کی مجموعی تعداد کا صرف 4 فی صد ہے۔

این سی اے ای آر کے اعداد و شمار (شکل 4.25) سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکول جانے کی عمر کے تمام مسلم بچوں میں صرف 4 فی صد بچے مدارس میں زیر تعلیم ہیں۔ کل ہند سطح پر یہ تعداد تمام اسکول جانے کی عمر والے مسلم بچوں کا 3 فی صد حصہ ہے۔ این سی اے ای آر اعداد و شمار کو این سی اے ای آر کے اسکولی سطح سے متعلق اعداد و شمار (عارضی) سے بھی تقویت حاصل ہوتی ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ 7-19 سال عمر کے مسلم بچوں کی صرف 3.4 فی صد تعداد مدارس میں تعلیم حاصل کرتی ہے۔ یہ تعداد دیہی علاقوں اور لڑکوں میں زیادہ ہے۔



شکل 4.26 میں، کل ہند سطح پر اور چار بڑے جغرافیائی خطوں میں مدارس میں زیر تعلیم مسلم طلبہ کی تعداد سے متعلق این سی اے ای آر اور این سی اے ای آر کے تخمینوں کا موازنہ کیا گیا ہے۔ یہاں یہ دیکھا جاسکتا ہے کہ علاقائی فرق کے باوجود این سی اے ای آر کے تخمینے، مشرقی خطے کے سوا باقی تمام خطوں کے لئے، این سی اے ای آر سے عموماً کم ہیں۔ دونوں تخمینوں کے درمیان خاصے اختلاف کے باوجود، شمالی خطے کے سوا کسی اور خطے میں وسیلہ تعلیم کی حیثیت سے مدارس کی حیثیت بہت اہم نہیں ہے۔ مگر شمال میں بھی، این سی اے ای آر کے برتر تخمینوں کے مطابق، اسکول جانے کی عمر والے صرف 7 فی صد بچے مدارس میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔



یہ غلط فہمی کہ اکثر مسلم بچے مدارس میں تعلیم حاصل کرتے ہیں اس وجہ سے بھی ہے کہ لوگ مدرسے اور مکتب میں فرق نہیں کرتے۔ مدارس (مذہبی اور / یا عام) تعلیم فراہم کرتے ہیں 26 - مکتب محلے کے وہ اسکول ہیں، جو اکثر مسجدوں سے لگے ہوتے ہیں اور دیگر بنیادی دھارے کے اسکولوں میں زیر تعلیم بچوں کو مذہبی تعلیم دیتے ہیں۔ لہذا مکتب جزوقتی مذہبی تعلیم دیتے ہیں اور باضابطہ تعلیمی اداروں کے لئے معاون کردار ادا کرتے ہیں۔

یہ عام خیال کہ مسلم بچوں کی بہت بڑی تعداد مدارس میں تعلیم حاصل کرتی ہے یہ نہ جاننے کے سبب پیدا ہوا ہے کہ یہ بچے دراصل مقامی مکتبوں میں زیر تعلیم ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ذکر کیا گیا، یہ مقامی مکتب کوئی متبادل پیش نہیں کرتے بلکہ تعلیم میں معاون خدمات فراہم کرتے ہیں۔ مثلاً کیرل میں 60000 سے زیادہ مسلم طلبہ بہ یک وقت بنیادی دھارے کے اداروں اور مکتب دونوں میں زیر تعلیم ہیں چوں کہ سرکاری اور

اسکولی تعلیم کی عمر والے صرف 3 فی صد مسلم بچے مدارس میں زیر تعلیم ہیں

25 دی آؤٹ لک میں شائع ایک رپورٹ کے مطابق اس میں سے 12 فی صد ہندو ہیں (مصنف، 2006)۔ بلاشبہ مغربی بنگال میں مدارس کا تصور قدرے مختلف ہے اور بہت سے باضابطہ اسکولوں کو بھی مدرسہ کہا جاتا ہے۔ اس ریاست میں بھی مدرسے کے نام سے معروف اسکولوں میں زیر تعلیم طلبہ کی تعداد کم ہے۔
26 مزید یہ کہ مدارس کی کئی قسمیں ہیں۔ مثلاً رہائشی مدارس میں اسلامی تعلیم دی جاتی ہے۔ ان کے طلبہ نہ کسی اور اسکول میں جاتے ہیں نہ کوئی اور تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ مکتب میں ایسے بہت سے مدارس ہیں

سرکاری امداد یافتہ اسکولوں میں اردو کی تدریس کا مناسب انتظام نہیں ہوتا، اس لئے بچوں کو مذہبی کتابیں گھر میں پڑھائی جاتی ہیں۔ بعض بچوں کو ان کے والدین، عزیز واقارب، یا نجی ٹیوٹر قرآن پڑھنا سکھاتے ہیں۔ اکثر گھروں میں، خاص طور پر کم یا اوسط آمدنی والے کنبوں میں، والدین کے پاس اتنا وقت یا اہلیت نہیں ہوتی کہ اپنے بچوں کو خود پڑھائیں۔ زیادہ مرکوز مطالعات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے والدین اپنے بچوں کو سیکولر اسکولوں کے ساتھ ساتھ مکاتب میں بھی داخل کرا دیتے ہیں۔ ایسے بچے بہ یک وقت دو اسکولوں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ این سی ای آر ٹی کے اعداد و شمار (عارضی) کی بنیاد پر، ان مکاتب میں زیر تعلیم 7-19 سال عمر کے مسلم بچوں کا فیصد تناسب کا اندازہ لگانے کی کوشش کی گئی۔ یہ اعداد و شمار سے کے مطابق بھی ان مکاتب میں پڑھنے والے بچوں کی تعداد بہت زیادہ نہیں، صرف 4 فی صد قرار پاتی ہے۔

27 یہ تعداد شہری علاقوں میں کم ہے مگر دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ تعداد لڑکوں اور لڑکیوں کے معاملوں میں تقریباً یکساں ہے۔

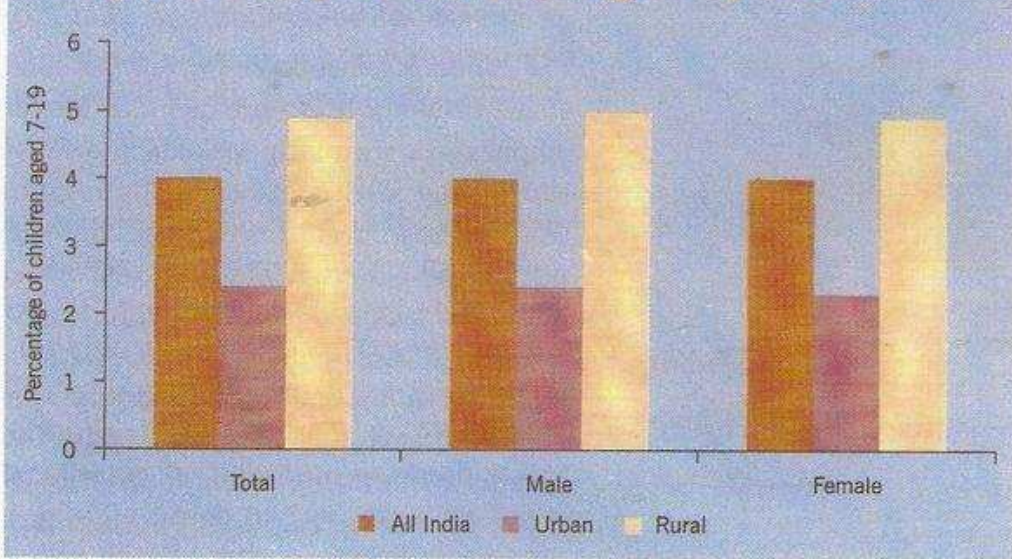
مدارس کی جدید کاری کا منصوبہ بناتے وقت، پالیسی سازوں کو چاہئے کہ ان دونوں اداروں کے فرق کو ملحوظ رکھیں۔ مکاتب اور رہائشی مدارس بنیادی طور پر روایتی ادارے ہیں اور ان کا مقصد صرف مذہبی تعلیم دینا ہے کیوں کہ وہ اسلامی روایت کو جاری رکھنے اور آگے بڑھانے کا سماجی فریضہ انجام دیتے ہیں۔ دوسری جانب، کہ عوام کی تعلیم کا انتظام کرنا حکومت کا آئینی فرض ہے (دفعہ 21A کے تحت)۔ امداد یافتہ مدارس ان مسلمانوں کے لئے جو اپنے بچوں کی اسکولی تعلیم کا بار نہیں اٹھا سکتے یا ایسے علاقوں میں رہنے والوں کے لئے جن کی بنیادی دھارے کے تعلیمی اداروں تک رسائی ممکن نہیں ہوتی، اکثر آخری چارہ کار ہوتے ہیں۔ اس مسئلے کا حل محض مدارس کی جدید کاری سے ہی ممکن نہیں۔ اس کے لئے اچھی، معیاری اور رعایتی بنیادی دھارے کی تعلیم اور تعلیم کی سہولتوں کا انتظام بھی ضروری ہے۔ لہذا ریاست پر بھی لازم ہے کہ باضابطہ تعلیمی نظام کے ذریعے عوام کے لئے قابل برداشت مصارف والی معیاری تعلیم فراہم کرنے کا فرض ادا کرے۔

ریاست پر بھی لازم ہے کہ باضابطہ تعلیمی نظام کے ذریعہ عوام کیلئے قابل برداشت مصارف والی معیاری تعلیم فراہم کرنے کا فرض ادا کرے

مذہبی تعلیم کی فراہمی کے سلسلے میں مدارس کے کردار کے علاوہ، ہندوستانی مسلمانوں کی عام تعلیم سے متعلق ان کی خدمات کو بھی تسلیم کیا جانا چاہئے۔ اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ ریاست نے مسلم بچوں کو ماپوس کر دیا ہے وہاں مدارس نے انہیں اسکولی تعلیم فراہم کی ہے۔ بہت سے بچے مدارس میں تھوڑی بہت خواندگی/تعلیم حاصل کر لیتے ہیں جب ان کے آس پاس کہیں بھی کوئی اسکول نہیں ہوتا۔ مدارس کے اس پہلو کو تسلیم کیا جانا

چاہئے۔ اس کے لئے مدارس کے اسناد کو سرکاری اسکولوں اور یونیورسٹیوں میں داخلے کے لئے بھی تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ اس مقصد کے تحت تعلیم کے دونوں نظاموں کے درمیان مختلف سطحوں پر مطابقت پیدا کرنی ہوگی۔ بہت سے مدارس بنیادی دھارے کے اسکولوں جیسی تعلیم فراہم کرتے ہیں۔ اس بات کو پوری صفائی کے ساتھ سمجھنا ضروری ہے۔ بہت سے مدارس نے حکومت کی جدید کاری کے منصوبے میں دلچسپی ظاہر کی ہے اور وہ اپنے نصاب میں سائنس، ریاضی اور دیگر جدید باضابطہ مضامین شامل کرنا اور تدریس کے نئے طریقے اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ تاہم چونکہ مدارس میں زیر تعلیم طلبہ کی تعداد بہت کم ہے، اس لئے 'جدید کاری' کا منصوبہ بنیادی دھارے کی تعلیم کا نعم

Fig. 4.27: Percentage of Muslim Children aged 7-19 years in Maktabas

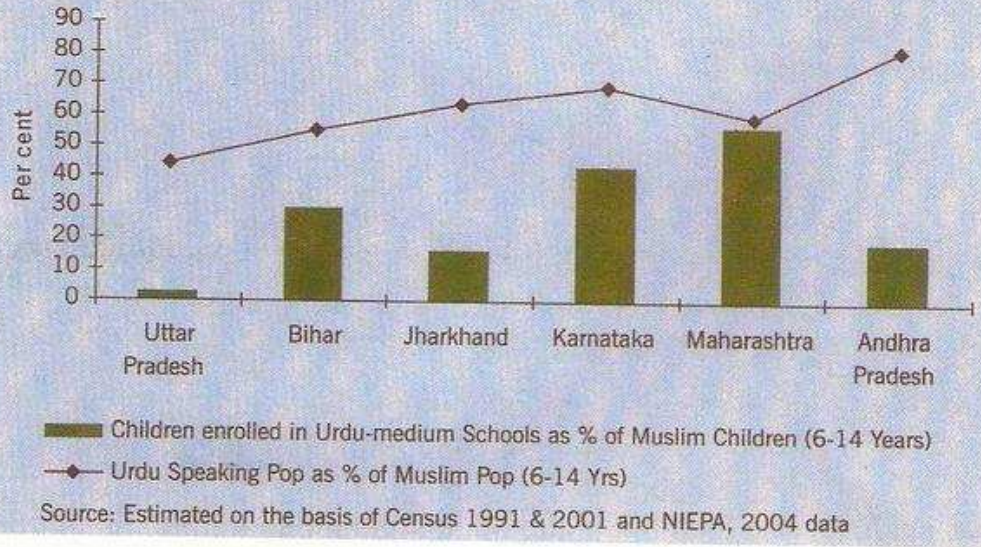


27 مدارس اور مکاتب کی تعداد کو ملا کر دیکھا جائے تو صرف 6.3 فی صد مسلم بچے مدارس میں زیر تعلیم ہیں۔ یہ اس 10 فی صد تعداد سے بہت دور ہے جس کا ذکر اکثر محقق کرتے رہتے ہیں۔

28 ایوے لوائیشن رپورٹ آن ماڈرنائزیشن آف مدرسہ ایجوکیشن اسکیم (یو پی)، ہمدرد ایجوکیشن سوسائٹی، نئی دہلی

البدل نہیں بن سکتا۔

Fig. 4.28: Urdu Speaking Population and Enroiment in Urdu Medium Schools, 2004



مدارس کی جدید کاری کے منصوبے کی قدر پیمائی کی ایک کوشش کے تحت اس پر عمل درآمد کے سلسلے میں کئی خامیاں دریافت کی گئی ہیں 28۔ ان میں سے بعض خامیاں یوں ہیں: مدارس میں جدید مضامین کی تدریس کے لئے مقرر کئے گئے اساتذہ کی تعداد اور معیار اور ان کا مشاہرہ ناکافی تھا۔ اس کے علاوہ مدارس کے نصاب میں جدید مضامین کی مناسب جگہ تلاش کرنے کی اہمیت کو نظر انداز کر دیا گیا۔ مدارس کی سطح پر جدید طرز تعلیم کا کوئی معائنہ نہیں کیا گیا اور ریاستی سطح پر اس کی نگرانی نہیں کی گئی۔ اس منصوبے پر نظر ثانی کر کے اسے از سر نو وضع کیا جانا چاہئے۔

مدارس کے اس پہلو پر بھی توجہ دی جانی چاہئے کہ اگرچہ ان کا

بنیادی اور عمومی مقصد مساجد کے مذہبی امور اور خود مدارس کی تعلیمی و تدریسی سرگرمیوں کے افراد فراہم کرنا ہے، ان سے ایسے علماء پیدا کرنے کی بھی توقع کی جاتی ہے جن سے مسلمان زندگی کے روزمرہ معاملات اور سماجی و سیاسی امور میں رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ جدید کاری کے منصوبے کا یہ مقصد بھی ہے کہ مدارس کو سیکولر تعلیم کے معاملات سے باخبر کرے اور بین المذاہب مکالمے میں شرکت کا اہل بنائے۔

9 تعلیم یابی اور زبان کا معاملہ

بعض لوگ اردو زبان کی تعلیم و تدریس کی نافرہمی کو مسلمانوں کی اہتر تعلیمی حالت کا ایک سبب تصور کرتے ہیں۔ بیشتر ریاستوں میں اردو بولنے والوں کی خاصی بڑی تعداد نے کمیٹی کے ساتھ بات چیت کے دوران یہ مسئلہ اٹھایا 29۔ اس حصے میں اس سوال پر غور کیا گیا۔

9.1 سیاق

مادری زبان میں تعلیم (خصوصاً ابتدائی تعلیم) کی فراہمی کے فوائد غیر متنازعہ اہمیت کے حامل ہیں کیوں کہ اس سے بچے کو چیزوں کو سمجھنے اور اپنی ذہنی صلاحیتوں کے استعمال میں آسانی ہوتی ہے۔ اس لئے 1960 کی دہائی کے اوائل میں سہ لسانی فارمولا اختیار کیا گیا تھا۔

آئین ہند کی دفعہ 350A کی رو سے ہر ریاست اور ریاست کے ماتحت ہر مقامی حاکم کی کوشش ہوگی کہ لسانی اقلیتی گروپوں کے بچوں کو تعلیم کے ابتدائی مرحلے میں مادری زبان کے ذریعے تعلیم کی سہولتیں فراہم کرے اور صدر ان سہولتوں کی فراہمی کے لئے کسی بھی ریاست کو ایسی ہدایات جاری کر سکتا ہے جنہیں وہ ضروری یا مناسب تصور کرے، 30۔ تاہم اس آئینی عطا کے مناسب ہونے پر عام اتفاق رائے کے باوجود اس کی پابندی سے زیادہ اس کی خلاف ورزی کی جاتی رہی ہے۔

مختلف کمیٹیوں کی سفارشات کے باوجود اردو تعلیم کی سہولتیں کم ہیں

29 1991 کی مردم شماری کے مطابق اردو بولنے والوں کا فی صد تناسب، بہار، جموں و کشمیر (9.9 فی صد)، مہاراشٹر (7.3 فی صد)، کرناٹک (10 فی صد)، آندھرا پردیش (8.4 فی صد) اور تریپورہ (9 فی صد)

30 اس اور دیگر آئینی عطاؤں کے علاوہ، مرکزی حکومت نے ہندوستان میں اردو کے فروغ پر غور کرنے کے لئے کئی کمیٹیاں بھی تشکیل دی ہیں۔ 1972 میں گجرات کمیٹی تشکیل دی گئی تھی جس نے 1975 میں اپنی رپورٹ پیش کی۔ اس کے بعد 1979 میں آل انڈیا سرور کمیٹی تشکیل دی گئی جس نے 1983 میں رپورٹ پیش کی۔ 1990 میں علی سردار جعفری نے اردو کے فروغ سے متعلق اپنی رپورٹ جتادل حکومت کو پیش کی۔

9.2 اردو میڈیم اسکول

مختلف ریاستوں میں مختلف کمیٹیوں کی مثبت سفارشات کے باوجود، اردو کی تعلیم و تدریس کی سہولتیں بہت قلیل ہیں۔ بیشتر ریاستوں میں اردو میڈیم اسکولوں کی تعداد بہت کم ہے۔ اسے اردو میڈیم اسکولوں میں داخل بچوں کے قلیل فی صد تناسب میں دیکھا جاسکتا ہے۔ شکل 4.28 میں مختلف ریاستوں میں (14-6 سال عمر کی) آبادی کا فی صد تناسب دکھایا گیا ہے (2001 کی مردم شماری)۔ این آئی ای پی اے کے اعداد و شمار اردو میڈیم اسکولوں میں (14-6 عمر گروپ کے بچوں) داخلوں سے متعلق معلومات پیش کرتے ہیں۔ عام خیال کے برعکس، اردو بولنے والوں کی آبادی صرف دریائے گنگا کے دو آبے کے علاقوں میں محدود نہیں ہے بلکہ کیرل، مہاراشٹر اور آندھرا پردیش کے بالترتیب 10 فی صد، 7.5 فی صد اور 8.5 فی صد لوگ اردو کو اپنی مادری زبان قرار دیتے ہیں۔ ان تینوں ریاستوں میں اردو کو مادری زبان قرار دینے والے مسلمانوں کا فی صد تناسب ہندی۔ اردو بچوں کی ریاستوں کی بہ نسبت خاصی زیادہ ہے۔ ان ریاستوں میں، اردو میڈیم اسکولوں میں داخل مسلم بچوں کی فی صد تعداد، اسکول جانے کی عمر (14-6 سال) کے بچوں کے فی صد تناسب کے طور پر خاصا زیادہ ہے۔ دست یاب اعداد و شمار کی بنیاد پر یہ نشان دہی ممکن نہیں کہ اردو میڈیم میں زیر تعلیم تمام بچے مسلمان ہیں۔ مگر امکان اسی کا ہے۔ حیرت انگیز طور پر، بطور خاص اتر پردیش میں اردو میڈیم اسکولوں میں داخلوں کی تعداد مایوس کن حد تک کم ہے۔ یہ بہار اور جھارکھنڈ میں بھی غیر اطمینان بخش نہیں ہے۔ تو کیا ایسا ہے کہ اتر پردیش اور دیگر شمالی ریاستوں میں اردو کو مسلم بچوں کے لئے ضروری نہیں سمجھا جاتا جب کہ کرناٹک، مہاراشٹر اور آندھرا پردیش میں اسے ترجیح دی جا رہی ہے؟

اردو میڈیم اسکولوں میں داخلوں کی کمی کا سبب یہ ہے کہ ابتدائی سطح پر ایسے اسکول بہت کم ہیں

اردو میڈیم اسکولوں میں داخلوں کے اعداد و شمار کو ان اسکولوں کی دست یابی کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اردو میڈیم اسکولوں میں کم داخلوں کا سبب متعلقہ ریاستوں میں ان اسکولوں کی محدود تعداد ہے۔ لسانی اقلیتوں سے متعلق قومی کمشنر کے فراہم کردہ اعداد و شمار کے مطابق کرناٹک 4410، مہاراشٹر 3443 اور آندھرا پردیش 2569 میں بڑی تعداد میں سرکاری یا سرکاری امداد یافتہ اردو میڈیم اسکول ہیں جہاں اردو بولنے والوں کی قابل لحاظ تعداد زیر تعلیم ہے۔ اس کی وجہ سے اردو میڈیم اسکولوں میں داخلوں کی تعداد میں خاصا اضافہ ہوا ہے۔ 31

کرناٹک، بطور خاص ریاست کے جنوبی حصوں کے مسلمان اردو بولتے ہیں اور اردو میڈیم اسکولوں کو ترجیح دیتے ہیں۔ ریاست کرناٹک نے پوری ریاست میں اردو تعلیم کے انتظامات کئے ہیں۔ ریاست میں شمالی حصوں میں بھی حسب مطالبہ اردو تعلیم فراہم کی جا رہی ہے۔

2001 کی مردم شماری کے مطابق کرناٹک میں مسلمانوں کی آبادی 65 لاکھ ہے جو کل آبادی کا 12 فی صد ہے۔ 14-6 سال عمر کے مسلم بچوں کی تعداد 2004 میں تقریباً 2 لاکھ یعنی اس عمر کے کل بچوں کی 14 فی صد تھی۔ تقریباً 70 فی صد مسلم بچے اپنی مادری زبان اردو قرار دیتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کرناٹک کے اسکول میں اردو زبان ایک اہم ذریعہ تعلیم ہے۔

کرناٹک کے محکمہ تعلیم کے اعداد و شمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ اقلیتی زبانوں میں ابتدائی تعلیم فراہم کرنے والے اداروں کی بڑی تعداد (77 فی صد) اردو میڈیم کی ہے۔ اگرچہ یہ تعداد ہائی اسکولوں کے لحاظ سے کم ہے مگر پھر بھی خاصی زیادہ ہے۔

بڑی تعداد میں اردو میڈیم اسکولوں کی موجودگی سے بیشتر اردو بولنے والے بچوں کو اپنی مادری زبان میں تعلیم حاصل کرنے کا موقع حاصل ہوتا ہے۔ تقریباً 70 فی صد اردو بولنے والے بچے، اردو میڈیم ابتدائی اسکولوں میں زیر تعلیم ہیں، اگرچہ یہ تعداد ہائی اسکولوں کے لحاظ سے کم ہے مگر پھر بھی 60 فی صد ہے جو خاصی زیادہ ہے۔ قابل غور ہے کہ اردو میڈیم اسکولوں میں لڑکیوں کا تناسب بھی نسبتاً زیادہ ہے۔

31 بہار، جھارکھنڈ اور اتر پردیش نے اردو میڈیم اسکولوں کی تعداد سے متعلق اعداد و شمار پیش نہیں کئے۔ دیکھئے لسانی اقلیتوں سے متعلق شماری 42 ویں رپورٹ (جولائی

ان اسکولوں میں عملے کی تعداد سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اسکول اردو کے ذریعے تعلیم کی طلب کو مطمئن کرنے کے لئے کافی ہیں۔

اردو میڈیم اسکولوں میں نہ صرف اساتذہ کی تعداد زیادہ ہے بلکہ ان میں مردوں اور خاتون اساتذہ کا تناسب بھی طلبہ کے صنفی تناسب کے مطابق ہے۔ 32 اس کی اہمیت اس بات کے پیش نظر بالکل ظاہر ہے کہ بہت سے مطالبات کے مطابق مسلم والدین اپنی لڑکیوں کو خاتون اساتذہ والے اسکولوں میں بھیجے کو ترجیح دیتے ہیں۔ ہائی اسکولوں تک میں تقریباً 50 فی صد اساتذہ خواتین ہیں، مزید یہ کہ ایسے ٹیچرز اینگ انسٹی ٹیوٹ بھی موجود ہیں جو اردو میں ڈی ایڈ (ڈپلوما ان ایجوکیشن) فراہم کرتے ہیں۔ پی یو سی کر لینے والے امیدوار اس کورس میں داخلہ لے سکتے ہیں اور کورس مکمل کر لینے کے بعد قبل از ابتدائی اسکولوں میں تدریس کے اہل ہو جاتے ہیں۔

اردو مادری زبان والے بچوں کی کثیر تعداد کے پیش نظر اردو کی گریجویٹن سطح تک اختیاری مضمون کے طور پر پڑھائی جانی چاہئے

ایسے غیر اردو میڈیم اسکول خال خال ہی ہیں جہاں اردو بطور اختیاری مضمون پڑھائی جاتی ہو۔ اس کے برعکس صورت حال سنسکرت جیسی زبانوں کی ہے جو اکثر اسکولوں میں پڑھائی جاتی ہے۔ ”ہندی بولنے والی ریاستیں اکثر و بیشتر ہندی، انگریزی اور سنسکرت فارمولے پر عمل پیرا ہیں جب کہ غیر ہندی ریاستوں میں عموماً دوسرائی فارمولہ اختیار کیا گیا ہے، چند مستثنیات کے ساتھ (این سی ای آر ٹی 2005)۔ دہلی اور کئی دیگر شمالی ریاستوں کے تعلیمی نظام میں سنسکرت کو دی جانے والی اہمیت کے زیر اثر اقلیتی زبانوں کو نظر انداز کئے جانے کا رجحان نظر آتا ہے۔ کئی اسکولوں میں اردو (یا کسی اور علاقائی زبان) کی تعلیم کا نظم نہ ہونے کے سبب طلبہ کو سنسکرت اختیار کرنی پڑتی ہے۔ اس کی وجہ سے سنسکرت، عملاً ایک لازمی مضمون بن جاتی ہے۔

اردو میڈیم اسکولوں کی تعلیمی کارکردگی بہت خراب ہے جو کوئی حیرت کی بات نہیں ہے۔ اس کی وجہ سے خرابیوں کا ایک سلسلہ پیدا ہو جاتا ہے جس میں اردو تعلیم کی سہولتیں نہ ہونے سے نتائج خراب ہوتے ہیں۔ (شکل 4.29) اور اس کی وجہ سے اردو کی عملی قدر و قیمت گھٹتی ہے، اردو پڑھنے کی طلب میں کمی آتی ہے اور اردو تعلیم کی سہولتیں کم کرنے کا بہانہ ہاتھ آتا ہے۔ 33 کمیٹی مانتی ہے کہ حکومت کا مقصد اردو میڈیم اسکولوں کی تعداد بڑھانے کی بجائے مسلم بچوں کی تعلیمی حالت میں بہتری لانا ہے۔ مگر اردو مادری زبان والے مسلم بچوں کی بڑی تعداد کے پیش نظر، کمیٹی محسوس کرتی ہے کہ اردو بولنے والوں کی خاصی تعداد والے علاقوں میں اردو، کم از کم اختیاری مضمون کے طور پر، اردو کی تعلیم کو یقینی بنانے کے لئے اقدامات کئے جانے چاہئیں۔ کرناٹک کا تجربہ ایک ایسی متبادل صورت پیش کرتا ہے جس کے تحت ہائر سکندری سطح تک اردو میڈیم سے تعلیم جاری رکھی جاسکتی ہے۔ (باکس 4.2)، مگر یہ سلسلہ گریجویٹن سطح تک نہیں جاسکتا۔ اردو میں ابتدائی تعلیم اور اردو کی اختیاری مضمون کے بطور فراہمی کا مطالبہ مناسب معلوم ہوتا ہے، مگر اعلیٰ تر سطحوں پر اردو کے ذریعے تعلیم میں گہرائی سے جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں کوئی قدم اٹھانے سے پہلے اردو ذریعے تعلیم کے طلبہ کے روزگار پانے کے امکانات کو ملحوظ رکھا جانا چاہئے۔

10 چند اختتامی معروضات

دیگر طبقوں کی بہ نسبت، تعلیم کے معاملے میں مسلمانوں کی محرومی ریاست کی پالیسی میں اہم تہذیبوں، اور اس کے ساتھ ہی نجی اور رضا کارانہ خدمات کے اداروں کے ذریعے تعاون کا تقاضا کرتی ہے۔ اس بات کے پیش نظر کہ ان اقدامات کی متقاضی آبادی بہت بڑی ہے اور پالیسی سازوں کو دست یاب وسائل محدود ہیں، ریاست کے ذریعے کم سے کم سطح کی اسکولی تعلیم کے انتظامات کا مطالعہ مناسب معلوم ہوتا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ریاست اعلیٰ تعلیم کی فراہمی سے دست بردار ہو سکتی ہے۔ پالیسی سازی کی توجہات تعلیم کے ان دائروں میں مرکوز ہونی چاہئیں جہاں نجی سرمایہ کاری اتنی نہیں ہے کہ آبادی کے کمزور طبقوں کا احاطہ کر سکے۔ نجی اور رضا کارانہ خدمات کے زمروں کی سرمایہ کاری اور کوششیں،

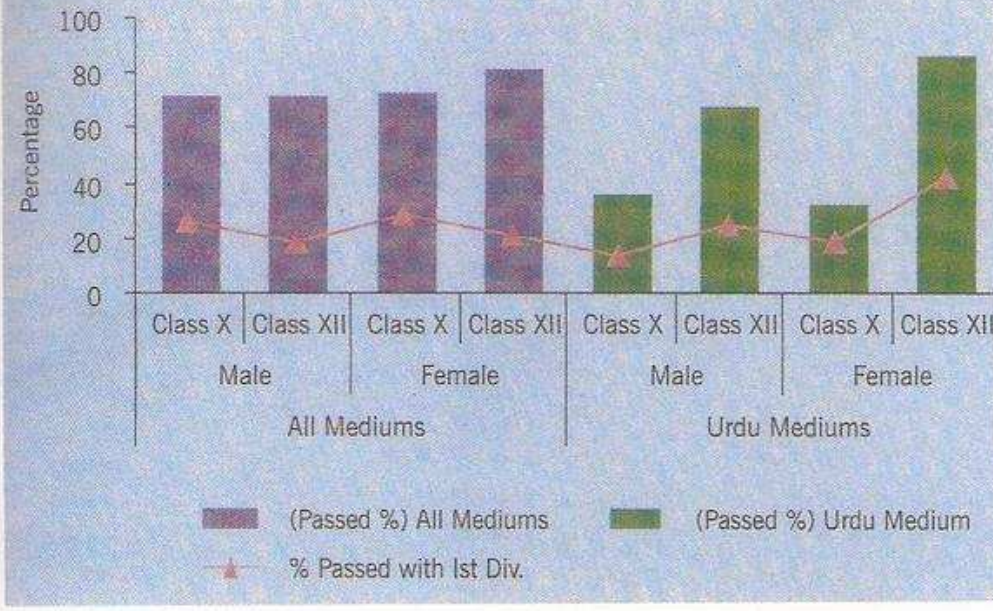
مسلمانوں اور دیگر طبقوں کے درمیان تعلیم کی تمام سطحوں پر فرق شہری علاقوں میں زیادہ ہے

32 اردو میڈیم اسکولوں سے متعلق تقریباً 70 فی صد اساتذہ خواتین ہیں

33 کمیٹی کے ساتھ ملاقاتوں کے دوران مسلم نمائندوں نے شکایت کی کہ راجستھان میں کئی جگہیں ختم کر دی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ درجہ پانچ کے بعد کا کوئی

اردو میڈیم اسکول نہیں ہے۔

Fig. 4.29: Performance in CBSE Examination



مسلمانوں اور دیگر طبقوں کے درمیان تعلیمی حالات کا فرق کم کرنے میں معاون ہو سکتی ہیں مگر اصل کام ریاست ہی کو کرنا ہے۔ مسلمان اب تک ریاست کے اقدامات اور تعلیم کے فروغ کے ثمرات کا مطلوبہ فائدہ نہیں اٹھا سکے ہیں۔ یہاں ہم پہلے اس باب کے کلیدی نتائج کا خلاصہ پیش کریں گے تاکہ پالیسی توجہات کے دائروں کی نشان دہی کی جاسکے۔

اسکولی تعلیم کے تعلق سے، مسلمانوں کی تعلیمی حالت حد درجہ تشویش ناک ہے۔ اعداد و شمار سے واضح طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ ہندوستان میں تعلیم کی مجموعی سطح مختلف اشاریوں کے لحاظ سے اب بھی عام قابل قبول سطح سے کم ہے، مگر مسلمانوں کی تعلیمی حالت اگرچہ قدرے اطمینان بخش ہے مگر ریاستی اعداد و شمار کا، مقام رہائش اور صنف کے مطابق تجزیہ کرنے سے ابھرنے والی

تصویر اتنی خوش گوار نہیں ہے۔ تعلیم یابی کے متبادل اشاریوں، جو تعلیمی ترقی کی زیادہ نمائندگی کرتے ہیں، پر غور کیا جائے تو مسلمانوں اور دیگر سماجی- مذہبی طبقوں (ایس سی/ ایس ٹی کے سوا) کے درمیان اہم نابرابری نظر آتی ہے، مثلاً مسلمانوں میں اسکولی تعلیم کی اوسط مدت اور اسکولوں میں مسلمانوں کی حاضری کی صورت حال، خود اپنے طور پر اور بعض معاملات میں ایس سی/ ایس ٹی کو چھوڑ کر باقی تمام طبقوں کے مقابلے میں اتر ہے۔ درحقیقت ایس سی/ ایس ٹی کئی لحاظ سے مسلمانوں کے آگے جا چکے ہیں۔

دیہی اور شہری علاقوں کے درمیان اہم فرق موجود ہے مگر یہ دیکھا گیا ہے کہ مسلمانوں اور دیگر طبقوں کے درمیان فرق دیہی علاقوں کی بہ نسبت شہروں میں عموماً زیادہ ہے۔ اسی طرح، اگرچہ مسلم خواتین حصول تعلیم کے معاملے میں مردوں سے پیچھے ہیں مگر ان میں اور دیگر طبقوں کی خواتین کے درمیان فرق کم ہے۔

زمانی رجحانات کے تجزیے سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیمی حالت میں مجموعی بہتری کے باوجود، پیش رفت کی شرح مسلمانوں میں سب سے کم رہی ہے۔ یہ الفاظ دیگر، اگرچہ مسلمانوں کی تعلیم یابی کی صورت حال گذشتہ برسوں کے دوران بہتر ہوئی ہے مگر اس کی رفتار دیگر طبقوں کی بہ نسبت ست رہی ہے جس سے دیگر طبقوں سے ان کے فرق میں کمی آنے کی توقع پوری نہیں ہو سکی۔ یہی نہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ آزادی کے بعد سے مسلمانوں اور ترقی یافتہ طبقوں کے درمیان فرق اور بڑھا ہے۔ بطور خاص 1980 کی دہائی کے دوران، مختلف طبقوں کی تعلیمی کامیابیوں کے درمیان نابرابری کا سلسلہ اس طرح مسلسل جاری رہا ہے کہ ہمیشہ کے محروم ایس سی/ ایس ٹی لوگ کئی دائروں میں مسلمانوں کو ان لیا اور ان سے آگے نکل گئے۔ یہ بات بطور خاص اہم اس لئے بھی ہے کہ حصول آزادی کے وقت ایس سی/ ایس ٹی لوگوں کی سماجی و اقتصادی حالت مسلمانوں سے کم تر سمجھی جاتی تھی، اس سے ظاہر ہے کہ مسلمان، منصوبہ بندی کے ثمرات کا فائدہ نہیں اٹھا سکے۔ اور ان ثمرات کے دھیرے دھیرے چھین کر نیچے اتارنے کا انتظار کرتے کرتے، وہ دیگر طبقوں سے زیادہ سے زیادہ پچھڑتے چلے گئے۔

گر بچپن اور نینکی تعلیم کے حصول کی سطح تمام طبقوں میں کم ہے۔ مگر اس پر بھی، ان دونوں دائروں میں مسلمان دیگر طبقوں سے پیچھے ہیں۔ خاص طور پر باعث تشویش یہ ہے کہ مسلمان کا حصہ روزگار کے روشن امکانات والے تعلیمی اداروں میں سب سے کم ہے۔ یہ بات مسلم فرقی کی اقتصادی اختیار مندی اور مضبوطی اور اس کے زیر اثر سارے ملک کی اقتصادی ترقی کے لئے سنگین طویل مدتی مضمرات کی حامل ہے۔ مختلف

مسلم والدین جدید یا بنیادی
دھارے کی تعلیم اور اپنے بچوں
کو قابل برداشت مصارف
والے سرکاری اسکولوں میں
بھیجنے کے خلاف نہیں

Box 4.2: Urdu Education Opportunities in Karnataka

Fig.4.30 Mother Tongue Based Education system in Karnataka

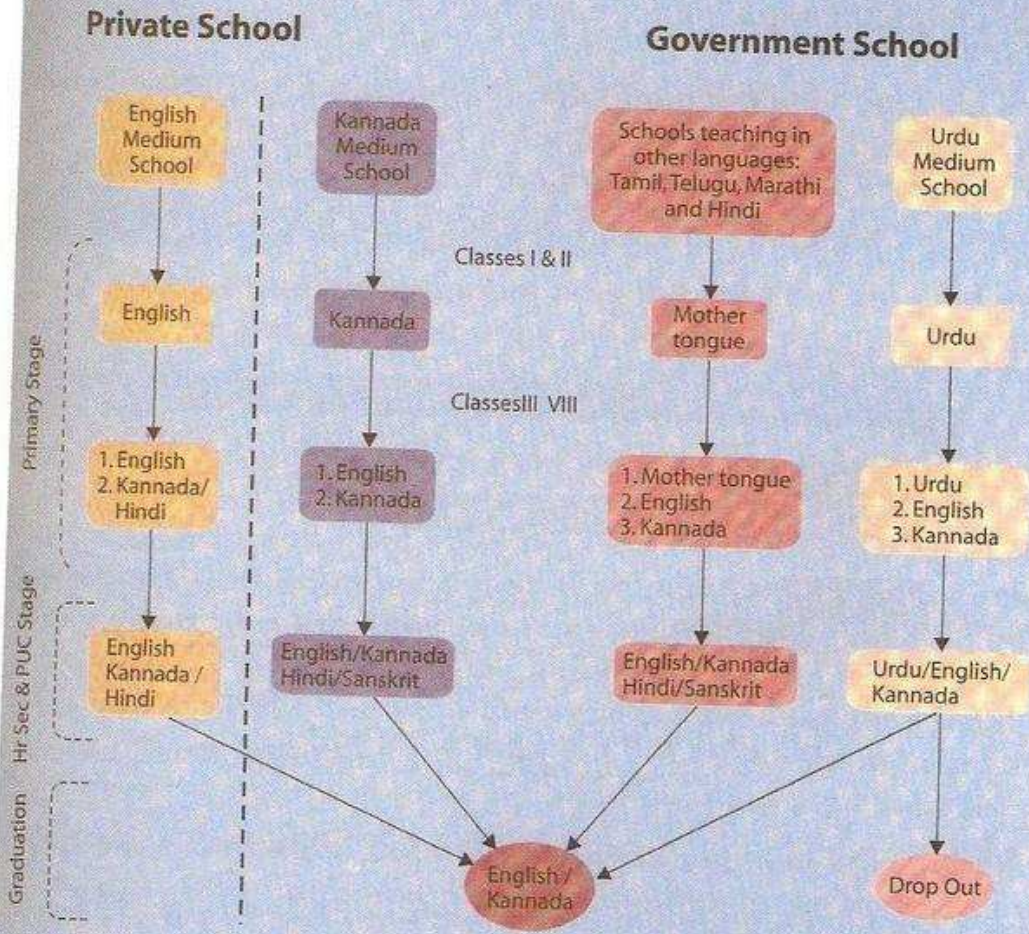
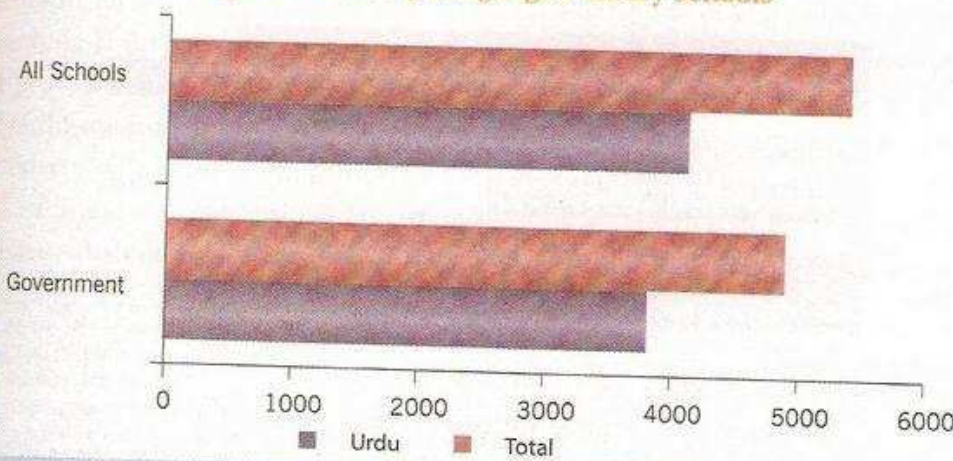


Fig. 4.31 Minority Language Primary Schools



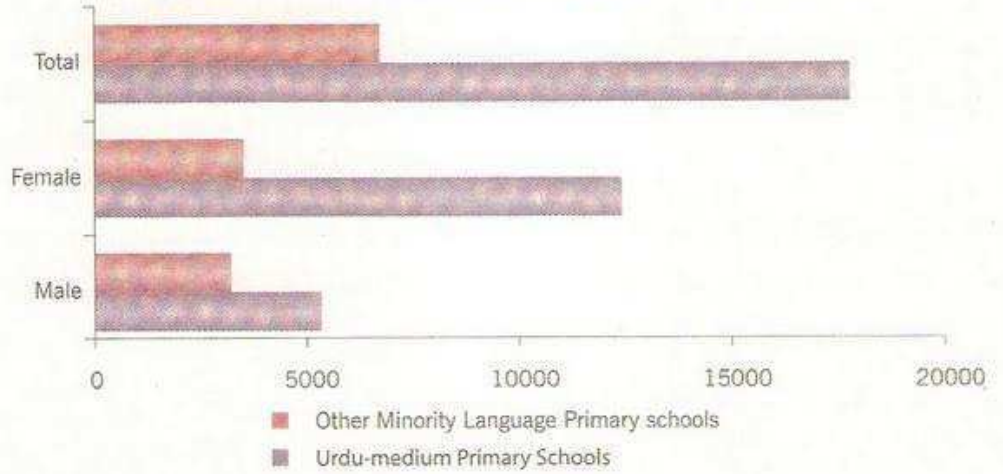
اردو کے ذریعہ تعلیم کی صورتحال
 اتر پردیش، جھارکھنڈ، آندھرا
 پردیش اور بہار میں ابتر ہے

سماجی۔ مذہبی طبقوں کے درمیان تعلیم باہمی کا فرق تعلیم کی مٹی سطحوں پر اور بھی نظر آتا ہے۔ میٹرکولیشن اور اس کے بعد کے مرحلوں میں یہ فرق بہت اہم ہو جاتا ہے۔ اعلیٰ تعلیم میں مسلمانوں کی کم حصہ داری کا ایک بنیادی سبب یہ بھی ہے کہ ہائر سکندری سطح پر ان کی کامیابی کی شرح بہت کم ہے۔

ہے۔ اسکولی تعلیم مکمل کرنے کی شرحوں کے لحاظ سے، مسلمان دیگر طبقوں کی بہ نسبت بہت پیچھے نظر آتے ہیں۔ مگر مسلمان رکاوٹ پار کر کے اعلیٰ تعلیم کی اہلیت حاصل کر لیتے ہیں تو پھر ان میں اور دیگر طبقوں (ایسی ہی اہلیت کے حامل) کے درمیان فرق کم ہونے لگتا ہے۔

مزید یہ کہ مسلمانوں میں اسکولی داخلوں کے حالیہ رجحانات، ان کی دیگر تعلیمی کامیابیوں اور اس کے علاوہ مسلمانوں کے ساتھ کمیٹی کے تعاملات

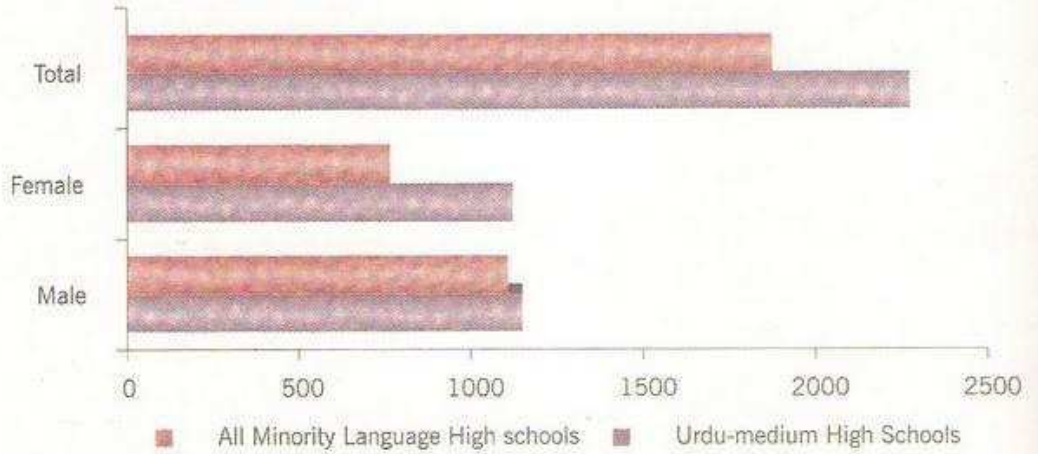
Fig. 4.32 Teachers In Minority Language Primary Schools



کرنائٹک اور مہاراشٹر میں ابتدائی سطح پر اردو میڈیم اسکولوں کی فراہمی بہتر ہے: یہاں اس کے ساتھ ہی انگریزی کے ذریعہ تعلیم حاصل کرنے کی بھی سہولت موجود ہے

کے نتائج مسلمانوں کی تعلیمی حالت سے متعلق بعض غلط فہمیوں اور بے اصل تصوراتی سانچوں کے ازالے کے لئے کافی ہیں۔ یہ انہیں نمایاں کیا جانا چاہئے۔

Fig. 4.33 Teachers In Minority Language High Schools



☆ مسلم والدین جدید یا بنیادی دھارے کی تعلیم اور اپنے بچوں کو قابل برداشت مصارف والے سرکاری اسکولوں میں بھیجنے کے خلاف نہیں ہیں۔ وہ اپنے بچوں کو لازمی طور پر مدارس بھیجنے کو ترجیح نہیں دیتے۔ باضابطہ تعلیم جو ملک کے کسی بھی بچے کو دست یاب ہے مسلمانوں کی بھی ترجیحات میں شامل ہے۔ مسلم کا ایک طبقہ انگلش میڈیم تعلیم کو بھی ترجیح دیتا ہے اور بعض لوگ اردو کو بطور ذریعہ تعلیم پسند کرتے ہیں۔ سرکاری اسکولوں تک مسلم بچوں کی رسائی محدود ہے۔

☆ عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ مسلم والدین۔ کہہ نزدیک لڑکیوں کی تعلیم ضروری نہیں ہے اور یہ کہ اس سے ان میں غلط خیالات پیدا ہو سکتے ہیں، کہ اگر لڑکیوں کو اسکولوں میں داخل بھی کرایا جاتا ہے تو کم عمری ہی میں شادی کے لئے انہیں اسکول سے اٹھایا جاتا ہے جس کی

وجہ سے مسلم لڑکیوں میں ترک تعلیم کی شرح زیادہ ہے۔ مسلمانوں کے ساتھ ہماری بات چیت سے معلوم ہوا کہ اصل مسئلہ ابتدائی تعلیم کی سطح پر ایسے اسکولوں کا نہ ہونا ہے جہاں لڑکیاں آسانی سے جا سکیں۔ اس کے علاوہ لڑکیوں کے ہاسٹلوں، خاتون ٹیچروں اور تعلیم کے اگلے مرحلوں میں تعلیمی وظیفوں کی ناموجودگی بھی اہم رکاوٹیں ہیں۔

یہاں اس بات پر بھی زور دینے کی ضرورت ہے کہ محض خواندگی کی زیادہ قدر و قیمت نہیں ہے۔ خواندگی کے بجائے تعلیم ایک وسیع تر عمل ہے جس سے آدمی میں عقلیت پسندانہ اور استفہامی رویہ پیدا ہوتا ہے، اور نئے مواقع کی سمجھ حاصل ہوتی ہے۔ تعلیم کے ذریعے ان صلاحیتوں کو تاحیات فروغ دیا جاسکتا ہے اور تعلیم کو اگلی نسلوں تک منتقل کیا جاسکتا ہے تاکہ اس کے اثرات پھیلتے رہیں، جس کا ذکر سماجی علوم کے ماہرین نے بہت کیا ہے۔ لہذا بچوں کو اسکولوں میں داخل کرانا اور ان کا ایک کم سے کم عرصے تک وہاں رہنا ضروری ہے تاکہ وہ اسکولی تعلیم کا بخوبی فائدہ اٹھا سکیں۔

مختلف طبقوں کے درمیان تعلیمی معاملات میں ہونے والی تبدیلیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایس سی اور ایس ٹی طبقوں کو ان کی تعلیمی پیش رفت پر مرکوز سرکاری اور نجی زمرے کی کوششوں کا کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور پہنچا ہے۔ اس سے مثبت اقدام کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔ مسلمانوں کے لئے درکار مثبت اقدام کی نوعیت کا جائزہ لیا جانا چاہئے، اور اس کے ساتھ ہی ان کی اسکولی تعلیم اور اعلیٰ تعلیم کے مواقع میں اضافہ کرنے پر بھی توجہ مرکوز کی جانی چاہئے۔ مزید یہ کہ مسلمانوں کے بعض طبقوں کی پیشہ ورانہ سرگرمیوں کے پیش نظر ان طبقوں کے تعلیم مکمل نہ کر پانے والے لوگوں کی مہارتوں کو فروغ دینا بھی بطور خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اس موضوع پر ہم اگلے باب میں پھر گفتگو کریں گے۔ آخری باب میں بعض خصوصی پالیسی اقدامات کا ذکر کیا گیا ہے۔

مختلف طبقوں کے درمیان تعلیمی معاملات میں ہونے والی تبدیلیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایس سی اور ایس ٹی طبقوں کو ان کی تعلیمی پیش رفت پر مرکوز سرکاری اور نجی زمرے کی کوششوں کا کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور پہنچا ہے۔ اس سے مثبت اقدام کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔

معیشت اور روزگار: مسلمانوں کی صورت حال

1- تعارف

روزگار سے فرد اور اس کے کنبے کو قوت خرید فراہم ہوتی ہے جس کی بدولت وہ زندگی گزارنے کے وسائل اور اس کے ساتھ ہی بنیادی ضرورتوں کی تکمیل، آرام و آسائش اور خالی وقت گزارنے کے لئے اسباب حاصل کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ آمدنی میں اضافے کی صورت میں سرمایہ کاری بھی کی جاسکتی ہے۔ اس کے ذریعے پائیدار ایشیائے صرف خریدی جاسکتی ہیں اور تعلیم، صحت اور املاک حاصل کرنے کے شعبوں میں پیسہ لگایا جاسکتا ہے۔ اس قسم کی سرمایہ کاری آمدنی بڑھانے اور افراد اور معیشت کی نمو کو برقرار رکھنے میں مددگار ہوتی ہے۔ اس طرح مالی حیثیت میں اضافے سے حاصل ہونے والے اقتصادی فوائد بڑی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ روزگار کے بعض غیر اقتصادی فوائد بھی ہیں۔ یہ خیال کہ کوئی شخص کسی اہم اور قابل قدر سرگرمی میں لگا ہوا ہے اسے عزت نفس اور خوش حال ہونے کے احساس سے بھی ہم کنار کرتا ہے۔

روزگار سے فرد اور اس کے کنبے کو قوت خرید فراہم ہوتی ہے جس کی بدولت وہ زندگی گزارنے کے وسائل اور اس کے ساتھ ہی بنیادی ضرورتوں کی تکمیل، آرام و آسائش اور خالی وقت گزارنے کے لئے اسباب حاصل کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ آمدنی میں اضافے کی صورت میں سرمایہ کاری بھی کی جاسکتی ہے۔ اس کے ذریعے پائیدار ایشیائے صرف خریدی جاسکتی ہیں اور تعلیم، صحت اور املاک حاصل کرنے کے شعبوں میں پیسہ لگایا جاسکتا ہے۔ اس قسم کی سرمایہ کاری آمدنی بڑھانے اور افراد اور معیشت کی نمو کو برقرار رکھنے میں مددگار ہوتی ہے۔ اس طرح مالی حیثیت میں اضافے سے حاصل ہونے والے اقتصادی فوائد بڑی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ روزگار کے بعض غیر اقتصادی فوائد بھی ہیں۔ یہ خیال کہ کوئی شخص کسی اہم اور قابل قدر سرگرمی میں لگا ہوا ہے اسے عزت نفس اور خوش حال ہونے کے احساس سے بھی ہم کنار کرتا ہے۔

مادی اثاثوں (خاص طور پر زمین) اور انسانی سرمائے (خاص طور پر تعلیم) کی ملکیت نہ صرف روزگار کے مواقع کو متاثر کرتی ہے بلکہ اس سے روزگار کی نوعیتوں کا بھی تعین ہوتا ہے۔ ان اثاثوں تک رسائی بہت کم ہو تو لوگ محنت کے بازار میں بہت معمولی حیثیت ہی حاصل کر پاتے ہیں۔ روزگار، تعلیم اور مادی اثاثوں میں سرمایہ کاری کے درمیان ایک سرگرم تعامل ہوتا ہے۔ یہ کہا گیا ہے کہ تعلیم کے مثبت اثرات بڑی حد تک بازار (روزگار) کے مواقع پر منحصر ہوتے ہیں۔ روزگار کے حصول یا آمدنی کے زیادہ سے زیادہ امکانات پیدا کرنے والی تعلیم کے اقتصادی فوائد حاصل نہ ہوں تو انسانی سرمائے کی تشکیل کے لئے کوششیں نہیں کی جاسکتیں۔ اسی طرح مادی اثاثوں کا حاصل ہونے سے روزگار کے مواقع پیدا ہوتے ہیں تو روزگار میں اضافے سے نئے اثاثوں کی تشکیل کے لئے وسائل پیدا ہوتے ہیں۔

اس باب کے مندرجہ ذیل باہم متعلق مقاصد ہیں:

☆ مسلمانوں کے روزگار کے حالات کا تقابلی انداز سے تفصیلی جائزہ پیش کرنا

☆ ان کمزوریوں کی نوعیت کی تفتیش جن سے مسلم فرقہ روزگار کے شعبے میں دوچار ہے

☆ روزگار کے ان دائروں کی نشاندہی جہاں پالیسی سازی میں مسلمانوں کے کام کرنے کے حالات کو بہتر کرنے پر توجہ دی جاسکتی ہے

این ایس ایس او کے 61 ویں دور کے اعداد و شمار کو سماجی مذہبی طبقوں کے لحاظ سے روزگار کی حالت کو سمجھنے کے لئے آزادانہ طور پر استعمال کیا گیا ہے

بقیہ باب کو دس حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اگلے حصے میں جمع شدہ اعداد و شمار اور منہاجیات کا اجمالی بیان ہے۔ 3 تا 8 تک کے حصوں میں حالیہ دنوں تک کے تازہ ترین اعداد و شمار (این ایس ایس او، 61 واں دور) کا استعمال کرتے ہوئے ملک گیر سطح پر مسلم کارکنوں کے روزگار کی حالت اور حالات کی تلخیص پیش کی گئی ہے۔ تیسرے حصے میں کام میں حصے داری اور بے روزگاری کی شرح کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ مختلف سماجی۔



مذہبی طبقوں کے کارکنوں کی سرگرمیوں کی صورت حال (خود روزگاری، آجر، ملازم وغیرہ) کا بیان چوتھے حصے میں ہے۔ روزگار فراہم کرنے والے تجارتی اداروں کی قسموں اور کام کی جائے وقوع سے متعلق تجزیہ حصہ 5 میں فراہم کیا گیا ہے۔ اس کے بعد کے دو حصوں میں محنت کشوں کی صنعتی اور پیشہ ورانہ تفصیلات پیش کی گئی ہیں۔ حصہ 8 میں کارکنوں کے مختلف گروپوں میں اجرتوں اور روزگار کی ضمانت کا تقابلی جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ معلوم کرنے کے لئے کہ کیا مسلمانوں کے روزگار کے حالات میں مختلف ریاستوں میں کوئی اہم فرق پایا جاتا ہے، حصہ 9 میں ملک کی تمام بڑی ریاستوں میں روزگار کے حالات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ معلوم کرنا کہ کیا حالیہ برسوں میں روزگار کے حالات میں تبدیلی آئی ہے بہت اہم ہے۔ اس سلسلے میں ایک کوشش حصہ 10 میں تین ادوار 1993-94، 2000-1999 اور 2004-05 اعداد و شمار کے تجزیے کی بنیاد پر کی گئی ہے۔ آخری حصے میں اہم نتائج کی تلخیص پیش کی گئی ہے اور پالیسی اقدامات کی بعض صورتوں کی نشان دہی کی گئی ہے۔

2 اعداد و شمار اور منہاجیات

روزگار کے حالات کا تجزیہ نیشنل سیمپل سروے (این ایس ایس) کے اعداد و شمار کے ہر پانچ سالہ ادوار پر مبنی ہے۔ ہمارے تجزیے میں توجہ کا مرکز تازہ ترین 61 واں (2004-05) دور ہے مگر گذشتہ برسوں کے دوران بعض تقابلی مطالعوں کے لئے گذشتہ ادوار (1993-94) اور 1999-2000 کے 50 ویں ادوار کے اعداد و شمار بھی استعمال کئے گئے ہیں۔ جہاں ممکن ہوا، ہم نے اپنے تخمینوں کی صحت کا اندازہ کرنے کے لئے 2001 کی مردم شماری کے اعداد و شمار بھی استعمال کئے ہیں۔ جیسا کہ پہلے باب میں ذکر کیا گیا ہے، این ایس ایس کے اعداد و شمار کو موٹے طور پر چھ سماجی-مذہبی طبقوں کی تعریف مقرر کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ تقریباً تمام تخمینے ان میں سے ہر ایک زمرے کے لئے تیار کئے گئے ہیں۔ چونکہ مردم شماری کے اعداد و شمار ہمیں اس قسم کے زمرے قائم کرنے کی اجازت نہیں دیتے، اس لئے ان تمام عوامل کے لئے جن کا تقابل کیا گیا ہے این ایس ایس اعداد و شمار کی بنیاد پر قابل موازنہ زمروں کی نشان دہی کی گئی ہے۔

روزگار کی حالت کا تجزیہ عموماً آبادی/محنت کشوں کے 64-15 سال عمر کے لوگوں کے لحاظ سے کیا گیا ہے، جب تک کہ بصورت دیگر وضاحت نہ کر دی گئی ہو۔ بعض تجزیوں کے لئے (مثلاً بچہ مزدوری) دیگر عمر گروپوں پر بھی غور کیا گیا ہے۔ روزگار کی خصوصیات کا تجزیہ کرتے ہوئے، ہم نے ایک کارکن کی زیادہ بھرپور تعریف استعمال کی ہے اور بنیادی اور ذیلی حیثیت کے کارکنوں کو زیر نظر رکھا گیا ہے۔ نتیجتاً ان لوگوں کو بھی شمار کر لیا گیا ہے جو اپنا بہت ذرا سا وقت بطور کارکن صرف کرتے ہیں۔ مزید یہ کہ سال کے دوران اوسط حالات یا معمولہ حالت کی خصوصیات کا تجزیہ روزانہ یا ہفتہ وار حالت کے مقابلے میں کیا گیا ہے۔ 2

3 کارکن۔ آبادی تناسب اور بے روزگاری کی شرح

کارکن آبادی تناسب/شرح (ڈبلو پی آر) موٹے طور پر یہ اندازہ کرنے میں مدد دیتی ہے کہ کوئی خاص آبادی اقتصادی سرگرمی میں کس حد تک شریک ہے۔ جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے، کام حاصل کرنے کی صلاحیت اٹانٹوں (مادی اور دیگر) اور کام کے دست یاب ہونے کے مواقع سے

- 1 (این ایس ایس) مقرر کردہ تعریف کے مطابق زیر حوالہ مدت کے دوران کسی بھی اقتصادی سرگرمی میں مصروف لوگ، یہاں تک کہ اجرت نہ پانے والے مددگار بھی کارکنوں میں شمار کئے جائیں گے۔ کسی اقتصادی سرگرمی سے وابستگی کے دوران، اگر کوئی کارکن بیماری، سماجی تقریبات وغیرہ کی اسباب کے تحت عارضی طور پر کام نہیں بھی کرتا تب بھی اسے کارکن کے زمرے میں رکھا جائے گا۔ کسی شخص کی بنیادی سرگرمی کی حیثیت کا تعلق اس سرگرمی سے ہے جسے اس نے زیر حوالہ مدت کے دوران نسبتاً زیادہ وقت دیا ہو۔ اگر کوئی شخص زیر حوالہ مدت کے دوران پیشہ اوقات کام کرتا رہا ہو تو اسے بنیادی کارکن یا ایسا کارکن کہا جائے گا جس کی بنیادی حیثیت ایک کارکن کی ہو۔ لیکن اگر کسی شخص نے زیادہ وقت کام نہ کرتے ہوئے گزارا ہو مگر نسبتاً کم وقت کے لئے کوئی اقتصادی سرگرمی کی ہو تو اسے 'ذیلی' کارکن کہا جائے گا۔
- 2 روزگار کی معمولہ حالت کام کرنے کے سال کے دوران اوسط حالات کی نشان دہی کرتی ہے جب کہ روزانہ اور ہفتہ وار حالت بالترتیب کام کرنے کے ہفتے کے دوران ایک اوسط دن اور کام کرنے کے پورے ہفتے کے حالات کا احاطہ کرتی ہے۔

مشروط ہے۔ پھر یہ کہ خوش حال گھرانوں (مثلاً بڑے زمین جاگدوالے) کے لوگ (خاص طور پر خواتین) کام نہیں کرتے کیوں کہ ان کے لئے ایسا کرنے کی کوئی لازمی اقتصادی وجہ نہیں ہوتی۔ اثاثوں کی موجودگی میں، اگر دست یاب کام کسی شخص کی مرضی کا نہیں ہے تو وہ کام نہیں کرتا۔ کام سے متعلق یہ ترجیحی انتخاب مختلف سماجی، ثقافتی اور اقتصادی عوامل سے مشروط ہے۔ مزید یہ کہ روزگار کی ناموجودگی ایسے حالات بھی پیدا کر سکتی ہے کہ لوگ (خاص طور پر خواتین) کام کرنا ہی چھوڑ دیتے ہیں۔ عمرانیات کی اصطلاح میں اسے 'پست حوصلہ کارکن اثرات' (discouraged worker effect) کہا جاتا ہے۔ لہذا ڈبلیو آر کے درمیان فرق سے اثاثوں کا فرق اور روزگار کے مواقع کی نوعیت اور حجم ظاہر ہوتا ہے۔ اور ان کے درمیان پیچیدہ رابطوں کو سمجھنا پانا اکثر مشکل ہوتا ہے۔

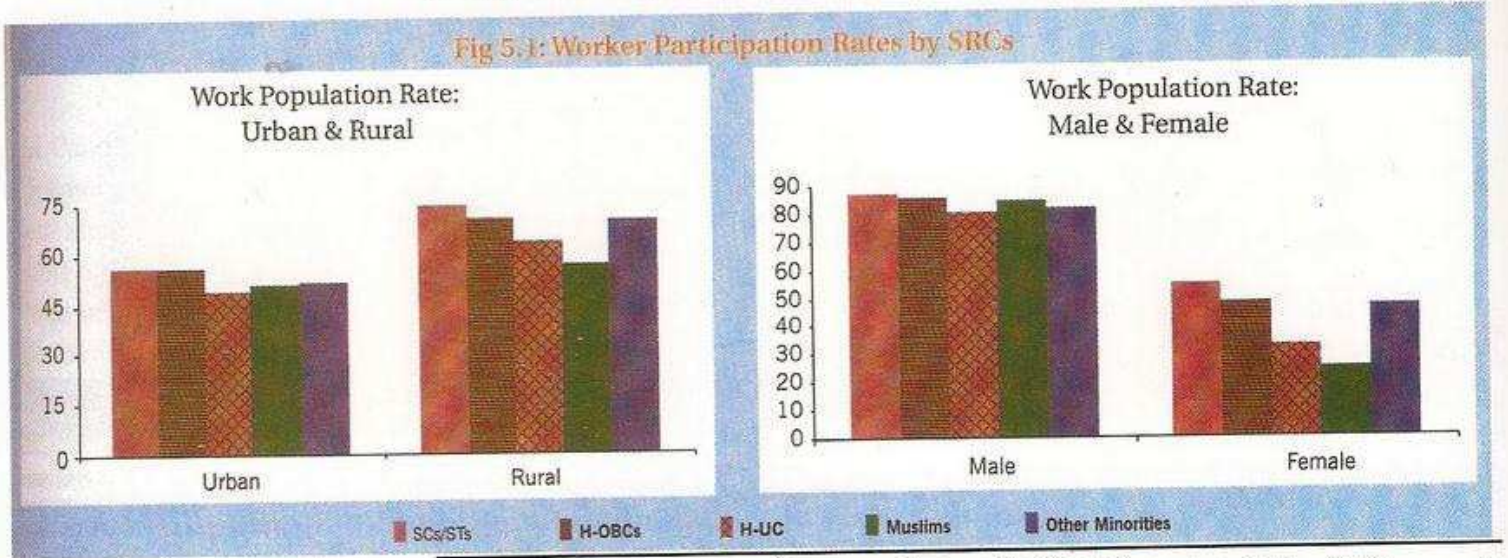
بے روزگاری کی شرح (یو آر) سے کارکنوں کی مجموعی تعداد میں روزگار کے لئے دست یاب اور روزگار چاہنے والے لوگوں کی تعداد کا تناسب ظاہر ہوتا ہے۔ ترقی پذیر ملکوں میں کھلی بے روزگاری (خاص طور پر معمولہ حالت) عموماً کم ہوتی ہے۔ اس کی ایک حد تک وجہ یہ ہے کہ غریبوں کی ایک بڑی تعداد بے روزگار رہنے کی تحمل نہیں ہو سکتی اور جو بھی کام ملتا ہے کر لیتی ہے۔ ایسے میں اگر ان کا روزگار سود مند نہ ہو تو بھی وہ پورے سال کہیں کام تلاش کرنے نہیں جاتے۔ اسی لئے روزانہ حالت والی روزگاری شرح کو معمولہ حالت والی روزگاری شرح پر ترجیح دی جاتی ہے۔

ان معاملات کے پیش نظر، اس باب میں ہم یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں گے کہ کیا مسلمان اقتصادی سرگرمیوں میں شرکت اور بے روزگاری کے معاملے میں دیگر سماجی۔ مذہبی طبقوں سے مختلف ہیں۔

مسلمانوں میں کام میں حصے
داری کی مجموعی طور پر کم شرحوں کا
سبب یہ ہے کہ بہت کم مسلم
عورتیں اقتصادی سرگرمیوں میں
حصہ لیتی ہیں

مسلمانوں میں دیہی علاقوں میں کارکن آبادی کی شرح دیگر سماجی۔ مذہبی زمروں کے مقابلے میں خاصی مگر شہری علاقوں میں تھوڑی سی ہی کم ہے۔ (دیکھئے شکل 5.1 اور جدول 5.1۔ تمام جدولیں اس باب کے آخر میں دی گئی ہیں)۔ مسلمانوں میں، کام میں مجموعی شرکت کی شرحوں کا کم ہونا لازمی طور پر مسلم عورتوں کی اقتصادی سرگرمی میں حد درجہ کم شرکت کا نتیجہ ہے۔ مختلف فرقوں کے مردوں سے متعلق ان شرحوں میں زیادہ فرق نہیں ہے۔ مسلم خواتین میں کام کرنے والی خواتین کی تعداد اعلیٰ ذات کے ہندو گھروں کی خواتین سے بھی بہت کم ہے جہاں خواتین کے کام کرنے پر سماجی و ثقافتی ممانعتیں ہیں۔

مجموعی طور پر ہندوستان میں 15-64 سال عمر کی تقریباً 44 فی صد خواتین کام کرنے والوں میں شامل ہیں جب کہ ایسے مردوں کی تعداد تقریباً 85 فی صد ہے۔ تاہم مسلم خواتین میں کام کرنے والیوں کی تعداد اوسطاً صرف تقریباً 25 فی صد ہے 3۔ دیہی علاقوں میں تقریباً 70 فی



2001 کی مردم شماری کے اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ مسلم خواتین کی کارکن آبادی شرحیں کم ہیں۔ مردم شماری کے تخمینوں کے مطابق ہندوستان میں تمام عمر گروپوں کے مسلم مردوں کی ڈبلیو آر دیگر تمام مذہبی فرقوں کی اوسط شرح 51.7 فی صد کے مقابلے میں 47.5 فی صد تھی۔ مسلم خواتین کے معاملے میں یہ صرف 14.1 فی صد تھی جب کہ

صد ہندو خواتین کام کرتی ہیں جب کہ ایسا کرنے والی مسلم خواتین کی تعداد صرف تقریباً 29 فی صد ہے۔ دیہی علاقوں میں اعلیٰ ذات کی ہندو خواتین تک میں کام کرنے والیوں کی تعداد خاصی زیادہ، 43 فی صد ہے۔ دیہی علاقوں میں کام کرنے والی خواتین کی تعداد کم ہونے کو اس طرح بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ مسلم کنبے (اور اسی لئے خواتین) زراعت میں کم حصہ لیتے ہیں۔ شہری علاقوں میں مسلم خواتین کی کارکن کی آبادی شرحیں اور بھی کم ہیں (18 فی صد) جس میں وجہ غالباً یہ ہے کہ گھروں میں خواتین کے لئے کام کرنے کے مواقع بہت محدود ہیں۔ مگر ان مواقع کا دیہی علاقوں میں زیادہ ہونا ممکن ہے کیوں کہ زمین کی ملکیت (اگرچہ محدود) کے سبب ان علاقوں میں مسلم خواتین کی حصے داری قدرے زیادہ ہو جاتی ہے۔

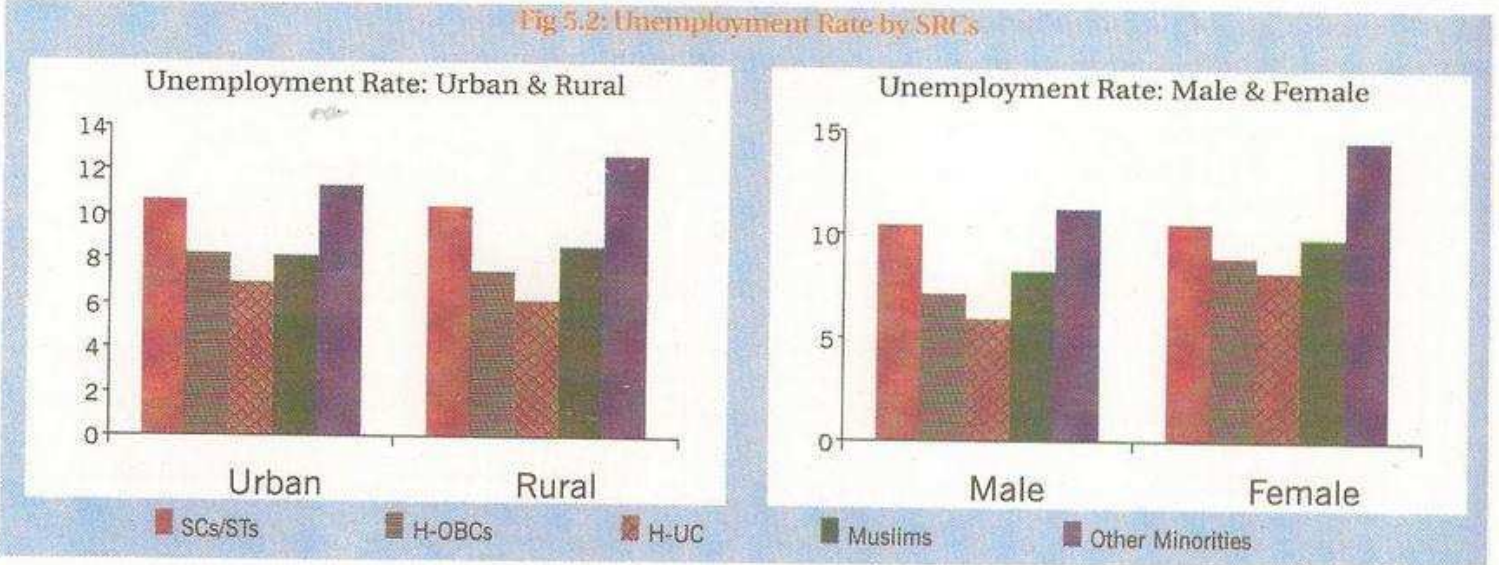
مسلم خواتین سے متعلق کارکن آبادی شرح تمام سماجی، مذہبی طبقوں کے مقابلے میں سب سے کم ہے جو شہری علاقوں میں اور بھی کم ہے

مسلم خواتین کی کام میں حصے داری کی کم شرحوں کا ایک سبب یہ ہو سکتا ہے کہ مسلم فرقے میں نوجوانوں کی نسبتاً زیادہ حصے داری کے نتیجے میں خواتین کا دوسروں پر انحصار بڑھ جاتا ہے اور وہ گھروں ہی میں رہتی ہیں۔ ہم تیسرے باب میں دیکھ چکے ہیں کہ مجموعی آبادی کے مقابلے میں مسلم آبادی زیادہ نوعمر ہے۔ مجموعی آبادی میں 23 فی صد کی عمر 10 سال سے کم ہے (یعنی 9-10 سال تک)۔ اس عمر کی مسلم آبادی کی تعداد 27 فی صد ہے۔ مزید یہ کہ 10 سے 14 سال کے عمر گروپ میں مسلمانوں کی تعداد دو فی صد زیادہ ہے۔ تاہم معمر لوگوں کی حصے داری عام آبادی اور مسلم آبادی دونوں میں زیادہ نہیں ہے۔ لہذا بڑی عمر والوں پر انحصار زیادہ نہیں ہے۔ کم عمر پر انحصار مجموعی کارکن آبادی شرحوں کو کس طرح متاثر کرتا ہے؟ عمر سے مخصوص کارکن آبادی شرحیں ظاہر کرتی ہیں کہ مسلمانوں میں دیہی اور شہری دونوں علاقوں، حصے داری کی شرحیں، مردوں اور خواتین دونوں کے تمام عمر گروپوں میں کم ہیں۔ (ضمیمہ جدول 5.1)۔ لہذا کم عمر انحصار مسلمانوں میں کم کارکن۔ آبادی شرحوں کا سبب معلوم نہیں ہوتی۔

سب سے قابل توجہ پہلو یہ ہے کہ خود روزگاری کی سرگرمیوں میں مسلم کارکنوں کی حصے داری نسبتاً زیادہ ہے۔ یہ بات شہری علاقوں اور خاتون کارکنوں کے تعلق سے زیادہ نمایاں ہے

روزانہ حالت پر مبنی بے روزگاری شرحیں (شکل 5.2 اور جدول 5.2) 11 فی صد سے زیادہ نہیں ہیں۔ مجموعی لحاظ سے تمام مسلمانوں میں (مجموعی طور پر) بے روزگاری کی شرحیں تمام ہندوؤں کے مقابلے میں قدرے زیادہ ہیں مگر یہ گروپ کے اندر بھی فرق پایا جاتا ہے۔ عموماً، ہندوؤں میں یہ شرحیں دوسری ذاتوں، خاص طور پر ایس سی اور ایس ٹی کے مقابلے میں کم ہیں۔ مسلمانوں (مرد، عورت، دیہی اور شہری) میں بے روزگاری کی شرحیں ایس سی/ایس ٹی کے مقابلے میں کم مگر ہندو اعلیٰ ذات سے زیادہ ہیں۔ یہ شرحیں شہری علاقوں کو چھوڑ کر ہر جگہ ہندو ادنیٰ ذات سے بھی زیادہ ہیں۔ 4

Fig 5.2: Unemployment Rate by SRT's



4 سرگرمی کی نوعیت کے مطابق کارکنوں کی تقسیم

کارکن۔ آبادی شریں اس بات کا اشاریہ ہیں کہ اقتصادی سرگرمیوں میں کس فرقے کا کتنا حصہ ہے مگر سرگرمی کی حالت اس کا بیان کرتی ہے کہ کارکن ان سرگرمیوں میں کن حیثیتوں میں شریک ہیں۔ مثلاً کوئی کارکن خود اپنے طور پر کوئی کام کر سکتا ہے یا ملازم ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ، وہ تنخواہ پر کام کر سکتا ہے یا روزانہ اجرت پر۔ اعداد و شمار کی بنیاد پر ہم کارکنوں کی مندرجہ ذیل حیثیتوں کی نشان دہی کر سکتے ہیں:

☆ خود روزگاری، گھر میں کام کی صورت میں جیسے

خود اپنا کام/آجر/ بلا اجرت گھریلو کارکن

☆ باضابطہ تنخواہ/ اجرت دار

سرکاری زمرے میں/ انجی زمرے میں

☆ غیر باضابطہ اجرت دار مزدور

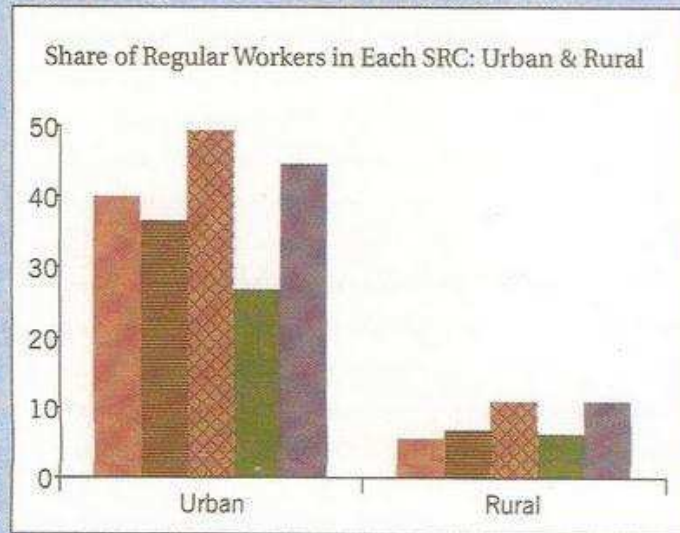
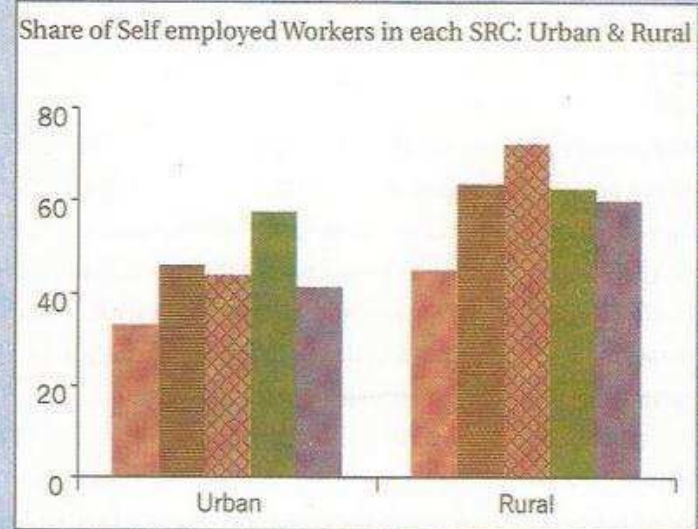
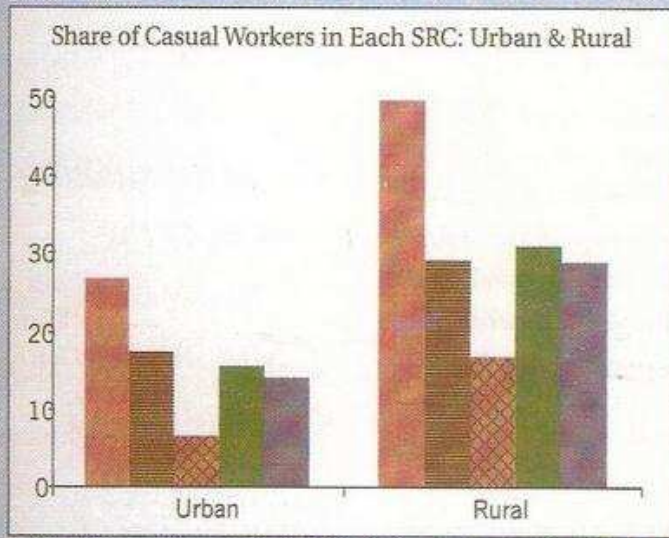
☆ پبلک ورکس/ دیگر کام

اگرچہ سرگرمی کی حالتوں کی درجہ بندی کر پانا مشکل ہے کیوں کہ مختلف حالتوں کے تحت ہونے والی آمدنی میں خاصا فرق ہوتا ہے، مگر یہ بلا خوف کہا جاسکتا ہے کہ خود روزگاری کے زمرے میں، دیگر دونوں زمروں کی بہ نسبت کسی شخص کے خوش حال ہونے کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔ اسی طرح، کارکن باضابطہ تنخواہ یا اجرت میں دینے والے کام کو اجرت پر مبنی اتفاقی کام پر ترجیح دیتے ہیں۔ یہ معلوم کرنا اہم ہے کہ کیا مسلم کارکن بڑی تعداد میں مخصوص قسم کی سرگرمی کی حالتوں کے تحت آتے ہیں۔

4.1 خود روزگاری سے متعلق سرگرمیوں سے وابستہ تعداد

سب سے قابل توجہ بات یہ ہے کہ مسلم کارکنوں کی نسبتاً زیادہ بڑی تعداد خود روزگاری کی سرگرمیوں سے وابستہ ہے (شکل 5.3 اور جدول 5.4) یعنی تقریباً 61 فی صد جب کہ ایسے ہندو کارکنوں کی تعداد تقریباً 55 فی صد ہے۔ شہری علاقوں میں یہ تناسب مسلمانوں کے لئے 54 فی صد اور ہندوؤں کے لئے 43 فی صد ہے۔ خواتین کے معاملے میں یہ تعداد 73 فی صد مسلمانوں میں اور 60 فی صد ہندوؤں میں ہے۔ ہم بعد میں دیکھیں گے کہ خود روزگاری کے زمرے میں، مسلمان غیر زراعتی سرگرمیوں کے مقابلے میں زراعتی سرگرمیوں میں کم شریک ہیں۔ مسلم فرقے میں، خود روزگاری پر انحصار عام مسلمانوں (59 فی صد) کے مقابلے میں اولیٰ سی میں زیادہ (64 فی صد) ہے (دیکھئے دسواں باب)۔ ہندوؤں میں، خود روزگاری پر انحصار ایس سی/ ایس ٹی میں نسبتاً کم، 43 فی صد، اولیٰ سی (51 فی صد) اور ہندو اعلیٰ ذاتوں (55 فی صد) میں خاصا زیادہ ہے۔ خود روزگاری کی سرگرمیوں میں زیادہ شرکت کے پیش نظر قرضوں کی دست یابی مسلمانوں کے لئے دیگر سماجی۔ مذہبی طبقوں کے مقابلے میں زیادہ اہم ہے۔ ہم اس موضوع پر چھٹے باب میں پھر غور کریں گے۔

Fig 5.3: Activity Status by SRCs in Urban and Rural Areas by SRCs



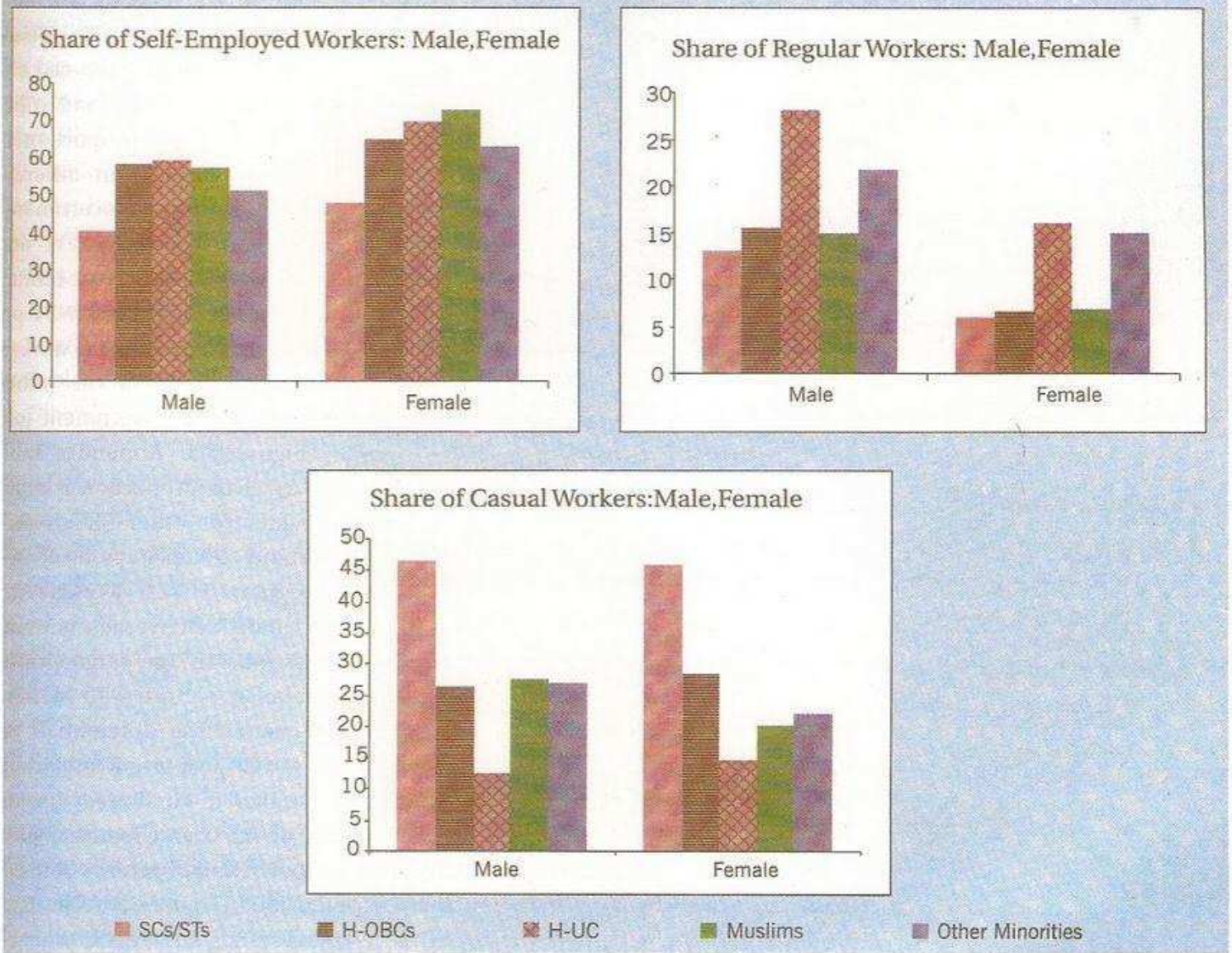
■ SCs/STs ■ H-OBCs ■ H-UC ■ Muslims ■ Other Minorities

4.2 بانخواہ کاموں میں کم شرکت

کارکنوں کے طور پر، مسلمان عموماً اتفاقی مزدوروں کے طور پر کام کرتے ہیں (شکلیں 5.3 اور 5.4 اور جدول 5.3 اور 5.4)۔ ایس/ایس/ایس ٹی کارکنوں کی طرح، بانخواہ کاموں میں مسلمانوں کی بھی حصے داری بہت کم ہے (سرکاری اور نجی دونوں زمروں میں)۔ مجموعی طور پر، جب کہ 25 فی صد ہندو اعلیٰ ذاتوں کے کارکن باضابطہ کاموں میں لگے ہیں، ان کاموں سے متعلق مسلمانوں کی تعداد صرف تقریباً 13 فی صد ہے۔ ایس/ایس/ایس ٹی کارکنوں کی حالت بھی اس سے بہتر نہیں ہے۔ دراصل ایس/ایس/ایس ٹی کارکنوں کی سرگرمیوں کی صورت حال میں اتفاقی مزدوروں کی تعداد حاوی ہے اور اس گروپ کے 46 فی صد کارکن اس قسم کے کام میں لگے ہوئے ہیں۔

باضابطہ کاموں میں زیادہ حصہ نہ ہونا، خاص طور پر سرکاری زمرے میں، مسلمانوں کے لئے عام طور پر باعث تشویش رہا ہے۔ جدول 5.3 اور 5.4 میں پیش کردہ تخمینوں سے اس تشویش کو تقویت ملتی ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، باضابطہ کاموں کے معاملے میں، اگر مجموعی تخمینوں اور

Figure 5.4: Activity Status of Male and Female Workers



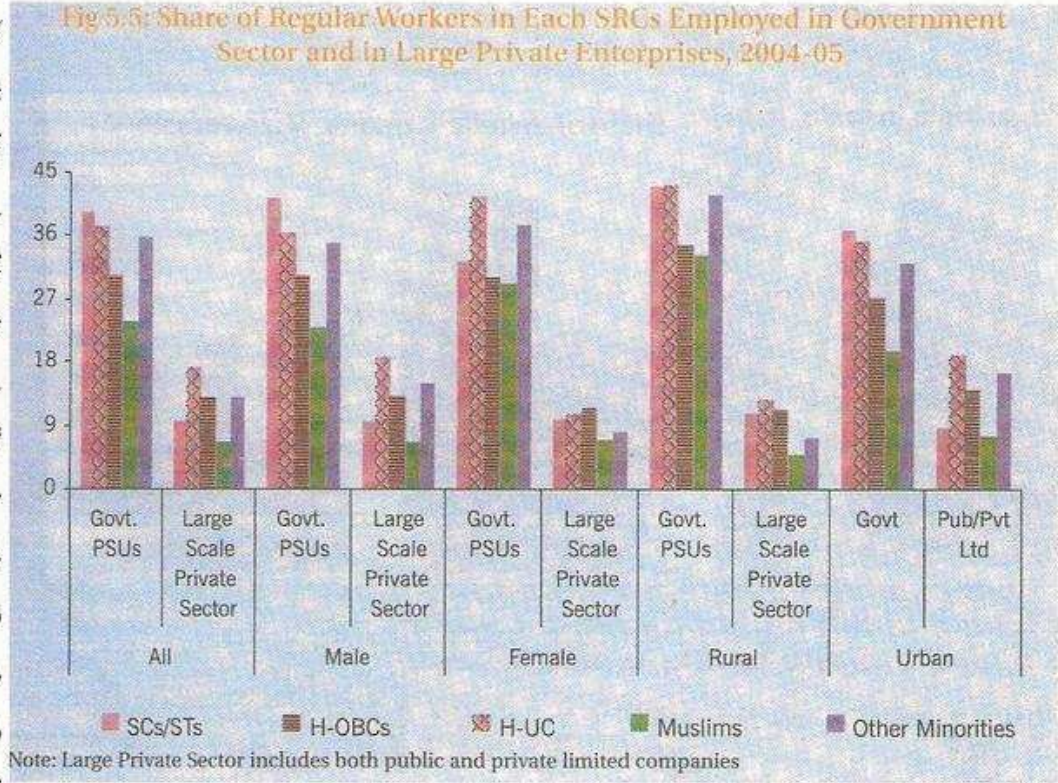
مرد اور خاتونوں کے تنظیموں کا الگ الگ موازنہ کیا جائے (جدول 5.3) تو مسلمانوں کی حالت اوبی سی اور ایس سی/ایس ٹی ہندوؤں سے زیادہ مختلف نظر نہیں آتی۔ تاہم اگر شہری علاقوں میں کارکنوں کی سرگرمی کی حالتوں پر غور کیا جائے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ باضابطہ کاموں میں مسلمانوں کی حصے داری ہمیشہ سے محروم ایس سی/ایس ٹی طبقوں سے بھی کم ہے۔ شہری علاقوں میں صرف تقریباً 27 فی صد مسلمان باضابطہ کاموں میں ہیں جب کہ ایس سی/ایس ٹی، اور اوبی سی اور ہندو اعلیٰ ذاتوں میں ایسے کارکنوں کی تعداد بالترتیب 36، 40 اور 49 فی صد ہے (شکل 5.3)۔

شہری علاقوں میں، باضابطہ کاموں میں مسلمانوں کی حصے داری ہمیشہ سے محروم ایس سی/ایس ٹی طبقوں تک کے مقابلے میں خاصی کم ہے

باضابطہ کارکن نسبتاً چھوٹے غیر منظم کاموں میں بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ تاہم بڑے کاروباروں میں باضابطہ کام زیادہ پائیدار اور نفع بخش ہوتے ہیں۔ سماجی تحفظ اور دیگر فوائد کی وجہ سے ایسے کاموں کی طلب عموماً زیادہ ہوتی ہے۔ حکومت/سرکاری زمرے/انجی زمرے کی کمپنیوں میں مختلف سماجی-مذہبی طبقوں کے باضابطہ کارکنوں کی تعداد کتنی ہے؟ سرکاری زمرے یا سرکاری ملازمتوں میں مسلم باضابطہ کارکنوں کی تعداد 27 فی صد سے کم ہے (شکل 5.5، ضمیمہ جدول 5.2)۔ 5۔ یہ تناسب دیگر سماجی-مذہبی طبقوں سے خاصا زیادہ ہے۔ ان ملازمتوں میں باضابطہ ایس

5 مذکورہ شکل میں حکومت/سرکاری زمرے کے اداروں/بڑے انجی زمرے کے اداروں میں زیر ملازمت ہر سماجی-مذہبی طبقے کے باضابطہ کارکنوں کی تعداد دکھائی گئی ہے۔ یہ کارکن چھوٹے کاروباروں میں بھی باضابطہ کارکنوں کی حیثیت سے گنے ہو سکتے ہیں۔

سی/ایس ٹی کارکنوں کی تعداد تقریباً 39 فی صد ہے جب کہ ہندو اعلیٰ ذاتوں اور ہندو او بی سی کے باضابطہ کارکنوں کی تعداد بالترتیب 37 فی صد اور 30 فی صد ہے۔ بڑے نجی تجارتی اداروں میں باضابطہ ملازمتوں میں حصے داری کا بھی یہی معاملہ ہے جہاں مسلمانوں کا حصہ ہندو ایس سی/ایس ٹی کارکنوں کو چھوڑ کر باقی سب سے کم ہے۔ یہ صورت حال شہری علاقوں میں اور بھی نمایاں ہے جہاں ان ملازمتوں میں مسلم کارکنوں کی موجودگی نسبتاً بہت کم ہے۔ دیہی علاقوں میں بھی یہی حالات ہیں لیکن تمام سماجی۔ مذہبی طبقوں میں ہی حصے داری کی شرحیں کم ہیں۔ سرکاری اور نجی زمرے کی بڑی ملازمتوں میں مرد اور خاتون باضابطہ کارکنوں کی حصے داری کا فرقہ بندی بھی یہی ہے۔ ان حد درجہ مطلوب کاموں میں مسلم کارکنوں کی تعداد سب سے کم ہے (شکل



(5.5)۔ سرکاری ملازمتوں میں ایس سی/ایس ٹی کارکنوں کی بڑی تعداد بہت نمایاں ہے۔ یہ غالباً ان طبقوں سے متعلق ریزرویشن کی مثبت امتیازی پالیسیوں کا نتیجہ ہے۔

4.3 حکومت اور سرکاری زمرے کے اداروں میں روزگار

حکومت/سرمکاری زمرے میں مسلمانوں کی کم حصے داری کا اندازہ مختلف سرکاری محکموں اور سرکاری زمرے کے اداروں کے ذریعے کمیٹی کو فراہم کردہ اعداد و شمار سے بھی کیا جاسکتا ہے۔ اس کا زیادہ تفصیلی تجزیہ نویں باب میں کیا گیا ہے۔ یہاں صرف اتنا ذکر کافی ہوگا کہ بیشتر محکموں اور سرکاری زمرے کے اداروں میں مسلم کارکنوں کی تعداد 5 فی صد سے زیادہ نہیں ہے۔ ریاستی حکومتوں کے محکموں اور ریاستی سطح کے سرکاری زمرے کے اداروں کے اعداد و شمار میں مرکزی سطح کی یہ نسبت مسلمانوں کی کچھ زیادہ نمائندگی ظاہر ہوتی ہے۔ تاہم تفصیلی معلومات سے پتہ چلتا ہے کہ سرکاری زمرے کے مسلم، او بی سی اور ایس سی/ایس ٹی کارکنوں کی نسبتاً زیادہ بڑی تعداد چھٹی سطح کی ملازمتوں سے متعلق ہے جب کہ ہندو اعلیٰ ذاتوں کے کارکنوں کی تعداد اونچے عہدوں پر زیادہ ہے (دیکھئے نواں باب)۔ مزید یہ کہ نویں باب میں تجزیہ شدہ اعداد و شمار سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ کل ہندسوں کا ڈرون میں سے کسی میں بھی مسلمانوں کا حصہ 5 فی صد سے زیادہ نہیں ہے۔

5 کاروبار کی نوعیت اور کام کی جگہ کے مطابق کارکنوں کی تعداد

پچھلے حصے میں ذکر کیا گیا تھا کہ مسلم کارکنوں کی سب سے بڑی تعداد خود روزگاری کی سرگرمیوں اور اس کے بعد اتفاقاً مزدوری سے وابستہ ہے جب کہ باضابطہ ملازمتوں، خاص طور پر حکومت/سرمکاری زمرے میں مسلمانوں کی حصے داری بہت کم ہے۔ زیر نظر حصے میں ان کاروباروں سے متعلق معلومات پیش کی گئی ہے جہاں مسلم کارکنوں کی غالب تعداد پائی جاتی ہے۔ 61 ویں دور کے تخمینوں کی بنیاد پر کاروباروں کو موٹے طور پر مندرجہ ذیل زمروں میں رکھا جاسکتا ہے۔

- ☆ ذاتی ملکیت والے کاروبار (مع مرد/خاتون مالکان)
- ☆ شرکت دارانہ (ایک ہی گھر کے افراد/یاددوسروں کے ساتھ)
- ☆ حکومت/سرکاری زمرے کا ادارہ
- ☆ پبلک/پرائیویٹ لمیٹڈ کمپنی
- ☆ دیگر

حکومت/سرکاری زمرے اور پبلک اور پرائیویٹ لمیٹڈ کمپنیاں باضابطہ زمرے میں آتی ہیں جب کہ دیگر کاروبار غیر باضابطہ زمرے کے تحت آتے ہیں۔ لہذا ان زمروں سے ہمیں غیر باضابطہ/باضابطہ کا فرق معلوم ہوتا ہے اور حکومت کے فراہم کردہ روزگار کے بارے میں بہتر اندازہ قائم کرنے کا موقع ملتا ہے۔ سرکاری زمرے کے باضابطہ کاموں کے مذکورہ بالا تخمینوں میں سرکاری زمرے میں دست یاب اتفاقی کام کو شامل نہیں کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے سرکاری ملازمتوں سے متعلق یہ تخمینے زیادہ بھرپور ہیں۔

5.1 غیر باضابطہ خود اپنے کاروبار سے وابستہ تعداد

مسلم کارکنوں کی نمایاں طور پر خاصی بڑی تعداد چھوٹے ذاتی ملکیت کے کاروباروں سے وابستہ ہے اور باضابطہ زمرے میں ان کی حصے داری قومی اوسط سے نمایاں طور پر کم ہے

اس لحاظ سے کہ مسلمان زیادہ بڑی تعداد میں خود روزگاری پر بھروسہ کرتے ہیں، جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے، مختلف سماجی۔ مذہبی طبقوں میں کاروباروں کی نوعیت کے مطابق کارکنوں کی تعداد پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ (جدول 5.5 اور 5.6) مسلم کارکنوں کی خاصی بڑی تعداد چھوٹے ذاتی ملکیت والے کاروباروں سے وابستہ ہے اور باضابطہ زمرے کے روزگار میں ان کا حصہ قومی اوسط سے نمایاں طور پر کم ہے۔ زیادہ خصوصی طور پر دیکھا جائے تو ان تخمینوں سے مسلم روزگار کے مندرجہ ذیل دلچسپ پہلو سامنے آتے ہیں۔

☆ دیگر تمام سماجی۔ مذہبی طبقوں کے تقابل میں، مسلمانوں کی خاصی بڑی تعداد (مرد اور خواتین دونوں) ذاتی ملکیت والے کاروباروں سے وابستہ ہے۔ یہ بات شہری علاقوں میں زیادہ نمایاں ہے۔

☆ خواتین کی ملکیت والے کاروباروں میں خاتون کارکنوں کی تعداد مسلمانوں میں خاصی زیادہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دیگر سماجی۔ مذہبی طبقوں کے مقابلے مسلمانوں میں خواتین کے ذریعے چلائے جانے والے خود اپنے کاروباروں کا چلن زیادہ ہے۔ تاہم چون کہ مسلم خواتین کے کاروبار زیادہ تر گھروں میں مرکوز ہوتے ہیں اس لئے وہ عموماً ذیلی ٹھیکیداروں کے تحت حاصل ہونے والے کام کرتی ہیں جن میں آمدنی کم ہوتی ہے۔ 6

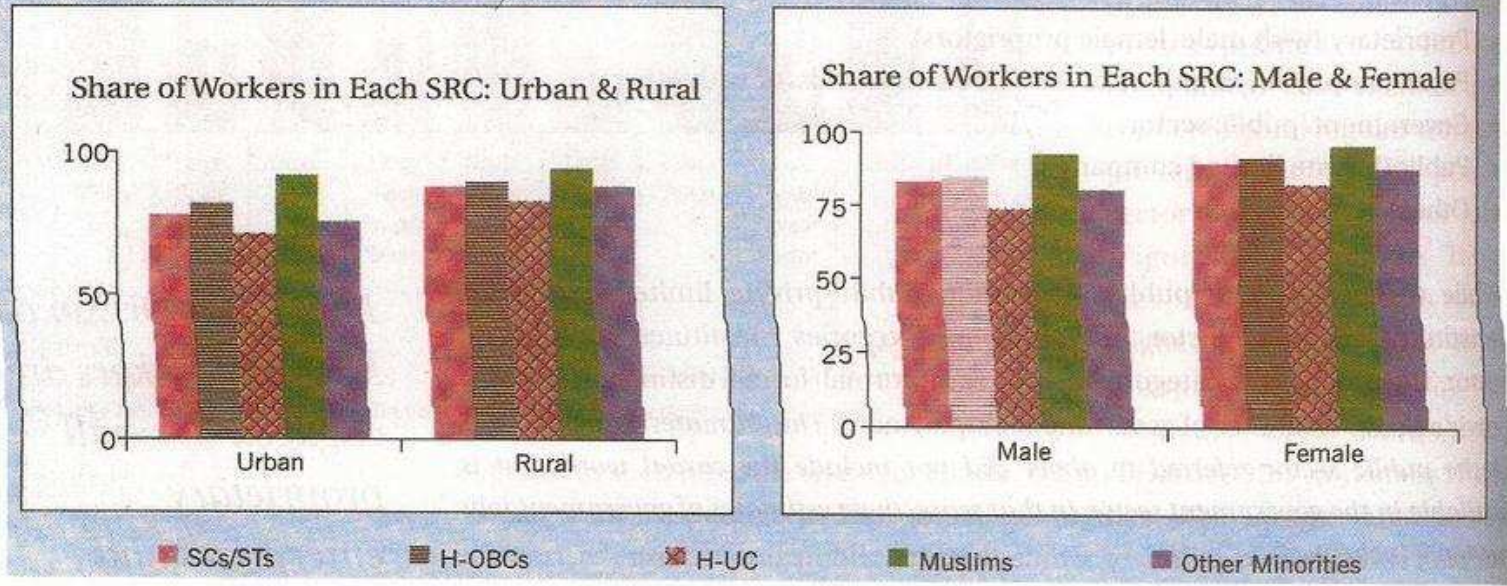
☆ سرکاری زمرے یا حکومت کے اداروں میں مسلم کارکنوں کا حصہ تمام سماجی۔ مذہبی طبقوں میں سب سے کم ہے۔ مثلاً مسلم مرد کارکنوں کی 6 فی صد سے کم تعداد ان کاموں سے وابستہ ہے جب کہ ان کاموں سے وابستہ تمام مرد کارکنوں کی اور ہندو مرد کارکنوں کی تعداد کا تناسب بالترتیب 10 فی صد سے زیادہ اور 13 فی صد ہے۔ ان کاموں میں او بی سی اور ایس سی/ایس ٹی تک کا حصہ مسلمانوں سے زیادہ ہے۔ یہی صورت حال خاتون کارکنوں اور شہری اور دیہی دونوں علاقوں میں بھی پائی جاتی ہے۔

غیر باضابطہ زمرے کے کاروباروں میں مسلم کارکنوں کا حصہ بہت زیادہ ہے

☆ دیگر سماجی۔ مذہبی طبقوں کے تقابل میں، غیر باضابطہ زمرے کے کاروباروں میں مسلم کارکنوں کا حصہ بہت زیادہ ہے۔ مثال کے طور

6 چند تخمینوں کے لئے دیکھئے اگلا ذیلی حصہ۔ آئی (2006) نے بھی 55 ویں دور (2000-1999) کے اعداد و شمار کی بنیاد پر اس طریقے کی نشان دہی کی ہے۔ ان کے تجزیے سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ایسی خواتین کا تعلق عموماً غریب گھروں سے ہوتا ہے

Fig 5.6. Participation in Informal Sector by SRCs



پر، شہری علاقوں کے 8 فی صد سے کم مسلم کارکن باضابطہ زمرے میں برسر روزگار ہیں جب کہ اس سلسلے میں قومی اوسط 21 فی صد ہے۔ شہری علاقوں میں اس قسم کے کاموں سے متعلق ہندو اور بی سی اور ایس سی/ ایس ٹی کارکنوں کی تعداد بالترتیب 18 فی صد اور 20 فی صد ہے۔ یہی قرینہ مرد اور خاتون کارکنوں اور شہری و دیہی علاقوں میں بھی نظر آتا ہے۔ (شکل 5.6) 7

5.2 گھروں پر مبنی کام اور خوانچہ فروشی نسبتاً زیادہ

غیر باضابطہ سرگرمیوں میں لگے ہوئے مسلم کارکنوں کی اقتصادی کمزوری نمایاں ہو جاتی ہے جب ہم کام کے جائے وقوع کے لحاظ سے کارکنوں کی تعداد پر نظر ڈالتے ہیں (جدول 5.7 اور شکل 5.7)۔ یہ بات کہ مسلم کارکنوں کی ایک بڑی تعداد اپنے گھروں میں مرکوز خود اپنے کاروباروں سے وابستہ ہے، خود روزگاری پر مسلم کارکنوں کے زیادہ بھروسہ کرنے کی صورت حال کے عین مطابق ہے جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ ان اعداد و شمار سے دو اور پہلو سامنے آتے ہیں۔ ایک یہ کہ سڑکوں پر خوانچہ فروشی (عموماً کسی مقررہ جگہ پر نہیں) کرنے والے مسلم کارکنوں کی تعداد دیگر سماجی، مذہبی طبقوں کے تقابل میں بہت زیادہ ہے۔ 12 فی صد زیادہ مرد مسلم کارکن سڑکوں پر خوانچہ فروشی کرتے ہیں جب کہ اس کا قومی اوسط 8 فی صد سے کم ہے۔ دوسرے یہ کہ اپنے گھروں میں مرکوز کاروبار کرنے والی مسلم خواتین کی تعداد دیگر تمام کارکنوں کی تعداد (51 فی صد) سے کہیں زیادہ (70 فی صد) ہے۔ سڑکوں پر خوانچہ فروشی کرنے والوں کی اتنی بڑی تعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلم کارکن اقتصادی طور پر بہت کم زور ہیں جب کہ بڑی تعداد میں مسلم خواتین کا گھروں میں مرکوز کاروبار میں مصروف ہونا ان کے گھر کے باہر نکلنے کے مواقع اور ان کے کام کرنے پر عائد دیگر پابندیوں کو نمایاں کرتا ہے جن سے خواتین آج بھی دوچار ہیں۔ بہت سے معاملوں میں، روایتی پابندیاں آج بھی خواتین کے گھر سے باہر جا کر کام کرنے میں حائل ہیں۔ یہ بات مسلم خواتین کے لئے بطور خاص درست ہے مگر ہندو اعلیٰ ذات کی خواتین کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے۔ اس سے ان کاموں کا دائرہ بھی محدود ہو جاتا ہے جو خواتین کر سکتی ہیں اور انہیں اکثر ذیلی ٹھیکیداروں کے استحصال کا شکار ہونا پڑتا ہے۔ مزید یہ کہ خواتین پر گھر کی ذمہ داری بھی ہوتی ہے (بچوں سمیت) اس لئے ان کے لئے اپنے گھر یا محلے سے باہر جا کر کام کرنا دشوار ہوتا ہے۔

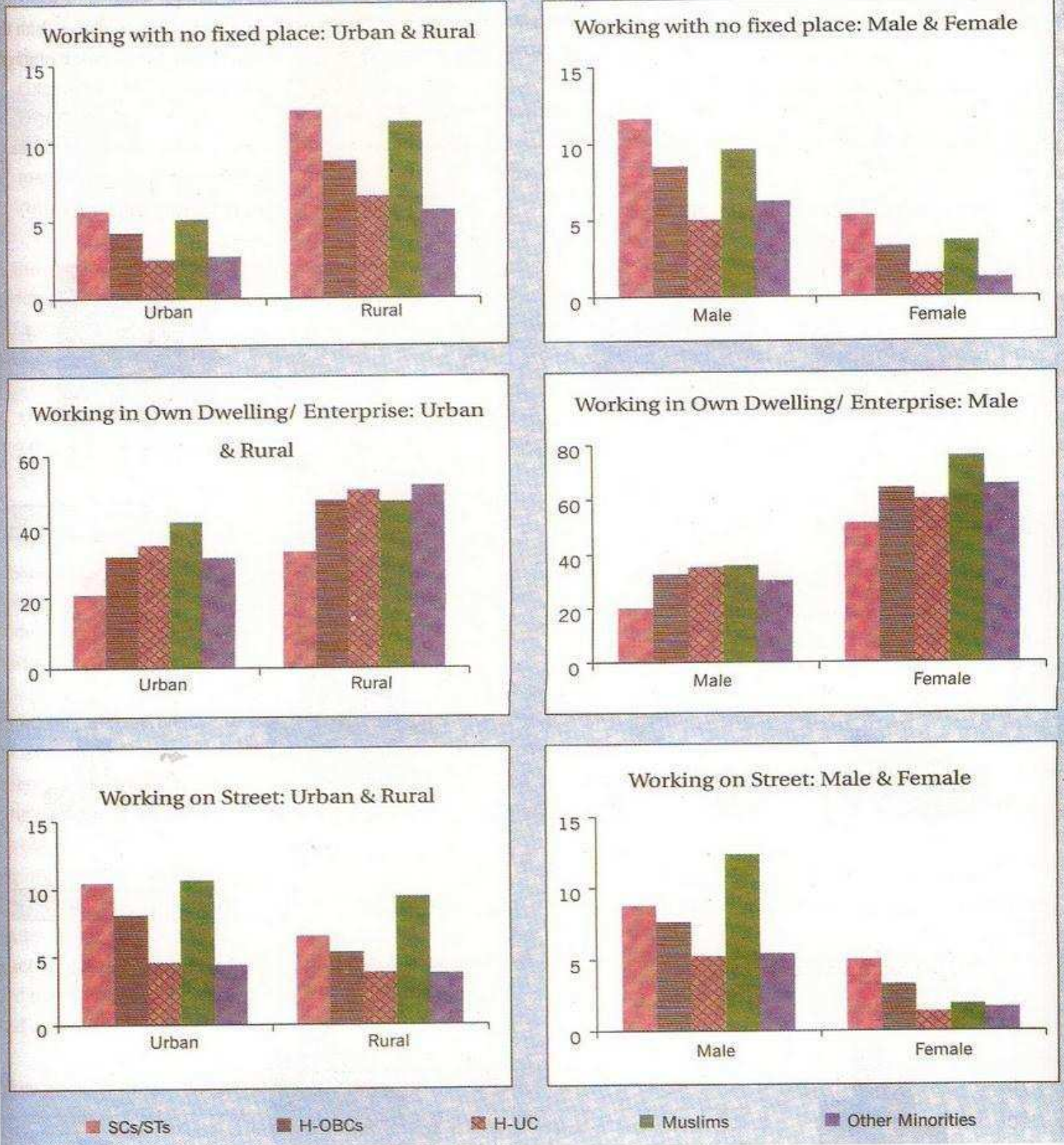
اپنے گھر میں رہ کر کاروبار کرنے والی مسلم خواتین کافی صد تناسب دیگر تمام کارکنوں کے مقابلے (15 فی صد) بہت زیادہ (70 فیصد) ہے

7 ان تمام کاموں میں، باضابطہ زمرے (بشمول سرکاری زمرہ) میں ادنیٰ ہی مسلمانوں کی حصے داری بطور خاص کم ہے۔ ان اعداد و شمار کے ایک حصے سے بحث دسویں باب میں شامل ہے۔

6 صنعتی گروپوں کے مطابق کارکنوں کی تعداد

ہم دیکھ چکے ہیں کہ دیگر سماجی - مذہبی طبقوں کی بہ نسبت مسلم کارکنوں کی خاصی بڑی تعداد غیر باضابطہ خود روزگاری پر مبنی اقتصادی سرگرمیوں میں

Fig 5.7: Share of Workers in Each SRC according to Location of Work



شریک ہے۔ اگلا تجزیہ طلب موضوع یہ ہے کہ کیا مسلم کارکن بڑی تعداد میں مخصوص صنعتی گروپوں سے وابستہ ہیں۔ جدول 5.9 اور 5.10 میں، تمام سماجی، مذہبی طبقوں کے کارکنوں کی صنعتی وابستگی، مرد اور خاتون کارکنوں اور شہری و دیہی علاقوں کے لئے الگ الگ ظاہر کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں مسلم اور دیگر کارکنوں کے درمیان چند دلچسپ فرق مندرجہ ذیل ہیں:

☆ زراعتی سرگرمیوں میں مسلم کارکنوں کی 40 فی صد سے کم تعداد زراعت سے وابستہ ہے جب کہ مجموعی طور پر تمام کارکنوں کے معاملے میں یہ تعداد تقریباً 58 فی صد ہے۔ یہ تناسب خاتون کارکنوں میں 52 فی صد، 74 فی صد کے مقابلے میں (مرد کارکنوں 36 فی صد، 50 فی صد کے مقابلے میں) سے زیادہ ہے۔ ہندوؤں میں، اعلیٰ ذاتوں کے مقابلے میں او بی سی اور ایس سی/ایس ٹی کی زیادہ بڑی تعداد زراعت سے وابستہ ہے۔

☆ زراعت میں مسلم کارکنوں کی حصے داری دیگر گروپوں کے مقابلے میں بہت کم ہے مگر صنعتی پیداوار اور تجارت میں مسلم کارکنوں (خاص طور پر مرد) کی تعداد دیگر سماجی، مذہبی طبقوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے۔ اس کے علاوہ یہ کہ تعمیراتی سرگرمیوں میں بھی ان کا حصہ زیادہ ہے۔

مختلف صنعتی زمروں (غیر زراعتی) روزگار کی زیادہ تفصیلی تفتیش (ضمیمہ جدول 5.3) سے ظاہر ہوتا ہے کہ مندرجہ ذیل پیداواری صنعتوں میں مسلمانوں کی شرکت دیگر سماجی، مذہبی طبقوں کے مقابلے میں نسبتاً زیادہ ہے:

(1) تمباکو مصنوعات کی پیداوار (بطور خاص مسلم مرد کارکنوں کے لحاظ سے)؛

(2) ٹیکسٹائل اور ٹیکسٹائل مصنوعات مثلاً ملبوسات کی پیداوار (بطور خاص مسلم خاتون کارکنوں کے لحاظ سے)۔⁸

اس کے علاوہ دھات کی مصنوعات کی پیداواری سرگرمیوں (مشینری اور آلات کو چھوڑ کر) سے وابستہ مسلم مرد کارکنوں کی تعداد دوسروں سے قدرے زیادہ ہے۔ غیر پیداواری صنعتوں میں، زمینی ٹرانسپورٹ اور خوردہ فروشی کا کاروبار (بطور خاص مردوں میں) ایسی سرگرمیاں ہیں جن سے دیگر فرقوں کے مقابلے میں مسلم کارکنوں کی زیادہ بڑی تعداد وابستہ ہے۔

ہمارے تجزیے کے نقطہ نظر سے، دو قسم کے صنعتی گروپ اہم ہیں:

(1) جہاں مسلم کارکنوں کی نسبتاً بڑی تعداد سرگرم ہے اور (2) جہاں کارکنوں کی مجموعی تعداد میں مسلم کارکنوں کا تناسب خاصاً اہم ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ تین پیداواری سرگرمیاں، جن کی نشان دہی اوپر کی گئی ہے، جہاں مسلم کارکنوں کی موجودگی دیگر فرقوں سے زیادہ ہے وہی سرگرمیاں ہیں جہاں ان سرگرمیوں میں شریک کارکنوں کی مجموعی تعداد میں مسلم کارکنوں کا تناسب بہت زیادہ ہے۔ تمباکو اور ٹیکسٹائل/ملبوسات سے متعلق صنعتوں سے وابستہ کارکنوں کی مجموعی تعداد میں مسلمانوں کا حصہ خاصاً اہم ہے۔⁹ دیگر صنعتیں جہاں سرگرم کارکنوں میں مسلمانوں کی تعداد خاصی اہم ہے یہ ہیں: موٹر گاڑیوں کی فروخت، مرمت اور دیکھ رکھ کر¹⁰ اور الیکٹریکل مشینری اور آلات سازی سے متعلق بعض سرگرمیاں¹¹۔ اسی طرح غیر پیداواری سرگرمیوں میں تھوک اور کیشن کا کاروبار اور خوردہ فروشی کی تجارت میں مسلم کارکنوں کا تناسب خاصاً بڑا ہے۔ ان سرگرمیوں سے وابستہ مرد کارکنوں میں تقریباً 22 فی صد مسلمان ہیں۔

ظاہر ہے کہ ان صنعتی و تجارتی سرگرمیوں سے مسلم کارکنوں کی بڑی تعداد کے وابستہ ہونے کے پیش نظر ان سرگرمیوں کو فروغ دیا جانا ان کے لحاظ

زراعت سے وابستہ مسلم کارکنوں کی تعداد دیگر فرقوں کے مقابلے بہت کم ہے مگر روایتی مینوفیکچرنگ اور تجارت میں ان کا حصہ (بطور خاص مردوں میں) دیگر سماجی مذہبی طبقوں کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے

⁸ ذاتی اور گھریلو سامان کی مرمت کے کام میں بھی مسلمان (خاص طور پر مرد کارکن) بڑی تعداد میں سرگرم ہیں۔ تاہم مینوفیکچرنگ کی یہ قسم "خردہ فروشی" کی ایک قسم کے ساتھ شمار کی جاتی ہے اس لئے اس صنعت میں شریک مسلم کارکنوں کی اصل تعداد کا اندازہ لگانا ممکن نہیں۔ مگر ان کی تعداد غالباً غیر اہم ہوگی۔

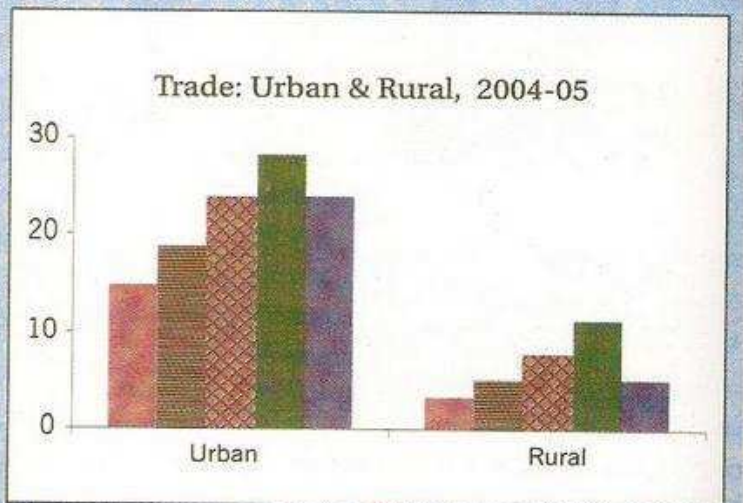
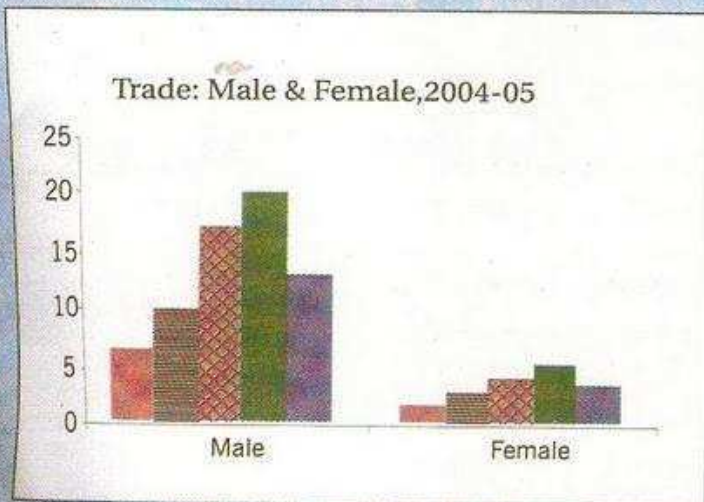
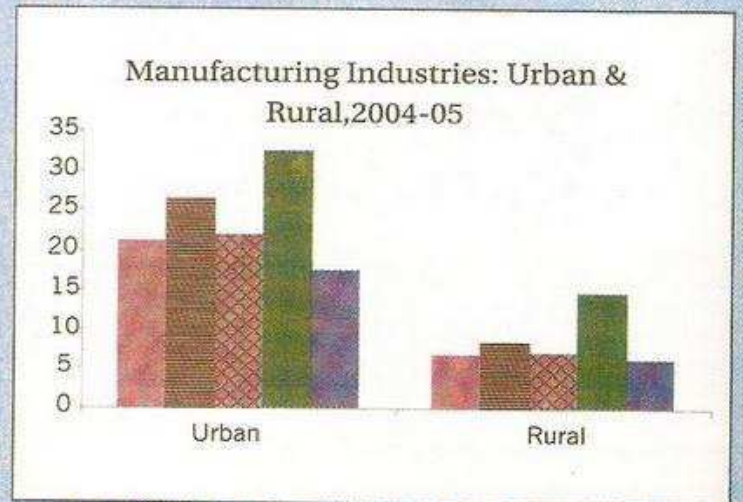
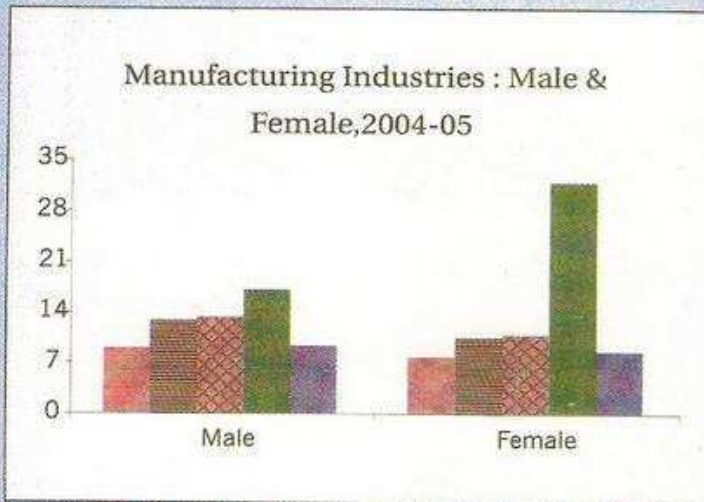
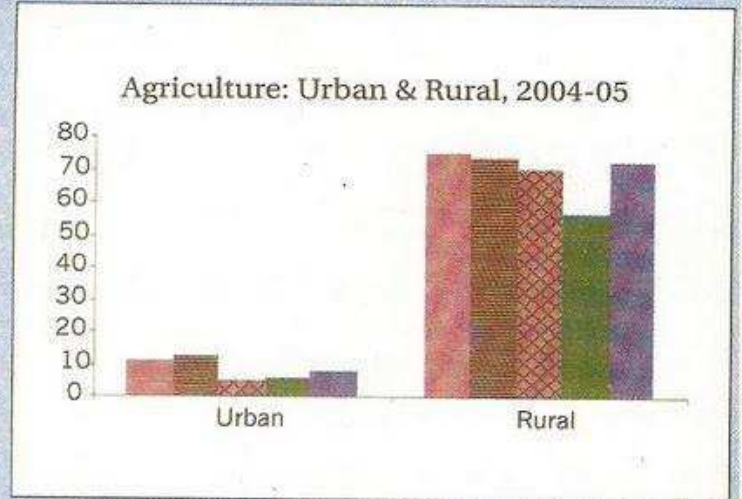
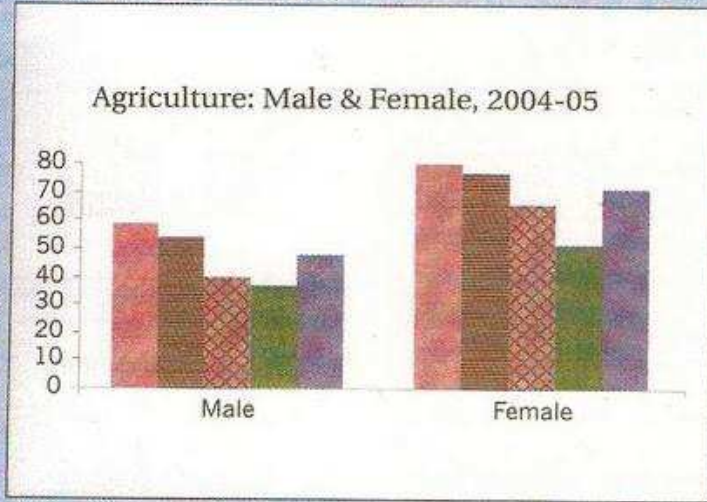
⁹ تمباکو کی مصنوعات بنانے کے کام میں لگے ہوئے کارکنوں میں تقریباً 41 فی صد مسلمان ہیں اور اس زمرے میں خاتون کارکنوں میں مسلمانوں کا تناسب تقریباً 35 فی صد ہے۔ اسی طرح ملبوسات سازی سے وابستہ مرد کارکنوں میں مسلمانوں کی تعداد تقریباً 30 فی صد اور خاتون کارکنوں میں مسلمانوں کا تناسب 17 فی صد ہے۔ ٹیکسٹائل

صنعت میں زیر کار کارکنوں میں مسلمانوں کی تعداد مردوں اور خواتین کے لحاظ سے بالترتیب 21 فی صد اور 28 فی صد سے زیادہ ہے۔

¹⁰ اس زمرے میں سرگرم تمام کارکنوں میں مسلمانوں کا حصہ 96 فی صد سے زیادہ ہے۔

سے نہایت اہم ہے۔ کیا وہ صنعتیں جہاں مسلمان بڑی تعداد میں ہیں یا جہاں مسلمانوں کا تناسب خاصا اہم ہے؟ نمونہ صنعتیں ہیں؟ اس سوال کا جواب مشکل ہے کیوں کہ کسی مخصوص صنعتی گروپ میں مسلمانوں کی موجودگی ایسے خاص شعبوں سے متعلق ہو سکتی ہے جہاں نمونہ عمل ممکن ہے ایسا

Fig 5.8: Share of Workers in Each SRC in Selected Industrial Groups, 2004-05



SCs/STs H-OBCs H-UC Muslims Other Minorities

نہ ہو جیسا اس پوری صنعتی سرگرمی میں ہے۔ تاہم نیچے ہم نے مسلم کارکنوں کے لحاظ سے اہم پیداواری صنعت کے گروپوں کی نمونہ پذیری کا جائزہ لینے کے لئے ایک ابتدائی مشق کی کوشش کی ہے۔

6.1 نمونہ صنعتوں میں شرکت

کارکنوں کی صنعتی وابستگیوں کا ایک کلیدی پہلو یہ ہے کہ کیا کارکنوں کی بڑی تعداد ان صنعتوں میں ہے جو گھٹ رہی ہیں یا ان صنعتوں میں جو تیز رفتار نمو کی راہ پر جا رہی ہیں، بظاہر کسی کارکن کا ایسی صنعت میں ہونا مناسب ترین ہے جہاں نہ صرف روزگار کے مواقع اور کارکردگی میں اضافہ ہو رہا ہو بلکہ پیداواریت بھی بڑھ رہی ہو۔ اس طرح ایسی صنعتوں میں کام کرنا جہاں روزگار کے مواقع، کارکردگی اور پیداواریت میں محدود اضافہ ہو رہا ہو یا کوئی اضافہ ہی نہ ہو گھٹانے کا سودا ہے۔ مختلف زمروں میں کارکنوں کی ترقی کے نقطہ نظر سے اس بات کا جائزہ کہ کیا مسلم کارکن ایسی صنعتوں میں ہیں جو حالیہ برسوں کے دوران نسبتاً تیز رفتاری سے نمونہ پذیری ہیں سو مدنہ ہو سکتا ہے۔

کسی ایک زمرے میں کارکردگی/قدر میں تیز رفتار اضافے سے مجموعی طور پر تمام صنعت میں مثبت ترقی کے عمل کو تحریک ہوتی ہے۔ ان زمروں میں روزگار کے مواقع کا فروغ اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ کارکردگی میں اضافے کے اثرات کارکنوں تک بھی پہنچیں گے۔ تاہم ان زمروں میں کم آمدنی والے کاموں میں کارکنوں کی زیادہ بھلائی کا امکان بہت کم ہوتا ہے۔ اس کے لئے ایسی نمونہ پذیری درکار ہے جس سے پیداواریت یا فی کارکن آمدنی میں اضافہ ہو۔ یہ الفاظ دیگر بہترین صورت حال یہ ہے کہ نمونہ پذیری ایسی ہو جس سے روزگار کے اچھے مواقع پیدا ہو سکیں۔ اس ساری بحث کے نتیجے میں، نمونہ پذیری کے مختلف قریبوں کو ظاہر کرنے والے سات قسم کے گروپوں کی نشان دہی کی گئی ہے۔ پھر ان گروپوں کو تین زمروں میں یکجا کر دیا گیا ہے۔ (چارٹ 5.1) 12

Chart 5.1: Growth Based Categorization of Industry Groups

Category A: Growth industries with good quality employment

A1. Growing value added, employment and labour productivity

A2. Growing value added and labour productivity but declining employment

Category B: Growth industries with poor quality employment

B1. Growing value added and employment but declining labour productivity

B2. Growing value added but declining employment and labour productivity

Category C: Non-growth industries

C1. Growing employment but declining value added and labour productivity

C2. Growing labour productivity but declining employment and value added

C3. Declining value added, employment and labour productivity

ایسی صنعت کو جس کی قدر افزائی میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہو عموماً فعال زمرہ قرار دیا جاتا ہے۔ اس بیان سے، صنعتی گروپوں کے پہلے چار زمروں (اے 1، اے 2، بی 1 اور بی 3) کو نمونہ پذیر صنعتوں میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ تاہم اگر کارآمد روزگار کی نمونہ پذیری کو زیادہ اہمیت دی جائے تو پہلے دو صنعتی گروپوں (اے 1 اور اے 2) کو کارآمد روزگار کے امکانات کے لحاظ سے بہترین کہا جاسکتا ہے اور تیسرے اور چوتھے (بی 1 اور بی 2) صنعتی گروپ ان کے بعد آئیں گے۔ قدر افزائی میں گراؤ والے بقیہ تین صنعتی گروپوں کو غیر نمونہ پذیر صنعتیں کہا جاسکتا ہے۔

نمونہ پذیری کے لحاظ سے زمروں کی درجہ بندی منظم زمرے کے اعداد و شمار اور غیر منظم زمرے کے تخمینوں دونوں کی بنیاد پر کی جاسکتی ہے۔ چونکہ مسلم کارکنوں کی ایک بڑی تعداد غیر باضابطہ زمرے میں سرگرم ہے، اس لئے غیر منظم زمرے کے اعداد و شمار کی بنیاد پر نشان زد کی جانے والی نمونہ پذیر صنعتوں پر زیادہ توجہ دینا مناسب ہوگا۔ جدول 5.11 میں 1990 کی دہائی کے دوران مسلمانوں کے لحاظ سے اہم سمجھے جانے والے

صنعتی گروپوں میں قدر افزونی، روزگار اور پیداواریت میں اضافے کی شرحیں دکھائی گئی ہیں۔ ان شرحوں کی قابل توجہ بات یہ ہے کہ یہ مستحکم نہیں ہیں اور خاصی گھٹتی بڑھتی رہتی ہیں۔ جدول 5.11 میں ظاہر کئے گئے پانچ زمروں میں سے، صرف ملبوسات کا زمرہ ہے جس نے اس پورے عرصے کے دوران قدر افزونی، روزگار اور پیداواریت میں اضافے کے لحاظ سے اچھی کارکردگی ظاہر کی ہے۔ موٹر گاڑیوں کی مرمت اور دیکھ ریکھ کے زمرے میں بھی حالیہ برسوں کے دوران قدر افزونی، روزگار اور پیداواریت میں اضافہ نظر آیا ہے مگر 1990 کی دہائی کے اوائل میں اس کی کارکردگی بھی اچھی نہیں تھی۔ ٹیکسٹائل کے زمرے میں بھی 1990 کی دہائی کے اوائل کے دوران قدر افزونی میں اضافہ ہوا تھا مگر روزگار میں اضافے کا عمل منفی رہا تھا، ترمیم کو مصنوعات میں اس عرصے کے دوران روزگار اور قدر افزونی میں تو اضافہ ہوا مگر پیداواریت میں گراؤ آئی۔ الیکٹریکل مشینری سے متعلق تخمینے صرف 1990 کی دہائی کے نصف دوم کے بارے میں دست یاب ہیں جس سے لگتا ہے کہ یہ زمرہ اچھا جا رہا ہے۔ لہذا مجموعی طور پر دیکھا جائے تو میکروسطح پر، مسلمانوں کے لحاظ سے اہم پیداواری زمروں میں سے ملبوسات، موٹر گاڑیوں کی مرمت اور الیکٹریکل مشینری ایسے زمرے معلوم ہوتے ہیں جہاں پالیسی کے تحت توجہ دی جائے تو مسلم کارکنوں کو روزگار کے مواقع حاصل ہو سکتے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ وہی زمرے ہیں جہاں مجموعی طور پر نمو کے اہم امکانات پائے جاتے ہیں۔ تاہم اس بات کا اعادہ ضروری ہے کہ جو معلومات ہمیں دست یاب ہے اس کی بنیاد پر پیداواری زمروں کی درست نشان دہی کرنا ہمارے لئے ممکن نہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان زمروں میں بھی، مسلم کارکنوں کی بڑی تعداد ایسے شعبوں میں سرگرم ہو جن کی نمو پذیری ایسی نہ ہو جیسی کہ جدول 5.11 میں ظاہر کی گئی ہے۔ مسلمانوں کی بڑی تعداد پر مشتمل زمروں کی نشان دہی کی زیادہ تفصیلی کوشش کی جانی چاہئے۔

ان تیز رفتار نمو پذیری والے زمروں پر پالیسی توجہ تو درکار ہے ہی جہاں مسلم کارکن سرگرم ہیں، ایسی حکمت عملی وضع کرنا بھی ضروری ہے جن کے ذریعے مسلم کارکن کم نمو پذیر زمروں سے نکل کر زیادہ نمو والے زمروں میں داخل ہو سکیں۔

سطح پر، مسلمانوں کے لحاظ سے اہم پیداواری زمروں میں سے ملبوسات، موٹر گاڑیوں کی مرمت اور الیکٹریکل مشینری ایسے زمرے معلوم ہوتے ہیں جہاں پالیسی کے تحت توجہ دی جائے تو مسلم کارکنوں کو روزگار کے مواقع حاصل ہو سکتے ہیں

6.2 سیکورٹی اور دفاع سے متعلق سرگرمیوں میں شرکت

مسلم فرقے کی اپنے تحفظ سے متعلق تشویشات کے پیش نظر سیکورٹی سے متعلق سرگرمیوں میں مسلمانوں کی حصے داری خاصی اہمیت کی حامل سمجھی جاتی ہے (دیکھئے دوسرا باب)۔ یوں تو سیکورٹی سے متعلق سرگرمیوں مثلاً پولس میں مسلمانوں کی موجودگی کا اندازہ کرنا بہت مشکل ہے مگر نیشنل سٹیبل سرو سے ریاستی اور مرکزی حکومتوں کی سطح پر ’اجتماعی نظم و ضبط اور تحفظ کی سرگرمیوں‘ میں شریک کارکنوں کے اعداد و شمار فراہم کئے ہیں۔ 13 دستیاب تخمینوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرکزی حکومت کی سطح پر ان سرگرمیوں میں مسلمانوں کا حصہ صرف 6 فی صد تھا جب کہ ہندو اعلیٰ ذاتوں کی تعداد 42 فی صد اور ہندو ایس سی/ ایس ٹی اور ہندو ای سی میں سے ہر ایک کی تعداد 23 فی صد تھی۔ ریاستی سطح پر، مسلمانوں کا

Table 5.11: Growth Experience of Manufacturing Sectors with Concentration of Muslim Workers, Unorganized Sector

| Industry Group | Growth rate of Value Added | | Growth rate of Employment | | Growth rate of labour productivity | |
|--|----------------------------|-------------|---------------------------|-------------|------------------------------------|-------------|
| | 1989-95 | 1994-01 | 1989-95 | 1994-01 | 1989-95 | 1994-01 |
| Tobacco products | -4.3 (7.1) | 5.0 (7.7) | -8.8 (2.1) | 7.7 (-1.9) | 4.5 (5.1) | -2.7 (9.6) |
| Textiles | -2.9 (6.4) | 6.3 (2.9) | -2.4 (-0.3) | -0.2 (0.2) | -0.5 (6.8) | 6.4 (2.7) |
| Wearing Apparel | 6.2 (27.0) | 14.4 (2.2) | 1.5 (17.3) | 14.4 (3.7) | 4.7 (9.7) | -0.1 (-1.5) |
| Motor Vehicles & Parts (including auto repair) | -1.8 (9.1) | 16.5 (11.3) | 3.0 (3.5) | 9.4 (4.3) | -4.8 (5.6) | 7.1 (7.0) |
| Electrical machinery | NA (9.7) | 21.7 (5.3) | -6.3 (2.5) | 18.6 (-0.8) | NA (7.2) | 3.1 (6.1) |
| All | -1.0 (8.3) | 6.9 (6.9) | -1.7 (2.1) | 2.2 (0.7) | 0.8 (6.1) | 4.8 (6.2) |

Note: Figures in parentheses provide growth rates in the organized sector.
Source: Unni and Rani (2004)

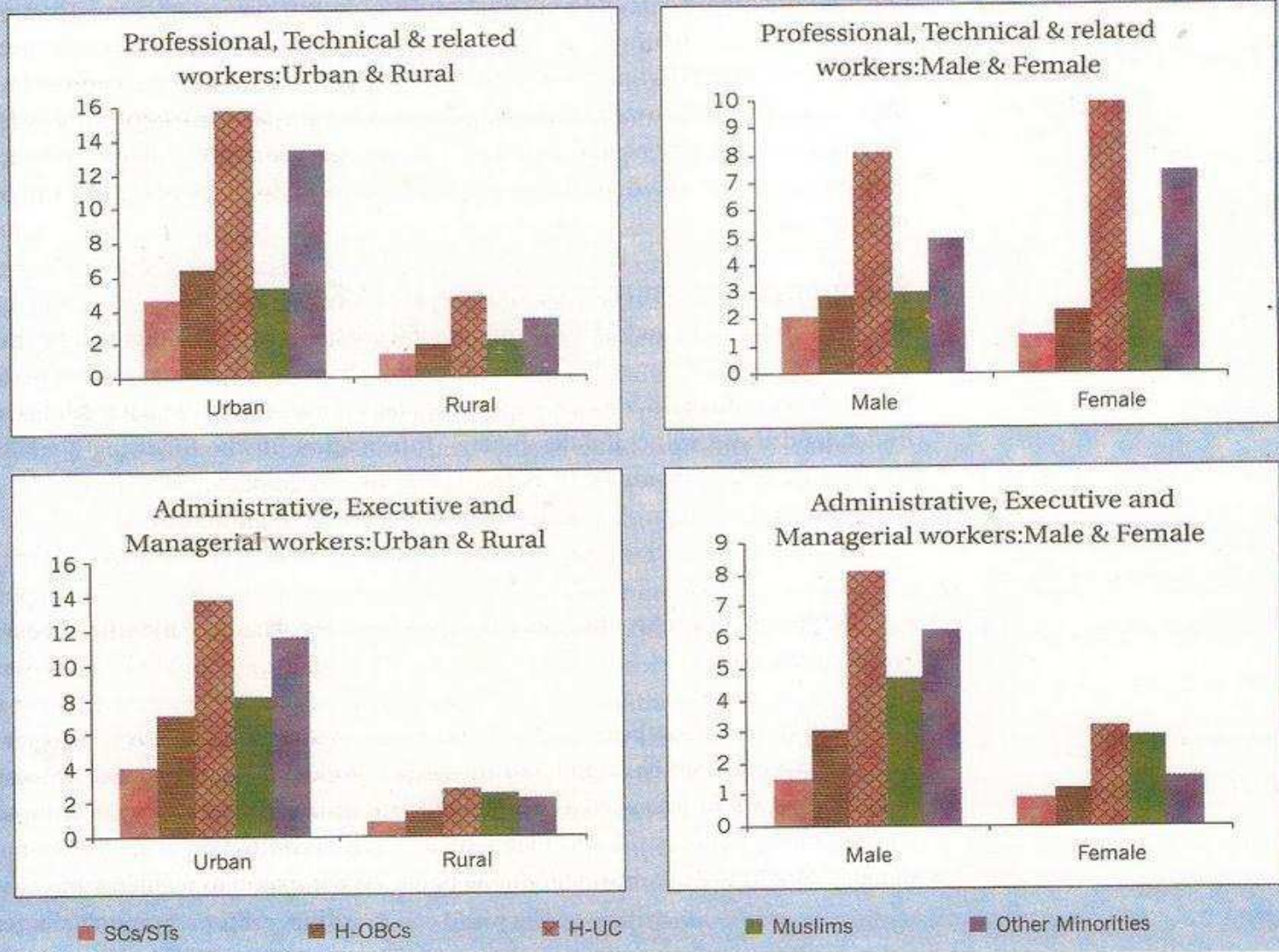
سلامتی سے متعلق سرگرمیوں (مثلاً پولیس) میں مسلمانوں کا حصہ آبادی میں ان کے تناسب سے کم ہے

تناسب 7 فی صد سے کچھ زیادہ جب کہ دیگر طبقوں (اسی ترتیب میں) کا تناسب بالترتیب 37 فی صد، 21 فی صد اور 26 فی صد تھا۔ این ایس ایس اور نے دفاعی سرگرمیوں (کوڈ 75220) میں شریک مسلمانوں سے متعلق تخمینے بھی فراہم کئے ہیں۔ دفاعی کارکنوں میں مسلمانوں کا حصہ صرف 4 فی صد جب کہ ہندو ایس ایس ایس (12 فی صد، ہندو او بی سی 23 فی صد) اور ہندو اعلیٰ ذاتوں (25 فی صد) کا حصہ کہیں زیادہ تھا۔ کمیٹی کو فراہم کئے گئے مزید اعداد و شمار کے مطابق سلامتی سے متعلق سرگرمیوں (مثلاً پولیس) میں مسلمانوں کی شرکت، آبادی میں ان کے تناسب کے لحاظ سے بہت کم ہے (تفصیلات کے لئے دیکھئے نواں باب)

7 پیشوں کی نوعیت کے مطابق کارکنوں کی تعداد

مسلم کارکنوں کی کثیر موجودگی والے صنعتی زمروں کی نشان دہی کرنے کے بعد، اگلا مرحلہ یہ معلوم کرنے کا ہے کہ یہ کارکن ان صنعتوں میں کس نوعیت کے کام کرتے ہیں۔ جدول 5.12 اور 5.13 میں پیشوں کی نوعیت کے لحاظ سے ہر فرقے کے کارکنوں کی حصے داری ظاہر کی گئی ہے جس سے مندرجہ ذیل چند اہم امور نمایاں ہوتے ہیں (شکل 5.9 بھی دیکھئے)

Fig 5.9: Share of Workers in Each SRC in selected Occupation Groups, 2004-05



☆ پیداوار سے متعلق سرگرمیوں اور ٹرانسپورٹ میں مسلم کارکنوں کی حصے داری دیگر فرقوں کے تقابلی میں بہت زیادہ ہے۔ مسلم کارکنوں (تمام) کی تقریباً 34 فی صد تعداد ان پیشوں میں سرگرم ہے جب کہ دیگر تمام کارکنوں اور ہندو کارکنوں میں یہ تناسب بالترتیب 21 فی صد اور تقریباً 19 فی صد۔ اہم بات یہ ہے کہ یہ قریباً مرد اور خاتون کارکنوں اور دیہی اور شہری علاقوں میں یکساں پایا جاتا ہے۔

☆ فروخت کاری کا کام ایک اور کاروبار ہے جس میں مسلمانوں کی حصے داری دیگر فرقوں کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ 16 فی صد سے زیادہ مسلم کارکن فروخت کاروں کے طور پر سرگرم ہیں جب کہ اس سلسلے میں قومی اوسط صرف تقریباً 10 فی صد اور ہندو کارکنوں کا تناسب تقریباً 9 فی صد ہے۔

☆ اگرچہ پیداوار اور فروخت کاری سے متعلق کاروبار میں مسلم کارکنوں کی شرکت نسبتاً زیادہ ہے مگر پیشہ ورانہ، ٹیکنیکی، کلرکی اور ایک حد تک انتظامی سرگرمیوں میں ان کی سرگرمی نسبتاً کم ہے۔ یہ بات شہری علاقوں میں زیادہ نمایاں ہے۔

مختلف فرقوں کی پیشہ ورانہ صورت حال کے زیادہ تفصیلی تجزیے سے معلوم ہوتا ہے کہ مندرجہ ذیل غیر زراعتی کاروباروں میں مسلمانوں کی موجودگی اوسط سے زیادہ ہے۔ (ضمیمہ جدول 5.4):

- (1) تاجر اور دکان دار (بطور خاص مرد اور شہری علاقوں میں)
- (2) فروخت کار اور دکان میں مددگار (بطور خاص مرد اور شہری علاقوں میں)
- (3) درزی، ملبوسات ساز اور اسی قسم کے پیشے (بطور خاص مرد اور شہری علاقوں میں)
- (4) ٹرانسپورٹ کا کام کرنے والے (بطور خاص مرد اور شہری علاقوں میں)
- (5) تمباکو ساز اور تمباکو مصنوعات ساز (بطور خاص خواتین)
- (6) اسپنر، بن کر، بنائی کرنے والے اور رنگ ریز (بطور خاص مرد اور شہری علاقوں میں)
- (7) مشینری فخر، آئیسلر اور پریسین انسٹرومنٹ میکر (بطور خاص مرد اور شہری علاقوں میں)

اس کے علاوہ، شہری علاقوں میں مرد کارکنوں کی نسبتاً بڑی تعداد بڑھی گیری، راج گیری اور تعمیراتی کاموں میں سرگرم ہے۔ مومنے طور پر مسلمان بڑی تعداد میں اپنے رواجی پیشوں میں لگے ہوئے ہیں۔ پیشہ ورانہ اور مینجمنٹ کی سرگرمیوں میں ان کا حصہ کم ہے۔ سماجی۔ مذہبی زمروں کے لحاظ سے کی گئی، محنت کی یہ اقتصادی درجہ بندی قومی معیشت کے مجموعی فروغ کے لئے نہایت اہم مضمرات کی حامل ہے۔ لہذا مختلف زمروں کے لئے مختلف پالیسیوں کو بروئے کار لانے کی ضرورت ہے تاکہ ان زمروں میں سرگرم کارکنوں کی صلاحیتوں کو فروغ دیا جاسکے۔

8 آمدنی اور روزگار کے تحفظ کی صورتیں

کام کی جائے وقوع اور غیر باضابطہ نوعیت سے متعلق اعداد و شمار سے یہ بات نمایاں کی جا چکی ہے کہ روزگار سے متعلق صنعتوں کے لحاظ سے مسلم کارکن، دیگر کارکنوں کے مقابلے میں زیادہ کمزوریوں کے شکار ہیں۔ اب ہم ان کمزوریوں کو زیادہ بہتر انداز سے سمجھنے کے لئے معاہداتی رشتوں (Contractual relations) سے متعلق دست یاب اعداد و شمار کی تفتیش کریں گے۔ ہر سماجی۔ مذہبی فرقے کے کارکنوں سے متعلق معاہداتی انتظامات کی مندرجہ ذیل قسموں کے بارے میں معلومات دست یاب ہے:

☆ معاہدے کی قسم (تحریری/غیر تحریری، مدت)

- ☆ سماجی فوائد کی فراہمی کے لحاظ سے کارکنوں کی تعداد
- ☆ ادائیگی کے طریقہ کار کے لحاظ سے کارکنوں کی تعداد

جدول 5.13 میں باضابطہ تنخواہ یا اجرت پانے والے کارکنوں کے حالات کے اہم پہلوؤں کو ظاہر کیا گیا ہے۔ اتفاقی کارکنوں سے متعلق اس قسم کی معلومات دست یاب نہیں ہے کیوں کہ ایسے تمام کارکن، خواہ کسی بھی فریقے کے ہوں، غیر تحریری معاہدوں کے تحت کام کرتے ہیں جن میں سماجی تحفظ کے فوائد کا کوئی انتظام نہیں ہوتا۔ دست یاب اعداد و شمار سے واضح ہوتا ہے کہ اوسطاً باضابطہ مسلم کارکن اس سلسلے میں سب سے زیادہ نقصان میں رہتے ہیں۔ دیگر فرقوں کے باضابطہ کارکنوں کے مقابلے میں، باضابطہ مسلم کارکنوں کی کہیں زیادہ بڑی تعداد مندرجہ ذیل حالات میں کام کرتی ہے (جدول 5.13 اور شکل 5.10):

- ☆ کوئی تحریری معاہدہ نہیں (ہندو اعلیٰ ذاتوں کی 73 فی صد اور ہندو او بی سی اور ایس سی/ ایس ٹی دونوں کی 63 فی صد کے مقابلے میں 73 فی صد)

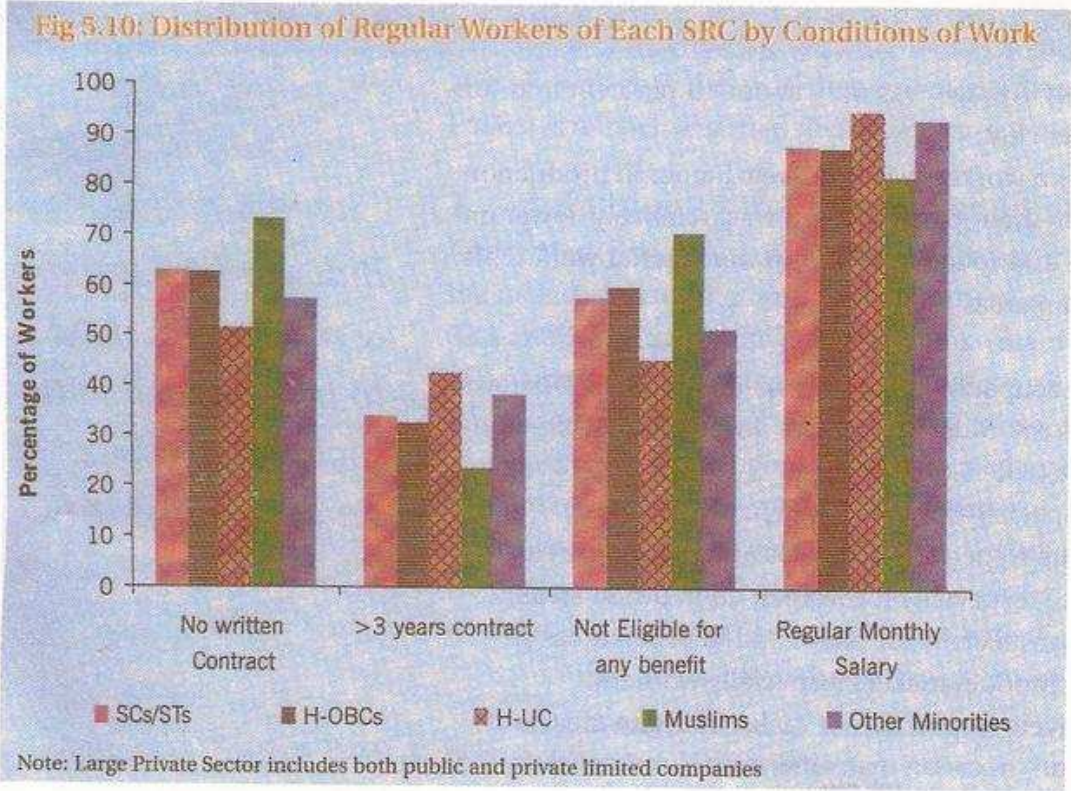
دستیاب اعداد و شمار سے واضح ہوتا ہے کہ باضابطہ مسلم کارکن اوسطاً زیادہ نقصان میں رہتے ہیں کیوں کہ وہ کسی تحریری معاہدہ اور سماجی تحفظ اور فوائد کے بغیر کام کرتے ہیں

- ☆ سماجی تحفظ کے فوائد حاصل نہیں (55 فی صد کی اوسط کے مقابلے میں 71 فی صد، شکل 5.10)

اس کے علاوہ، دیگر تمام فرقوں کے مقابلے میں باضابطہ مسلم کارکنوں کی نسبتاً کم تر تعداد کو ماہانہ تنخواہ حاصل ہوتی ہے۔ آخری بات یہ کہ اوسطاً، باضابطہ مسلم کارکنوں کی نسبتاً زیادہ بڑی تعداد کام کے لحاظ سے ادائیگی کے نظام کے تحت کام کرتی ہے۔

اس طرح اگر مسلم کارکن باضابطہ کام حاصل کر لیں تب بھی وہ سب سے نچلی سطح پر رہتے ہیں اور ان کے کام کے حالات دیگر تمام فرقوں بشمول ایس سی/ ایس ٹی کے کارکنوں کے مقابلے میں اوسطاً خاصے بدتر ہوتے ہیں۔

کم آمدنی بھی حالات کے بدتر ہونے کی ایک علامت ہے 1999-2000 کے حوالے سے یہ دکھایا جا چکا



ہے کہ مسلم باضابطہ کارکنوں کو سرکاری اور نجی دونوں زمروں میں دیگر بیشتر فرقوں کے مقابلے میں کم تنخواہ حاصل ہوتی ہے۔ سرکاری زمرے میں مسلم مرد اور خواتین، ہندوؤں کے مقابلے میں کم تر یومیہ اجرت پاتے ہیں اور نجی زمرے میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی آمدنی میں فرق اور بھی زیادہ ہے۔ عمومی طور پر، ہندو او بی سی کارکنوں کی اوسط یومیہ آمدنی ہندو ایس سی/ ایس ٹی اور مسلم کارکنوں سے زیادہ تھی۔ اتفاقی کارکن کسی بھی فریقے کیوں ان کی یومیہ آمدنی میں یہ مشکل ہی کوئی فرق ہوتا ہے۔ لہذا اتفاقی کاموں میں اجرتوں کے معاملے میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہے مگر باضابطہ کام کرنے والے مسلمانوں کو، بطور خاص نجی زمرے میں، دیگر کارکنوں کے مقابلے میں کم تنخواہ ملتی ہے۔ 14

یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ مسلم مرد اور خواتین ہندو مردوں اور خواتین کے مقابلے میں عمومی طور پر نجی زمرے میں بھی کلرک یا درجہ چہارم والے کم تر کاموں سے وابستہ ہوتے ہیں۔ نجی زمرے میں، آمدنی میں فرق دونوں فرقوں کے ذریعے کئے جانے والے کاموں کی نوعیت کے فرق سے

صرف ایک حد تک ہی متعلق ہوتا ہے۔ اس فرق کی زیادہ بڑی وجہ خود نجی زمرے کے کاروباروں کی نوعیت ہوتی ہے اور مسلمان چھوٹے، غیر باضابطہ اور کم پیداواریت والے کاروباروں میں سرگرم ہوتے ہیں۔ ایسے کاروبار چھوٹی ورک شاپوں کی شکل میں ہو سکتے ہیں جہاں مسلم مردوں کی بڑی تعداد، گھیراجوں میں میکانوں کی طرح کے کام کرتی ہے۔ خواتین چھوٹے پیداواری کاروباروں سے وابستہ ہو سکتی ہیں۔ مختلف سماجی، مذہبی زمروں میں اتفاقی اجرتوں سے ہونے والی آمدنی میں زیادہ فرق نہیں ہوتا کیوں کہ کام کی نوعیت تمام فرقوں کے لئے بڑی حد تک یکساں ہوتی ہے۔

9 روزگار کے حالات میں ریاست وافر فرق

مختلف ریاستوں میں مسلمانوں کے روزگار کے حالات میں بہت فرق ہے۔ مثلاً ہم مجموعی سطح پر (کل ہند) دیکھ چکے ہیں کہ مسلمانوں میں کارکن۔ آبادی شرحیں عموماً سب سے کم تھیں۔ مگر کارکن۔ آبادی شرحوں کے ریاستوں سے متعلق تخمینوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ کئی ریاستوں میں، دیگر فرقوں کے مقابلے میں مسلمانوں کی حصے داری کی شرح سب سے کم نہیں ہے۔ ان ریاستوں میں بہار، دہلی، گجرات، ہریانہ، ہماچل پردیش، مدھیہ پردیش، پنجاب، یوپی اور مغربی بنگال شامل ہیں (ضمیمہ جدول (5.5) 15)۔ زیادہ دلچسپ فرق صنعتی وابستگی اور کارکنوں کی سرگرمیوں کی نوعیت کے لحاظ سے نظر آتا ہے:

☆ بیشتر ریاستوں میں، پیداواری زمرے میں مسلم کارکنوں کی تعداد دیگر فرقوں سے نمایاں طور پر زیادہ ہے۔ پیداواری سرگرمیوں میں مسلمانوں کا حصہ دہلی، تمل ناڈو، اتر پردیش، مدھیہ پردیش، مہاراشٹر اور راجستھان جیسی ریاستوں میں بطور خاص 25 فی صد سے زیادہ ہے۔ وہ ریاستیں جہاں پیداواری سرگرمیوں میں مسلمانوں کی شرکت دیگر فرقوں سے کم تر ہے آسام، پنجاب، ہریانہ اور کیرل ہیں (ضمیمہ جدول 5.6)

کل ہند صورت حال کی طرح بیشتر ریاستوں میں بھی تجارت میں مسلم کارکنوں کا حصہ دیگر فرقوں کی بہ نسبت زیادہ ہے حالانکہ بعض ریاستوں میں دیگر اقلیتوں کی شرکت زیادہ ہے۔ تمل ناڈو، اڑیسہ، پانڈیچری، کیرالا، کرناٹک، مدھیہ پردیش اور گجرات میں تجارت میں مصرف مسلم کارکنوں کی تعداد بطور خاص زیادہ ہے یعنی 20 فی صد سے زیادہ (ضمیمہ جدول 5.7)۔

☆ کل ہند صورت حال کی طرح، ہریانہ کو چھوڑ کر تمام ریاستوں میں خود روزگاری سے وابستہ شہری مسلم کارکنوں کی تعداد دیگر فرقوں کے مقابلے میں زیادہ ہے۔

10 1990 کی دہائی سے روزگار کے حالات میں تبدیلی کا قرینہ

روزگار کے حالات کے لحاظ سے مسلم کارکن نسبتاً زیادہ غیر محفوظ ہیں کیوں کہ ان کی بڑی کثیر تعداد غیر باضابطہ زمرے میں سرگرم

روزگار کے حالات کے لحاظ سے مسلمانوں کی موجودہ حالت پر نگاہ ڈالنے کے بعد اب یہ دیکھنا سود مند ہوگا کہ کیا ان برسوں میں مسلمانوں کی حالت میں کچھ فرق آیا ہے 1990 کی دہائی کے اوائل کے بارے میں کئی امور سے متعلق اعداد و شمار دست یاب نہیں ہیں۔ عمومی رجحانات کا اندازہ کرنے کے لئے، پیداواری اور تجارتی سرگرمیوں سے وابستہ اور انتظامی و منجمنت کے شعبوں میں زیر ملازمت مسلم کارکنوں کے تناسب میں تبدیلی سے متعلق اعداد و شمار ترتیب دئے گئے۔ (جدول 5.14)۔ اس کا سب سے قابل توجہ پہلو یہ ہے کہ یہ رجحانات تمام فرقوں کے لئے یکساں ہیں، البتہ تبدیلی کس حد تک ہوئی ہے اس بارے میں کچھ فرق پایا جاسکتا ہے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل قرینے نمایاں ہیں:

☆ 1990 کی دہائی کے دوران پیداواری کارکنوں کی تعداد میں گراوٹ آئی تھی مگر رواں دہائی (2000-04) کے ابتدائی برسوں کے

ہے اور یہ کہ ان کے کام کے حالات (معاهدے کی مدت، سماجی تحفظ وغیرہ)، باضابطہ کارکنوں کیلئے بھی دیگر فرقوں کے مقابلہ میں بدتر ہیں

دوران یہ تعداد بڑھتی نظر آئی لیکن اتنی نہیں کہ اب تک کا خسارہ پورا ہو سکے۔ یہ اتنا چڑھاؤ تمام فرقوں کے لحاظ سے دیکھا جاسکتا ہے مگر خاتون کارکنوں بطور خاص مسلمانوں کے معاملے میں یہ زیادہ نمایاں ہے۔

☆ کل ہند سطح پر، 1993-2005 کے دوران تجارت سے وابستہ کارکنوں کی تعداد میں مستقل اضافہ ہوتا رہا۔ دیہی علاقوں میں معمولی اضافہ رہا مگر شہری علاقوں میں 2000 کے بعد قدرے گراوٹ آئی۔ تمام فرقوں میں، یہ اضافہ مسلم مرد کارکنوں کے معاملے میں سب سے نمایاں رہا (تبدیلی کے فی صد تناسب کے لحاظ سے)۔ حالیہ برسوں کے دوران، تمام کارکنوں میں تجارت سے متعلق سرگرمیوں کی جانب منتقلی کا رجحان دکھائی دیا مگر یہ منتقلی دیگر فرقوں کے مقابلے مسلمانوں (بطور خاص مردوں) میں زیادہ نمایاں رہی۔

☆ انتظامی ایگزیکٹو اور مینجمنٹ کے شعبوں میں زیر ملازمت کارکنوں کی تعداد تمام فرقوں میں بڑھی ہے۔ یہ تبدیلی شہری علاقوں میں اور مردوں کے معاملے میں زیادہ نمایاں رہی۔ اس سلسلے میں تمام فرقوں میں کوئی اہم فرق نظر نہیں آیا سوائے اس کے کہ دیگر لوگوں کے مقابلے میں، ہندو ایس/سی/ایس ٹی طبقوں کی تعداد میں، شہری علاقوں میں ہونے والا اضافہ کم نمایاں ہے۔

11. حاصل

مجموعی صورت حال یہ ہے کہ دیگر فرقوں کے مقابلے میں، مسلم کارکن زیادہ بڑی تعداد میں خود اپنے طور پر پیداواری اور تجارتی سرگرمیوں میں لگے ہوئے ہیں۔ ہاتھوہ ملازمتوں (بطور خاص حکومت یا بڑے سرکاری اور نجی زمرے کے اداروں) میں ان کا حصہ دیگر فرقوں کے کارکنوں کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ روزگار کے حالات کے لحاظ سے وہ نسبتاً زیادہ بے حفاظت ہیں کیوں کہ ان کی زیادہ بڑی تعداد غیر باضابطہ زمرے کے کاموں سے وابستہ ہے اور کام کے حالات (ملازمت کی مدت، سماجی تحفظ وغیرہ) باضابطہ کارکنوں میں بھی، دیگر فرقوں کے مقابلے میں مسلمانوں میں کم بہتر ہیں۔

شہری علاقوں کے مرد کارکنوں میں (دیگر چیزوں کے یکساں ہونے کی صورت میں) مسلم کارکنوں کے باضابطہ کام کرنے کے امکانات بہت کم ہیں جب کہ اس سی/ایس ٹی کارکنوں کے تعلق سے یہ امکانات سب سے زیادہ ہیں

یہ بتایا جا چکا ہے کہ تعلیم میں اضافے کے فوائد مسلم مردوں اور خواتین دونوں کے لئے نسبتاً زیادہ رہے ہیں، حالانکہ 1990 کی دہائی کے دوران دیہی علاقوں میں مردوں اور شہری علاقوں میں خواتین کے لحاظ سے اس میں گراوٹ آئی ہے۔ 16۔ ایک اور اہم بات یہ ہے کہ تعلیم جس قدر زیادہ ہوتی ہے اس کے فوائد بھی اتنے ہی زیادہ ہو جاتے ہیں۔ تعلیم کی رکاوٹیں پار کر لینے والے مسلمانوں کی آمدنی بہتر ہو جاتی ہے۔ فوائد میں اس اضافے کے باوجود، جیسا کہ چوتھے باب میں دکھایا گیا ہے، اعلیٰ تعلیم میں مسلمانوں کی شرکت بہت کم ہے۔ اس کا ایک سبب یہ ہو سکتا ہے کہ تعلیم حاصل کر لینے کے بعد بھی مسلمانوں کے لئے باضابطہ ملازمت حاصل کر پانے کا امکان زیادہ نہیں ہے۔ یو پی ایس سی کے تحت ہونے والی تقرریوں سے متعلق معلومات سے ظاہر ہوتا ہے کہ کم از کم ان تقرریوں کے معاملے میں یہ خیال غلط ہے۔ ان میں مسلم امیدواروں کی کامیابی کی شرح دوسروں سے بہتر نہیں تو برابر ضرور ہے۔

اس معاملے کی مزید تفتیش کے لئے، کمیٹی نے اس بات کا جائزہ لینے کی کوشش کی کہ اگر عمر، جائے قیام (دیہی/شہری، ریاست)، تعلیم کی سطح اور کنہوں کی اقتصادی حیثیت جیسے امور یکساں ہوں تو کیا باضابطہ غیر زراعتی کاموں میں شرکت کے امکانات مختلف سماجی۔ مذہبی طبقوں میں الگ الگ ہوں گے۔ نتائج خاصے دلچسپ رہے: 17

15۔ چون کہ روزگار کی شرحوں کا قرینہ واضح نہیں ہے اس لئے تجزیے نہیں دئے گئے ہیں۔

16۔ بعض حالیہ تجزیوں کے لئے دیکھئے آئی (2006)

☆ دیہی علاقوں اور مرد کارکنوں میں، باضابطہ غیر زراعتی روزگار میں شمولیت کا امکان دیگر فرقوں کے مقابلے میں ایس سی / ایس ٹی اور مسلم کارکنوں میں زیادہ نظر آتا ہے۔ اس میں بھی اس قسم کے کاموں میں سرگرم ہونے کا امکان مسلمانوں کی بہ نسبت ایس سی / ایس ٹی میں زیادہ ہے۔

☆ دیہی خاتون کارکنوں میں، باضابطہ غیر زراعتی کام کرنے کا امکان سب سے زیادہ ایس سی / ایس ٹی کارکنوں میں اور اس کے بعد دیگر اقلیتوں اور پھر بقیہ فرقوں میں پایا جاتا ہے۔ توجہ طلب بات یہ ہے کہ دیہی خاتون کارکنوں میں باضابطہ غیر زراعتی کام کرنے کا امکان ہندو اعلیٰ ذاتوں، ہندو او بی سی اور مسلمانوں میں بہت مختلف نہیں ہے۔ البتہ ہندو او بی سی میں ایسے کام کرنے کا امکان تھوڑا زیادہ پایا جاتا ہے۔

☆ شہری مرد کارکنوں میں، باضابطہ روزگار سے وابستگی کا امکان مسلمانوں میں سب سے کم اور ایس سی / ایس ٹی کارکنوں میں سب سے زیادہ ہے۔ تاہم باضابطہ روزگار میں ہونے کے امکانات کے معاملے میں مسلمانوں، ہندو او بی سی اور دیگر اقلیتوں میں کوئی اہم فرق نہیں ہے۔

☆ شہری خاتون کارکنوں کے معاملے میں، باضابطہ روزگار میں ہونے کے امکانات مسلم کارکنوں میں سب سے کم ہیں۔ اس سلسلے میں بھی ایس سی / ایس ٹی سب سے آگے اور دیگر اقلیتی، ہندو او بی سی وار ہندو اعلیٰ ذاتیں ان کے بعد ہیں۔

مختلف انفرادی، کنبہ جاتی اور ریاستی معاملات یکساں ہونے کی صورت میں، مجموعی اعتبار سے دیہی علاقوں میں مسلم کارکنوں کے باضابطہ غیر زراعتی کام کرنے کے امکانات دیگر سماجی۔ مذہبی طبقوں کے مقابلے میں کم نہیں ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ مسلم خاتون کارکنوں میں یہ امکانات زیادہ

ہیں۔ شہری علاقوں میں بھی مسلم مرد کارکنوں کے اس قسم کے کام کرنے کے امکانات کے معاملے میں ہندو او بی سی اور دیگر اقلیتوں کے درمیان کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ تاہم مسلم خاتون کارکنوں میں، دیگر فرقوں کی بہ نسبت یہ امکانات خاصے کم پائے جاتے ہیں۔ اس فرق کی مزید تفتیش اور اس کے اسباب معلوم کرنے کے لئے اور زیادہ کوششیں درکار ہیں مگر یہاں اس نکتے پر توجہ دی جانی چاہئے کہ شہری علاقوں میں مسلم کارکنوں کے باضابطہ روزگار میں ہونے کے نسبتاً کم امکانات کی وجہ لازمی طور پر امتیازات نہیں ہیں۔ ان امکانات کا تخمینہ برسر روزگار کارکنوں سے متعلق اعداد و شمار کی بنیاد پر قائم کیا گیا ہے اور اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کارکن کن کاموں کا انتخاب کرتے ہیں۔ بد الفاظ دیگر یہ تخمینہ کاموں کے اختیار کئے جانے کے بعد کے اعداد و شمار پر مبنی ہے۔ اگر کوئی شخص کسی باضابطہ کام کے لئے درخواست نہیں دیتا یا ملازمت اختیار نہیں کرتا تو یہ اس کے ذاتی انتخاب کا معاملہ ہوگا۔

مسلم کارکنوں کے روزگار کے حالات میں بہتری لانے کیلئے مہارتوں کے فروغ اور ان زمروں میں قرضوں کی فراہمی پر زور دینا ہوگا جہاں مسلم کارکنوں کی کثیر تعداد سرگرم ہے اور جو حالیہ برسوں کے دوران نمو پذیر رہے ہیں

ہندوستانی مسلمانوں کے روزگار کے حالات سے متعلق اس بحث سے اس سلسلے میں کئے جانے والے تدارکی و اصلاحی اقدامات کی بنیادیں فراہم ہوتی ہیں۔ اگرچہ ان اقدامات کی تفصیل آخری باب میں دی گئی ہے پھر بھی چند اہم امور کا ذکر یہاں بھی کیا جا رہا ہے۔ موٹے طور پر، بہتر تعلیمی سہولتوں کے علاوہ (اس پر تفصیلی بحث آخری باب میں کی گئی ہے) مسلمانوں کے روزگار کے حالات میں بہتری لانے کے لئے مہارتوں کے فروغ اور ان زمروں میں قرضوں کی فراہمی پر زیادہ توجہ درکار ہوگی جہاں مسلم کارکنوں کی بڑی تعداد سرگرم ہے اور جو حالیہ برسوں کے دوران زیادہ نمو رخی رہے ہیں۔ چونکہ مسلم کارکنوں کی کثیر تعداد خود روزگاری سے وابستہ ہے، اس لئے مہارتوں کے فروغ اور قرضوں کی فراہمی کا عمل ان گروپوں کے مطابق ترتیب دیا جانا چاہئے۔ بعض مخصوص اضلاع میں بھی مسلم کارکنوں کی بڑی تعداد پائی جاتی ہے اس لئے ان علاقوں میں مہارتیں، قرضے، ٹکنالوجی اور بازاری کی فراہمی سے متعلق پروگراموں کی خاصی اہمیت ہوگی۔ علاقوں کے لئے مخصوص پروگرام وضع کرنے کے

امکانات پر بھی غور کیا جانا چاہئے۔ بطور خاص ان 58 اضلاع میں جہاں مجموعی آبادی میں مسلمانوں کا تناسب 25 فی صد سے زیادہ ہے (دیکھئے تیسرا باب)۔ خاص توجہ چھوٹے کاروباروں کی پیداواریت میں اضافہ کرنے پر ہونی چاہئے جہاں مسلم کارکنوں کی ایک بڑی تعداد سرگرم ہے۔ ان کاروباروں کے لئے معمول سے الگ اقدامات کارگر ہو سکتے ہیں۔ جدید ٹیکنیک اور ڈیزائن کی مہارتوں اور حرفتی مہارتوں کے موثر استخراج کے لئے کارگر حکمت عملی ترتیب دینے کی فرض سے گہرا مطالعہ درکار ہے۔ بنگلور کے دیہی اور شہری علاقوں میں 'نایا آرکھیک' کے ذریعے کئے جانے والے اقدامات ان کوششوں کے لئے ماڈل کام کر سکتے ہیں (باکس 5.1)۔ ان اقدامات کا اہم پہلو یہ ہے کہ ان کے تحت حرفتی مہارتوں کو فروغ دیا جاتا ہے اور ایسی صلاحیتیں پیدا کی جاتی ہیں جو تیزی سے بدلتے ہوئے بازار کے مزاج کو سمجھ سکیں اور اپنی طرف مائل

کر سکیں۔ اس قسم کے اقدامات سے مورفی صنعتوں سے وابستہ کارکنوں کو مدد ملے گی جب کہ جموں کی حکا صنعتوں میں لگے ہوئے کارکنوں کے لئے منتقلی کی حکمت عملی مناسب ہوگی۔ یہ حکمت عملی کارکنوں میں نئی مہارتیں پیدا کرنے پر مرکوز ہونی چاہئے جن کی مانگ بڑھ رہی ہے۔ ان لوگوں کو جو اسکولی تعلیم مکمل کر چکے ہوں اور جو اسکولی تعلیم ترک کرنے کے بعد مدخل سطح کی تعلیم مکمل کر چکے ہیں ایسی مہارتیں فراہم کرنے کے امکانات کا جائزہ لیا جانا چاہئے۔ پیشتر موجودہ تکنیکی تربیت کے پروگراموں کے لئے بائسٹنڈری تک تعلیم ضروری ہے۔ مسلم نوجوان کی تعلیمی سطحوں کے پیش نظر اس قسم کی تربیت کے اہل نہیں ہوتے۔ مسلمانوں میں اسکولی تعلیم مکمل کرنے کی شرح اور مہارتوں میں اضافے کی اہم ضرورت کے پیش نظر، مدخل تعلیم کے بعد بعض مہارتوں کی تربیت کا نظام قائم کرنا کارگر ہو سکتا ہے۔ پالی ٹیکنک طرز کے کورس کے لئے کم از کم اہلیت میں تخفیف بھی مناسب ہو سکتی ہے۔

بکس 5.1: مایا آرگینک

غیر باضابطہ زمرے میں گذر بسر کے معاملات سے متعلق سسٹمز پر مبنی طریق کار

مایا آرگینک کی کوششیں اس تصور پر مبنی ہیں کہ غریبوں کے فروغ سے متعلق موجودہ ماڈل خالصتاً علامتی نوعیت کے ہیں اور عموماً سرمائے اور تربیت تک رسائی جیسے امور پر علاحدگی میں، اور ایک وسیع تر سیاق میں ان کی معنویت پر نگاہ ڈالے بغیر غور کرتے ہیں۔ یہ ماڈل تیز رفتاری سے بازار پر مبنی ہو جانے والی معیشت جس کے تحت تجارتی ساختوں کی تشکیل نو عمل میں آ رہی ہے کی پیچیدگی اور غریبوں پر پڑنے والے اس کے اثرات کی فہم سے بھی محروم ہے۔ مایا آرگینک ایک ایسی ایجاد پسندانہ ادارہ جاتی ساخت کی ضرورت محسوس کرتی ہے جو بازار کی حقیقتوں کے پیش نظر صلاحیتوں کو فروغ دینے کے کلیدی معاملے پر انفرادی اور تنظیمی دونوں سطحوں پر غور کر سکے۔ ان صلاحیتوں میں بازار کے ہر لمحہ تبدیلی ہوتے ہوئے منظر نامے میں زندہ رہنے اور چلک دار رو یہ اختیار کرنے کے گر سیکھنے کی کوششیں شامل ہوں گی۔ یہ ادارہ جاتی ساخت کام کرنے والے غریبوں کی ایک اجتماعی تشکیل ہے۔ اجتماعیت سازی کی یہ کوشش، ایشیا اور خدمات کی پیداوار کے مقصد کے لئے کام کرنے والے غیر منظم زمرے کے کارکنوں کے گروپوں کی تشکیل کے ذریعے کی جاتی ہے۔

اجتماعیت سازی، صنعت کاری کو کام کرنے والے غریبوں کے فروغ کا ماڈل سمجھنے کی معروف کوتاہیوں کے پیش نظر ضروری ہے۔ مایا زمروں پر مبنی طرز عمل اختیار کرتے ہوئے مخصوص زمروں میں کارکنوں کی اجتماعی ساختیں تشکیل دیتی ہے جو پیداواری اور تجارتی اکائیوں کی طرح کام کرتی ہیں۔ ایسا کرنا بہ تجارتی زمرے کی پیچیدگیوں کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے۔ تاہم ہر اجتماعی ساخت دیگر اجتماعی ساختوں سے قوت حاصل کرتی ہے جس سے مختلف زمروں کو ایک دوسرے سے سیکھنے میں مدد ملتی ہے۔ ان اجتماعی ساختوں کو ایک مضبوط تنظیم کی چھتر چھایا بھی فراہم کی جاتی ہے تاکہ وہ بازار کے ساتھ اپنی شرائط پر معاملہ کر سکیں۔ اس عمومی تنظیم اور مایا آرگینک کے ساتھ ان اجتماعی ساختوں کی وابستگی ایک لمبیل اور برانڈ بھی تشکیل دیتی ہے۔ یہ برانڈ اب تک کے اس خیال کو تبدیل کر رہا ہے کہ غیر منظم زمرے کی مصنوعات اور خدمات گھٹیا معیار اور گھٹیا قدر و قیمت کی ہوتی ہیں۔ اس کوشش کی تحت پیداواری اجتماعی ساختوں کے ذریعے اعلامیہ معیار کی مصنوعات اور خدمات فراہم کی جاتی ہیں جس سے غیر منظم زمرے کے کارکنوں کا وقار بھی بڑھتا ہے۔

'مایا' ان دنوں، بنگلور کے دیہی اور شہری علاقوں میں، ملبوسات، لاکھ کے سامان، لکڑی اور دھات کے کام کے زمروں میں غریب کارکنوں کے آزاد اجتماعی کاروباروں کو فروغ دے رہی ہے۔ یہ مارکیٹنگ، مصنوعات کی ڈیزائننگ اور تیاری اور کارکنوں کی صلاحیتوں کو فروغ دینے کے اہم دائروں میں مدد فراہم کرتی ہے۔ ان زمروں میں مایا کھلونوں اور ان سے متعلق سامان، ملبوسات اور لکڑی و دھات کے فرنیچر کے شعبوں میں خود اپنی مصنوعات تیار کر رہی ہے۔ یہ ملبوسات کا کام دوسروں سے کرانے کے معاملے میں باضابطہ زمرے کی صنعتوں کے لئے خدمات بھی فراہم کر رہی ہے۔ اس کے علاوہ یہ کہ معیار، ڈیزائن اور مصنوعات کی تراشیدگی سے متعلق بازار کی بدلتی ہوئی ضرورتوں کی تکمیل کے اقدامات بھی کئے جا رہے ہیں۔

تعمیرات کے شعبے میں کارکنوں کو منظم کرنے اور فروغ دینے کے سلسلے میں بھی یہی طریقہ استعمال کرنے کی کوشش لیبر نیٹ کی تشکیل کے ذریعے کی جا رہی ہے جس کا مقصد تعمیراتی خدمات کے شعبے میں اجتماعی ساختیں تشکیل دینا ہے۔ لیبر نیٹ کے تحت مختلف کام کرنے والے تعمیراتی کارکنوں کو رجسٹر کر کے بنگلور شہر سے متعلق ایک ڈیٹا میں تشکیل دیا گیا ہے جسے بلڈر اور ٹھیکیدار حسب ضرورت استعمال کر سکتے ہیں۔ اس کے ذریعے ذیلی ٹھیکیداری کے معاملات طے کرنے، تربیت کا نظام قائم کرنے اور کارکنوں کو سماجی تحفظ کے فوائد فراہم کرنے کی بنیاد فراہم ہوتی ہے۔ اس کے تحت کام کے دوران حفاظت کے بندوبست اور تعمیراتی فرموں کے اشتراک سے کام کے دوران مہارتوں کو فروغ دینے کے معاملات پر غور کیا جاتا ہے۔

اس کوشش کو انجام دینے والے نظام کے دو حصے ہیں۔ ایم او ایس ایس (مایا آرگینک سپورٹ سروسز) ایم اے وائی اے کی مارکیٹنگ تنظیم ہے جو بازاروں کے ساتھ رابطہ کرتی ہے، آرڈر حاصل کرتی ہے اور برانڈ سازی کی سرگرمیاں انجام دیتی ہے۔ یہ تمام زمروں کو باہم مربوط بھی کرتی ہے۔ سیکٹر ڈیولپمنٹ اکائیاں ہر زمرے میں کارکنوں کی زیرملکیت اجتماعی ساختیں تشکیل دینے کے لئے ضروری معلومات فراہم کرتی ہیں۔ اس معلومات کا تعلق پیداوار، مہارتوں اور تجارتی صلاحیتوں اور ممبروں کو فلاحی فوائد فراہم کرنے سے ہے۔ مایا کا طریق کار خاصا متنوع ہے جس کے تحت عملی سوجھ بوجھ کے ساتھ اقدامات کئے جاتے ہیں تاکہ اس کوشش کی وسعت اور پہنچ کو فروغ دیتے ہوئے مصنوعات اور خدمات کی قدر و قیمت میں اضافہ کیا جاتا ہے۔ کوئی بھی موجودہ قانونی نظام اس کوشش کے لئے موزوں نہیں ہے مگر پھر بھی خود امدادی گروپوں کے نظام کی مدد لی جاتی ہے لیکن زیادہ کارگر طریقے سے۔ تجارتی سرگرمیوں کے نتیجے میں پیدا ہونے والے وسائل اور زائد رقم کو اس سیکٹر کو فروغ دینے، نئی اجتماعی ساختیں تشکیل دینے اور ممبروں کو سماجی تحفظ کے فوائد فراہم کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

ذریعہ: مایا آرگینک، بنگلور

Table 5.1: Worker Population Ratios (WPR) by Socio-Religious Categories, 2004-05 (Principal and Subsidiary Status, (15-64 years)

| Social Group | | Urban | Rural | Male | Female | Total |
|------------------|------------|-------|-------|------|--------|-------|
| Hindus | All Hindus | 53.1 | 70.3 | 84.9 | 46.1 | 65.8 |
| | SCs/STs | 56.3 | 74.5 | 87.3 | 54.9 | 71.4 |
| | OBCs | 56.4 | 70.5 | 85.8 | 48.3 | 67.3 |
| | UC | 49 | 63.5 | 80.8 | 33.1 | 57.4 |
| Muslims | | 51.1 | 57 | 84.6 | 25.2 | 54.9 |
| Other Minorities | | 51.6 | 70.2 | 81.8 | 47.2 | 64.5 |
| All | | 52.7 | 68.9 | 84.6 | 43.6 | 64.4 |

Table 5.2: Unemployment Rate by Social Religious Categories, All Age Groups, Daily Status

| | Hindus | | | | Muslims | Other Minorities | All |
|--------|------------|---------|------|-----|---------|------------------|-----|
| | All Hindus | SCs/STs | OBCs | UC | | | |
| Urban | 8.1 | 10.5 | 8.2 | 6.8 | 8.1 | 10.9 | 8.3 |
| Rural | 8.0 | 10.0 | 7.4 | 6.0 | 8.4 | 10.8 | 8.2 |
| Male | 7.2 | 10.2 | 7.0 | 5.1 | 8.1 | 10.2 | 7.8 |
| Female | 9.0 | 9.9 | 8.8 | 8.0 | 9.2 | 12.2 | 9.2 |

Table 5.3: Distribution of Male and Female Workers in Each Socio-Religious Category by Activity Status 2004-05, All Workers (Principal and Subsidiary, aged 15-64)

| Activity Status | Hindus | | | | Muslims | Other Minorities | All |
|--|---------------|---------|------|------|---------|------------------|------|
| | All Hindus | SCs/STs | OBCs | UC | | | |
| | All | | | | | | |
| Own account worker in household enterprise | 29.6 | 22.9 | 31.5 | 35.1 | 39.4 | 31.4 | 30.7 |
| Employer in household enterprise | 1.1 | 0.3 | 0.9 | 2.5 | 1.4 | 2.5 | 1.2 |
| Unpaid family worker in household enterprise | 24.6 | 20.0 | 28.2 | 24.5 | 20.2 | 21.6 | 24 |
| Regular wage/salaried | 14.7 | 10.4 | 12.4 | 24.7 | 13.0 | 19.2 | 14.8 |
| Casual in public work | 0.1 | 0.2 | 0.1 | 0.1 | 0.2 | 0.1 | 0.1 |
| Casual in other work | 29.9 | 46.2 | 26.9 | 13.1 | 25.8 | 25.2 | 29.2 |
| Total | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 |
| | Male | | | | | | |
| Own account worker in household enterprise | 37.3 | 29.8 | 40.5 | 40.7 | 42.5 | 34.3 | 37.7 |
| Employer in household enterprise | 1.5 | 0.4 | 1.2 | 3.2 | 1.4 | 3.4 | 1.6 |
| Unpaid family worker in household enterprise | 14.2 | 10.2 | 16.5 | 15.4 | 13.5 | 13.6 | 14.1 |
| Regular wage/salaried | 18.1 | 13.0 | 15.6 | 28.0 | 14.9 | 21.7 | 17.9 |
| Casual in public work | 0.1 | 0.2 | 0.1 | 0.1 | 0.2 | 0.1 | 0.1 |
| Casual in other work | 28.8 | 46.4 | 26.2 | 12.6 | 27.5 | 27.0 | 28.6 |
| Total | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 |
| | Female | | | | | | |
| Own account worker in household enterprise | 14.9 | 11.6 | 15 | 20.9 | 29.1 | 26.5 | 16.6 |
| Employer in household enterprise | 0.4 | 0.1 | 0.4 | 0.7 | 1.3 | 1.0 | 0.5 |
| Unpaid family worker in household enterprise | 44.4 | 36.2 | 49.5 | 47.8 | 42.5 | 35.4 | 43.7 |
| Regular wage/salaried | 8.2 | 6.0 | 6.6 | 16.0 | 6.9 | 15.0 | 8.6 |
| Casual in public work | 0.2 | 0.2 | 0.2 | 0.2 | 0.0 | 0.1 | 0.2 |
| Casual in other work | 31.9 | 46.0 | 28.3 | 14.5 | 20.1 | 22.0 | 30.4 |
| Total | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 |

Table 5.4: Distribution of Workers in Each Socio-Religious Category by Activity Status and Place of Residence - 2004-05, All Workers (Principal and Subsidiary, aged 15-64)

| Activity Status | Hindus | | | | Muslims | Other Minorities | All |
|--|------------|---------|------|------|---------|------------------|------|
| | All Hindus | SCs/STs | OBCs | UC | | | |
| Urban | | | | | | | |
| Own account worker in household enterprise | 29.7 | 25.5 | 30.9 | 30.8 | 39.4 | 26.9 | 30.9 |
| Employer in household enterprise | 2.3 | 0.6 | 1.7 | 3.7 | 2.0 | 4.2 | 2.4 |
| Unpaid family worker in household enterprise | 10.6 | 7.3 | 13.5 | 9.5 | 15.9 | 10.1 | 11.3 |
| Regular wage/salaried | 42.3 | 39.9 | 36.4 | 49.3 | 27 | 44.7 | 40.3 |
| Casual in public work | 0.1 | 0.2 | 0.1 | 0.1 | 0.2 | 0.1 | 0.1 |
| Casual in other work | 15 | 26.6 | 17.4 | 6.7 | 15.5 | 13.9 | 15 |
| Total | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 |
| Rural | | | | | | | |
| Own account worker in household enterprise | 29.6 | 22.5 | 31.6 | 37.6 | 39.4 | 32.9 | 30.6 |
| Employer in household enterprise | 0.8 | 0.2 | 0.8 | 1.8 | 1.0 | 1.9 | 0.9 |
| Unpaid family worker in household enterprise | 28.4 | 22.0 | 31.6 | 32.8 | 22.2 | 25.3 | 27.7 |
| Regular wage/salaried | 7.2 | 5.7 | 6.8 | 11.0 | 6.4 | 10.9 | 7.4 |
| Casual in public work | 0.2 | 0.2 | 0.1 | 0.2 | 0.2 | 0.1 | 0.2 |
| Casual in other work | 33.9 | 49.4 | 29.1 | 16.7 | 30.8 | 28.8 | 33.3 |
| Total | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 |

Table 5.5: Distribution of Workers in Each Socio- Religious Categories by Enterprise- Type in Rural and Urban Areas, 2004-05, (All workers aged 15-64 years)

| | Hindus | | | | Muslims | Other Minorities | All |
|---|------------|---------|------|------|---------|------------------|------|
| | All Hindus | SCs/STs | OBCs | UC | | | |
| Urban | | | | | | | |
| Informal Sector | 76.9 | 78.5 | 82.2 | 71.4 | 92.1 | 76.4 | 79.1 |
| Proprietary Male | 59.2 | 58.6 | 65.7 | 53.6 | 76.2 | 55.4 | 61.5 |
| Proprietary Female | 5.7 | 6.3 | 5.9 | 5.2 | 7.4 | 5.5 | 5.9 |
| Partnership with members of same household | 2.8 | 2.4 | 2.5 | 3.4 | 2.8 | 4.0 | 2.9 |
| Partnership with members of other household | 2.3 | 1.5 | 2.3 | 2.6 | 1.4 | 2.8 | 2.2 |
| Others | 6.9 | 9.8 | 5.8 | 6.5 | 4.3 | 8.6 | 6.6 |
| Formal Sector | 23.1 | 21.5 | 17.8 | 28.6 | 7.9 | 23.6 | 20.9 |
| Government/Public sector | 15.4 | 16.6 | 11.3 | 18.4 | 5.6 | 15.5 | 13.9 |
| Public/Private Ltd Company | 7.7 | 4.9 | 6.5 | 10.2 | 2.3 | 8.1 | 6.9 |
| Total | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 |
| Rural | | | | | | | |
| Informal Sector | 87.7 | 88.1 | 89.8 | 82.8 | 94.2 | 88.1 | 88.5 |
| Proprietary Male | 67.7 | 67.6 | 70.6 | 61.9 | 72.6 | 53.0 | 67.3 |
| Proprietary Female | 11.8 | 11.2 | 11.9 | 12.6 | 13.7 | 23.5 | 12.9 |
| Partnership with members of same household | 1.7 | 1.5 | 1.7 | 1.9 | 1.6 | 4.9 | 1.9 |
| Partnership with members of other household | 1.3 | 1.0 | 1.3 | 1.5 | 1.0 | 0.8 | 1.2 |
| Others | 5.2 | 6.7 | 4.3 | 4.9 | 5.2 | 5.8 | 5.2 |
| Formal Sector | 12.3 | 11.9 | 10.2 | 17.2 | 5.8 | 11.9 | 11.5 |
| Government/Public sector | 9.0 | 8.8 | 7.2 | 13.0 | 4.8 | 9.7 | 8.5 |
| Public/Private Ltd Company | 3.3 | 3.1 | 3.0 | 4.2 | 1.0 | 2.2 | 3.0 |
| Total | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 |

Table 5.6: Distribution of Workers in Each Socio-Religious Categories by Enterprise-Type for Male and Female Workers, 2004-05, (All workers aged 15-64 years)

| | Hindus | | | | Muslims | Other Minorities | All |
|---|---------------|-------------|-------------|-------------|-------------|------------------|-------------|
| | All Hindus | SCs/STs | OBCs | UC | | | |
| | Male | | | | | | |
| Informal Sector | 81.0 | 83.1 | 85.1 | 74.0 | 92.6 | 80.4 | 82.7 |
| Proprietary Male | 71.1 | 72.6 | 76.2 | 63.3 | 84.2 | 68 | 72.8 |
| Proprietary Female | 0.6 | 0.6 | 0.6 | 0.5 | 0.4 | 0.6 | 0.6 |
| Partnership with members of same household | 2.3 | 1.9 | 2.1 | 3.1 | 2.3 | 3.7 | 2.4 |
| Partnership with members of other household | 2.0 | 1.3 | 2.1 | 2.5 | 1.4 | 2.1 | 1.9 |
| Others | 5.0 | 6.7 | 4.1 | 4.7 | 4.2 | 5.8 | 4.9 |
| Formal Sector | 19.0 | 16.9 | 14.9 | 26.0 | 7.4 | 19.6 | 17.3 |
| Government/Public sector | 12.9 | 12.8 | 9.9 | 16.9 | 5.6 | 13.6 | 11.9 |
| Public/Private Ltd Company | 6.1 | 4.1 | 5.0 | 9.1 | 1.8 | 6.1 | 5.4 |
| Total | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 |
| | Female | | | | | | |
| Informal Sector | 88.3 | 89.4 | 91.1 | 82.3 | 95.3 | 87.9 | 89 |
| Proprietary Male | 44.8 | 44.3 | 49.8 | 37.1 | 38.4 | 30.4 | 42.8 |
| Proprietary Female | 32.2 | 32.1 | 32.0 | 32.8 | 47.7 | 42 | 34.8 |
| Partnership with members of same household | 1.8 | 1.6 | 1.8 | 1.9 | 1.8 | 5.9 | 2.2 |
| Partnership with members of other household | 0.9 | 0.8 | 0.9 | 1.0 | 0.4 | 0.9 | 0.8 |
| Others | 8.6 | 10.5 | 6.8 | 9.6 | 7.0 | 8.8 | 8.4 |
| Formal Sector | 11.7 | 10.6 | 8.9 | 17.7 | 4.7 | 12.1 | 11.0 |
| Government/Public sector | 8.7 | 7.8 | 6.0 | 14 | 3.5 | 9.8 | 8.2 |
| Public/Private Ltd Company | 3.1 | 2.7 | 2.9 | 3.7 | 1.2 | 2.3 | 2.8 |
| Total | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 |

Table 5.7: Distribution of Workers in Each Socio- Religious Category by Location of Work, 2004-05,
(All workers aged 15-64)

| Location of Work | Hindus | | | | Muslims | Other Minorities | All |
|----------------------------|------------|---------|------|------|---------|---------------------|------|
| | All Hindus | SCs/STs | OBCs | UC | | | |
| Urban | | | | | | | |
| No fixed place | 3.8 | 5.6 | 4.2 | 2.5 | 5.1 | 2.7 | 3.9 |
| Own dwelling | 13.2 | 12.4 | 14.8 | 12.1 | 20.1 | 9.5 | 13.9 |
| Own enterprise | 17.5 | 8.2 | 16.7 | 22.8 | 21.3 | 21.8 | 18.3 |
| Employer's Dwelling | 5.5 | 8.5 | 4.7 | 4.7 | 4.2 | 5.8 | 5.3 |
| Employer's Enterprise | 43.3 | 40.3 | 40.9 | 46.9 | 28.5 | 45.0 | 41.2 |
| Street- Fixed location | 3.2 | 4.2 | 3.5 | 2.4 | 3.2 | 2.4 | 3.1 |
| Street-No fixed location | 4.0 | 6.2 | 4.6 | 2.2 | 7.4 | 2.0 | 4.3 |
| Construction sites | 6.6 | 11.0 | 7.7 | 3.3 | 6.5 | 7.8 | 6.6 |
| Others | 3.1 | 3.6 | 2.8 | 3.2 | 3.8 | 3.2 | 3.2 |
| Total | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 |
| Rural | | | | | | | |
| No fixed place | 9.3 | 12.1 | 8.8 | 6.5 | 11.3 | 5.6 | 9.3 |
| Own dwelling | 29.0 | 24.3 | 32.0 | 29.4 | 31.3 | 35.8 | 29.8 |
| Own enterprise | 14.5 | 8.6 | 15.6 | 20.9 | 15.7 | 15.6 | 14.7 |
| Employer's Dwelling | 2.9 | 3.8 | 2.5 | 2.4 | 3.7 | 2.6 | 3.0 |
| Employer's Enterprise | 23.2 | 21.2 | 22.3 | 28.3 | 16.2 | 21.5 | 22.3 |
| Street- Fixed location | 2.3 | 2.4 | 2.5 | 1.5 | 3.6 | 1.9 | 2.4 |
| Street - No fixed location | 3.1 | 4.1 | 2.8 | 2.3 | 5.8 | 1.8 | 3.3 |
| Construction sites | 11.4 | 18.5 | 9.5 | 5.0 | 9.3 | 10.6 | 11.0 |
| Others | 4.2 | 5.2 | 4.0 | 3.6 | 3.1 | 4.6 | 4.2 |
| Total | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 |

Table 5.8: Distribution of Male and Female Workers in Each Socio- Religious Category by Location of Work, 2004-05, (All workers aged 15-64)

| Location of Work | Hindus | | | | Muslims | Other Minorities | All |
|----------------------------|------------|---------|------|------|---------|------------------|------|
| | All Hindus | SCs/STs | OBCs | UC | | | |
| | Male | | | | | | |
| No fixed place | 8.2 | 11.7 | 8.5 | 5.0 | 9.6 | 6.2 | 8.3 |
| Own dwelling | 12.3 | 10.8 | 14.7 | 10.2 | 13.8 | 8.7 | 12.3 |
| Own enterprise | 17.6 | 9.0 | 17.5 | 24.9 | 21.9 | 21.1 | 18.5 |
| Employer's Dwelling | 3.0 | 3.7 | 2.6 | 2.9 | 3.5 | 2.7 | 3.0 |
| Employer's Enterprise | 36.5 | 31.9 | 34.3 | 43.2 | 25.5 | 37.2 | 35.0 |
| Street- Fixed location | 3.1 | 3.4 | 3.4 | 2.4 | 4.3 | 2.8 | 3.3 |
| Street - No fixed location | 4.1 | 5.4 | 4.2 | 2.8 | 8.0 | 2.6 | 4.6 |
| Construction sites | 11.0 | 19.0 | 10.8 | 4.8 | 9.7 | 13.5 | 11.0 |
| Others | 4.2 | 5.1 | 4.0 | 4.0 | 3.9 | 5.2 | 4.2 |
| Total | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 |
| | Female | | | | | | |
| No fixed place | 3.3 | 5.3 | 3.2 | 1.5 | 3.6 | 1.2 | 3.2 |
| Own dwelling | 48.7 | 44.5 | 52.1 | 47.5 | 69.7 | 51.8 | 51.3 |
| Own enterprise | 10.9 | 6.8 | 12.4 | 12.8 | 6.3 | 13.3 | 10.7 |
| Employer's Dwelling | 7.0 | 9.7 | 5.4 | 6.5 | 5.8 | 6.1 | 6.7 |
| Employer's Enterprise | 19.8 | 16.7 | 17.5 | 27.2 | 9.8 | 21.5 | 18.9 |
| Street- Fixed location | 1.5 | 2.0 | 1.5 | 1.0 | 0.4 | 1.0 | 1.3 |
| Street - No fixed location | 1.7 | 3.0 | 1.8 | 0.3 | 1.5 | 0.6 | 1.6 |
| Construction sites | 4.6 | 8.4 | 3.9 | 1.5 | 1.1 | 2.5 | 4.0 |
| Others | 2.5 | 3.7 | 2.3 | 1.6 | 1.9 | 2.2 | 2.4 |
| Total | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 |

Table 5.9: Distribution of Male and Female Workers in Each Socio-Religious Category by Industry Groups, 2004-05, (All workers aged 15-64)

| Industry Group | Hindus | | | | Muslims | Other Minorities | All |
|---|------------|---------|------|------|---------|------------------|------|
| | All Hindus | SCs/STs | OBCs | UC | | | |
| All | | | | | | | |
| Agriculture, livestock, forestry etc. | 59.9 | 66.6 | 62.1 | 47.1 | 39.8 | 56.4 | 57.7 |
| Mining and quarrying | 0.6 | 0.9 | 0.5 | 0.5 | 0.3 | 0.5 | 0.6 |
| Manufacturing | 11.0 | 8.7 | 11.9 | 12.4 | 20.5 | 9.0 | 11.8 |
| Electricity, gas and water | 0.3 | 0.2 | 0.2 | 0.4 | 0.3 | 0.5 | 0.3 |
| Construction | 5.6 | 8.0 | 5.1 | 3.3 | 6.8 | 6.1 | 5.8 |
| Wholesale and retail trade | 8.1 | 4.7 | 7.7 | 13.4 | 16.8 | 9.7 | 9.1 |
| Hotels & Restaurant | 1.3 | 0.6 | 1.4 | 1.9 | 1.3 | 1.1 | 1.3 |
| Transport, Storage and communications | 3.7 | 3.3 | 3.4 | 4.8 | 6.4 | 4.2 | 4.0 |
| Finance, insurance, real estate etc. | 1.6 | 0.7 | 1.1 | 3.7 | 1.2 | 2.3 | 1.6 |
| Community, social and personal services | 7.9 | 6.3 | 6.6 | 12.4 | 6.8 | 10.2 | 7.9 |
| Total | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 |
| Male | | | | | | | |
| Agriculture, livestock, forestry etc. | 51.6 | 58.5 | 53.9 | 39.8 | 36.3 | 47.7 | 49.6 |
| Mining and quarrying | 0.8 | 1.1 | 0.7 | 0.7 | 0.4 | 0.7 | 0.7 |
| Manufacturing | 11.7 | 9.1 | 12.7 | 13.1 | 17.1 | 9.3 | 12.2 |
| Electricity, gas and water | 0.4 | 0.4 | 0.3 | 0.6 | 0.3 | 0.7 | 0.4 |
| Construction | 7.6 | 11.1 | 7.1 | 4.2 | 8.5 | 8.8 | 7.7 |
| Wholesale and retail trade | 10.8 | 6.4 | 10.2 | 17.1 | 20.2 | 13.3 | 12.1 |
| Hotels & Restaurant | 1.5 | 0.8 | 1.6 | 2.2 | 1.4 | 1.4 | 1.5 |
| Transport, Storage and communications | 5.5 | 5.2 | 5.1 | 6.4 | 8.2 | 6.3 | 5.8 |
| Finance, insurance, real estate etc. | 2.1 | 0.9 | 1.5 | 4.5 | 1.3 | 3.0 | 2.1 |
| Community, social and personal services | 8.0 | 6.4 | 6.9 | 11.6 | 6.3 | 8.8 | 7.8 |
| Total | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 |
| Female | | | | | | | |
| Agriculture, livestock, forestry etc. | 75.8 | 80.0 | 76.9 | 65.5 | 51.8 | 71.4 | 73.8 |
| Mining and quarrying | 0.3 | 0.5 | 0.2 | 0.1 | 0.1 | 0.1 | 0.3 |
| Manufacturing | 9.6 | 7.9 | 10.5 | 10.7 | 31.8 | 8.5 | 11.1 |
| Electricity, gas and water | 0.0 | 0.0 | 0.0 | 0.1 | 0.0 | 0.1 | 0.0 |
| Construction | 1.9 | 2.8 | 1.6 | 1.1 | 0.9 | 1.6 | 1.8 |
| Wholesale and retail trade | 2.9 | 1.9 | 3.2 | 4.2 | 5.3 | 3.3 | 3.1 |
| Hotels & Restaurant | 0.8 | 0.3 | 1.0 | 1.3 | 0.8 | 0.6 | 0.8 |
| Transport, Storage and communications | 0.3 | 0.2 | 0.2 | 0.8 | 0.2 | 0.6 | 0.3 |
| Finance, insurance, real estate etc. | 0.5 | 0.2 | 0.4 | 1.6 | 0.6 | 1.0 | 0.6 |
| Community, social and personal services | 7.8 | 6.2 | 6.0 | 14.6 | 8.5 | 12.7 | 8.1 |
| Total | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 |

Table 5.10: Distribution of Workers in Each Socio- Religious Category by Industry Groups in Rural and Urban Areas, 2004-05, (All workers aged 15-64)

| Industry Group | Hindus | | | | Muslims | Other Minorities | All |
|---|------------|------------|------------|------------|------------|------------------|------------|
| | All Hindus | SCs/STs | OBCs | UC | | | |
| Urban | | | | | | | |
| Agriculture, livestock, forestry etc. | 8.9 | 10.8 | 12.1 | 4.9 | 5.6 | 7.6 | 8.4 |
| Mining and quarrying | 0.9 | 1.1 | 0.8 | 0.9 | 0.2 | 0.4 | 0.8 |
| Manufacturing | 23.5 | 21.2 | 26.4 | 22 | 32.4 | 17.5 | 24.4 |
| Electricity, gas and water | 0.7 | 0.9 | 0.6 | 0.8 | 0.5 | 0.7 | 0.7 |
| Construction | 8.2 | 13.4 | 9.2 | 4.7 | 7.6 | 8.6 | 8.2 |
| Wholesale and retail trade | 19.9 | 14.7 | 18.7 | 23.8 | 28.1 | 23.9 | 21.3 |
| Hotels & Restaurant | 3.3 | 2.2 | 3.7 | 3.5 | 2.2 | 2.8 | 3.1 |
| Transport, Storage and communications | 8.7 | 10.4 | 8.2 | 8.2 | 10.3 | 7.8 | 8.8 |
| Finance, insurance, real estate etc. | 5.6 | 2.7 | 4.1 | 8.7 | 2.8 | 7.1 | 5.3 |
| Community, social and personal services | 20.1 | 22.6 | 16.2 | 22.6 | 10.3 | 23.7 | 18.9 |
| Total | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 |
| Rural | | | | | | | |
| Agriculture, livestock, forestry etc. | 73.7 | 75.5 | 73.7 | 70.5 | 56.3 | 72.3 | 72.1 |
| Mining and quarrying | 0.6 | 0.8 | 0.5 | 0.3 | 0.4 | 0.5 | 0.5 |
| Manufacturing | 7.6 | 6.7 | 8.5 | 7.1 | 14.7 | 6.3 | 8.1 |
| Electricity, gas and water | 0.1 | 0.1 | 0.1 | 0.3 | 0.2 | 0.4 | 0.2 |
| Construction | 4.9 | 7.1 | 4.2 | 2.5 | 6.4 | 5.3 | 5.1 |
| Wholesale and retail trade | 4.9 | 3.1 | 5.2 | 7.7 | 11.3 | 5.0 | 5.5 |
| Hotels & Restaurant | 0.7 | 0.4 | 0.8 | 1.0 | 0.8 | 0.5 | 0.7 |
| Transport, Storage and communications | 2.4 | 2.2 | 2.3 | 2.9 | 4.5 | 3.1 | 2.6 |
| Finance, insurance, real estate etc. | 0.5 | 0.3 | 0.4 | 1.0 | 0.4 | 0.7 | 0.5 |
| Community, social and personal services | 4.6 | 3.7 | 4.3 | 6.8 | 5.1 | 5.8 | 4.7 |
| Total | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 |

Table 5.12: Distribution of Workers in Each Socio-Religious Category by Occupation Groups, 2004-05, (All workers aged 15-64)

| Occupational Categories | Hindus | | | | Muslims | Other Minorities | All |
|---|------------|------------|------------|------------|------------|------------------|------------|
| | All Hindus | SCs/STs | OBCs | UC | | | |
| Male | | | | | | | |
| Professional, Technical and Related Workers | 4.1 | 2.1 | 2.9 | 8.1 | 3.0 | 5.0 | 4.0 |
| Administrative, Executive and Managerial Workers | 3.9 | 1.5 | 3.1 | 8.1 | 4.7 | 6.2 | 4.2 |
| Clerical and Related Workers | 3.6 | 2.2 | 3.0 | 6.4 | 1.9 | 4.3 | 3.5 |
| Sales Workers | 9.1 | 4.9 | 8.5 | 15.0 | 16.2 | 9.9 | 10.0 |
| Service Workers | 3.9 | 3.7 | 4.1 | 3.8 | 3.1 | 3.2 | 3.8 |
| Farmers, Fishermen, Hunters, Loggers and Related Workers | 51.5 | 58.3 | 53.9 | 39.7 | 35.8 | 47.7 | 49.5 |
| Production and Related Workers, Transport Equipment Operators and Labourers | 23.8 | 27.3 | 24.5 | 18.8 | 35.2 | 23.7 | 25.2 |
| Workers not classified by Occupation | 0.0 | 0.0 | 0.0 | 0.0 | 0.1 | 0.0 | 0.0 |
| Total | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 |
| Female | | | | | | | |
| Professional, Technical and Related Workers | 3.5 | 1.4 | 2.3 | 9.9 | 3.8 | 4.0 | 3.7 |
| Administrative, Executive and Managerial Workers | 1.5 | 0.9 | 1.2 | 3.2 | 2.9 | 3.7 | 1.6 |
| Clerical and Related Workers | 1.1 | 0.4 | 0.8 | 3.1 | 0.5 | 0.7 | 1.2 |
| Sales Workers | 3.0 | 2.1 | 3.3 | 3.9 | 4.8 | 5.2 | 3.1 |
| Service Workers | 4.4 | 4.9 | 4.0 | 4.4 | 4.9 | 5.6 | 4.5 |
| Farmers, Fishermen, Hunters, Loggers and Related Workers | 75.6 | 79.7 | 76.9 | 65.4 | 51.5 | 48.4 | 73.7 |
| Production and Related Workers, Transport Equipment Operators and Labourers | 10.9 | 10.6 | 11.5 | 10.1 | 31.5 | 32.3 | 12.2 |
| Workers not classified by Occupation | 0.0 | 0.0 | 0.0 | 0.0 | 0.0 | 0.1 | 0.0 |
| Total | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 |

Table 5.13: Conditions of Work of Regular Salaried /Wage (15-64 years) by Socio-Religious Categories, 2004-05

| Contract | Hindus | | | | Muslims | Other Minorities | All |
|--|------------|---------|------|------|---------|------------------|------|
| | All Hindus | SCs/STs | OBCs | UC | | | |
| Duration of the Contract | | | | | | | |
| No written | 58.2 | 62.9 | 62.6 | 51.7 | 72.8 | 57.3 | 59.4 |
| <= 1yr | 2.3 | 1.8 | 2.3 | 2.6 | 1.6 | 2.4 | 2.3 |
| >1 to 3yrs | 2.3 | 1.4 | 2.1 | 2.8 | 2.0 | 1.7 | 2.2 |
| >3yrs | 37.2 | 33.8 | 32.9 | 42.9 | 23.6 | 38.6 | 36.1 |
| Total | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 |
| Social Security Benefits | | | | | | | |
| Only PF/Pension | 9.5 | 9.4 | 8.6 | 10.5 | 6.5 | 9.1 | 9.2 |
| Only Gratuity | 0.8 | 0.8 | 0.5 | 0.9 | 0.4 | 0.4 | 0.7 |
| Only Health Care & Maternity Benefits | 1.4 | 1.1 | 1.4 | 1.4 | 1.1 | 1.3 | 1.3 |
| Only PF/Pension & Gratuity | 2.7 | 2.3 | 2.3 | 3.4 | 1.6 | 2.0 | 2.6 |
| Only PF/Pension & health care & maternity benefits | 2.7 | 2.4 | 2.5 | 3.1 | 1.9 | 3.1 | 2.7 |
| Only Gratuity & Health Care & Maternity Benefits | 1.4 | 1.2 | 1.4 | 1.7 | 1.1 | 1.0 | 1.4 |
| Health Care & Maternity Benefits | 28.1 | 25.2 | 23.7 | 33.5 | 17.0 | 31.7 | 27.3 |
| Not Eligible for any | 53.4 | 57.5 | 59.6 | 45.6 | 70.5 | 51.4 | 54.8 |
| Total | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 |
| Method of Payment | | | | | | | |
| Regular Monthly Salary | 90.4 | 87.7 | 87.1 | 94.8 | 81.7 | 93.1 | 89.8 |
| Regular Weekly Payment | 4.2 | 5.6 | 6.4 | 1.6 | 7.9 | 2.4 | 4.4 |
| Daily Payment | 1.1 | 1.3 | 1.7 | 0.5 | 4.2 | 1.4 | 1.4 |
| Piece Rate Payment | 2.6 | 3.2 | 3.5 | 1.5 | 4.0 | 1.1 | 2.6 |
| Others | 1.6 | 2.2 | 1.3 | 1.6 | 2.2 | 2.0 | 1.7 |
| Total | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 | 100 |

Table 5.14: Changes in Industrial and Occupational Profile of Workers of Different Socio-Religious Categories over time

| Years | Hindus | | | | Muslims | Other Minorities | All |
|-----------------------------------|------------|---------|------|------|---------|------------------|------|
| | All Hindus | SCs/STs | OBCs | UC | | | |
| A. Shares in manufacturing | | | | | | | |
| All | | | | | | | |
| 2004-05 | 11.0 | 8.7 | 11.9 | 12.4 | 20.5 | 9.0 | 11.8 |
| 1999-00 | 9.9 | 7.5 | 11.0 | 11.1 | 18.1 | 8.0 | 10.6 |
| 1993-94 | 14.2 | 11.0 | | | 20.9 | 16.8 | 14.9 |
| Male | | | | | | | |
| 2004-05 | 11.7 | 9.1 | 12.7 | 13.1 | 17.1 | 9.3 | 12.2 |
| 1999-00 | 10.9 | 8.1 | 11.6 | 12.8 | 15.6 | 8.8 | 11.3 |
| 1993-94 | 12.7 | 9.6 | | | 16.0 | 11.6 | 13.0 |
| Female | | | | | | | |
| 2004-05 | 9.6 | 7.9 | 10.5 | 10.7 | 31.8 | 8.5 | 11.1 |
| 1999-00 | 7.9 | 6.6 | 9.9 | 6.5 | 27.0 | 6.4 | 9.0 |
| 1993-94 | 17.2 | 13.2 | | | 38.1 | 27.1 | 18.9 |
| Urban | | | | | | | |
| 2004-05 | 23.5 | 21.2 | 26.4 | 22.0 | 32.4 | 17.5 | 24.4 |
| 1999-00 | 22.0 | 17.7 | 24.7 | 22.0 | 28.1 | 16.2 | 22.5 |
| 1993-94 | 25.4 | 20.3 | | | 30.9 | 20.1 | 25.7 |
| Rural | | | | | | | |
| 2004-05 | 7.6 | 6.7 | 8.5 | 7.1 | 14.7 | 6.3 | 8.1 |
| 1999-00 | 6.8 | 6.0 | 8.0 | 5.7 | 13.1 | 5.1 | 7.2 |
| 1993-94 | 11.5 | 9.8 | | | 15.7 | 15.8 | 12.1 |
| B. Shares in trade | | | | | | | |
| All | | | | | | | |
| 2004-05 | 8.1 | 4.7 | 7.7 | 13.4 | 16.8 | 9.7 | 9.1 |
| 1999-00 | 7.6 | 4.0 | 7.5 | 12.1 | 17.8 | 9.4 | 8.7 |
| 1993-94 | 6.3 | 3.4 | | | 14.0 | 8.3 | 7.1 |
| Male | | | | | | | |
| 2004-05 | 10.8 | 6.4 | 10.2 | 17.1 | 20.2 | 13.3 | 12.1 |
| 1999-00 | 9.9 | 5.2 | 9.6 | 15.0 | 21.1 | 12.0 | 11.3 |
| 1993-94 | 8.1 | 4.3 | | | 16.3 | 10.6 | 9.1 |
| Female | | | | | | | |
| 2004-05 | 2.9 | 1.9 | 3.2 | 4.2 | 5.3 | 3.3 | 3.1 |
| 1999-00 | 3.0 | 1.9 | 3.4 | 4.1 | 5.7 | 4.4 | 3.3 |
| 1993-94 | 2.6 | 2.0 | | | 5.6 | 3.6 | 2.8 |
| Urban | | | | | | | |
| 2004-05 | 19.9 | 14.7 | 18.7 | 23.8 | 28.1 | 23.9 | 21.3 |
| 1999-00 | 21.8 | 14.8 | 21.8 | 25.1 | 32.6 | 24.4 | 23.5 |
| 1993-94 | 16.5 | 9.9 | | | 21.7 | 18.8 | 17.3 |

Table 5.14 (Contd.): Changes in Industrial and Occupational Profile of Workers of Different Socio-Religious Categories over time

| Years | Hindus | | | | Muslims | Other Minorities | All |
|--|------------|---------|------|------|---------|------------------|-----|
| | All Hindus | SCs/STs | OBCs | UC | | | |
| Rural | | | | | | | |
| 2004-05 | 4.9 | 3.1 | 5.2 | 7.7 | 11.3 | 5.0 | 5.5 |
| 1999-00 | 4.0 | 2.4 | 4.4 | 5.8 | 10.4 | 4.3 | 4.5 |
| 1993-94 | 3.8 | 2.5 | | | 10.0 | 4.9 | 4.3 |
| C. Shares in administrative, executive and managerial workers | | | | | | | |
| All | | | | | | | |
| 2004-05 | 3.5 | 1.4 | 2.7 | 7.7 | 4.5 | 5.1 | 3.7 |
| 1999-00 | 2.7 | 1.1 | 2.2 | 5.4 | 3.8 | 3.6 | 2.9 |
| 1993-94 | 1.8 | 0.6 | | 2.3 | 2.8 | 3.1 | 1.9 |
| Male | | | | | | | |
| 11 2004-05 | 3.9 | 1.5 | 3.1 | 8.1 | 4.7 | 6.2 | 4.2 |
| 1999-00 | 3.4 | 1.3 | 2.6 | 6.5 | 4.2 | 4.7 | 3.6 |
| 1993-94 | 2.2 | 0.7 | | 2.8 | 3.0 | 4.0 | 2.3 |
| Female | | | | | | | |
| 2004-05 | 1.6 | 1.0 | 1.3 | 3.6 | 2.9 | 1.9 | 1.7 |
| 1999-00 | 1.4 | 0.7 | 1.5 | 2.1 | 2.3 | 1.4 | 1.4 |
| 1993-94 | 1.0 | 0.6 | | 1.2 | 2.2 | 1.4 | 1.1 |
| Urban | | | | | | | |
| 2004-05 | 9.2 | 4.0 | 7.1 | 13.8 | 8.1 | 11.6 | 9.2 |
| 1999-00 | 8.2 | 4.0 | 5.8 | 12.2 | 6.8 | 10.0 | 8.1 |
| 1993-94 | 5.7 | 2.1 | | 6.6 | 4.7 | 9.2 | 5.8 |
| Rural | | | | | | | |
| 2004-05 | 1.5 | 0.9 | 1.4 | 2.8 | 2.5 | 2.2 | 1.6 |
| 1999-00 | 1.3 | 0.7 | 1.4 | 2.0 | 2.3 | 1.4 | 1.4 |
| 1993-94 | 0.8 | 0.5 | | 1.0 | 1.8 | 1.1 | 0.9 |



بینک قرضوں تک رسائی

1- تعارف

مختلف سماجی، مذہبی طبقوں
میں سرکاری اور نجی بینکنگ
اداروں تک غیر مساوی اور غیر
منصفانہ رسائی نا برابری کو جاری
رکھنے کا سبب بن سکتی ہے

قرضوں تک رسائی افراد، گھروں اور فرموں کی اشیاء کے استعمال، پیداوار اور سرمایہ کاری سے متعلق ضرورتوں کے لحاظ سے نہایت اہم ہے۔ مختلف سماجی، مذہبی طبقوں میں سرکاری اور نجی بینکنگ اداروں تک غیر مساوی اور غیر منصفانہ رسائی نا برابری کو جاری رکھنے کا سبب بن سکتی ہے۔ اس باب میں اس بات کا تجزیہ کیا گیا ہے کہ گذشتہ پانچ برسوں کے دوران ملک کے مختلف حصوں میں مسلم فرقے کو مختلف بینکنگ اور قرضہ دینے والے اداروں تک کتنی رسائی حاصل رہی ہے۔

اقلیتوں کی کثیر آبادی والے 44 اضلاع (59 بینک شاخیں) میں وزیر اعظم کے 15 نکاتی پروگرام کے بغور مطالعے کے بعد، ریزرو بینک آف انڈیا (آر بی آئی) نے پایا کہ سرکردہ بینکوں میں اقلیتی فرقوں کے لئے قرضوں کی فراہمی میں اضافہ کرنے پر کوئی توجہ نہیں دی جا رہی ہے۔ اس مطالعے میں کہا گیا کہ بیشتر اضلاع میں اقلیتوں سے متعلق قرضوں کے طالب لوگوں کی مخصوص ضرورتوں پر غور کرنے کے لئے کوئی بھی افسر مقرر نہیں کیا گیا۔ یہاں تک کہ ان میں سے تقریباً آدھے اضلاع میں ضلع مشاورتی کمیٹی کے اجلاس بھی نہیں ہوئے، اور بینکوں کے عملے کو اقلیتی فرقوں کی مخصوص ضرورتوں کے بارے میں حساس نہیں بنایا گیا۔ ترقیاتی پروگراموں کی نشرو اشاعت کا بھی کوئی انتظام نہیں کیا گیا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ تجارتی سرگرمیوں کو فروغ دینے سے متعلق پروگرام کو بھی، جو اہم ترین تھا، آگے نہیں بڑھایا گیا۔ مذکورہ بالا خامیوں کو محسوس کرتے ہوئے، آر بی آئی نے وقفے وقفے سے بعض درستی کے اقدامات کئے۔ اس باب میں یہ جائزہ لیا گیا ہے کہ مسلمان ان اقدامات کا فائدہ اٹھا سکے ہیں۔

اس باب کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ دوسرے حصے میں مسلمانوں کے لئے تجارتی بینکوں کے ترجیحی زمروں سے متعلق قرضوں کی فراہمی کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ اس کے بعد تیسرے حصے میں ان بینکوں کی جمع رقوم میں مسلمانوں کی حصہ داری کا مختصر جائزہ لیا گیا ہے۔ چوتھے حصے میں مخصوص بینکنگ اداروں، این اے بی اے آر ڈی (دیہی علاقوں سے متعلق) اور ایس آئی ڈی بی آئی (چھوٹی صنعتوں کے زمرے کو قرضوں کی فراہمی سے متعلق) کی جانب سے مسلمانوں کو قرضوں کی فراہمی کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ پانچواں اور آخری حصہ اس ساری

بحث کے ماحصل پر مبنی ہے۔

2- شیڈولڈ تجارتی بینکوں کے پی ایس اے

بینکنگ نظام کے ذریعے فراہم کردہ قرضوں میں شیڈولڈ تجارتی بینکوں (ایس سی بی) کے ذریعے دئے جانے والے ترجیحی سیکٹر ایڈوانس (پی ایس اے) (Priority Sector Advance) کا بہت بڑا حصہ ہے۔ 2 آربی آئی ان ایڈوانسوں سے متعلق تفصیلات کے اعداد و شمار پابندی سے جمع کرتا ہے، جس کا تجزیہ ذیل میں پیش کیا گیا ہے۔ آربی آئی اور ایس سی بینکوں سے کمیٹی کے ذریعے طلب کردہ مزید اعداد و شمار کی بنیاد پر ان ایڈوانسوں اور جمع رقوم کی زمرہ وار صورت حال کا تجزیہ کیا گیا ہے تاکہ ان میں مسلمانوں کے حصے اور شرکت کا اندازہ کیا جائے۔

ایس سی بینکوں کو ان کی ملکیت اور کام کاج کی نوعیت کے مطابق پانچ گروپوں میں تقسیم کیا گیا ہے: (1) اسٹیٹ بینک آف انڈیا اور اس سے وابستہ بینک (2) قومی تحویل والے بینک (3) علاقائی دیہی بینک (4) بیرونی بینک اور (5) دیگر ہندوستانی شیڈولڈ تجارتی (نہجی) بینک۔ 31 مارچ 2005 تک ان ایس سی بینکوں میں جمع رقم 17,53,174 کروڑ روپے اور بینک قرضوں کی رقم 11,57,804 کروڑ روپے تھی۔ 3 پی ایس اے کی رقم 3,45,627 کروڑ روپے تھی (آربی آئی کی رقوم کو چھوڑ کر)۔

آربی آئی وقفے وقفے سے بینکوں کو ترجیحی سیکٹر قرضوں اور ایڈوانسوں کے بارے میں رہنما خطوط اور ہدایات جاری کرتا رہتا ہے۔ آربی آئی نے رپورٹنگ نظام میں تبدیلی لاتے ہوئے مشورہ دیا ہے کہ بینکوں کے مجموعی ایڈوانسوں کا 40 فی صد پی ایس اے کے طور پر استعمال کیا جائے۔ تمام ایس سی بینک ہر سال 30 ستمبر اور 31 مارچ کو مجموعی طور پر فراہم کردہ پی ایس اے میں سے مخصوص اقلیتی فرقوں کو فراہم کئے گئے پی ایس اے کے مخصوص اضلاع اور ریاستوں سے متعلق اعداد و شمار پیش کرتے ہیں۔ یہ مخصوص اقلیتیں ہیں: عیسائی، مسلمان، نوبو دھ، سکھ اور مجوسی۔ مندرجہ ذیل تجزیے میں مختلف فرقوں کی اضافی صورت حال کا اندازہ کرنے میں مددگار ہونے والی درجہ بندی کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

یہاں زیر تجزیہ اعداد و شمار 27 پبلک سیکٹر بینکوں اور 29 پرائیویٹ سیکٹر بینکوں کے بارے میں آربی آئی کے ذریعے فراہم کئے گئے ہیں (بینکوں کی فہرست ضمیمہ جدول 6.1 میں دیکھئے)۔ اس تجزیے میں ان دونوں قسم کے بینکوں کے بارے میں الگ الگ تفصیلی تجزیے پیش کئے گئے ہیں۔ کلائنٹ یا استفادہ کاروں کو تین گروپوں میں تقسیم کیا گیا ہے: (1) مسلمان (2) دیگر اقلیتیں اور (3) تمام دیگر۔ اعداد و شمار کا تجزیہ کر کے دیگر گروپوں کی نسبت سے مسلمانوں کو دئے جانے والے قرضوں کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ چونکہ کمیٹی قرضوں کی درخواستوں سے متعلق اعداد و شمار حاصل نہیں کر سکی، اس لئے اس نے تین اشاریوں یعنی کھاتوں کی تعداد، بقایہ رقوم اور ہر کھاتے میں موجود رقم پر تکیہ کیا ہے۔ کھاتوں کی تعداد میں مسلمانوں کا حصہ اس بات کا اشاریہ ہے کہ انہیں پی ایس اے تک رسائی حاصل ہوئی ہے۔ تاہم اس میں قرضوں کی رقم شامل نہیں ہے۔ اس کے بارے میں معلومات بقایہ رقوم میں مسلمانوں کے حصے سے حاصل ہوتی ہے۔ ان دونوں پیمانوں کو یکجا کر کے تیسرے اشاریے یعنی ہر

اس باب میں 27 پبلک سیکٹر بینکوں اور 29 نہجی بینکوں کے اعداد و شمار کا تجزیہ کیا گیا ہے

2 ترجیحی زمرہ ہونے پر زراعت، چھوٹی صنعتوں اور دیگر سرگرمیوں مثلاً چھوٹے کاروبار، خوردہ فروشی، چھوٹے پیمانے کے ٹرانسپورٹ کے کام، پیشہ ور اور خود اپنا کام کرنے والے لوگوں، چھوٹے ہاؤسنگ اور تعلیمی قرضوں، مائیکرو کریڈٹ وغیرہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ بعض خصوصی اداروں مثلاً مالیاتی اداروں، ریاستی صنعتی ترقیاتی کارپوریشنوں، دیہی بجلی کارپوریشن، این اے بی اے آر ڈی، ایس آئی ڈی بی آئی، نیشنل اسمال انڈسٹریز کارپوریشن، لوہڈ، نیشنل ہاؤسنگ بینک اور ہڈ کے ذریعے جاری کردہ ہانڈوں کی صورت میں بینکوں کی طرف سے کی جانے والی سرمایہ کاری کے طور پر کچھ رقوم اس زمرے کے لئے مخصوص کی جاتی ہیں۔ زراعت اور چھوٹی صنعتوں کے لئے راست قرضوں، مارکیٹ پر مبنی سیکورٹیز میں سرمایہ کاری اور بنیادی ڈھانچے کے فروغ سے متعلق فنڈ کے لئے سرمایہ کی صورت میں بینکوں کے ذریعے کی جانے والی سرمایہ کاری کو بھی ترجیحی زمرے سے متعلق قرضوں میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ ان سرمایہ کاریوں کو دیگر کے خانے میں رکھا گیا ہے۔

3 بینکوں کے پانچ گروہوں کے مجموعی بینک قرضے میں حصہ ہاتھ تیب 24 فی صد، 47 فی صد، 3 فی صد، 19 فی صد اور 7 فی صد ہے۔

کھاتے میں موجود رقم کے بارے میں معلومات حاصل کی جاسکتی ہے۔ اس سے قرضوں کے اوسط حجم کا پتہ چلتا ہے یعنی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مسلم پی ایس اے، دیگر فرقوں کے پی ایس اے سے زیادہ ہے یا کم۔

15 نکاتی پروگرام کے تحت
44 اقلیتی اکثریتی اضلاع سے
متعلق اعداد و شمار کا تجزیہ بھی کیا
گیا ہے

یہاں قابل توجہ بات یہ ہے کہ کھاتوں کی مجموعی تعداد میں تمام 29 پبلک سیکٹر بینکوں کا حصہ صرف 3 فی صد ہے مگر زیر مطالعہ عرصے کے دوران بقیہ رقوم میں ان کا مجموعی حصہ 15 فی صد اور 329 کروڑ روپے ہے۔ پی ایس اے کے تحت کھاتہ داروں کی تعداد اور قرضوں میں مختلف فرقوں کے حصوں کو جدول 6.1 میں پیش کیا گیا ہے۔ مجموعی کل ہندسہ اور 15 نکاتی پروگرام کے تحت 44 کثیر اقلیتی آبادی کے اضلاع سے متعلق تخمینے پیش کئے گئے ہیں۔ کل ہندسہ پر کھاتہ داروں میں مسلمانوں کا حصہ اطمینان بخش ہے مگر 44 کثیر اقلیتی آبادی کے اضلاع میں 12 فی صد کی کمی (آبادی میں مسلمانوں کے تناسب کے اعتبار سے) پائی جاتی ہے۔ اگر تمام فراہم کردہ پی ایس اے پر غور کیا جائے تو مجموعی کل ہندسہ پر تقریباً 9 فی صد کی اور 44 اقلیتی کثرت والے اضلاع میں اس سے کہیں زیادہ 25 فی صد کی کمی نظر آتی ہے۔ دوسری جانب کھاتہ داروں میں دیگر کا حصہ موٹے طور پر آبادی میں ان کے تناسب کے برابر ہے مگر پی ایس اے میں انہیں 10 فی صد کی سبقت حاصل ہے۔ دیگر اقلیتوں کی حالت بھی نسبتاً بہتر ہے، بطور خاص 44 اقلیتی کثرت والے اضلاع میں، جہاں کھاتوں اور بقیہ رقوم میں ان کا حصہ آبادی میں ان کے تناسب کا دوگنا ہے۔

یہ رجحانات سرکاری اور نجی دونوں قسم کے بینکوں میں دیکھے جاسکتے ہیں مگر نجی بینکوں میں بقیہ رقوم میں مسلمانوں کا حصہ 2 فی صد زیادہ ہے۔ تمام نجی بینکوں میں زیر غور تمام فرقوں کے تعلق سے خاصی بڑی فی کھاتہ بقیہ رقم پائی جاتی ہے۔ مثلاً سرکاری بینکوں میں بقیہ رقم مسلمانوں کے لئے 19837 روپے، دیگر اقلیتوں کے لئے 40686 روپے اور دیگر کے لئے 54055 روپے تھی مگر نجی بینکوں میں یہ رقوم بالترتیب 111634 روپے، 201840 روپے اور 274911 روپے تھی۔

اوسط بقیہ رقوم کے لحاظ سے مختلف فرقوں میں فرق نجی بینکوں میں قدرے کم ہے۔ اگرچہ اس معاملے میں ذاتی انتخاب کا بھی دخل ہو سکتا ہے یعنی

Table 6.1: Priority Sector Advances extended to SRCs by Type of Bank in India and 44 Selected Minority Concentration Districts (Average of 5 years ending 31 March 2001 to 31 March 2005)

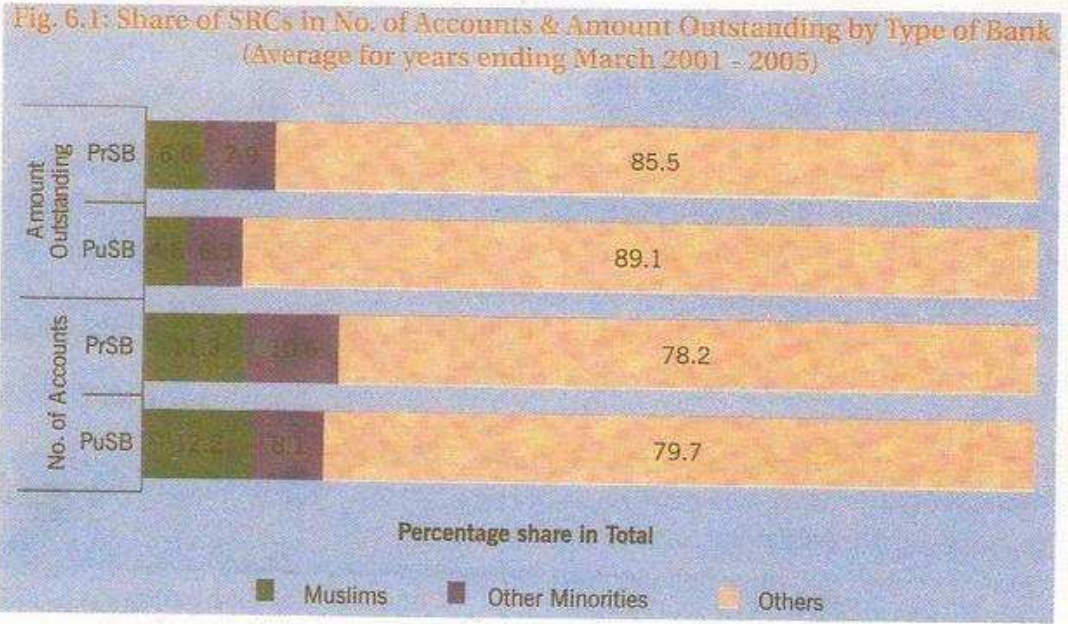
| Parameter | Public Sector Banks | | | Private Sector Banks | | |
|--|---------------------|------------------|--------|----------------------|------------------|--------|
| | Muslims | Other Minorities | Others | Muslims | Other Minorities | Others |
| [a] All Districts in India | | | | | | |
| No. of Accounts (% of Total) | 12.2 | 8.1 | 79.7 | 11.3 | 10.5 | 78.2 |
| Amount outstanding (% of Total) | 4.6 | 6.3 | 89.1 | 6.6 | 7.9 | 85.5 |
| Amount outstanding per Account (Rs./account) | 19837 | 40686 | 59055 | 111634 | 201840 | 274911 |
| % Share in Population | 13.4 | 5.6 | 80.9 | | | |
| [b] 44 Minority Concentration Districts | | | | | | |
| No. of Accounts (% of Total) | 21.3 | 5.0 | 73.7 | 20.7 | 14.9 | 64.4 |
| Amount outstanding (% of Total) | 7.9 | 3.7 | 88.4 | 9.9 | 7.7 | 82.4 |
| Amount outstanding per Account (Rs./account) | 20343 | 40203 | 64665 | 108435 | 114971 | 330103 |
| % Share in Population | 32.8 | 2.0 | 65.2 | | | |

یہ کہ صرف زیادہ رقم کے قرضے حاصل کرنے والوں نے ان بینکوں سے رابطہ کیا ہو مگر یہ بات بھی درست ہے کہ نجی بینک صرف منافع حاصل کرنے کی غرض سے کام کرتے ہیں اور صرف قرضہ حاصل کرنے کے اہل لوگوں کو ہی قرضے دیتے ہیں۔

زیر مطالعہ عرصے کے دوران، تمام ایس بی بینکوں کے ذریعے فراہم کردہ پی ایس اے کے تحت مسلم کھاتہ داروں کی سالانہ تعداد اوسطاً تقریباً 46 لاکھ تھی جس میں غالب حصہ (97 فی صد) پبلک سیکٹر بینکوں میں تھی۔ مسلمانوں کو حاصل پی ایس اے کی مجموعی رقم 10394 کروڑ روپے تھی مگر پی ایس اے میں پبلک سیکٹر بینکوں کا حصہ صرف 85 فی صد تھا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نجی بینک مسلمانوں کو زیادہ بڑی رقم کے قرضے دیتے ہیں۔

بقایہ رقم، میں مسلمانوں کا حصہ دیگر اقلیتوں سے خاصے زیادہ 6.5 فی صد، حصے کے مقابلے میں صرف 4.7 فی صد ہے۔ دیگر اقلیتوں کا یہ حصہ آبادی میں ان کے تناسب سے زیادہ ہے

تمام شیڈولڈ تجارتی بینکوں کے کھاتہ داروں میں مسلمانوں کا حصہ تقریباً 12 فی صد ہے۔ یہ حصہ آبادی میں ان کے تناسب کے آس پاس ہے مگر کھاتہ داروں میں دیگر اقلیتوں کا حصہ 8 فی صد سے کچھ زیادہ ہے جو آبادی میں ان کے 5.6 فی صد تناسب سے خاصا زیادہ ہے۔ قابل غور بات یہ ہے کہ بقایہ رقم، میں مسلمانوں کا حصہ دیگر اقلیتوں کے خاصے زیادہ، 6.5 فی صد کے مقابلے میں صرف 4.7 فی صد ہے (ضمیمہ جدول 6.2)



اگرچہ پبلک سیکٹر بینکوں کے ایڈوانس کی رقم نجی بینکوں کے مقابلے میں زیادہ ہے مگر دیگر فرقوں کے مقابلے میں

مسلمانوں کو قرضے کے معاملے میں نجی بینکوں کی کارکردگی بہتر ہے۔ مثلاً پبلک سیکٹر بینکوں میں بقایہ رقم میں مسلمانوں کا حصہ 4.6 فی صد ہے جو نجی بینکوں میں اس رقم کے 6.6 فی صد ہونے سے خاصی کم ہے (شکل 6.6)۔ مجموعی طور پر دیکھا جائے تو مارچ 2005 کے آخر تک بقایہ رقم مسلمانوں سے متعلق 15685 کروڑ روپے جب کہ دیگر اقلیتوں کے تعلق سے 19671 کروڑ روپے تھی جب کہ تمام ایس بی بینکوں نے مجموعی طور پر 328755 کروڑ روپے کا پی ایس اے فراہم کیا۔

کھاتوں کی تعداد اور بقایہ رقم میں فی صد حصے کے درمیان فرق کی ایک توجیہ یہ کی جاسکتی ہے کہ اگرچہ مسلمان قرضوں کی منظوری تو حاصل کر لیتے ہیں مگر انہیں جو رقم حاصل ہوتی ہے وہ اوسطاً دیگر گروپوں کے مقابلے میں کم ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر تمام ایس بی بینکوں میں مارچ 2001 میں مسلمانوں سے متعلق فی کھاتہ بقایہ رقم 16319 روپے تھی جو مارچ 2005 میں بڑھ کر 32770 روپے ہو گئی۔ دیگر اقلیتوں کے لئے یہ رقم مارچ 2001 میں 34204 روپے اور مارچ 2005 میں 54186 تھی۔ لہذا مسلمانوں سے متعلق فی کھاتہ رقم دیگر اقلیتوں کے مقابلے میں اوسطاً تقریباً آدھی ہے۔ نجی بینکوں میں مسلمانوں سے متعلق فی کھاتہ بقایہ رقم مارچ 2001 میں 41085 روپے اور مارچ 2005 میں 130224 روپے تھی جب کہ اسی عرصے میں پبلک سیکٹر بینکوں میں یہی رقم بالترتیب 15581 روپے اور 28747 روپے تھی۔ اس طرح نجی بینکوں میں ہر فرقے سے متعلق فی کھاتہ بقایہ رقم پبلک سیکٹر بینکوں کے مقابلے میں زیادہ نظر آتی ہے۔ جیسا کہ پہلے بتایا گیا، اس سے یہ امکان ظاہر ہوتا ہے کہ نجی بینک عموماً کم تعداد میں مگر زیادہ بڑی رقم کے قرضے دیتے ہیں۔ لیکن نجی بینکوں میں بھی مسلمانوں

فی کھاتہ بقایہ رقم مسلمانوں کے معاملے میں دیگر اقلیتوں کی اوسطاً تقریباً آدھی ہے

ن کو حاصل ہونے والے قرضوں کی رقم دیگر فرقوں کے مقابلے میں کم ہوتی ہے۔

2.1 ریاست وار تجزیہ

پی ایس اے کے ریاست وار اعداد و شمار جدول 6.2 میں دئے گئے ہیں۔ ان میں زیادہ توجہ 21 ریاستوں پر مرکوز کی گئی ہے۔ 4 بقیہ ریاستوں کے اعداد و شمار مجموعی طور پر پیش کئے گئے ہیں۔ تجزیے میں 31 مارچ 2001، 2002، 2003، 2004 اور 2005 پر ختم ہونے والے پانچ برسوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کی کثیر تعداد اور تناسب والی چار بڑی ریاستوں یعنی مغربی بنگال، کیرل، اتر پردیش اور بہار کا تجزیہ خاصا مایوس کن منظر پیش کرتا ہے۔ مثلاً مغربی بنگال میں مسلمانوں کے کھاتوں کی تعداد 29 فی صد سے کچھ ہی زیادہ ہے جو آبادی میں ان کے تناسب سے 4 فی صد زیادہ ہے مگر بقایہ رقم میں ان کا حصہ حد درجہ کم یعنی 9.2 فی صد ہے۔ کیرل میں، مسلمانوں سے متعلق یہ اعداد بالترتیب 22 فی صد اور 16 فی صد ہیں جو آبادی میں ان کے 25 فی صد تناسب سے کم ہیں۔ اتر پردیش اور بہار میں بھی یہی صورت حال پائی

Table 6.2: Priority Sector Advances of ASCBs for the SRCs by States
(Annual Average for 5 years' ending 31st March 2001 to 31st March 2005)

| State (Population Shares) | Total PSA | | Muslims | | Other Minorities | | Others | |
|---------------------------------|-------------------------|---------------------------|-----------------------------|---------------------------------|-----------------------------|---------------------------------|-----------------------------|---------------------------------|
| | No. of A/Cs (000) | Amt. O/S(Rs crores) | %age Share in A/Cs | %age share in Amt. O/S | %age Share in A/Cs | %age share in Amt. O/S | %age Share in A/Cs | %age share in Amt. O/S |
| West Bengal(25.2; 2.1) | 2192 | 10172 | 29.3 | 9.2 | 0.9 | 0.7 | 69.8 | 90.1 |
| Kerala(24.7; 19.0) | 2757 | 10788 | 21.6 | 15.8 | 27.0 | 22.2 | 51.4 | 62.0 |
| Uttar Pradesh(18.5; 0.8) | 3295 | 18209 | 16.3 | 8.6 | 4.0 | 3.8 | 79.7 | 87.6 |
| Bihar(15.9; 4.4) | 2413 | 4447 | 12.8 | 7.0 | 2.5 | 1.9 | 84.7 | 91.1 |
| Assam(30.9; 4.1) | 245 | 1461 | 16.9 | 7.9 | 3.0 | 2.1 | 80.1 | 90.1 |
| J & K(67.0; 3.4) | 249 | 1387 | 41.1 | 54.4 | 34.9 | 5.6 | 24.0 | 40.1 |
| Karnataka(12.2; 2.9) | 2271 | 17920 | 10.6 | 4.7 | 3.3 | 2.2 | 86.0 | 93.2 |
| Delhi(11.9; 5.1) | 239 | 18073 | 4.2 | 0.5 | 8.5 | 2.7 | 87.2 | 96.8 |
| Maharashtra(10.6; 7.6) | 1934 | 34820 | 6.0 | 2.0 | 6.6 | 2.3 | 87.4 | 95.7 |
| Andhra Pradesh(9.2; 1.6) | 5500 | 19639 | 7.5 | 2.8 | 3.6 | 1.6 | 88.8 | 95.6 |
| Gujarat(9.1; 0.7) | 1087 | 9485 | 12.4 | 2.6 | 0.9 | 0.6 | 86.7 | 96.8 |
| Rajasthan(8.5; 1.6) | 1238 | 9572 | 7.2 | 3.0 | 3.5 | 4.5 | 89.3 | 92.4 |
| Madhya Pradesh(5.2; 1.9) | 2543 | 11074 | 17.4 | 3.1 | 2.6 | 1.6 | 80.1 | 95.3 |
| Haryana(5.8; 5.7) | 682 | 7455 | 2.6 | 0.7 | 10.1 | 5.4 | 87.3 | 94.0 |
| Tamil Nadu(5.6; 6.1) | 7318 | 22989 | 9.6 | 6.6 | 7.5 | 3.9 | 82.9 | 89.5 |
| Orissa(2.1; 3.5) | 1186 | 4789 | 5.4 | 2.0 | 2.7 | 1.8 | 91.9 | 96.2 |
| Himachal Pradesh(2.0; 2.6) | 229 | 1368 | 2.0 | 0.6 | 3.3 | 2.6 | 94.8 | 96.8 |
| Punjab(1.6; 61.3) | 1047 | 15072 | 1.1 | 0.3 | 63.5 | 42.4 | 35.4 | 57.3 |
| Other States(5.6; 45.0) | 1053 | 7498 | 7.8 | 2.8 | 12.8 | 13.5 | 79.4 | 83.7 |
| INDIA(13.4; 5.6) | 37476 | 226219 | 12.2 | 4.6 | 8.1 | 6.6 | 79.7 | 88.9 |

Note: 1. Figures in brackets after states represents the share of Muslims and Other Minorities in the population of the State

چھتیس گڑھ، اتر اچل اور بہار گنڈ (زیر مطالعہ عرصے کے دوران تشکیل شدہ) سے متعلق اعداد و شمار کو باترتیب مدھیہ پردیش، اتر پردیش اور بہار کے اعداد و شمار میں ملا دیا

گیا ہے۔

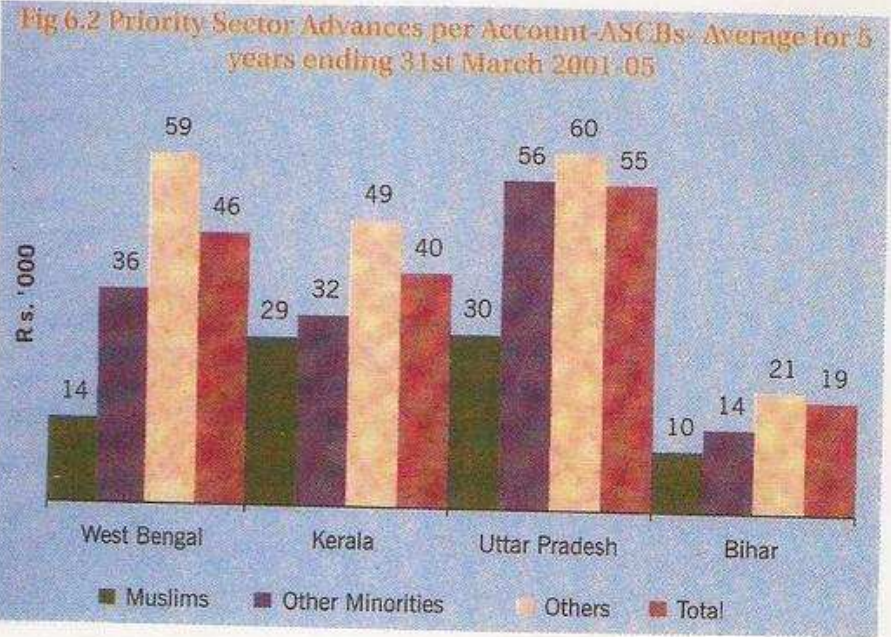
جاتی ہے، جہاں کھاتوں کی تعداد میں مسلمانوں کا حصہ کم و بیش آبادی میں ان کے تناسب کے برابر ہے مگر بقایہ رقم کے لحاظ سے ان کا حصہ خاصا کم ہے۔

دیگر ریاستوں میں بھی کم و بیش یہی صورت حال ہے۔ دہلی اور مہاراشٹر کو چھوڑ کر باقی تمام ریاستوں میں، کھاتوں کی تعداد میں مسلمانوں کا حصہ دیگر اقلیتوں کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ آسام اور دہلی میں، کھاتوں کی تعداد میں حصے اور آبادی میں تناسب کے درمیان فرق دیگر ریاستوں کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ یہ صورت حال دیگر اقلیتوں سے متعلق صورت حال سے نمایاں طور پر برعکس ہے کیوں کہ بیشتر ریاستوں میں، ان اقلیتوں کا کھاتوں کی تعداد میں حصہ آبادی میں ان کے تناسب کے لحاظ سے بہت زیادہ ہے۔ گجرات، مدھیہ پردیش، تمل ناڈو اور اڑیسہ ایسی واحد ریاستیں ہیں جہاں کھاتوں میں مسلمانوں کا حصہ آبادی میں ان کے تناسب سے زیادہ ہے۔ اس طرح ریاستی سطح کی صورت حال قومی سطح کی صورت حال جیسی ہی ہے۔ وزیر اعظم کے 15 نکاتی پروگرام کے تحت بینکنگ اور قرضوں کی سہولتیں فراہم کرنے کی آر بی آئی کی کوششوں کا زیادہ فائدہ بیشتر دیگر اقلیتوں کو پہنچا ہے اور مسلمان ایک کنارے پڑے رہ گئے ہیں۔

وزیر اعظم کے 15 نکاتی پروگرام کے تحت بینکنگ اور قرضوں کی سہولتیں فراہم کرنے کی آر بی آئی کی کوششوں کا زیادہ فائدہ دیگر اقلیتوں کو پہنچا ہے اور مسلمانوں کو ایک کنارے کر دیا گیا ہے

چار بڑی ریاستوں (شکل 6.2) میں فی کھاتہ بقایہ رقم کے تجزیے سے اس حقیقت کا اعادہ ہوتا ہے کہ اگرچہ کھاتوں کی تعداد میں مسلمانوں کا حصہ نسبتاً اچھا خاصا ہے مگر بقایہ رقم میں ان کا حصہ بہت کم ہے۔ اس کا اظہار فی کھاتہ بقایہ رقم سے بھی ہوتا ہے جو ان سماجی- مذہبی طبقوں کے مقابلے میں جن کا تقابل اس تجزیے میں کیا گیا ہے مسلمانوں کے لحاظ سے سب سے کم ہے۔ وہ ریاست جہاں فی کھاتہ بقایہ رقم کے معاملے میں مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں میں فرق کم ہے کیوں کہ مغربی بنگال اور اتر پردیش میں یہ فرق بہت زیادہ ہے۔

دیگر تمام ریاستوں میں بھی صورت حال یہی ہے، مہاراشٹر اور تمل ناڈو کے سوا جہاں فی کھاتہ بقایہ رقم دیگر اقلیتوں کے مقابلے میں مسلمانوں میں زیادہ ہے۔ اس تجزیے سے ایک بار پھر ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ بینک، اقلیتوں کو قرضے فراہم کرتے ہیں مگر وہ صرف مسلمانوں کے لئے ایسا نہیں کر پاتے۔ اس معاملے کی مزید تفتیش ضروری ہے جو بعد کے حصے میں کی جائے گی۔



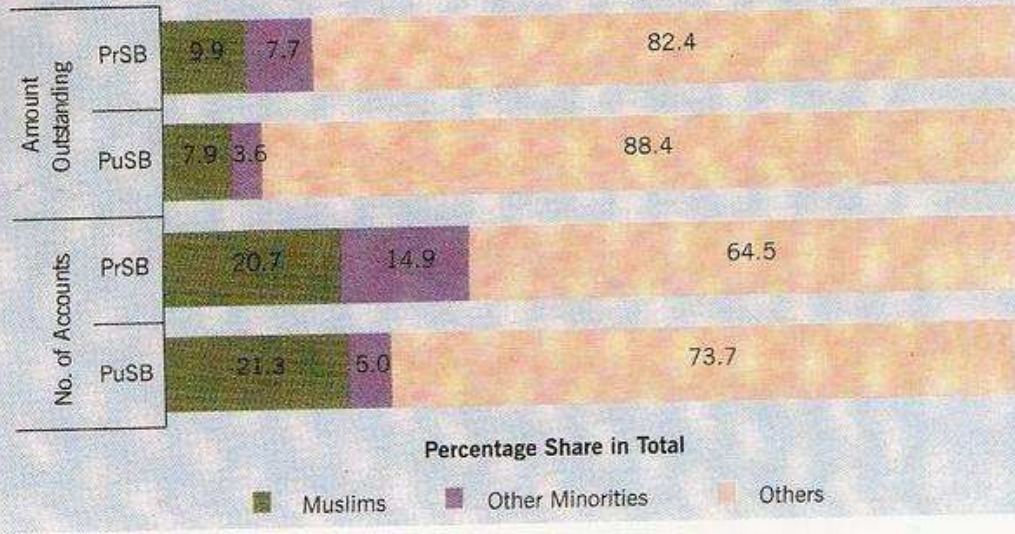
2.2 ضلع وار تجزیہ

آر بی آئی نے مارچ 2001، 2002، 2003، 2004 اور 2005 پر ختم ہونے والے نصف برسوں کے لئے وزیر اعظم کے 15 نکاتی پروگرام کے تحت آنے والے 144 اقلیتی کثرت والے اضلاع سے متعلق تمام

ایس سی بینکوں کے پی ایس اے کے اعداد و شمار بھی فراہم کئے ہیں۔

زیر تجزیہ عرصے کے دوران ان تمام ایس سی بینکوں کے کھاتوں میں مسلمانوں کا حصہ اوسطاً صرف 20.6 فی صد ہے جو آبادی میں ان کے 32.8 فی صد تناسب سے کم ہے (دیکھئے ضمیمہ جدول 6.4)۔ دیگر اقلیتوں کا 5.0 فی صد حصہ آبادی میں ان کے 2.0 فی صد تناسب سے زیادہ ہے۔ بقایہ رقم میں مسلمانوں کا حصہ 8.0 فی صد ہے جو بہت کم ہے۔ تاہم یہ معاملہ دیگر اقلیتوں کے ساتھ نہیں ہے جن کا بقایہ رقم میں حصہ 3.8 فی صد ہے۔

Fig. 6.3: Share of SRCs in No. of Accounts & Amount Outstanding of Minority Concentration Districts by Type of Bank (Average for years ending March 2001 - 2005)



منتخب 44 اقلیتی کثرت والے اضلاع میں بینک سیکٹر بینکوں کے ذریعے فراہم کردہ ایڈوانسوں کی رقم نجی بینکوں کے مقابلے میں خاصی زیادہ ہے (شکل 6.3، ضمیمہ جدول 6.4 بھی دیکھئے)۔ تاہم دیگر فرقوں کے مقابلے میں مسلمانوں کو دئے گئے ایڈوانسوں کے معاملے میں نجی بینکوں کی کارکردگی بہتر ہے۔ نجی بینکوں میں بقیہ رقم میں مسلمانوں کا حصہ 7.9 فی صد ہے جب کہ پبلک سیکٹر بینکوں کے تعلق سے یہ رقم 9.9 فی صد ہے۔ مارچ 2005 تک بقیہ رقم، مسلمانوں کے لئے 3535 کروڑ روپے اور دیگر اقلیتوں کے لئے 1666 کروڑ روپے تھی، جب کہ تمام ایسی ہی بینکوں نے 44 اقلیتی کثرت والے اضلاع میں مجموعی طور پر

44417 کروڑ روپے بطور پی ایس اے فراہم کئے۔ یہاں یہ دیکھا جاسکتا ہے کہ کھاتوں اور بقیہ رقم میں بڑا حصہ پبلک سیکٹر بینکوں کا ہے۔ تمام کھاتوں میں ان بینکوں کا حصہ اوسطاً 98.1 فی صد اور بقیہ رقم میں ان کا حصہ 91.2 فی صد ہے۔ کھاتوں کی تعداد کے لحاظ سے نجی بینکوں میں مسلمانوں کا حصہ پبلک سیکٹر بینکوں کے مقابلے کم ہے جب کہ بقیہ رقم کے لحاظ سے نجی بینکوں میں مسلمانوں کا حصہ پبلک سیکٹر بینکوں سے زیادہ ہے۔

جیسے جیسے مسلمانوں کی آبادی بڑھتی ہے بقیہ رقم میں ان کا حصہ کم ہوتا جاتا ہے

اضلاع کے لحاظ سے بھی قابل لحاظ فرق پائے جاتے ہیں۔ لہذا تجربے میں آسانی کے لئے ان اضلاع کو آبادی میں مسلمانوں کے تناسب کی بنیاد پر چار گروپوں میں تقسیم کیا گیا ہے (جدول 6.3 اور ضمیمہ جدول 6.5)۔ 40 فی صد سے زیادہ (11 اضلاع) 26-40 فی صد (12 اضلاع)، 22 فی صد سے زیادہ مگر 26 فی صد سے کم (10 اضلاع) اور 22 فی صد یا اس سے کم (11 اضلاع)۔ پہلے گروپ میں جہاں مسلمانوں کی آبادی کل آبادی کا 51.4 فی صد ہے کھاتوں کی تعداد میں ان کا حصہ 31.7 فی صد اور بقیہ رقم میں 11.6 فی صد ہے جو در درجہ کم ہے۔ دوسرے گروپ میں ان کی حالت قدرے بہتر ہے جہاں کل آبادی میں ان کا تناسب 34.2 فی صد ہے اور کھاتوں کی تعداد اور بقیہ رقم میں ان کا حصہ بالترتیب 29.3 فی صد اور 19.3 فی صد ہے۔ تیسرے اور چوتھے گروپوں میں مسلمانوں کی قرضے حاصل کرنے کی صورت حال پھر بہت خراب ہے۔ یہ دیکھا جاسکتا ہے کہ آبادی میں مسلمانوں کا تناسب بڑھنے سے بقیہ رقم میں ان کا حصہ کم ہو جاتا ہے اور اسی طرح ان دونوں معاملوں میں فرق بڑھتا جاتا ہے۔ 5 چاروں گروپوں میں، مسلمانوں کو قرضوں کی فراہمی آبادی میں ان کے تناسب کے لحاظ سے بہت کم ہے۔ مغربی بنگال اور کیرل کے چند اضلاع اور بہار کے ایک ضلع کو چھوڑ کر بیشتر تمام اضلاع میں، کھاتوں کی تعداد اور بقیہ رقم میں مسلمانوں کا حصہ آبادی میں ان کے تناسب کے لحاظ سے نمایاں طور پر کم ہے۔

کھاتوں اور بقیہ رقم میں دیگر اقلیتوں اور مسلمانوں کے فی صد حصے کا راست تقابل گمراہ کن ہے کیوں کہ آبادی میں ان کا تناسب الگ الگ ہے۔ اس قسم کے تقابل سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ان دونوں معاملوں میں دیگر اقلیتوں کا حصہ مسلمانوں سے کم ہے۔ مگر دلچسپ بات یہ ہے کہ 44 اقلیتی کثرت والے اضلاع میں سے 33 میں کھاتوں کی تعداد میں دیگر اقلیتوں کا حصہ آبادی میں ان کے تناسب سے زیادہ ہے۔ (جب کہ

5 پہلے گروپ کے لئے یہ فرق پبلک سیکٹر بینکوں اور نجی بینکوں کے تعلق سے 38.5 فی صد اور 38.2 فی صد ہے جب کہ چوتھے گروپ کے لئے یہ فرق پبلک سیکٹر بینکوں اور نجی بینکوں کے تعلق سے 14.5 فی صد اور 16.0 فی صد ہے۔

Table 6.3: Priority Sector Advances of ASCBs for the SRCs by States
(Annual Average for 5 years' ending 31st March 2001 to 31st March 2005)

| Group | Parameter | Public Sector Banks | | | Private Sector Banks | | |
|--|--|---------------------|------------------|--------|----------------------|------------------|--------|
| | | Muslims | Other Minorities | Others | Muslims | Other Minorities | Others |
| Group A: Districts with 40%+ Muslim Population out of Selected 44 Districts | No. of Accounts(% of Total) | 31.6 | 5.3 | 63.1 | 31.8 | 7.9 | 60.3 |
| | Amount Outstanding (% of Total) | 12.9 | 3.4 | 83.7 | 13.2 | 4.8 | 81.9 |
| | Amount outstanding per Account(Rs./account) | 19700 | 31132 | 64317 | 104895 | 154208 | 342882 |
| | % Share in Population | 51.4 | 1.2 | 47.4 | | | |
| Group B: Districts with 26-40% Muslim Population out of Selected 44 Districts | No. of Accounts (% of Total) | 31.3 | 10.1 | 58.5 | 19.5 | 20.7 | 59.8 |
| | Amount Outstanding (% of Total) | 18.5 | 8.2 | 73.3 | 22.5 | 22.1 | 55.4 |
| | Amount outstanding per Account(Rs./account) | 18653 | 25524 | 39493 | 102314 | 95076 | 82238 |
| | % Share in Population | 34.2 | 2.5 | 63.3 | | | |
| Group C: Districts with 26-40% Muslim Population out of Selected 44 Districts | No. of Accounts (% of Total) | 13.7 | 1.5 | 84.8 | 4.7 | 2.4 | 92.9 |
| | Amount Outstanding (% of Total) | 6.3 | 1.8 | 91.9 | 2.0 | 2.4 | 95.7 |
| | Amount outstanding per Account (Rs./account) | 14749 | 38418 | 35016 | 169600 | 396964 | 416342 |
| | % Share in Population | 24.1 | 0.9 | 75 | | | |
| Group D: Districts with below 22% Muslim Population out of Selected 44 Districts | No. of Accounts (% of Total) | 11.6 | 3.9 | 84.4 | 10.3 | 3.9 | 85.8 |
| | Amount Outstanding (% of Total) | 3.6 | 3.1 | 93.3 | 2.1 | 1.6 | 96.2 |
| | Amount outstanding per Account (Rs./account) | 39834 | 99995 | 140904 | 138519 | 285315 | 758755 |
| | % Share in Population | 18.1 | 3.7 | 78.2 | | | |

یہ معاملہ مسلمانوں میں 13 اضلاع میں ہے۔ بقایا رقم سے متعلق یہ اعداد و شمار بالترتیب 32 اور 4 ہیں۔ یہ صورت حال ریاستوں سے متعلق اس نتیجے کے مطابق ہے کہ کھاتوں کی تعداد کے معاملے میں مسلمانوں کی صورت حال قدرے بہتر مگر بقایا رقم کے معاملے میں بہت اتر ہے۔

تمام ایس سی بینکوں کے معاملے میں، مسلمانوں کے فی کھاتہ بقایا رقم میں مسلسل اضافہ ہوا ہے جو مارچ 2001 میں 15463 روپے سے بڑھ کر مارچ 2005 میں 29671 روپے ہو گئی۔ دیگر اقلیتوں کے لئے یہی اعداد مارچ 2001 میں 28781 روپے اور مارچ 2005 میں 57844 روپے ہیں۔ یہاں بھی 44 اقلیتی کثرت والے اضلاع میں نجی بینک مسلمانوں کو فی کھاتہ قرضہ کی رقم فراہم کرنے کے لحاظ سے پبلک سیکٹر بینکوں سے آگے معلوم ہوتے ہیں جیسا کہ ان کی فی کھاتہ بقایا رقم سے ظاہر ہوتا ہے۔ نجی بینکوں میں فی کھاتہ بقایا رقم مارچ 2001 میں 72747 روپے سے بڑھ کر مارچ 2005 میں 152526 روپے ہو گئی جب کہ پبلک سیکٹر بینکوں میں یہی رقم بالترتیب 14375 روپے اور 27417 تھی۔

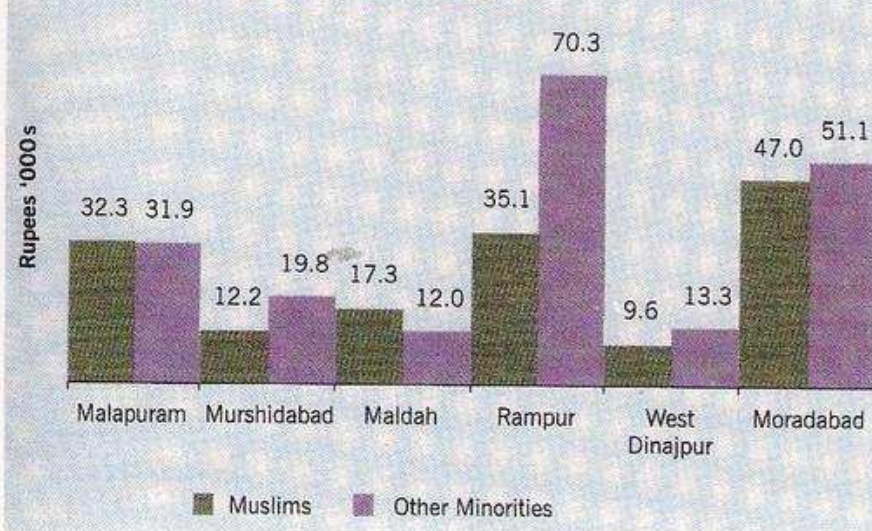
ترجمی زمرے میں فی کھاتہ بقایہ رقم تقریباً 57940 روپے ہے جس میں سے مسلمانوں کو صرف 21823 روپے اور دیگر اقلیتوں کو 43954 روپے حاصل ہوئے جو موٹے طور پر مسلمانوں سے دوگنی رقم ہے۔ بینک سیکٹریٹوں کی فی کھاتہ بقایہ رقم تمام فرقوں کے لئے بہت کم ہے۔ اس معاملے میں اوسط 54005 روپے ہے جب کہ مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کو بالترتیب 20343 روپے اور 40203 روپے حاصل ہوئے۔ دوسرے لفظوں میں، مسلمانوں کو حاصل ہونے والی رقم اس زمرے میں اوسط فی کھاتہ بقایہ رقم کا صرف 37 فی صد ہے۔ اس کے مقابل میں، نجی بینک مسلمانوں کو نسبتاً زیادہ فی کھاتہ بقایہ رقم دیتے ہیں جو ترجمی زمرے کے اوسط کا 43 فی صد ہے۔ جس سے زیادہ بڑی رقم حاصل کرنے کے لئے مسلمانوں میں نجی بینکوں سے رجوع کرنے کا رجحان ظاہر ہوتا ہے۔

مسلمانوں سے متعلق فی کھاتہ بقایہ رقم دیگر اقلیتوں کی تقریباً آدھی اور دیگر فرقوں کی ایک تہائی ہے

مارچ 2005 پر ختم ہونے والے سال کے لئے تمام اضلاع سے متعلق اوسط فی کھاتہ بقایہ رقم کی جانچ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو دی گئی فی کھاتہ بقایہ رقم دیگر اقلیتوں کو دی جانے والی اسی رقم کی تقریباً آدھی اور دیگر فرقوں کا ایک تہائی ہے۔ دیگر اقلیتوں کے مقابلے میں مسلمانوں کی فی کھاتہ بقایہ رقم صرف 12 اضلاع میں زیادہ ہے جو اس طرح ہیں: کشن گنج، دربھنگا، ارریا (بہار)، ندیا اور مالدا (مغربی بنگال)، اورنگ آباد (مہاراشٹر)، بیدر اور بیجا پور (کرناٹک)، حیدرآباد (آندھرا پردیش) اور کوزی کوڈ، ملا پورم اور ویناڈ (کیرل)۔ اس سے پھر ظاہر ہوتا ہے مسلمانوں کو پی ایس اے میں منصفانہ حصہ حاصل نہیں ہو رہا ہے۔

ان اضلاع میں اقلیتوں کو مقرر نشانے کے مطابق قرضے دینے کی آر بی آئی کی ہدایات کے پیش نظر، مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کی فی کھاتہ بقایہ رقم کا تقابل ہمارے مقصد سے ہم آہنگ ہوگا۔ دیگر اقلیتوں کو دی گئی فی کھاتہ بقایہ رقم مسلمانوں کو فراہم کردہ اس رقم کی تقریباً دوگنی ہے۔ بیشتر اضلاع میں مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کو فراہم کی گئی فی کھاتہ بقایہ رقم میں خاص فرق پایا جاتا ہے۔

Fig 6.4: Advance per Account by SCBs in Selected Districts (Average for years ending March 2001-2005)



شکل 6.4 میں، مسلمانوں کی سب سے زیادہ آبادی والے چھ اضلاع کے لئے زیر مطالعہ عرصے کے دوران اوسط فی کھاتہ بقایہ رقم دکھائی گئی ہے۔ 6 صرف مالدا (مغربی بنگال) اور ملا پورم (کیرل) میں مسلمانوں کی فی کھاتہ بقایہ رقم دیگر اقلیتوں سے زیادہ ہے جب کہ آخر الذکر ضلع میں یہ فرق بہت معمولی ہے۔ دیگر تمام اضلاع میں مسلمانوں کو فراہم کردہ فی کھاتہ بقایہ رقم دیگر اقلیتوں کے مقابلے میں کم ہے۔ مثلاً رام پور (اتر پردیش) میں جہاں مسلم آبادی تقریباً 50 فی صد ہے مسلمانوں کی فی کھاتہ بقایہ رقم دیگر اقلیتوں کے مقابلے میں آدھی ہے۔

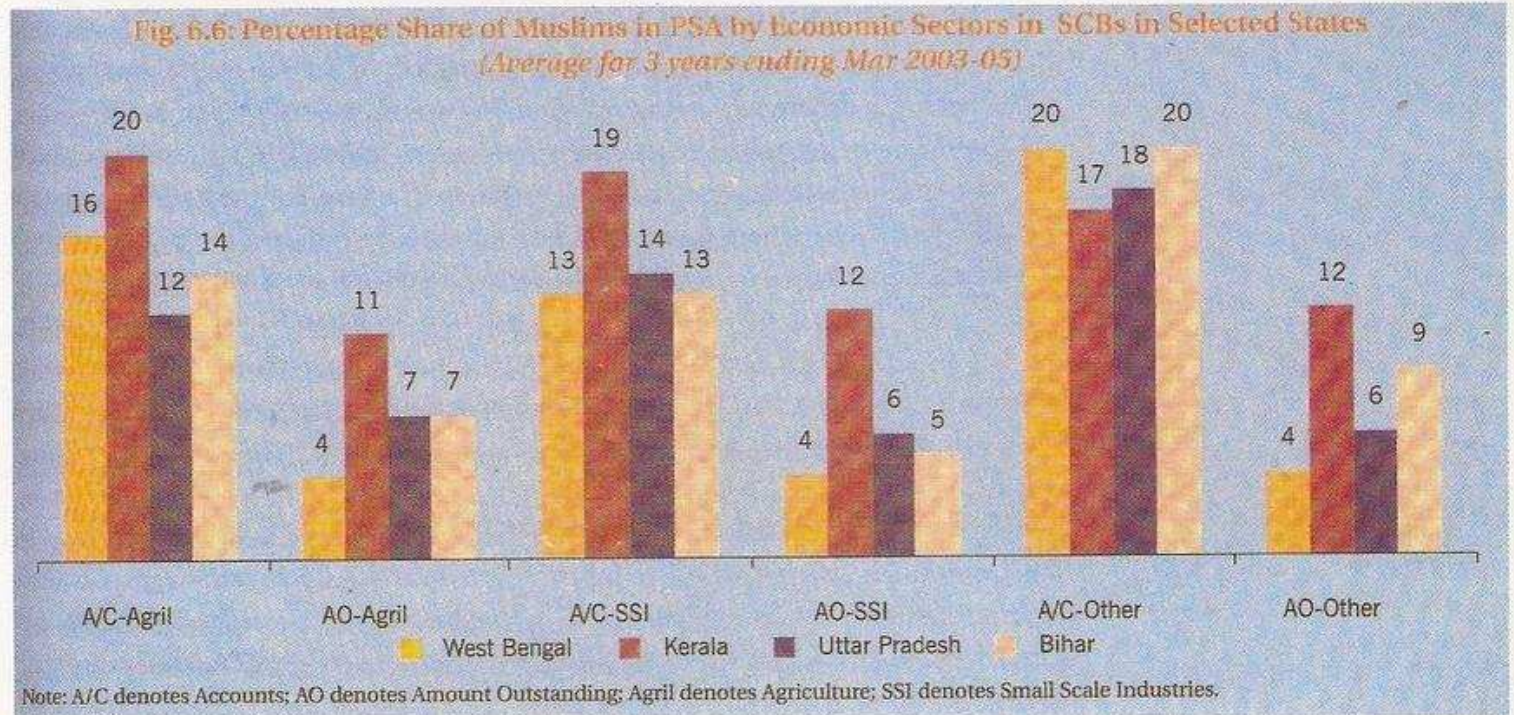
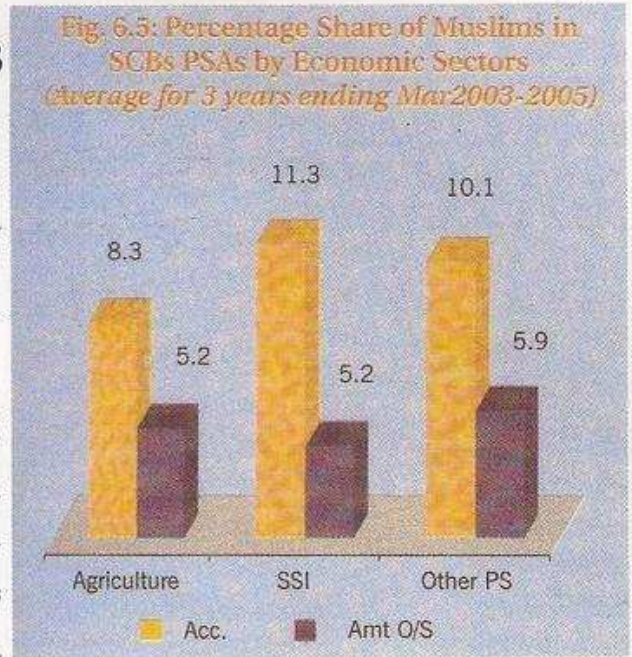
اس مذکورہ بالا تجزیے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وزیر اعظم کے 15 نکاتی پروگرام کے تحت اقلیتوں کو قرضے فراہم کرنے کی کوششیں عموماً کامیاب رہی ہیں۔ تاہم اگرچہ بینکوں (خاص کر بینک سیکٹریٹ) نے دیگر تمام اقلیتوں کو قرضے دئے ہیں مگر کھاتوں، بقایہ رقم اور فی کھاتہ بقایہ رقم کے معاملے میں مسلمانوں کی صورت حال مایوس کن ہے۔ یہ بات اس وقت نظر آتی ہے جب ہم ان پیمانوں کا تقابل آبادی میں مسلمانوں کے تناسب یا دیگر اقلیتوں سے متعلق ان کی صورت حال سے کرتے ہیں۔

کشن گنج (بہار) کو شامل نہیں کیا گیا کیوں کہ کمیٹی کے پاس صرف مارچ 2005 پر ختم ہونے والے سال کے اعداد و شمار تھے۔

2.3 اقتصادی زمروں کے فراہم کردہ پی ایس اے

اس حصے میں اقتصادی زمروں جیسے زراعت، چھوٹی صنعتوں (ایس ایس آئی) اور دیگر پی ایس اے کے مطابق اعداد و شمار کو الگ الگ کر کے پی ایس اے میں مسلمانوں کے حصے داری کی تفتیش کی جائے گی۔ ضمیمہ جدول 6.1 میں دکھائے گئے بینکوں سے مخصوص اعداد و شمار آر بی آئی کے توسط سے حاصل کئے گئے۔ موصولہ اعداد و شمار کی توثیق جانچ کے بعد (تفصیلات کے لئے دیکھئے گنٹیکہ نوٹ 6.2) 31 بینکوں کے اعداد و شمار تجزیے کے لئے رکھے گئے۔

پی ایس اے کھاتوں میں مسلمانوں کا حصہ سب سے زیادہ چھوٹی صنعتوں میں (11.3 فی صد) اور اس کے بعد دیگر پی ایس اے (10.1 فی صد) اور زراعت (8.3 فی صد) میں ہے۔ بقایہ رقم کے لحاظ سے، مسلمانوں کا حصہ سب سے زیادہ دیگر پی ایس اے میں اور اس کے بعد زراعت اور چھوٹی صنعتوں (5.2 فی صد) میں ہے۔ اقتصادی زمروں اور ریاستوں کے مطابق تجزیے کے نتائج (شکل 6.5) اس بات کے شروع میں پیش کردہ پی ایس اے کے ریاست وار تجزیے کے نتائج جیسے نہیں ہیں۔ کھاتوں میں مسلمانوں کا حصہ مغربی بنگال، کیرل، اتر پردیش اور بہار میں تینوں اقتصادی زمروں کے لحاظ سے اطمینان بخش ہے (شکل 6.6)۔ تاہم ان ریاستوں میں بقایہ رقم کے معاملے میں ان کا حصہ آبادی میں ان کے تناسب سے بہت کم ہے۔ دیگر بیشتر ریاستوں میں بھی کھاتوں اور بقایہ رقم میں، مسلمانوں کا حصہ آبادی میں، ان کے تناسب سے بہت کم ہے۔

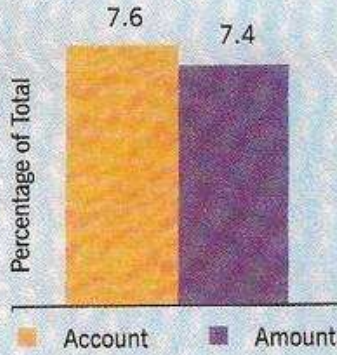


3 انفرادی جمع رقوم

تمام شیڈولڈ تجارتی بینکوں کے ذریعے فراہم کردہ پی ایس اے تک مسلمانوں کی رسائی کے علاوہ کل آبادی کے مقابلے میں مسلمانوں کے رقم جمع کرنے کے رجحانات کی بھی تفتیش کرنے کی کوشش کی گئی۔ کمیٹی نے آر بی آئی کے تعاون سے براہ راست تمام شیڈولڈ تجارتی بینکوں سے 31 مارچ 2003، 2004 اور 2005 پر ختم ہونے والے تین برسوں کے لئے جمع رقوم سے متعلق اعداد و شمار حاصل کرنے کی خصوصی کوشش کی۔ 36 بینکوں میں سے تقریباً دو تہائی نے جوابی اقدام کیا۔ بعض بینکوں کو جنہوں نے غیر مربوط اعداد و شمار فراہم کئے تھے تجزیے سے

خارج کر دیا گیا۔ (رہنما و ترتیب کی جانچ کی تفصیلات کے لئے دیکھئے ٹیکنیکل نوٹ 6.2)۔

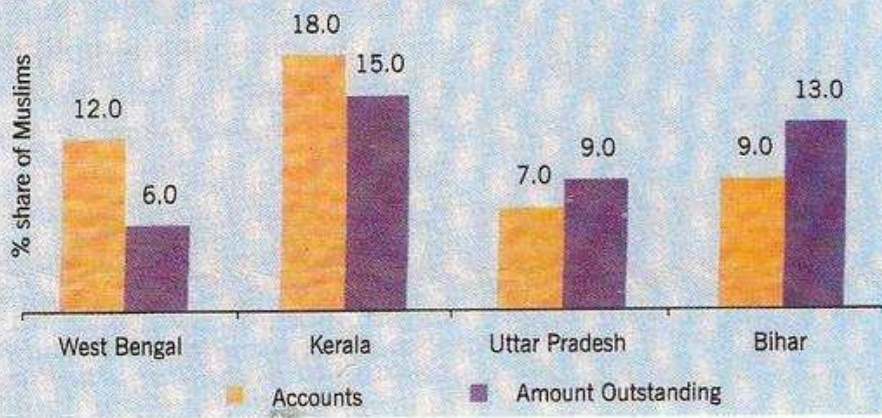
Fig. 6.7: Share of Muslims in Deposit of SCBs
(Average for 3 years ending 31st March 2003-2005)



جمع کھاتوں میں مسلمانوں کا حصہ ایک بار پھر آبادی میں ان کے تناسب سے بہت کم ہے۔ (دیکھئے ضمیمہ جدول 6.7)۔ ایس سی بینکوں کے 1800 لاکھ جمع کھاتوں میں مسلمانوں کا حصہ صرف 7.6 فی صد ہے۔ (شکل 6.7) جو جمع رقوم میں ان کے حصے سے تھوڑا سا زیادہ ہے۔ مگر اس تجزیے کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ جمع رقوم میں ان کا حصہ کھاتوں میں ان کے حصے کے برابر ہے مگر یہی بات قرضوں کے معاملے میں نظر نہیں آتی۔

اتر پردیش اور بہار میں، جمع رقوم میں مسلمانوں کا حصہ کھاتوں میں ان کے حصے سے زیادہ ہے۔ (شکل 6.8)۔ مغربی بنگال میں البتہ جمع رقوم میں مسلمانوں کا حصہ کھاتوں میں ان کے حصے سے خاصا کم ہے، (12.2 فی صد) مگر کیرل میں یہ فرق معمولی ہے۔ بقیہ 17 میں سے 10 ریاستوں میں جمع رقوم میں مسلمانوں کا حصہ کھاتوں میں ان کے حصے سے زیادہ ہے۔ یہ اطمینان بخش صورت حال ہے جو ضمیمہ جدول 6.8 میں پیش کردہ فی کھاتہ جمع رقم کے تجزیے میں زیادہ وضاحت سے سامنے آئی ہے۔ اتر پردیش اور بہار میں فی کھاتہ جمع رقم میں مسلمانوں کا حصہ ان ریاستوں کے اوسط سے زیادہ ہے۔ کیرل میں یہ فرق معمولی ہے اور صرف مغربی بنگال میں فی کھاتہ جمع رقم میں مسلمانوں کا حصہ ریاستی اوسط کے آدھے سے کم ہے۔ بقیہ 17 میں سے 10 ریاستوں میں فی کھاتہ جمع رقم میں مسلمانوں کا حصہ ریاستی اوسط سے زیادہ ہے۔ کل ہند سطح پر بھی، مسلمانوں سے متعلق فی کھاتہ جمع رقم 28829 روپے ہے قومی اوسط 29369 روپے سے تھوڑی سی کم ہے۔ یہ پی ایس اے سے متعلق صورت حال کے مقابلے میں نمایاں طور پر برعکس معاملہ ہے۔ یہاں فی کھاتہ بقایا رقم مسلمانوں کے معاملے میں دیگر اقلیتوں کی تقریباً آدھی اور دیگر فرقوں کی ایک تہائی تھی۔

Fig 6.8: Share of Muslims in Deposit
(average for years ending March 2003-2005)



اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلم فرقہ بینکنگ سرگرمیوں سے گریزاں نہیں ہے اور اس سلسلے میں مخصوص اقدامات کے ذریعے مزید بہتری لائی جاسکتی ہے جسے اختتامی حصے میں زیادہ وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔

4 دیگر خصوصی بینکنگ ادارے

کمپنی دو مخصوص قرضہ دینے والے اداروں۔ اسٹیل انڈسٹریز ڈیولپمنٹ بینک آف انڈیا (ایس آئی ڈی بی آئی) اور نیشنل بینک فار ایگریکلچر اینڈ روورل ڈیولپمنٹ (این اے بی اے آر ڈی) کے ذریعے فراہم کردہ قرضوں سے متعلق

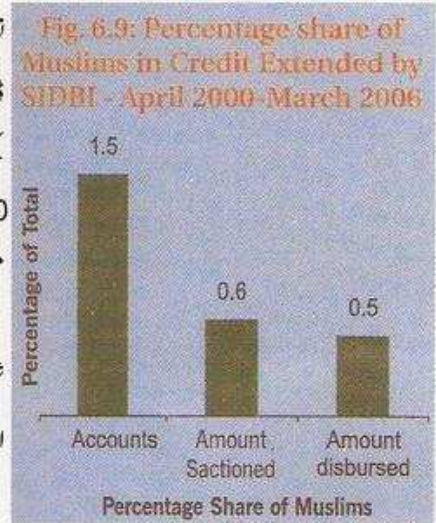
معلومات تک بھی رسائی حاصل کی۔ ان اداروں کی اہمیت ان کے قرضوں کی نوعیت میں ہے جو بالترتیب چھوٹی صنعتوں اور دیہی معیشت کے لئے فراہم کئے جاتے ہیں۔ 7۔ یہ باعث تشویش ہے کہ ان نہایت مخصوص اداروں میں بھی قرضوں میں مسلمانوں کا حصہ غیر اہم ہے۔

4.1 ایس آئی ڈی بی آئی

ایس آئی ڈی بی آئی چھوٹی اور اوسط صنعتوں کو چار طریقوں سے مالی امداد دیتا ہے، ابتدائی قرضہ جاتی اداروں (پی ایل آئی) کو راست قرضوں کی فراہمی، اپنی شاخوں کے ذریعے راست قرضوں کی فراہمی، فروغ دینے کی اور ترقیاتی سرگرمیاں اور ایس آئی ڈی بی آئی فاؤنڈیشن برائے مائیکرو کریڈٹ، ایس آئی ڈی بی آئی نے ابھی حال ہی میں راست قرضے دینے شروع کئے ہیں اور مسلمانوں کو فراہم کردہ اس قسم کے قرضوں سے متعلق اعداد و شمار صرف 2004-05 اور 2005-06 کے لئے دست یاب ہیں۔ بالواسطہ قرضوں کی فراہمی کا غالب حصہ پی ایل آئی کے

7 2004-05 میں ایس آئی ڈی بی آئی کے ذریعے منظور رقم 9091 کروڑ روپے تھی۔ این اے بی اے آر ڈی نے 2004-05 میں قرضوں اور گرانٹ کی شکل میں 27102 کروڑ روپے کی مالی امداد فراہم کی۔

توسط سے دئے جانے والے قرضوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ 8 2000-2001 سے 2005-06 تک چھ برسوں کے دوران ایس آئی ڈی بی آئی کے ذریعے مسلمانوں کو فراہم کردہ قرضوں کے اعداد و شمار ضمیمہ جدول 6.9 میں پیش کئے گئے ہیں۔ اس عرصے میں مسلمانوں کو منظور کئے گئے قرضوں (راست اور بالواسطہ دونوں قرضوں سے متعلق) کی مجموعی رقم، قرضوں کی مجموعی رقم 31806 کروڑ روپے کے مقابلے میں 180 کروڑ روپے ہے جو ظاہر ہے بہت کم ہے۔ ادا کی گئی رقم بالترتیب 124 کروڑ روپے اور 26593 کروڑ روپے تھی۔ مسلمانوں کو منظور اور ادا کی گئی راست رقم اس سے بھی کم تھیں۔



شکل 6.9 میں کھاتوں کی تعداد میں مسلمانوں کا فی صد حصہ اور زیر مطالعہ عرصے کے دوران ایس آئی ڈی بی آئی کی جانب سے مسلمانوں کو منظور اور ادا کی گئی رقم دکھائی گئی ہیں۔ قرضوں کی تعداد اور منظور شدہ اور ادا کی گئی رقم میں مسلمانوں کا فی صد حصہ درجہ کم ہے۔

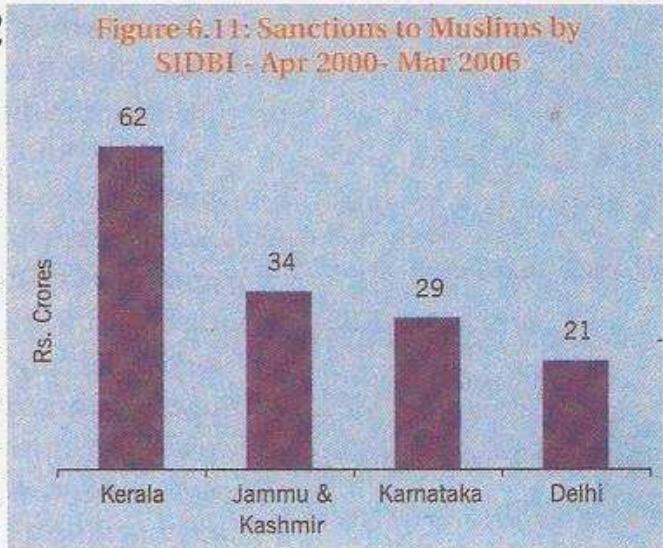
شکل 6.10 دکھاتی ہے کہ فی کھاتہ منظور اور ادا کی گئی رقم مسلمانوں کے معاملے میں نمایاں طور پر کم ہیں۔ مسلمان دوسرے خسارے سے بھی دوچار ہیں: ایک تو یہ کہ منظور شدہ اور ادا کردہ رقم میں ان کا حصہ درجہ کم ہے اور پھر یہ کہ ان کی فی کھاتہ منظور اور ادا شدہ رقم مجموعی تناسب کی تقریباً ایک تہائی ہیں۔



ایس آئی ڈی بی آئی کے ذریعے فراہم کردہ قرضوں میں مسلمانوں کے قلیل حصے کے پیش نظر ریاست وارتجریے سے کوئی خاص انکشاف نہیں ہوتا (دیکھئے ضمیمہ جدول 6.9)۔ بیشتر ریاستوں میں تینوں پیمانوں کے لحاظ سے مسلمانوں کا فی صد حصہ بہت کم ہے۔ شکل 6.11 میں ان ریاستوں میں مسلمانوں کا فی صد حصہ دکھایا گیا ہے جہاں زیر مطالعہ عرصے کے دوران منظور شدہ رقم میں مسلمانوں کا حصہ سب سے زیادہ تھا۔ کیرل، جموں و کشمیر، کرناٹک اور دہلی میں اپریل 2000 سے مارچ 2006 کے دوران منظور شدہ 180 کروڑ روپے میں سے مسلمانوں کو 146 کروڑ روپے دئے گئے۔ یہ رقم مسلمانوں کو منظور کردہ مجموعی رقم کا 81 فی صد ہے۔

4.2 این اے بی اے آر ڈی

این اے بی اے آر ڈی کی اسکیمیں زراعتی اور غیر زراعتی دونوں زمروں کے چھوٹے اور بہت چھوٹے قرض طلبوں اور کمزور طبقوں کا احاطہ کرتی ہیں۔ اس نے زراعتی اور غیر زراعتی زمروں کے تحت روزگار کے مواقع پیدا کرنے اور بڑھانے اور آمدنی میں اضافے کے ذریعے دیہی غریبوں کا معیار زندگی بلند کرنے کے لئے بھی بہت سے اقدامات کئے ہیں۔ ان میں سے کئی اقدامات مسلمانوں سمیت تمام کمزور اور محروم طبقوں پر بھی توجہ دیتے ہیں۔ بینک کی موجودہ مینجمنٹ انفارمیشن اسکیم (ایم آئی ایس) کے تحت اقلیتوں کے تعلق سے قرضوں کی فراہمی کے معاملے میں فرقہ جاتی اعداد و شمار تیار نہیں کئے جاتے۔ لہذا بینک نے مسلمانوں کو فراہم کردہ قرضوں کے بارے میں اعداد و شمار اسٹیٹ لیول بینکرز کمیٹی (ایس ایل بی سی) کو دست یاب معلومات کی بنیاد پر حاصل کئے اور زراعت کے شعبے میں فراہم کردہ بی اے ایس کے بارے میں اعداد و شمار بینکوں سے براہ راست حاصل



8 زیر مطالعہ عرصے میں تمام مسلم کھاتوں میں راست کھاتوں کا حصہ صرف 0.45 فی صد (کھاتوں کی تعداد) 15.5 فی صد (منظور شدہ رقم) اور 15.5 فی صد (ادا کی گئی رقم) ہے۔

9 موسمی زرعی سرگرمیوں کے لئے قلیل مدت کی ری فنانس

کئے۔ مسلمانوں کو دئے جانے والے قرضوں سے متعلق اعداد و شمار کو این اے بی اے آر ڈی کے ذریعے ری فائننس کئے جانے والے پیداواری قرضوں 9 اور سرمایہ کاری قرضوں 10 میں مسلمانوں کا حصہ معلوم کرنے کے لیے استعمال کیا گیا۔ اعداد و شمار کی بنیاد پر معلوم ہوا کہ 2004-05 اور 2006 کے دوران مسلمانوں کو سالانہ اوسط کے لحاظ سے 3.2 فی صد پیداواری قرضے اور 3.9 فی صد سرمایہ کاری قرضے جن کی رقم بالترتیب 291 کروڑ روپے اور 333 کروڑ روپے ہوتی ہے فراہم کئے گئے۔ ریاست وار تجزیہ (دیکھئے ضمیمہ جدول 6.11) ظاہر کرتا ہے کہ مغربی بنگال، کیرل، اتر پردیش، راجستھان اور تمل ناڈو کے سوا باقی ہر ریاست میں ری فائننس میں مسلمانوں کا حصہ محدود رہا ہے۔ آسام اور جموں و کشمیر میں بھی سرمایہ کاری قرضوں میں مسلمانوں کی حصہ داری اچھی رہی ہے۔

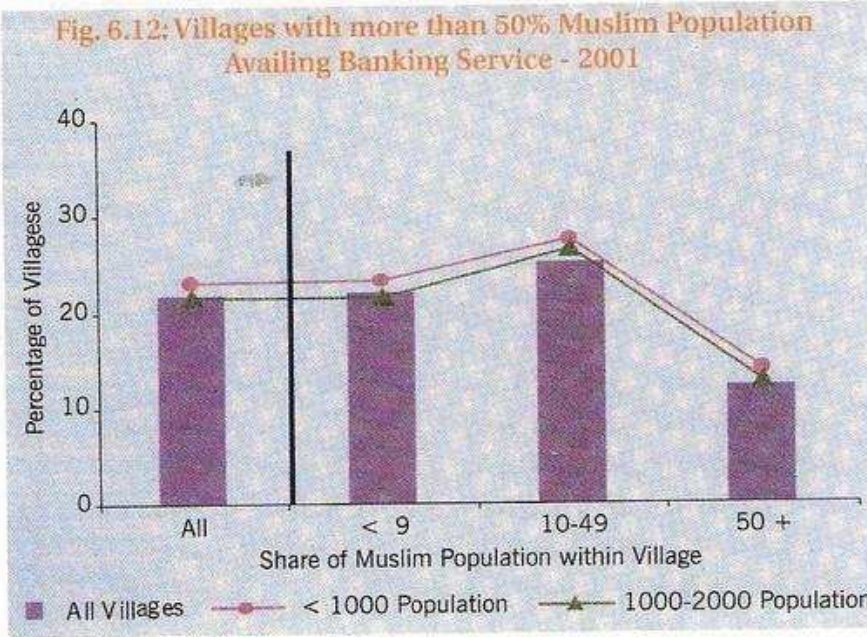
این اے بی اے آر ڈی کے صلاحیتوں میں اضافے اور مالی امداد دینے کے پروگراموں میں مسلمانوں کو فائدہ پہنچانے اور ان کی سماجی و اقتصادی حالت سدھارنے کے قابل لحاظ امکانات موجود ہیں

صلاحیتوں میں اضافے اور امدادی پروگراموں کے ذریعے دیہی معیشت کو تقویت دینے میں این اے بی اے آر ڈی کی کامیابی خاصی معروف ہے۔ مزید یہ کہ چوں کہ اس کی اسکیمیں اقتصادی طور پر مرکز اور بے حفاظت طبقوں کو فائدہ پہنچانے پر مرکوز ہوتی ہیں اور دیہی معیشت کے دیگر زمروں سے بھی ان کا اہم تعلق ہوتا ہے، اس لئے ان میں مسلمانوں کو فائدہ پہنچانے اور ان کی سماجی و اقتصادی حالت کو خاصا مضبوط کرنے کے اہم امکانات موجود ہیں۔

این اے بی اے آر ڈی کا ایس ایچ جی۔ بینک رابطوں پر مبنی مائیکرو فائننس اس نوعیت کے وسیع ترین عالمی پروگراموں میں سے ایک ہے اور اس میں دیہی مسلمانوں کے اقتصادی حالات میں بہتری لانے کے زبردست امکانات پائے جاتے ہیں۔ تاہم 31 مارچ 2005 تک اس بینک کے امداد یافتہ 16.18 لاکھ ایس ایچ جی (خود امدادی گروپوں) میں سے 1.36 لاکھ ایس ایچ جی 44 اقلیتی اکثریتی اضلاع میں تھے۔ اگرچہ ضلع دیہی صنعت کاری پراجکٹ (ڈی آر آئی پی) اور دیہی صنعتی کلسٹر اسکیم (آر آئی سی) خود روزگاری اور مہارتوں کے فروغ کے مواقع کی فراہمی کے ذریعے دیہی لوگوں کے حالات میں بہتری لانے کی صلاحیت رکھتی ہیں لیکن انہیں مسلم فرقے کو تقویت دینے کے لئے اچھی طرح استعمال نہیں کیا گیا ہے۔ 44 اقلیتی اکثریتی اضلاع میں ڈی آر آئی پی اور آر آئی سی کو صرف بالترتیب 14 اور 7 اضلاع میں شروع کیا گیا ہے۔ اسی طرح مقامی دیہی معیشت سے اہم رابطہ رکھنے والا صرف ایک اہم پروگرام، ایک اقلیتی کثرت والے ضلع میں جاری کیا گیا ہے۔ این اے بی اے آر ڈی کی اسکیموں میں دیہی مسلمانوں کی اقتصادی کاپلیٹ کرنے کے زبردست امکانات کے باوجود نا کافی نشانے مقرر

کئے جانے اور ناقص جغرافیائی منصوبہ بندی کے سبب دیہی علاقوں میں مسلمانوں کے اقتصادی مسائل حل کرنے میں کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی ہے۔

5 حاصل



اس باب میں دریافت کئے جانے والے حقائق سے ظاہر ہوتا ہے کہ بینک قرضوں بشمول پی ایس اے تک مسلمانوں کی رسائی بہت کم اور نا کافی ہے۔ بینک سیکٹر اور نجی بینکوں دونوں میں، دیگر فرقوں کی بہ نسبت انہیں حاصل ہونے والے قرضوں کی رقم بھی بہت قلیل ہوتی ہے۔ مخصوص اداروں جیسے ایس آئی ڈی بی آئی اور این اے بی اے آر ڈی کی فراہم کردہ مالی امداد کے لحاظ سے بھی ان کی یہی صورت حال ہے۔ 2001 کی مردم شماری کے اعداد و شمار (شکل 6.12) ظاہر

کرتے ہیں کہ دیہات میں جہاں مسلم آبادی کا تناسب زیادہ ہے، بینک قرضے حاصل کرنے والوں کی فی صد تعداد بہت کم ہے۔ اس کا ایک سبب ان دیہات میں بینکنگ سہولتوں کی ناموجودگی ہو سکتی ہے۔ مالی امداد کے دائروں سے مسلمانوں کا اخراج ان کی سماجی و اقتصادی اور تعلیمی ترقی کے لئے دور رس اثرات کا حامل ہے۔ جیسا کہ پانچویں باب میں ذکر کیا گیا ہے، مسلمانوں کا بنیادی ذریعہ آمدنی خود روزگاری ہے۔ مسلمانوں کو اقتصادی طور پر طاقت دینے کے لئے ضروری ہے کہ خود روزگاری سے وابستہ لوگوں کے لئے قرضوں کی فراہمی کو یقینی بنا کر انہیں مدد دی جائے۔

کمیٹی یہ نتیجہ اخذ کرنے پر مجبور ہے کہ بعض بینک بعض بیانیوں کی بنیاد پر 'منفی جغرافیائی علاقوں' کی نشان دہی کا طریقہ اختیار کرتے ہیں جہاں بینک قرضے اور دیگر سہولتیں بہ آسانی فراہم نہیں کی جاتیں۔ اس طریقے کو امریکہ میں 'ریڈ لائننگ' کہا جاتا ہے اور ہندوستان میں بعض بینکر اسے 'منفی زون' قرار دیتے ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ ایسے بعض علاقوں میں مسلمانوں کی آبادی خاصی بڑی ہو مگر پھر بھی مسلمان ان بینکنگ سہولتوں کا پورا فائدہ نہ اٹھا پارہے ہوں۔ 12

بعض بینکوں نے کئی مسلم اکثریتی علاقوں کو منفی جغرافیائی علاقہ قرار دے رکھا ہے

مسلمانوں کو بطور خاص قرضے فراہم کرانے، نشر و اشاعت کے ذریعے مختلف قرضوں کی اسکیموں کے بارے میں معلومات عام کرنے، تجارتی و صنعتی ترقی کے پروگرام جاری کرنے اور مختلف فرقوں کو فراہم کی جانے والی بینکنگ سہولتوں سے متعلق معلومات کی فراہمی میں شفافیت لانے کے اقدامات کئے جانے چاہئیں۔ شہر اور دیہات دونوں جگہ، غریبی زدہ علاقوں میں رہنے والے لوگوں، بطور خاص خواتین کی مالی امداد کا بہترین طریقہ مائیکرو کریڈٹ کی فراہمی ہے۔ اس آئی ڈی بی آئی اور این اے بی اے آر ڈی کی مائیکرو کریڈٹ اسکیموں میں مسلمانوں کی شرکت میں اضافے کے طریقے وضع کئے جانے چاہئیں۔ اس سے مسلمانوں کو اقتصادی طور پر کم بے حفاظت زمروں کی جانب منتقل ہونے میں آسانی ہوگی اور ان کے لئے زیادہ مستقل ذرائع آمدنی کو یقینی بنایا جاسکے گا۔ اقتصادی یا اختیار کاری اور مالی تحفظ کے درمیان گہرا باہمی رشتہ ہے اور ان کے نتیجے میں تعلیم کی طلب بڑھتی ہے اور اس کی تکمیل کے لئے وسائل فراہم ہوتے ہیں۔ اس سے اوپر اٹھنے کی تحریک پیدا ہوگی جو مسلمانوں کی سماجی و اقتصادی حالت بہتر کرنے کی بنیاد بن سکتی ہے۔

ناکافی نشانوں اور ناقص علاقہ جاتی منصوبہ بندی کے نتیجے میں دیہی علاقوں میں مسلمانوں کے اقتصادی مسائل حل کرنے میں کوئی کامیابی نہیں ہوئی

11 ایک شیڈولڈ تجارتی بینک کی طرف سے فراہم کردہ معلومات کے مطابق منفی زون کی خصوصیات اس طرح ہیں: (1) یا تو بینک نے خود ان علاقوں میں بد اطواریوں کا تجربہ کیا ہو یا بازار سے حاصل کردہ معلومات کی بنیاد پر ان علاقوں کی حدود درجہ بد اطواریوں کا علاقہ کہا جاتا ہو (2) جرائم کی شرح نسبتاً زیادہ ہو۔ (3) علاقے میں رہنے والے سماج دشمن عناصر کی بڑی تعداد کی ناموجودگی کے سبب بینک کی اپنی رقم واپس لینے کی صلاحیت کا زائل ہو جانا (4) علاقے میں میونسپل ضابطوں کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بہت سی غیر قانونی تعمیرات کا ہونا جس سے بینک کو رقم وصول کرنے میں دشواری پیش آئے (5) دئے گئے پتے پر پہنچنے میں دشواری جیسا کہ حد درجہ گنجان علاقوں یا ایسے علاقوں میں ہوتا ہے جہاں پتے پوری طرح واضح نہ ہوں، جس کی وجہ سے قرض داروں کو تلاش کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ (6) حد درجہ بیکوئٹی والے علاقے جہاں شہریوں کو داخل ہونے کی اجازت عموماً نہیں دی جاتی۔ ان علاقوں میں قرضوں کی فراہمی خاص معاملوں میں صرف اس صورت میں کی جاتی ہے کہ متعلقہ حکام کی جانب سے بینک افسروں کو علاقے میں داخل ہونے کی پیشگی اجازت دے دی گئی ہو مثلاً فوجی چھاؤنی، دفاعی ادارے، ایٹمی پلانٹ سے متعلق ہستی وغیرہ (7) آمدنی کی سطحوں کا کم ہونا جس سے یہ اندیشہ پیدا ہوتا ہے کہ ان علاقوں میں دئے گئے قرضوں کی رقم کے واپس ملنے میں دشواری ہوگی۔

12 مثلاً ممبئی کے دھارادی، سیوری، قدوائی مگر اور احمد آباد کے گوتمی پورا اور امر دھار علاقے ایسے ہی زون ہیں۔

سماجی اور مادی سہولتوں تک رسائی

1- اقلیتیں اور ترقی

سماجی و مادی سہولتوں کی موجودگی
(دست یابی) ، رسائی اور
استعمال کے معاملے میں مختلف
فرقوں کے درمیان توجہ طلب
فرق پایا جاتا ہے

کسی ریاست، علاقے، یا شہری یا دیہی رہائشی علاقے کا معیار زندگی معلوم کرنے کا ایک یقینی طریقہ یہ ہے کہ وہاں سماجی و مادی سہولتوں کی موجودگی، ان کے دست یاب ہونے اور علاقے کے باشندوں کے ذریعے ان کے استعمال کے بارے میں معلومات حاصل کی جائے۔ اصولی طور پر یہ سہولتیں سماجی اور مذہبی شناختوں کی کسی تفریق کے بغیر تمام شہریوں کو فراہم ہونی چاہئیں۔ لیکن پھر بھی ان سہولتوں کی موجودگی، دست یابی اور استعمال کے معاملے میں مختلف سماجی۔ مذہبی فرقوں کے درمیان فرق پایا جاتا ہے۔

بعد کی سطور میں عملی شہادتوں کی بنیاد پر یہ دریافت کیا جائے گا کہ کیا سماجی اور مادی بنیادی ڈھانچے تک ہندوستانی مسلمان کی رسائی ناکافی ہے؟ اگر مسلمان ان سہولتوں کے معاملے میں محرومیوں سے دوچار ہیں تو اس سے ترقیاتی امکانات میں رکاوٹیں پیدا ہوں گی۔ مثال کے طور پر، سرکاری اسکولوں (بطور خاص لڑکیوں کے اسکول) کی ناموجودگی کے سبب غریب گھروں کے مسلم بچے تعلیم ترک کریں گے اور صحت خدمات، پینے کے صاف پانی اور صفائی کی سہولتیں نہ ہونے، اور ناقص غذا سے پیدا ہونے والے مسائل پیدا ہوں گے اور پیداواری صلاحیتوں اور متوقع عمر میں کمی آئے گی۔ اسی طرح ٹرانسپورٹ، مواصلات اور قرضوں کی سہولتوں کی ناموجودگی سے اہل حرفت اور دست کاروں کو مال حاصل کرنے اور اپنی مصنوعات کو بازار تک لے جانے میں دشواری ہوگی۔ یہ تمام باتیں مجموعی طور پر کنیوں کی سماجی اور اقتصادی حالت کو حد درجہ متاثر کر سکتی ہیں۔ اس باب میں یہ معلوم کرنے کی کوشش کی جائے گی کیا مسلمان اس معاملے میں دیگر فرقوں کے مقابلے میں زیادہ محرومیوں سے دوچار ہیں؟

بنیادی سہولتوں تک رسائی (یا ان کی ناموجودگی) کا تعین کرنے کے لئے موٹے طور پر سماجی اور مادی بنیادی ڈھانچے کے تین پہلوؤں، 'موجودگی'، 'رسائی' اور 'استعمال' پر غور کرنا ہوگا۔ رسائی کا دار و مدار جائے رہائش پر بھی ہوتا ہے۔ یہاں 7.1 میں ان پہلوؤں کے باہمی تعامل کو دکھایا گیا ہے، حالانکہ عملی شہادت صرف سپیڈ سماجی و مادی بنیادی ڈھانچے کی موجودگی پر روشنی ڈالتی ہے۔ رسائی نہ ہونے کا سبب یا تو سماجی یا/

سماجی بنیادی ڈھانچے سے مراد ابتدائی اور ثانوی اسکول، صحت مراکز وغیرہ ہیں، مادی بنیادی ڈھانچے سے کھلی، پائپ کے ذریعے فراہم کردہ پانی، سرکیس اور بس خدمات، ڈاک اور مواصلاتی خدمات وغیرہ مراد ہیں۔

اور مادی بنیادی ڈھانچے کی ناموجودگی ہو سکتی ہے یا یہ کہ سماجی۔ مذہبی زمرے ان کے موجود ہونے کے باوجود ان سہولتوں تک رسائی نہ رکھتے ہوں۔ کمیٹی کے مقاصد کے پیش نظر مسئلے کے دونوں پہلوؤں پر زور دینے کی کوشش کی جائے گی۔

Statement 7.1: Dimensions of Access to Physical and Social Infrastructure

| Place of Residence | Presence | Access | Utilization |
|--------------------|--|--|---|
| Urban | High intensity | Location factors | Convenient access |
| | Low supply constraint | Demand constraints Need not be localized | Alternatives Individual choice Scope for localization Cultural constraints |
| | Quality of service | Hurdles to access Cost of access | Returns on investment |
| Rural | Low intensity Often at a distance | Over stretched institutions Inequity due to distance / feasibility to localize | Cost - Benefit Cost reduction Cultural conflicts |
| | Low quality and absence of alternatives | Not easy to access | |

اعداد و شمار کے دو معتبر ترین ذرائع۔ مردم شماری اور این ایس ایس او۔ ایسے اعداد و شمار فراہم نہیں کرتے جن کی بنیاد پر ہندوستان کے سیاق میں جدول 7.1 میں پیش کردہ پہلوؤں کا تجزیہ اور تفہیم کی جاسکے۔ لہذا اس معاملے کی تفتیش خاصا مشکل کام ہے۔ پھر یہ بھی کہ قومی سطح کے اعداد و شمار کی بنیاد پر مقامی معاملات کو سمجھنے کی کوشش مناسب نہیں ہے۔ مجموعی صورت حال کی پیش کش اکثر مقامی تصویر کو دھندلا کر دیتی ہے۔ دوسری جانب، غیر مجموعی تجزیہ بھی آسان نہیں ہے کیوں کہ سہیل سائز کا چھوٹا ہونا تعمیم کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ مزید یہ کہ پالیسی کے تقاضوں کے تحت اعداد و شمار جمع کرنے والی ایجنسیاں اکثر و بیشتر سروے کے مقامات کو صیغہ راز میں رکھتی ہیں جس کی وجہ سے مخصوص بستیوں کی نشان دہی کرنا دشوار ہوتا ہے۔

سماجی اور مادی سہولتوں تک رسائی کے تجزیے میں درپیش امور کی پیچیدگی کو تسلیم کرتے ہوئے، اور بطور خاص معلومات کی قلت کے پیش نظر، مردم شماری اور این ایس ایس او کے 61 ویں دور کے سروے میں سے اعداد و شمار کشید کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کا مقصد وہی علاقوں اور چند منتخب ریاستوں میں سماجی و مادی بنیادی ڈھانچے کی موجودگی کے فرق پر روشنی ڈالنا ہے جسے رسائی کا اشاریہ بھی سمجھا جاسکتا ہے کے

سینس آف انڈیا کے فراہم کردہ اعداد و شمار کی نوعیت کے پیش نظر شہری علاقوں سے متعلق ایسا ہی تجزیہ ممکن نہیں ہے۔ این ایس ایس او کے اعداد و شمار کی بنیاد پر، وارڈوں اور محلوں جیسے چھوٹے رہائشی علاقوں کی نشان دہی کرنے میں کئی تصوراتی اور تعریفی دشواریاں ہیں کیوں کہ شہری رہائشی معاملات بہت پیچیدہ ہوتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ عملاً تمام سماجی و مادی سہولتیں صرف شہری علاقوں میں دست یاب ہوتی ہیں، البتہ ان کی کمی بیشی شہر یا قصبے کے چھوٹے یا بڑے ہونے پر منحصر ہوتی ہے۔ پھر بھی ابتدائی اسکولوں، آنگن واڑی مراکز، پینے کے پانی، بجلی اور صفائی جیسی سہولتوں کی ناموجودگی بہت بڑی حد تک صرف شہری غریبوں کے مسائل ہیں۔ شہری ہندوستان میں بنیادی ڈھانچے تک رسائی سے پیدا ہونے والے مسائل کا اندازہ کرنے کے لئے معتبر اعداد و شمار حال فراہم نہیں ہیں۔

اس باب کو اب یہاں سے چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ دوسرے حصے میں، زیادہ/کم مسلم آبادی والے دیہات میں گاؤں کی سہولتوں کی دست یابی کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ مختلف فرقوں میں گھروں کے گذر بسر کے حالات کا تجزیہ تیسرے حصے میں پیش کیا گیا ہے۔ چوتھے حصے میں کمیٹی کی جانب سے کرائے گئے گذر بسر کے حالات سے متعلق مطالعے کے نتائج پیش کئے گئے ہیں۔ آخری حصے میں بنیادی دریا فتوں کی تلخیص پیش کی گئی ہے۔

سماجی و مادی سہولتوں تک رسائی کا اندازہ کرنے کے لئے مردم شماری 2001 اور این ایس ایس او 61 ویں دور کے سروے کے اعداد و شمار کا استعمال کیا گیا

2 دیہی سطح کی سہولتیں

تعلیم، صحت، مواصلات اور ٹرانسپورٹ کی خدمات تک رسائی، افراد اور کنبوں کی بہبود کی صورت حال کا تعین کرنے کی اہم بنیاد ہے۔ مگر بہت سی بستیاں ان سہولتوں سے محروم ہوتی ہیں۔ چھوٹی آبادی والے گاؤں اس سلسلے میں زیادہ بڑا مسئلہ بنتے ہیں کیوں کہ ہر گاؤں میں بنیادی سہولتوں کا ڈھانچہ کھڑا کرنا اقتصادی طور پر ممکن نہیں ہے۔ پھر بھی یہ کہ کچھ فرقوں کی اکثریت والے گاؤں بعض سہولتیں حاصل کرنے کے معاملے میں دوسرے فرقوں سے کم کامیاب رہے ہوں۔ یہ معلوم کرنے کے لئے کہ کیا مسلمان اس معاملے میں محرومیوں کے شکار ہیں کسی گاؤں کی مسلم آبادی پر مبنی سہولتوں کا تجزیہ کرنا ضروری ہے۔

سینس آف انڈیا نے مسلم آبادی کے تناسب (گاؤں کی کل آبادی میں مسلمانوں کا فی صد تناسب) اور خصوصی سہولتوں کی فراہمی کے لحاظ سے گاؤں کے خصوصی اعداد و شمار مرتب کئے

ہندوستان کی مردم شماری کے اعداد و شمار ہر گاؤں میں دست یاب مختلف سہولتوں سے متعلق معلومات فراہم کرتے ہیں۔ لیکن چون کہ ان اعداد و شمار میں گاؤں کی سطح پر مذاہب کے لوگوں کی آبادی سے متعلق معلومات نہیں دی جاتی اس لئے یہ معلوم نہیں کیا جاسکتا کہ کثیر مسلم آبادی والے گاؤں میں دیگر گاؤں جیسی سہولتیں دست یاب ہیں یا نہیں۔ تاہم سینس آف انڈیا نے کمیٹی کی درخواست کا احترام کرتے ہوئے مسلم آبادی کے تناسب اور مخصوص سہولتوں کی دست یابی کے مطابق گاؤں کے مخصوص جائزوں پر مبنی اعداد و شمار فراہم کئے۔ اس سے یہ معلوم کرنا آسان ہو گیا کہ کسی گاؤں میں دست یاب سہولتوں اور وہاں کی مسلم آبادی کے درمیان کیا باہمی تعلق ہے۔ عملی اور اقتصادی اسباب کے تحت بڑے دیہات میں چھوٹے گاؤں کے مقابلے میں سہولتوں کی موجودگی زیادہ قرین قیاس ہے۔ لہذا تقابلی مطالعہ یکساں آبادی والے گاؤں کے درمیان کیا گیا۔ آبادی کی تین سطحوں والے گاؤں کے بارے میں الگ الگ تخمینے قائم کئے گئے۔ یہ قسمیں ہیں 1000 لوگوں کی آبادی والے گاؤں 1000 سے 1999 تک کی آبادی والے اوسط درجے کے گاؤں اور 2000 سے زیادہ لوگوں والے بڑے گاؤں۔

تجزیے کی سہولت کے لئے گاؤں کو وہاں کی آبادی میں مسلمانوں کے تناسب کی بنیاد پر مزید تین زمروں۔ 10 فی صد سے کم مسلم آبادی، 10 فی صد سے زیادہ مگر 40 فی صد کم مسلم آبادی اور 40 فی صد سے زیادہ مسلم آبادی۔ میں تقسیم کیا گیا۔ تجزیے کے لئے پانچ سہولتیں۔ تعلیمی ادارے، طبی سہولتیں، ڈاک و تار کی سہولتیں، گاؤں تک آنے والی پکی سڑک اور بس اسٹاپ منتخب کی گئیں۔ یہاں تعلیمی ادارے سے مراد لازمی طور پر ابتدائی اسکول اور طبی سہولت سے مراد صحت کا ذیلی مرکز، ڈسپنسری یا ابتدائی صحت مرکز جیسی بہتر سہولت ہے۔

2.1 قومی سطح پر صورت حال

شکل (سیٹ) 7.1 میں ان دیہات کا فی صد تناسب دکھایا گیا ہے جہاں خصوصی سہولتیں موجود ہیں۔ آبادی میں مسلمانوں کے تناسب پر مبنی تینوں زمروں میں سے ہر زمرے کے لئے مخصوص سہولت کے حامل دیہات کی تعداد بھی ظاہر کی گئی ہے۔

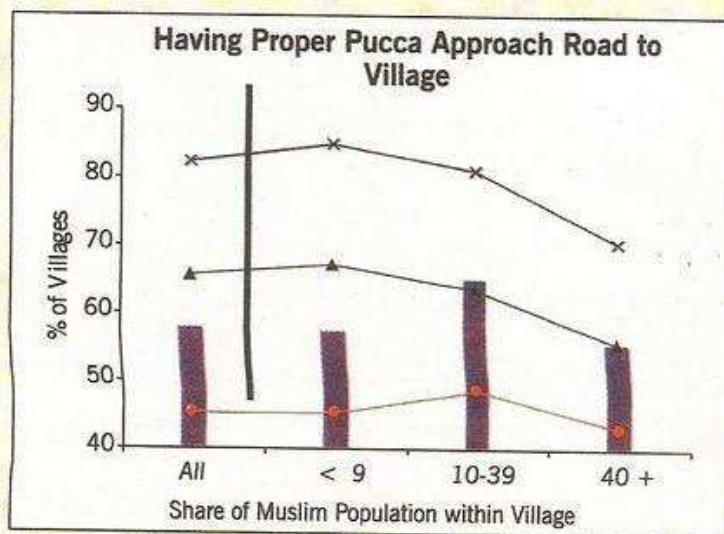
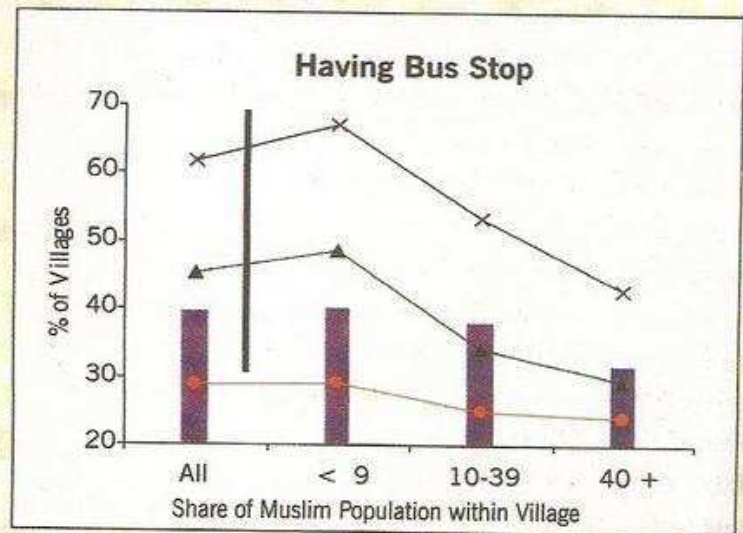
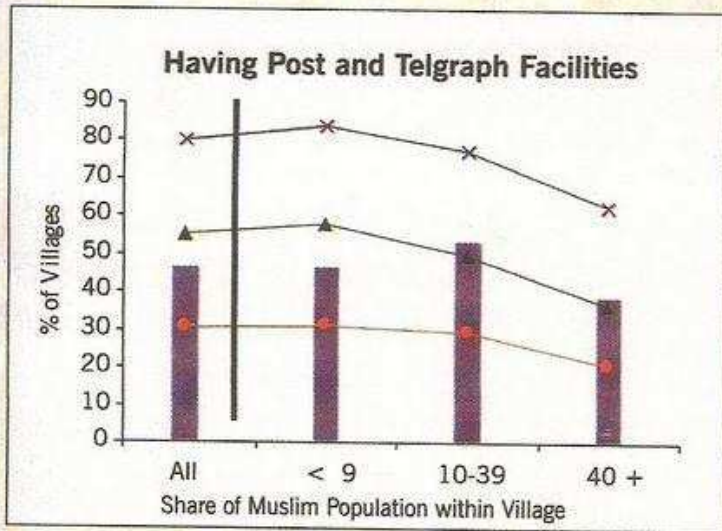
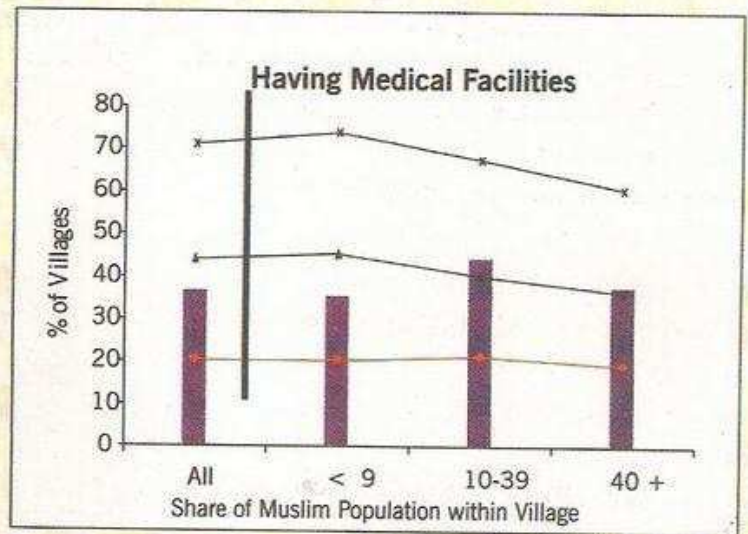
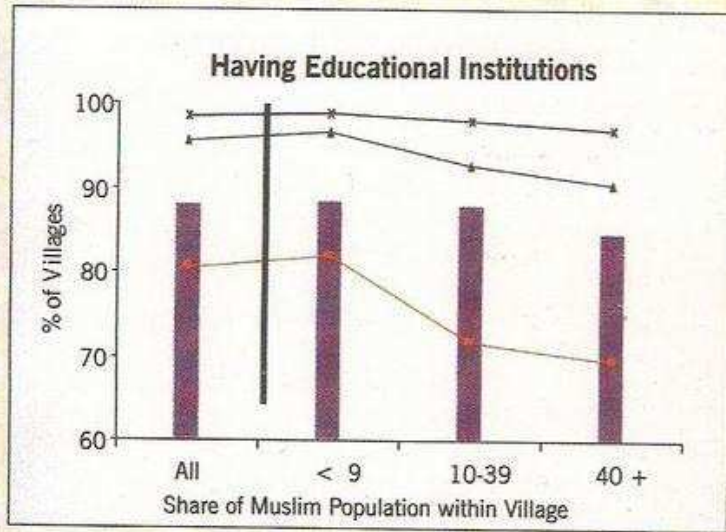
شکل 7.1

چھوٹے گاؤں میں مسلم آبادی کے تناسب اور تعلیمی سہولتوں کی فراہمی کے درمیان ایک واضح معکوس باہمیرشتہ پایا جاتا ہے

کم مسلم آبادی والے گاؤں میں تعلیمی سہولتوں کے حامل گاؤں کی تعداد 88 فی صد ہے جب کہ مسلمانوں کی زیادہ تعداد والے گاؤں میں ایسے گاؤں کی تعداد 85 فی صد ہے۔ بڑے گاؤں میں یہ فرق کم ہے کیوں کہ 2000 سے زیادہ آبادی والے تمام گاؤں میں عملاً ایک تعلیمی ادارہ موجود ہے، لیکن گاؤں کی آبادی کم اور مسلمانوں کی آبادی کا تناسب زیادہ ہوتے ہی ابتدائی اور ثانوی اسکولوں کی موجودگی کم ہوتی نظر آنے لگتی ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ چھوٹے گاؤں میں مسلم آبادی کے تناسب اور تعلیمی سہولتوں کی فراہمی کے درمیان معکوس باہمی تعلق پایا جاتا ہے۔ 10 فی صد سے کم مسلم آبادی والے تقریباً 82 چھوٹے گاؤں میں تعلیمی ادارے موجود ہیں مگر خاصی مسلم آبادی والے گاؤں میں یہ تناسب گھٹ کر 69 فی صد ہو جاتا ہے۔

Fig. (Set): 7.1

Amenities within Villages, India, by Share of Muslim Population in Villages of various Sizes



■ All Villages ● < 1000 Population ▲ 1000-2000 Population × > 2000 Population

طبی سہولتوں سے متعلق مجموعی صورت حال کچھ خاص واضح نہیں ہے۔ 39-10 فی صد مسلم آبادی والے گاؤں اس معاملے میں مسلم آبادی کے کم تر یا زیادہ تناسب والے گاؤں کے تقابل میں بہتر ہیں۔ تاہم واضح تصویر تب ابھرتی ہے جب گاؤں کی آبادی کے لحاظ سے الگ سے غور کیا جائے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خاص طور پر نسبتاً بڑے گاؤں میں مسلم آبادی کا تناسب زیادہ ہونے کے ساتھ ہی طبی سہولتوں کی فراہمی میں کمی آنے لگتی ہے۔ اس قسم کا مگر زیادہ نمایاں قریبہ ڈاک وٹار گھروں کی موجودگی کے معاملے میں بھی نظر آتا ہے۔ مجموعی تصویر سے پھر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ 39-10 فی صد مسلم آبادی والے گاؤں میں بہتر سہولتیں موجود ہیں مگر الگ الگ تجزیے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سہولتوں کی فراہمی مسلم آبادی کے تناسب میں اضافے کے ساتھ ہی نمایاں طور پر کم ہونے لگتی ہے۔

کثیر مسلم آبادی والے
گاؤں میں پکی سڑکیں اور
مقامی بس اسٹاپ زیادہ نہیں
ہیں۔

کثیر مسلم آبادی والے گاؤں میں پکی سڑکیں اور مقامی بس اسٹاپ زیادہ نہیں ہیں۔ یہ صورت حال گاؤں کی آبادی میں اضافے کے ساتھ بدتر ہوتی جاتی ہے۔ ہر موسم میں کام آنے والی سڑک کی موجودگی اور گاؤں میں پبلک بس کا آنا گاؤں میں کمی کی جانے والی اقتصادی سرگرمیوں کو خاصا متاثر کرتا ہے۔ چونکہ مسلمان زمین کے مالک کم اور دست کار، اتفاقی مزدور اور چھوٹے کاروبار کرنے والے زیادہ ہیں، سڑکوں اور بس خدمات کی فراہم کردہ آنے جانے کی سہولت سے ان کے لئے اقتصادی مواقع روشن ہو سکتے ہیں۔ اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ وہ اس معاملے میں خاصے نقصان میں ہیں۔ مختلف ریاستوں کے درمیان دیہی علاقوں میں سہولتوں کی فراہمی کے معاملے میں خاصے فرق کے پیش نظر الگ الگ تجزیہ کرنے کی کوشش ضروری ہے۔ لہذا سینس آف انڈیا سے ہر ریاست کے بارے میں الگ الگ اعداد و شمار حاصل کئے گئے۔ نتائج ضمیمہ شکلوں 7.1، 7.4، 7.1 اور ضمیمہ جدولوں 7.1 تا 7.5 میں پیش کئے گئے ہیں۔ سہولت کی غرض سے، گاؤں کو دو گروپوں۔ 40 فی صد مسلم آبادی اور 40 فی صد سے زیادہ مسلم آبادی والے گاؤں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

Fig. 7.2: Having Educational Institutions Within Villages, 2001

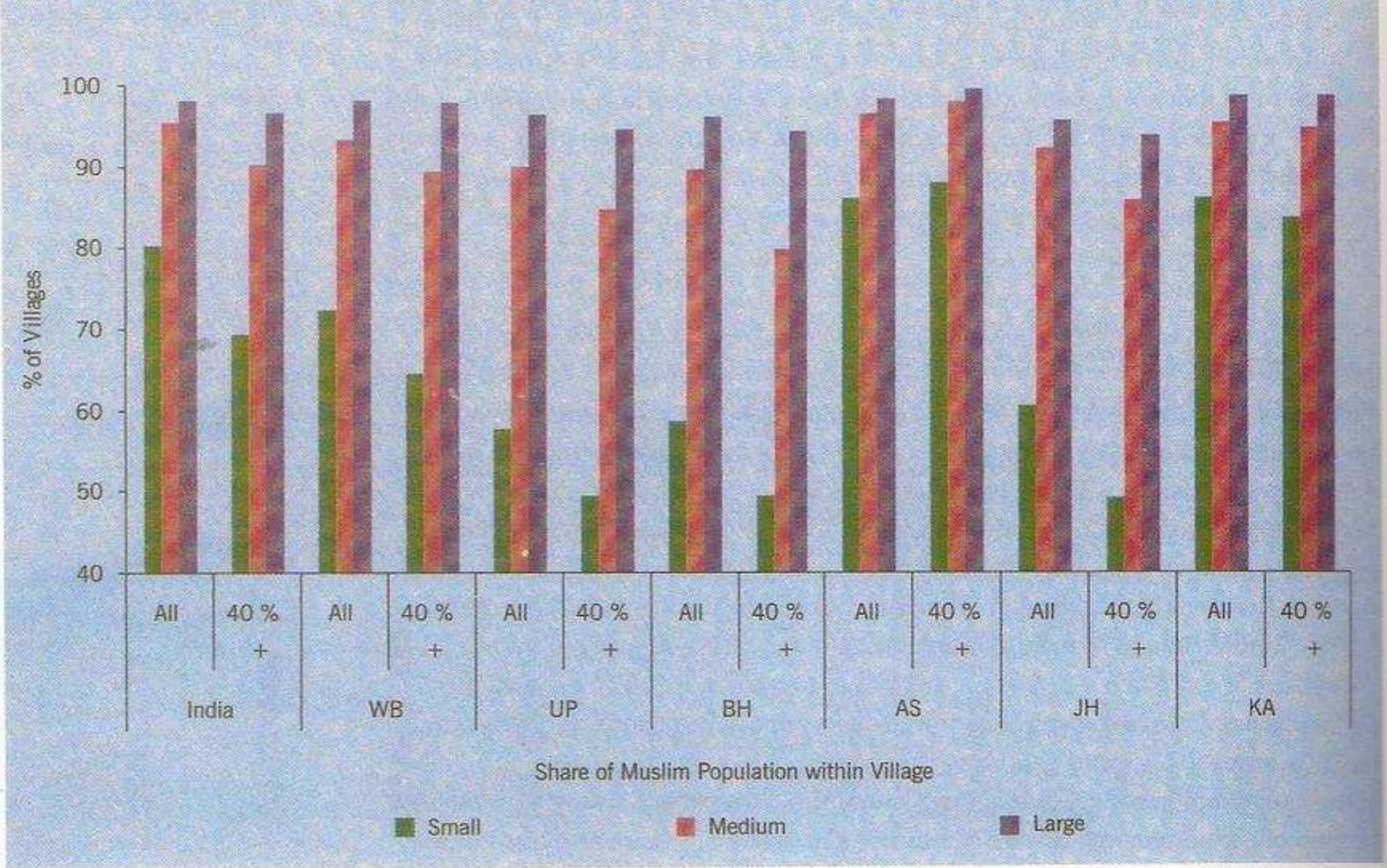


Table: 7.1 Number of Villages without Basic Facilities, All India 2001

| Facilities | Small (Less than 1000 Population) | | | Medium (1000-2000 Population) | | | Large (More than 2000 Population) | | |
|--|-----------------------------------|--------|-------|-------------------------------|--------|-------|-----------------------------------|--------|-------|
| | Within Muslim Population Share of | | | | | | | | |
| | < 9% | 10-39% | 40%+ | < 9% | 10-39% | 40%+ | < 9% | 10-39% | 40%+ |
| | All India | | | | | | | | |
| Education | 44542 | 4676 | 4240 | 3667 | 1186 | 1078 | 906 | 423 | 382 |
| Medical | 193640 | 13051 | 11193 | 56813 | 9435 | 7130 | 18181 | 6191 | 4680 |
| Post | 168088 | 11670 | 11013 | 43838 | 7959 | 7111 | 11194 | 4398 | 4448 |
| Bus Stop | 172048 | 12410 | 10547 | 53199 | 10336 | 7898 | 22519 | 8859 | 6717 |
| Proper Approach Road | 133063 | 8496 | 7910 | 34124 | 5749 | 4970 | 10627 | 3644 | 3502 |
| No. of Villages in the respective category | 242549 | 16525 | 13840 | 103175 | 15648 | 11149 | 68537 | 18895 | 11763 |
| % of Population (All) | 87.7 | 6.8 | 5.5 | 23.2 | 2.6 | 74.2 | 26.7 | 3.3 | 70.0 |
| % of Muslim Population | 8.8 | 23.3 | 67.9 | 13.8 | 7.4 | 78.9 | 14.9 | 8.2 | 76.8 |

2.2 ریاستی سطح پر صورت حال

مختلف سہولتوں سے متعلق ریاستی سطحی کے تجزیے کی خاص باتیں یہاں پیش کی جاتی ہیں:

(الف) تعلیمی سہولتیں:

مغربی بنگال اور بہار کے 1000 سے زیادہ کثیر مسلم آبادی والے گاؤں میں کوئی بھی تعلیمی ادارہ نہیں ہے۔ اتر پردیش میں ان کی تعداد 1943 ہے۔ چھوٹے گاؤں میں صورت حال اور بھی بدتر ہے۔ تعلیمی سہولتوں والے کثیر مسلم آبادی والے گاؤں (آبادی کے تینوں زمرے میں) کی تعداد ایسی سہولتوں والے گاؤں کی کل تعداد سے کم ہے۔ یہ بات نسبتاً چھوٹے گاؤں میں زیادہ نمایاں ہے جہاں یہ فرق تشویش ناک حد تک زیادہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کثیر مسلم آبادی والے گاؤں، خاص طور پر چھوٹے گاؤں، تعلیمی سہولتوں سے محروم ہیں۔ (شکل 7.2)

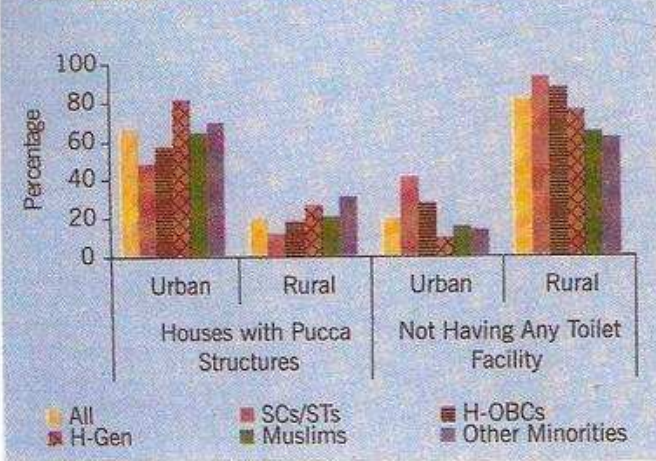
(ب) طبی سہولتیں

طبی سہولتوں کے لحاظ سے دیکھا جائے تو صورت حال بہت اتر نظر آتی ہے۔ طبی سہولتوں سے محروم 16 فی صد سے زیادہ گاؤں کثیر مسلم آبادی والے ہیں۔ آسام اور جموں و کشمیر کے تقریباً 2000 مسلم اکثریتی گاؤں، مغربی بنگال اور بہار کے 3000 سے زیادہ گاؤں، اور اتر پردیش کے تقریباً 5000 گاؤں طبی سہولتوں سے محروم ہیں۔ بیشتر ریاستوں میں طبی سہولتوں والے مسلم اکثریتی گاؤں کا تناسب ان سہولتوں والے تمام گاؤں کے تناسب سے کچھ کم ہے، جس سے مسلم اکثریتی علاقوں میں سرکاری خدمات کی فراہمی کے معاملے میں تعصب ظاہر ہوتا ہے (دیکھئے ضمیمہ شکل 7.1)

(ت) ڈاک و تار کی سہولتیں

مغربی بنگال، اتر پردیش، بہار، آسام، جموں و کشمیر اور جھارکھنڈ جیسی ریاستوں میں مسلم اکثریتی گاؤں کی بڑی تعداد ڈاک و تار سہولتوں سے محروم ہے (دیکھئے ضمیمہ شکل 7.2)

Fig. 7.3: Households with Pucca Structures and not having any Toilet Facility by SRCs and Residence



بنیادی ڈھانچے کی سہولتوں سے محروم ریاستوں میں مسلمانوں کی کثیر آبادی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد بنیادی سہولتوں تک رسائی نہیں رکھتی

(ث) پکی سڑکیں اور بس اسٹاپ

پکی سڑکوں والے مسلم اکثریتی گاؤں کا تناسب اس سہولت والے تمام دیگر گاؤں سے کم ہے۔ بس اسٹاپ کی موجودگی سے متعلق صورت حال مغربی بنگال، اتر پردیش، جھارکھنڈ (تمام چھوٹے گاؤں)، مغربی بنگال، بہار اور جھارکھنڈ (تمام اوسط گاؤں) اور اتر پردیش، بہار اور جھارکھنڈ (تمام بڑے گاؤں) میں بطور خاص تشویش ناک ہے۔ (دیکھئے ضمیمہ شکلیں 7.3 اور 4)

مجموعی لحاظ سے تمام گاؤں میں بنیادی ڈھانچے کی سہولتیں پیدا کرنے میں کوئی خاص پیش رفت نہیں ہوئی ہے۔ اس کا اندازہ ان سہولتوں والے گاؤں کی کم تعداد سے کیا جاسکتا ہے۔ یہ صورت حال طبی سہولتوں کے معاملے میں بطور خاص تشویش ناک ہے۔ یہ کہنے کی کوئی خاص وجہ نہیں ہے کہ مسلم اکثریتی گاؤں میں بنیادی ڈھانچے کی سہولتیں کم ہیں۔ تاہم کثیر مسلم آبادی والی ریاستوں مثلاً اتر پردیش، بہار، آسام اور جھارکھنڈ میں بنیادی سہولتوں کی فراہمی کی حالت باعث تشویش ہے۔ بنیادی سہولتوں سے محروم ریاستوں میں مسلمانوں کی کثیر آبادی کا مطلب یہ ہے کہ مسلم فرقے کا ایک بڑا حصہ ان بنیادی سہولتوں تک رسائی نہیں رکھتا۔ جدول 7.1 میں مختلف آبادیوں والے ان کثیر مسلم آبادی والے گاؤں کی واقعی تعداد ظاہر کی گئی ہے جہاں خصوصی مادی اور سماجی سہولتیں موجود نہیں ہیں۔

3 گذر بسر کے حالات

ہندوستان کی 2001 کی مردم شماری کے تحت ہاؤس لسٹ شیڈول میں رہائشی صورت حال کے بارے میں تفصیلی معلومات حاصل کی گئی ہے مگر اس شیڈول میں مذہب کی نشان دہی نہیں کی گئی ہے۔ دوسری جانب اس ہاؤسنگ شیڈول میں جہاں مذہب کی نشان دہی کی گئی ہے رہائشی حالات سے متعلق اعداد و شمار جمع نہیں کئے گئے ہیں۔ لہذا دونوں شیڈولوں کا تقابل کرنا تکنیکی لحاظ سے ممکن نہیں تھا۔ اس لئے مردم شماری کی معلومات کو رہائشی حالات کا تجزیہ مذہب کے لحاظ سے کرنے کے لئے استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ نیشنل فیملی ہیلتھ سروے-2 (این ایف ایچ ایس-2) میں جس 1998-99 کے دوران تمام ریاستوں اور مرکزی علاقہ دہلی کے 92486 سیمپلوں کا احاطہ کیا تھا رہائشی اور صفائی کے حالات اور گھر بلو ایندھن کے ذرائع سے متعلق اعداد و شمار فراہم کئے گئے ہیں۔

3.1 رہائش اور صفائی

یہاں رہائشی حالات یعنی مکان کی قسم، صفائی، کھانا پکانے کے لئے ایندھن اور روشنی کے ذرائع کے بنیادی پہلوؤں پر توجہ مرکوز کی گئی ہے۔ رہائش اور صفائی کی تقابلی تصویر شکل 7.3 میں پیش کی گئی ہے۔ کل ہند تصویر کے علاوہ، دیہی اور شہری علاقوں سے متعلق تقابلی صورت حال بھی الگ سے پیش کی گئی ہے۔ اس کی معروف وجہ یہ ہے کہ دیہی اور شہری علاقوں کے گذر بسر کے حالات میں بنیادی فرق پایا جاتا ہے۔

شہری اور دیہی دونوں علاقوں میں پکے مکانوں میں رہنے والے مسلم کنبوں کی تعداد کل آبادی کے مقابلے میں کم ہے

استعمال شدہ تعمیراتی سامان کی بنیاد پر مکانوں کو پکے مکان، نیم پختہ مکان اور کچے مکان کے زمروں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ شہری اور دیہی دونوں علاقوں میں، پکے مکانات میں رہنے والے مسلم کنبوں کا تناسب کل آبادی کے مقابلے میں کم ہے۔ اس لحاظ سے او بی سی اور ایس سی/ایس ٹی کے مقابلے میں مسلمانوں کی حالت بہتر ہے، حالانکہ پکے مکانوں میں رہنے والے مسلمانوں کا تناسب دونوں علاقوں میں عام ہندوؤں کے تناسب سے کم ہے۔

صفائی کے لئے ٹوائلٹ کی سہولتوں کا ہونا بہت اہم ضرورت ہے۔ ہندوستان میں مسلم گھروں کی تقریباً آدھی تعداد ٹوائلٹوں سے محروم ہے۔ یہ

پکے مکان وہ ہیں جن کی تعمیر میں علاوہ بے تعمیراتی سامان مثلاً اینٹ، سمنٹ، بال استعمال ہوتا ہے۔ کچے مکانات وہ ہیں جن میں کم درجے کا سامان مثلاً چھپرہ، مٹی وغیرہ استعمال کی جاتی ہے۔ نیم پختہ مکانوں سے مراد ایسے مکانات ہیں جو کچھ کم اچھے اور کم بہتر سامان سے بنائے جاتے ہیں۔

تناسب دیہی علاقوں میں اور زیادہ ہے۔ شہری علاقوں میں بھی ہر سات مسلم گھروں میں ایک گھر ٹوائٹ سہولتوں سے محروم ہے۔ تاہم مسلمانوں کی حالت ایس سی / ایس ٹی اور او بی سی سے بہتر ہے۔ ہر پانچ مسلم گھروں میں سے ایک میں خود اپنا فلیش ٹوائٹ موجود ہے۔ یہ تناسب بقیہ ہندوستانی آبادی کی بہ نسبت قدرے بہتر ہے۔ تاہم شہری علاقوں میں فلیش ٹوائٹ والے مسلم گھروں کا تناسب تمام شہری آبادی میں اس سہولت کے حامل لوگوں کے تناسب سے بہت کم ہے۔ مسلم گھروں کی نسبتاً زیادہ بڑی تعداد اجتماعی مشترکہ فلیش ٹوائٹوں تک رسائی رکھتی ہے یا اس کے خود اپنے پٹ ٹوائٹ ہیں۔ مجموعی لحاظ سے، ٹوائٹ سہولتوں تک مسلمانوں کی رسائی کم ہے، مگر ایس سی / ایس ٹی اور او بی سی سے بہتر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ مسلمان خاص طور پر خواتین کے معاملے میں پردے کا زیادہ خیال رکھتے ہیں۔

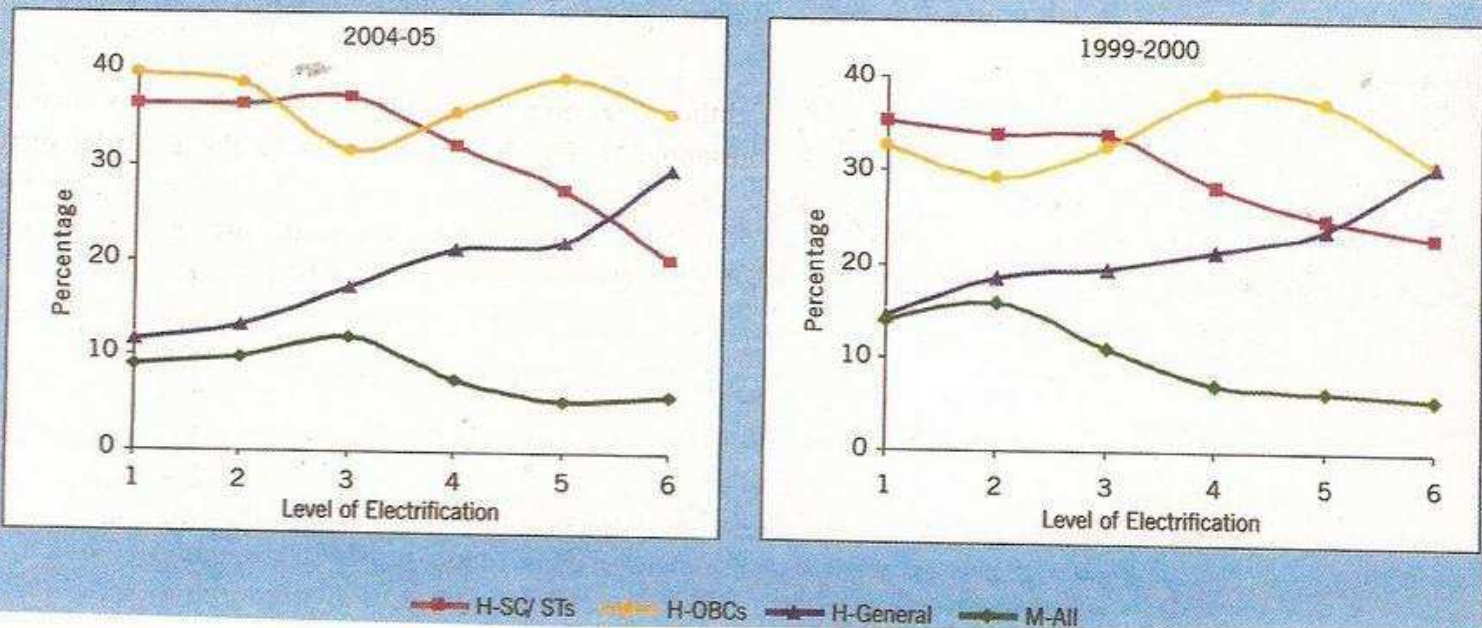
3.2 گھروں میں بجلی اور ٹیپ پانی کی فراہمی

بجلی

این ایس ایس او کے 55 ویں اور 61 ویں دور کے اعداد و شمار گھروں میں بجلی کی موجودگی سے متعلق معلومات فراہم کرتے ہیں۔ تاہم این ایس ایس او نے براہ راست گاؤں یا رہائشی علاقے سے مخصوص ایسے اعداد و شمار جمع نہیں کئے ہیں جنہیں گھروں کے سروے کے ساتھ جوڑا جاسکے۔ گھروں کے سیمپلوں کی بنیاد پر گاؤں کی سطح پر موجود سہولتوں کے اوسط تخمینے قائم کرنے کا ایک منفرد طریقہ اختیار کیا گیا جس سے فرقوں کے لحاظ سے مختلف سہولتوں کی فراہمی کی صورت حال ظاہر ہوتی ہے۔ یہاں گاؤں میں بجلی کی فراہمی پر توجہ دی گئی ہے۔ اعداد و شمار گھروں میں زیر استعمال 'روشنی کے ذریعے' کے بارے میں معلومات فراہم کرتے ہیں۔ گھروں سے متعلق معلومات کو یکجا کر کے بجلی فراہمی کی سطح کے بارے میں گاؤں کی مجموعی صورت حال پیش کی گئی ہے۔ بجلی فراہمی کی سطح کا تعین گاؤں میں بجلی کے حامل گھروں کی تعداد سے کیا گیا ہے۔ تمام گاؤں کو اس سلسلے میں 1 (بجلی نہیں) سے 6 (90 فی صد یا زیادہ گھروں میں بجلی) تک کے زمروں میں رکھا گیا ہے۔ اس کا مقصد گاؤں کی آبادی میں مختلف سماجی۔ مذہبی طبقوں کے تناسب کے مطابق بجلی فراہمی کے فرق کا تجزیہ کرنا ہے۔ اس سے بجلی فراہمی کے لحاظ سے مختلف فرقوں کی حصہ داری کی ایک خاصی اچھی منصفانہ تصویر سامنے آ جاتی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ مسلمانوں اور ایس سی / ایس ٹی لوگوں کی کثیر تعداد ایسے گاؤں میں رہتی ہے جنہیں کم ترین بجلی فراہمی والے زمرے میں رکھا گیا ہے۔ گاؤں میں بجلی فراہمی کی سطح بڑھنے کے ساتھ ہی ان کا حصہ کم ہونے لگتا ہے۔ دوسری

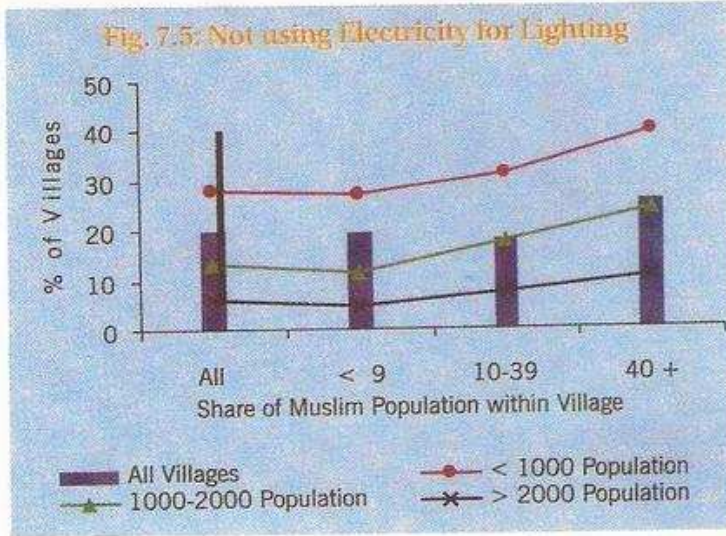
مجموعی لحاظ سے، ٹوائٹ سہولتوں تک مسلمانوں کی رسائی کم ہے، مگر ایس سی / ایس ٹی اور او بی سی کے مقابلے میں بہتر ہے

Fig. 7.4: Share of SRCs by Levels of Village Electrification



جانب، عام ہندوؤں کے لحاظ سے یہ معاملہ بالکل برعکس ہے کیوں کہ گاؤں میں بجلی فراہمی میں اضافے کے ساتھ ان کا حصہ بڑھتا نظر آتا ہے۔ اوبی سی کے حصے سے گاؤں میں بجلی کی صورت حال کے ساتھ کوئی براہ راست تعلق ظاہر نہیں ہوتا۔ 61 ویں دور کے اعداد و شمار کی بنیاد پر ان تخمینوں کے تقابل کے ذریعے بجلی تک رسائی کے معاملے میں مختلف فرقوں کے درمیان فرق کی تصدیق ہوتی ہے۔ (شکل 7.4)

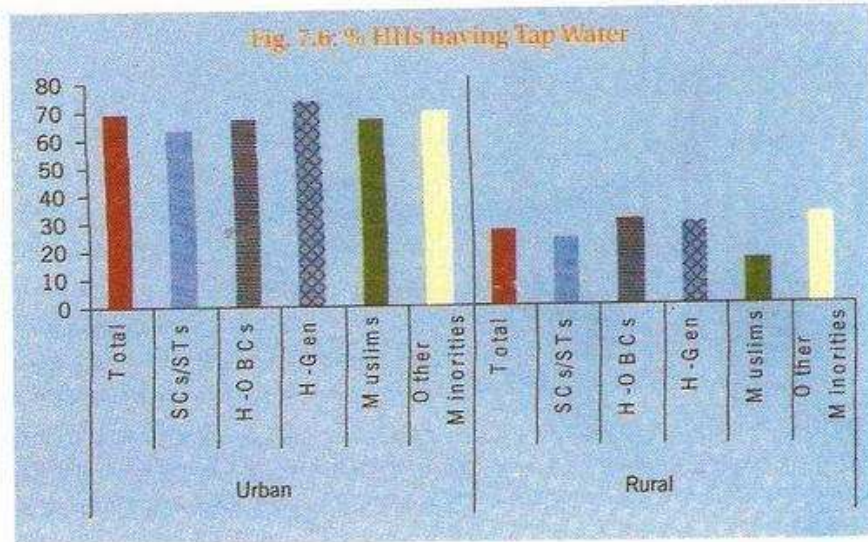
مردم شماری کے اعداد و شمار بھی اشارہ کرتے ہیں کہ روشنی کے لئے بجلی کا استعمال قومی اوسط کے مقابلے میں مسلمانوں میں کم ہے۔ (شکل 7.5)۔ کثیر مسلم آبادی والے گاؤں میں یہ محرومی بہت زیادہ ہے۔ جیسے جیسے گاؤں کی آبادی کم ہوتی ہے اور مسلم آبادی میں اضافہ ہوتا ہے، ویسے ویسے بجلی سے محروم گاؤں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے۔



پائپ کے ذریعے فراہم کردہ پینے کا پانی

این ایس ایس اور 60 ویں دور کے اعداد و شمار جائے رہائش کی بنیاد پر گھروں میں ٹیپ پانی کے استعمال سے متعلق معلومات فراہم کرتے ہیں۔ متوقع طور پر، شہری علاقوں میں اس کی صورت حال بہتر ہے اور معمولی فرق کے ساتھ مختلف فرقوں کے 60 سے 70 فی صد گھروں میں اس ذریعے سے فراہم پانی استعمال کیا جاتا ہے۔ مگر دیہی علاقوں میں معاملہ بہت مختلف ہے کہ وہاں صرف تقریباً ایک چوتھائی گھروں کو ٹیپ کے پانی تک رسائی حاصل ہے۔ (شکل 7.6) اس سلسلے میں تمام دیگر فرقوں کے مقابلے میں مسلمانوں کی رسائی سب سے کم ہے۔ این سی اے ای آر کی انسانی ترقیاتی رپورٹ (این سی اے ای آر 1999) میں بھی تقریباً ایک دہائی پہلے تقریباً یہی تصویر پیش کی گئی تھی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ٹیپ پانی کی فراہمی میں بہتری لانے اور فراہمی کے معاملے میں تمام فرقوں کے درمیان فرق کو کم کرنے کے کوئی خاص قدم نہیں اٹھائے گئے ہیں۔ یہ بات دیگر سہولتوں والے گاؤں کی تعداد کے بارے میں مردم شماری کے اعداد و شمار کے مطابق ہے جس سے کثیر مسلم آبادی والے گاؤں میں سہولتوں کی کمی ظاہر ہوتی ہے۔

یہ بات دیکھ کر سہولتوں والے گاؤں کی تعداد کے بارے میں مردم شماری کے اعداد و شمار کے مطابق ہے جس سے کثیر مسلم آبادی والے گاؤں میں سہولتوں کی کمی ظاہر ہوتی ہے۔



3.3 گھریلو مقاصد کے لئے ایندھن کا استعمال

کھانا پکانے کے لئے صاف ستھرا ایندھن صحت کے لئے اہم ہے۔ یہ بات خواتین کے لحاظ سے اور بھی اہم ہے کیوں کہ کھانا پکانا عموماً پیشتر انہی کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

این ایف ایچ ایس کے اعداد و شمار 1998-99 کے لئے شہری اور دیہی علاقوں میں جدید ایندھن کے استعمال کے الگ الگ قرینے فراہم کرتے ہیں۔ گاؤں کے صرف 6 فی صد اور شہری علاقوں کے تقریباً 40 فی صد لوگوں نے صاف

ایندھن استعمال کرنے کی بات کہی۔ اس سلسلے میں مسلم گھروں کی صورت حال ابتر ہے جو شہری علاقوں میں اور بھی نمایاں ہے (شکل 7.7)

2001 کی مردم شماری کے اعداد و شمار کی جانچ سے معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً 60 فی صد دیہی گھریلو پائپ گیس یا مٹی کے تیل جیسا کوئی بھی جدید ایندھن استعمال نہیں کرتے (شکل 7.8)۔ کھانا پکانے کے لئے ان ایندھنوں کا استعمال نہ کئے جانے کا سلسلہ مسلم آبادی کا تناسب بڑھنے اور

اس سے زیادہ گاؤں کی آبادی میں اضافے کے ساتھ بڑھتا جاتا ہے۔

گذر بسر کے حالات کی مجموعی تصویر ملی جلی ہے۔ مسلم آبادی مکانات کے معاملے میں اوسط کے قریب اور ٹوائلٹ سہولتوں کے لحاظ سے بہتر حالت میں معلوم ہوتی ہے مگر، بجلی اور کھانا پکانے کے ایدھن کی فراہمی کے معاملے میں اس کی حالت اتر ہے۔ بظاہر، مسلمانوں میں پردے داری کو دوسروں کے مقابلے میں زیادہ اہمیت دی جاتی ہے جو مسلم گھروں میں ٹوائلٹوں کی موجودگی کی بہتر صورت حال کا ایک سبب ہو سکتی ہے۔ مسلمانوں کے گھر عموماً عام ہندوؤں یا دیگر اقلیتوں جیسے آراستہ نہیں ہوتے مگر وہ ہندو او بی سی اور ایس سی / ایس ٹی کے جیسے یا ان سے بہتر ضرور ہوتے ہیں۔

Fig. 7.7: Households using Electricity/LPG/Biogas as Main Source of Fuel by SRCs and Residence

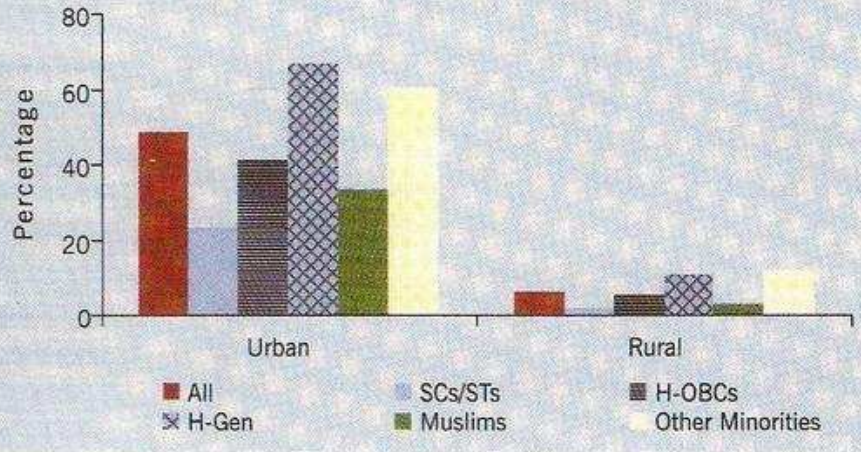
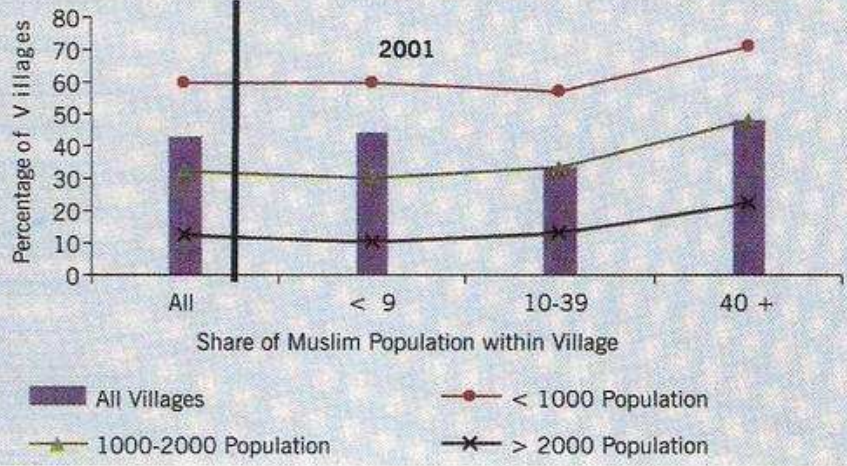


Fig. 7.8: Households not using LPG / Electricity / Biogas and Kerosene for Cooking Purposes, 2001



4 مخصوص مطالعے اور مشاہدات

ثانوی ذرائع سے مزید اعداد و شمار حاصل کرنے کے لئے کمیٹی نے مخصوص شہری اور دیہی بستیوں میں مخصوص مطالعے کرائے۔ اس کا مقصد مندرجہ ذیل سوالوں کی تفتیش کرنی تھی:

☆ اسکولوں، صحت مراکز، بینکوں، سڑکوں، بجلی اور پینے کے پانی جیسی بنیادی سہولتوں کی فراہمی کے معاملے میں مسلم بستیوں کے حالات دیگر بستیوں کے تقابل میں کیسے ہیں؟

☆ کیا غیر مسلم اکثریت والے علاقوں میں رہائش پذیر مسلمانوں کو ان

سہولتوں تک مساوی رسائی حاصل ہے؟

☆ کیا شہروں اور گاؤں میں یکساں حالات پائے جاتے ہیں یا ان میں کوئی قابل لحاظ فرق ہے؟ اس طرح کیا مختلف ریاستوں میں ان

حالات میں فرق پایا جاتا ہے؟

یہ سروے جنوبی ہند کی تین ریاستوں (کرناٹک، آندھرا پردیش اور تمل ناڈو)، اور لکھنؤ اور اس کے اطراف کے علاقوں میں کرائے گئے۔ جنوبی ریاستوں میں، ہیمپل دوشہری بستیوں۔ ایک کثیر مسلم آبادی والی بستی اور دوسری وہ جن میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی۔ سے حاصل کئے گئے۔ دودھبی علاقوں میں بھی اسی انداز سے سروے کرائے گئے۔

ان جائزوں کے تحت مسلم علاقوں اور بنیادی سہولتوں تک ان کی رسائی کے تجربے کے ذریعے اس معاملے کی علاقائی صورت حال سامنے آئی۔ زیر مطالعہ تینوں ریاستوں میں کثیر مسلم آبادی والے علاقوں میں محرومی بہت کم نظر آئی۔ مساوی اقتصادی حیثیت کے لوگوں سے آبادان بستیوں میں معیار زندگی یکساں تھا۔ بعض مقامات پر کثیر مسلم آبادی والے علاقوں میں اسکول یا صحت مرکز کی کمی پائی گئی مگر دیگر مقامات پر کم مسلم آبادی والے علاقے بھی ان سہولتوں سے محروم نظر آئے۔ زیر مطالعہ تمام بستیوں میں عموماً کم آمدنی والے لوگ رہتے تھے اور سرکاری بے حسی کے معاملے میں ذات برادری یا عقیدے کی کوئی تفریق نظر نہیں آئی۔

تاہم لکھنؤ اور اس کے اطراف کے علاقوں کی کثیر مسلم آبادی والی بستیوں کی صورت حال یکسر مختلف نظر آئی۔ مسلم اکثریتی علاقوں کے تقابل میں، نسبتاً کم مسلم آبادی والے علاقوں میں سڑکوں، سیویج کا نظام اور پانی سپلائی کے حالات بہتر تھے۔ یہاں اکثر اسکول اور صحت مرکز موجود تھے جو ان علاقوں میں ناموجود تھے جہاں اسی اقتصادی حیثیت کے مسلمان بڑی تعداد میں رہتے ہیں۔ مثلاً لکھنؤ کی ایک ہندو اکثریت والی مسلم بستی میں سڑکوں، ڈریجنگ نظام، صفائی، پانی سپلائی اور گندگی کے نکاس کی سہولتیں، مسلم اکثریت والی مسلم بستی کے مقابلے میں زیادہ تھیں۔

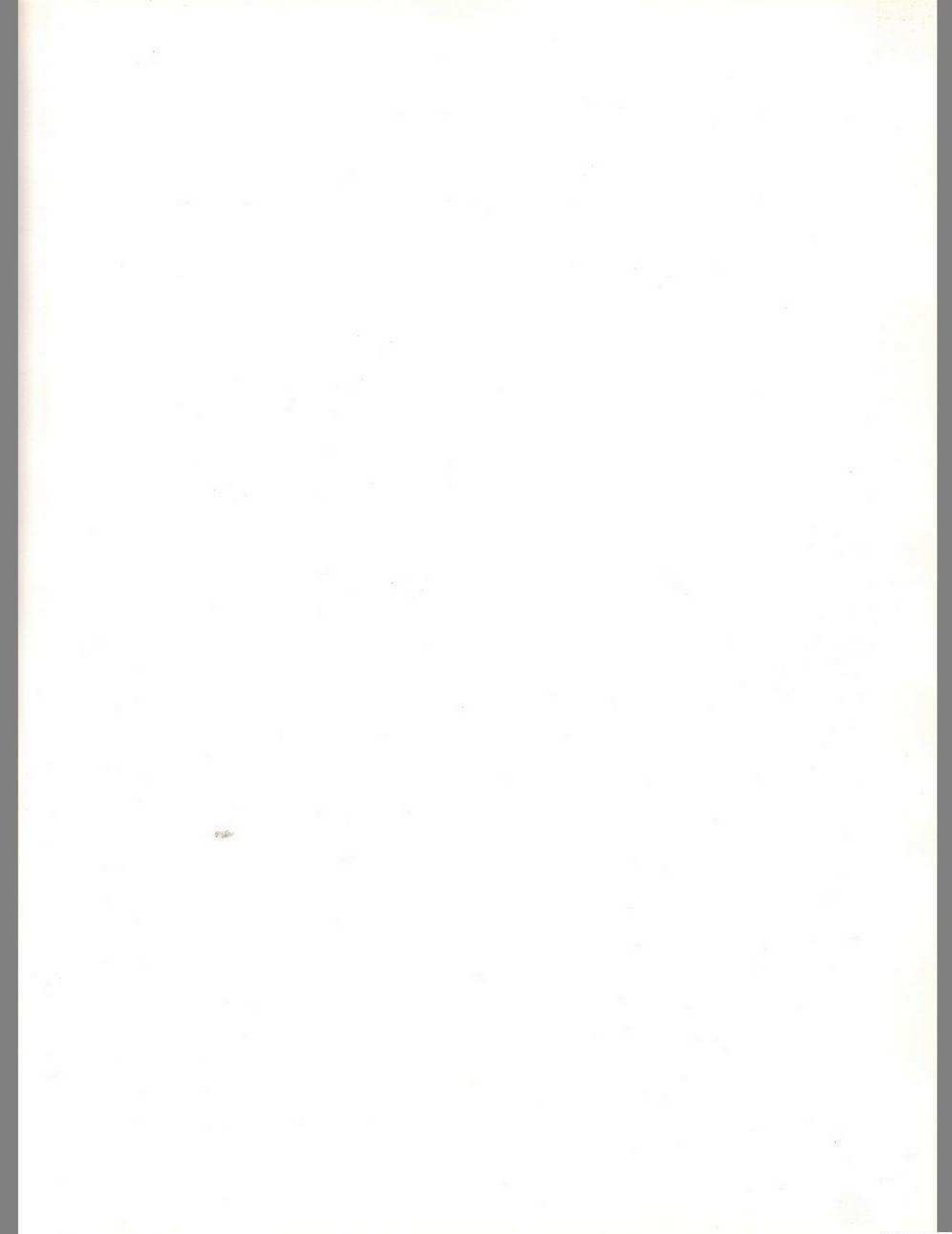
5 نتائج کا خلاصہ

مجموعی اعتبار سے دیکھا جائے تو کثیر مسلم آبادی والے گاؤں ایسی ریاستوں، علاقوں میں ہیں جہاں مادی اور سماجی سہولتوں کی صورت حال اتر ہے۔ اس کے نتیجے میں مسلم گھروں کو حاصل سہولتیں دیگر سماجی۔ مذہبی طبقوں کے مقابلے میں بہت کم ہیں۔ ان ریاستوں میں دیہی سماجی سہولتوں کی حالت کو بہتر بنانے سے مسلمانوں کو تعلیم، صحت، ٹرانسپورٹ اور مواصلات جیسی کلیدی سہولتوں تک بہتر رسائی حاصل ہو سکے گی۔ کثیر مسلم آبادی والے گاؤں میں دیگر گاؤں کی بد نسبت بہت کم سہولتیں موجود ہیں۔ اس عدم توازن کو دور کیا جانا چاہئے۔ اس کے علاوہ یہ کہ کرنا تک کے اوسط آبادی والے گاؤں کی طبی سہولتوں، تمل ناڈو کے گاؤں کی تعلیمی سہولتوں اور جموں و کشمیر کے دیہات میں مواصلاتی نیٹ ورک کے درمیان نا برابری پائی جاتی ہے۔

مسلم اکثریتی علاقوں کے تقابل میں، کم مسلم آبادی والے علاقوں میں سڑکوں، سیویج اور ڈریجنگ، اور پانی سپلائی کی سہولتیں بہتر ہیں

مسلمانوں کے رہائشی حالات مجموعی اوسط کے مساوی ہیں۔ ان کی حالت عام ہندوؤں سے تو بدتر ہے مگر ہندو اوبی سی کے تقریباً مساوی ہے۔ مسلم گھروں میں ٹوائلٹ اور پانی سپلائی کی سہولتیں بہتر ہیں مگر جدید ایندھن اور روشنی کی سہولتیں اتنی اچھی نہیں ہیں۔ مسلمانوں کا مجموعی معیار زندگی ہندو اوبی سی کے تقریباً مساوی، ایس سی / ایس ٹی سے بہتر مگر دیگر لوگوں سے بدتر ہے۔ مندرجہ ذیل نتائج پر توجہ دینے کی ضرورت ہے:

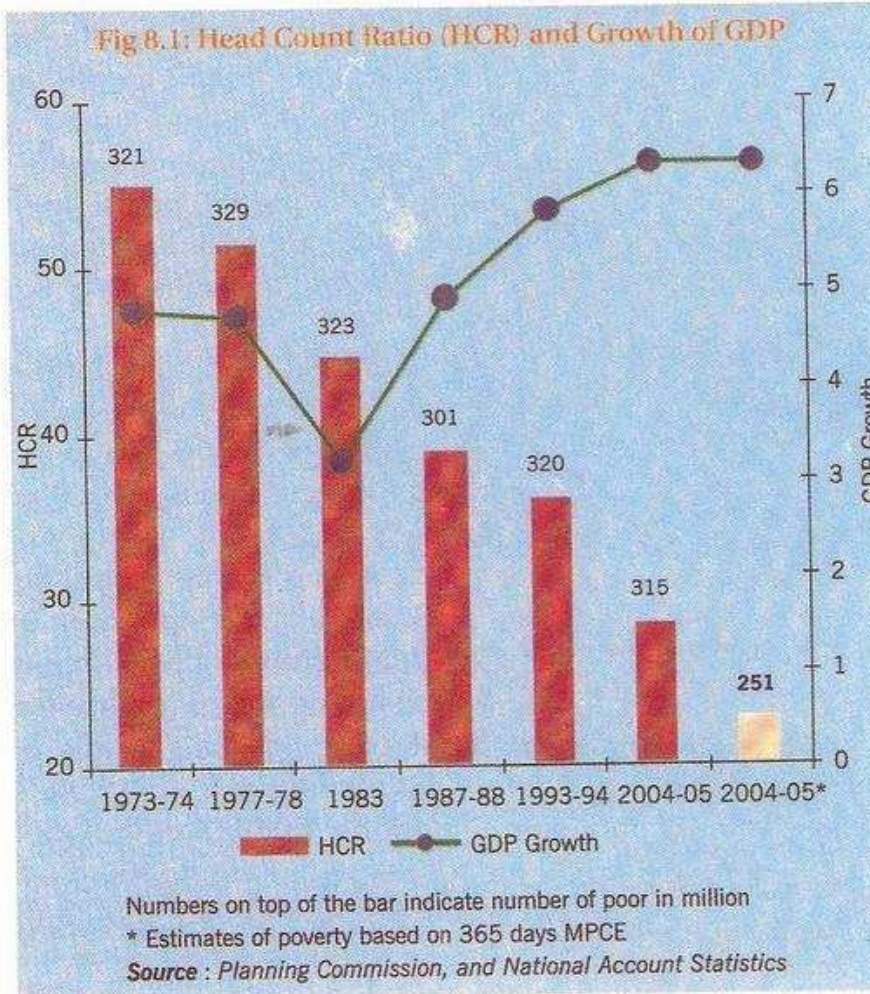
- ☆ کثیر مسلم آبادی والے تقریباً ایک تہائی گاؤں تعلیمی اداروں سے محروم ہیں
 - ☆ خاصی مسلم آبادی والے بڑے گاؤں میں طبی سہولتوں کی قلت ہے۔ خاصی مسلم آبادی والے تقریباً 40 فی صد گاؤں میں کوئی طبی سہولت موجود نہیں ہے۔
 - ☆ مسلمانوں کی کثیر آبادی ایسے علاقوں میں پائی جاتی ہے جہاں بنیادی ڈھانچے کی سہولتیں اتر حالات میں ہیں۔ اس سے تعلیم، صحت خدمات، ٹرانسپورٹ وغیرہ بنیادی سہولتوں تک ان کی رسائی متاثر ہوتی ہے۔
 - ☆ جہاں تک گذر بسر کے حالات کا تعلق ہے مسلمانوں کی حالت مکانوں (کپے یا دیگر) کے معاملے میں ایس سی / ایس ٹی اور اوبی سی کے مساوی اور ٹوائلٹ سہولتوں کے لحاظ سے ان سے کچھ بہتر معلوم ہوتی ہے۔ پائپ کے ذریعے فراہم پانی، بجلی اور جدید ایندھن (ایل پی جی / بجلی) کی فراہمی مسلمانوں میں بہتر ہے۔ مگر ان تمام معاملات میں ان کی حالت عام ہندوؤں سے بدتر ہے۔
- ان حالات کو بہتر کرنے کے لئے فوری پالیسی اقدامات درکار ہیں۔



غربی، استعمال اشیاء اور معیار زندگی

1- تعارف

اس باب میں ہندوستان میں سماجی- مذہبی طبقوں کے درمیان استعمال اشیاء اور غربی کی سطحوں میں پائے جانے والے فرق کا تجزیہ کیا گیا ہے۔



اگرچہ غربی کا انسداد حکومت کے بنیادی مقاصد میں شامل رہا ہے مگر پھر بھی یہ برقرار ہے۔ حصول آزادی کے وقت عوام کی آمدنی اور استعمال اشیاء کی سطحیں غیر یقینی اور تھوڑی ناک تھیں اور آزادی کے بیس برس بعد، 1970 کی دہائی کے اوائل تک، خط افلاس سے نیچے رہنے والے لوگوں کی تعداد یا ہیڈ کاؤنٹ ریشیو (پنچ سی آر) کل ہندسہ پر 55 فی صد کے آس پاس اور شہری علاقوں میں اس سے کچھ کم تھا۔ 1980 کی دہائی کے دوران غربی میں کمی آئی اور اس کے بعد کے برسوں میں لگاتار کم ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ حالیہ ترین اندازے کے مطابق کل ہندسہ پر غربی کا فی کس تناسب 365 دن کے ری کال عرصے کی بنیاد پر 22.7 فی صد اور 30 دن کے ری کال عرصے کی بنیاد پر 28.5 فی صد (2004-05) تھا۔ گذشتہ برسوں کے دوران ملک میں غریبوں کی تعداد سے متعلق اندازے کچھ بھی رہے ہوں، غریبوں کی مطلق تعداد 30 دن کے ری کال عرصے کی بنیاد پر تقریباً 32 کروڑ رہی ہے۔ (شکل 8.1)۔ دوسری جانب اگر 365 دن کے ری کال عرصے کا استعمال کیا جائے تو غریبوں کی تعداد بڑی حد تک گھٹ کر 2004-05 میں 25 کروڑ 10 لاکھ رہ گئی۔ اس سال جب ری کال عرصے کو تبدیل کر کے 30 دن کر دیا گیا تو غریبوں کی تعداد میں 6 کروڑ 40 لاکھ کا فرق آ گیا۔ اس صدی میں بھی غربی کی اصل صورت حال کا اندازہ کرنا حکومت کے لئے ایک چیلنج کے طور پر برقرار ہے۔ الفیاتی ترقیاتی مقاصد کے تحت

2015 تک ہیڈ کاؤنٹ ریشیو کو آدھا کرنے کا نشانہ حاصل کرنا مشکل ہے جب تک کہ جی ڈی پی میں حالیہ 8 فی صدی کو برقرار نہ رکھا جائے اور اس کے ساتھ ہی مختلف طبقوں کے درمیان نابرابری کم کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔

اس باب کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ دوسرے حصے میں اوسطی کس اخراجات کی مختلف سطحوں کا اور تیسرے حصے میں غریبی۔ ایچ سی آر کے تخمینوں کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ استعمال اشیاء اور غریبی کی سطحوں کے تعلق سے مختلف طبقوں کی صورت حال کا تجزیہ جولائی 2004 سے جون 2005 تک کے لئے این ایس ایس 1، 61 ویں دور کے تازہ ترین اعداد و شمار کا استعمال کیا گیا ہے۔ پہلے اور دوسرے حصے میں استعمال کئے گئے تخمینے 365 دن کے دوران افراد کے ماہانہ استعمال کے اخراجات کے اعداد و شمار پر مبنی ہیں جسے حکومت ہند کے منصوبہ بندی کمیشن کی طرف سے مکسڈ ریفرنس پی ریڈ میٹھڈ (ایم آر پی ایم) کا نام دیا گیا ہے۔ چوتھے حصے میں 1987-88 سے 2004-05 کے درمیانی عرصے میں غریبی میں آنے والی گراؤ کا بیان ہے۔ زمانی تبدیلیوں سے بحث یونیفارم ریفرنس پی ریڈ (یو آر پی) طریقے کی بنیاد پر تخمینوں کے تقابل کو استعمال کرتے ہوئے کی گئی ہے۔ اس طریقے میں سروے کی تاریخ کے بعد 30 دن کے استعمال اشیاء پر اخراجات سے متعلق اعداد و شمار کا استعمال کیا جاتا ہے۔ 1 تعریفات اور ایچ سی آر کی تخمینہ سازی کے طریق کار کو مختلف برسوں کے لحاظ سے یکساں رکھنے کے لئے، این ایس ایس او کے 43 ویں (جولائی 1987 تا جون 1988) اور 50 ویں دور (جولائی 1993 تا جون 1994) کے اعداد و شمار استعمال کئے گئے ہیں۔ 2 تکنیکی اسباب کے تحت تقابلی تجزیے کے لئے جولائی 1999 تا جون 2000 تک کے 55 ویں دور کے اعداد و شمار کا استعمال نہیں کیا گیا ہے۔

القیاتی ترقیاتی مقاصد کے تحت
2005 تک غریبی (ہیڈ کاؤنٹ
ریشیو) کو آدھا کرنے کا نشانہ پورا
کرنا مشکل ہے جب تک کہ جی
ڈی پی میں حالیہ 8 فی صد نمو کو بر
قرار نہ رکھا جائے اور افراط زر کو
3 فی صد کے آس پاس رکھنے میں
کامیابی نہ حاصل ہو

یہ بتانا شروع ہی میں ضروری ہے کہ ہم نے غریبی کی موجودگی (ایچ سی آر) کا پتہ لگانے کے لئے منصوبہ بندی کمیشن کی قائم شدہ منہاجیات کا استعمال کیا ہے۔ گذشتہ برسوں (1987-88 اور 1993-94) سے متعلق ہمارے تخمینے منصوبہ بندی کمیشن کے تخمینوں سے میل کھاتے ہیں۔ 2004-05 سے متعلق غریبی کے تخمینوں کو عبوری سمجھا جانا چاہئے۔ تاہم ہم سمجھتے ہیں کہ غریبی کی سطحوں پر نظر ثانی کی جائے یا ان میں تبدیلی آجائے لیکن زیادہ مضبوط تخمینے دست یاب ہونے کی صورت میں بھی سماجی۔ مذہبی طبقوں کے درمیان فرق ویسے کے ویسے رہیں گے۔

2۔ استعمالی مصارف کی سطحوں میں فرق

خوش حالی کا ایک تعین کا اشاریہ گھروں میں چیزوں کے استعمال پر ہونے والے اخراجات ہیں۔ اس باب میں مختلف فرقوں میں استعمالی اخراجات کا تقابل کیا گیا ہے اور فرقے کے اندران اخراجات کی نابرابری کی تفتیش بھی کی گئی ہے۔

2.1 اوسطی کس اخراجات (ایم پی سی ای)

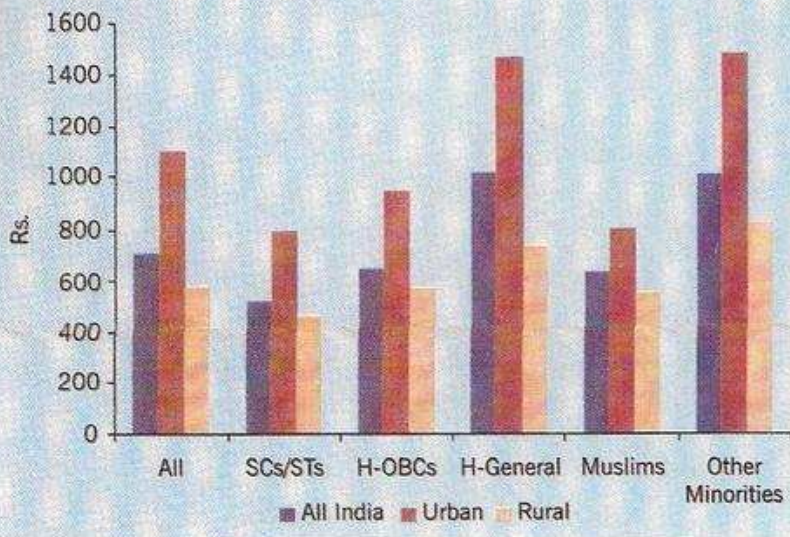
تاریخی طور پر محروم طبقے، اقتصادی لحاظ سے گذر بسر کی بدتر حالات سے دوچار رہے ہیں۔ یہاں مختلف فرقوں کے درمیان جائے رہائش کے لحاظ سے گذر بسر کے حالات میں فرق سے بحث کی گئی ہے۔

1 دوسرے اور تیسرے حصے کے تجزیے کے لئے ضمیر جدول 8.1 میں پیش کردہ خط افلاس 1 کا اور چوتھے حصے کے لئے خط افلاس 2 کا استعمال کیا گیا ہے۔ اس سے مختلف

فرقوں کے درمیان تقابل پر کوئی اثر نہیں پڑے گا جو اس تجزیے کا بنیادی مقصد ہے۔

2 ان جائزوں میں کنیوں کا انتخاب دوسرے کی ذمہ دارانہ سنبھل ڈیزائن تکنیک کے ذریعے کیا گیا ہے۔ لہذا وزن یا اثرات کو بڑھانے کے طریقے ان اعداد و شمار کا لازمی جز ہیں۔ ان تمام اداروں کے سروے کے تحت ہندوستان کے بعض ناقابل رسائی حصوں کو چھوڑ کر جو ملک کے مجموعی رتے کے 0.01 فی صد سے بھی کم ہیں باقی تمام ہندوستان اور حدود کم تناسب والی آبادیوں تک کا احاطہ کیا گیا۔ اس مقالے میں استعمال کے اخراجات کے اعداد و شمار کو چاروں ادوار کے روزگار اور بے روزگاری سے متعلق اعداد و شمار کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے۔

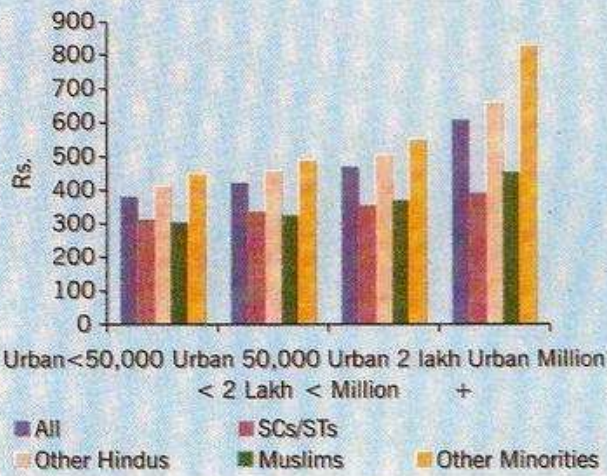
Fig. 8.2: MPCE by Place of Residence and SRCs, 2004-05



سال 2004-05 کے لئے کل ہند اوسط ایم پی سی ای 712 روپے ہے جب کہ عام ہندوؤں میں یہ عدد سب سے زیادہ 1033 روپے اور اس کے بعد ہندو اوبی سی میں 646 روپے، مسلمانوں میں 635 روپے اور ایس سی/ایس ٹی میں 520 روپے ہے (شکل 8.2)۔ مختلف فرقوں کے درمیان اوسط ایم پی سی ای میں، شہری علاقوں میں خاصا فرق پایا جاتا ہے جو عام ہندوؤں میں 1469 روپے سے لے کر ایس سی/ایس ٹی اور مسلمانوں میں 800 روپے تک جاتا ہے۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ عام ہندوؤں میں ایم پی سی ای، ایس سی/ایس ٹی اور مسلمانوں کی بہ نسبت تقریباً 80 فی صد زیادہ ہے۔ شہری علاقوں میں، مجموعی کل ہند سطح پر، مسلمانوں میں استعمال اشیاء کی سطح تقریباً ایس سی/ایس ٹی جیسی ہے۔ دیہی علاقوں میں ایم پی سی ای کم یعنی 579 روپے ہے اور اس معاملے میں مختلف فرقوں کے درمیان فرق ویسا ہی ہے جو کل ہند صورت حال کے سلسلے میں

بیان کیا گیا ہے۔ عام ہندوؤں میں ایم پی سی ای دیگر تمام طبقوں سے زیادہ ہے مگر اتنا نہیں جتنا شہری علاقوں میں ہے۔ چنانچہ استعمالی اخراجات کے لحاظ سے مسلمانوں کی اضافی محرومی دیہی علاقوں کے مقابلے شہری علاقوں میں زیادہ ہے۔

Fig. 8.3: MPCE According to Urban Size Class and SRCs, 1993-94



خاص طور پر شہری علاقوں میں مسلمانوں کو درپیش اتر حالات کے پیش نظر، یہ معلوم کرنا اہم ہوگا کہ کیا استعمال اشیاء سے متعلق محرومی کی سطح میں شہروں اور قصبوں کے سائز کے لحاظ سے کوئی فرق آتا ہے؟ (شکل 8.3)۔ یہ واضح ہے کہ جب کہ مختلف فرقوں کے لئے استعمال اشیاء کی اوسط صورت حال، قصبوں کے سائز سے مثبت تعلق رکھتی ہے، اس معاملے میں مسلمانوں کے حالات ان چھوٹے شہروں میں نسبتاً بدترین ہیں جن کی آبادی 50000 سے کم اور 50000 اور 200000 سے کم کے درمیان ہے۔

شہری اور دیہی علاقوں میں استعمال کی سطح کے لحاظ سے ہر فرقے کی تعداد بالترتیب شکل 8.4 اور شکل 8.5 میں پیش کی گئی ہے۔ شہری علاقوں میں، مسلمانوں کی کثیر ترین آبادی 400-500 روپے کے زمرے میں آتی ہے اور تقریباً آدھے مسلمان اخراجات کے 300 روپے سے 600 روپے تک کے زمرے میں آتے ہیں۔ استعمال اشیاء کے معاملے میں ایس سی/ایس ٹی لوگوں کی تعداد مسلمانوں سے کچھ بہتر ہے اور اس کے بعد اوبی سی آتے ہیں۔ شکل 8.4 اور 8.5 میں پیش کردہ تعداد سے دیگر فرقوں کے مقابلے میں عام ہندوؤں میں استعمال اشیاء کی حالت زیادہ بہتر ہے۔

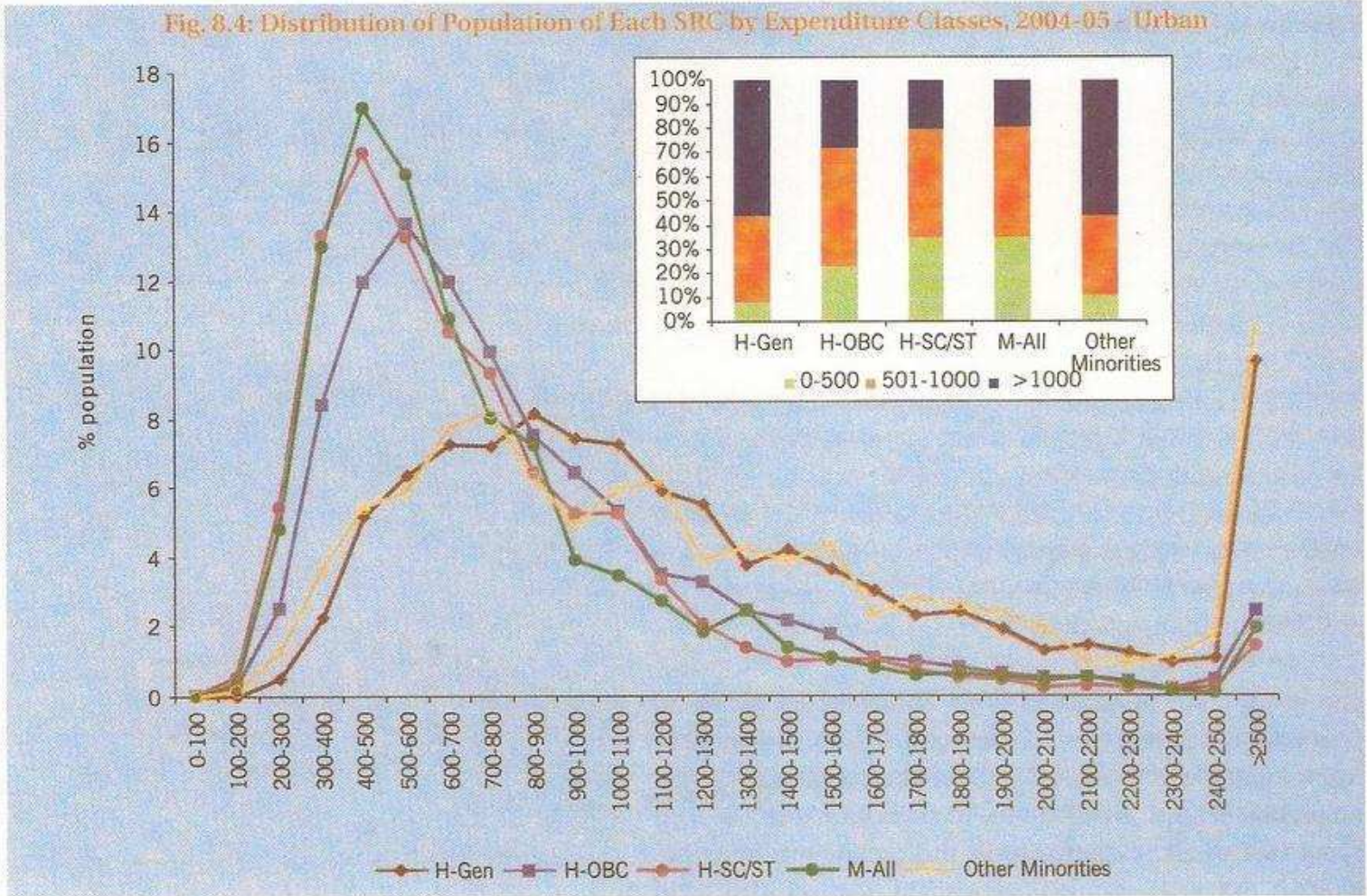
شہری علاقوں میں مسلم کنیوں کی ایک خاص بڑی تعداد 500 روپے سے کم والے زمرہ اخراجات میں آتی ہے

شہری علاقوں کے 20 فی صد سے کم مسلمان ایسے ہیں جن کی قوت صرف 1050 روپے کے قومی اوسط کے برابر یا زیادہ ہے۔ ایس سی/ایس ٹی اور اوبی سی کی حالت قدرے بہتر ہے مگر عام ہندوؤں کی صورت حال بہت اچھی ہے کہ ان کی آدھی سے زیادہ تعداد قومی اوسط سے زیادہ قوت صرف کی حامل ہے۔ تاہم دیہی علاقوں میں مسلمانوں کی حالت اوبی سی کے برابر ہے۔ یہاں بھی تقریباً 50 فی صد عام ہندوؤں میں ایم پی سی ای قومی اوسط سے زیادہ ہے۔

3 چوں کہ شہر/تھبے کے سائز سے متعلق اعداد و شمار 61 ویں دور کے عبوری این ایس ایس اور اعداد و شمار کے ساتھ کئی کو فرام نہیں کئے گئے تھے۔ اس لئے اس سلسلے میں 1999-2000 کے لئے کارگر 55 ویں دور کے این ایس ایس اور اعداد و شمار کا استعمال کیا گیا۔

شکل 8.4 اور 8.5 کے ساتھ دئے گئے انسیٹ گرافوں میں اخراجات کے زمروں کے لحاظ سے ہر فرقے کے کنبوں کی تعداد دکھائی گئی ہے۔ شہری علاقوں میں مسلم (اور ایس سی/ایس ٹی) کنبوں کی نسبتاً خاصی بڑی تعداد عام ہندوؤں اور دیگر تمام کے مقابلے میں 500 روپے سے کم والے زمرہ اخراجات میں آتی ہے۔ مسلمانوں ایس سی/ایس ٹی اور او بی سی میں اوسط آمدنی والے کنبوں (500 روپے سے 1000 روپے کے درمیان) کا تناسب بھی زیادہ ہے مگر ان میں زیادہ آمدنی والے کنبوں (1000 روپے سے زیادہ) کا تناسب بہت کم ہے۔

Fig. 8.4: Distribution of Population of Each SRC by Expenditure Classes, 2004-05 - Urban

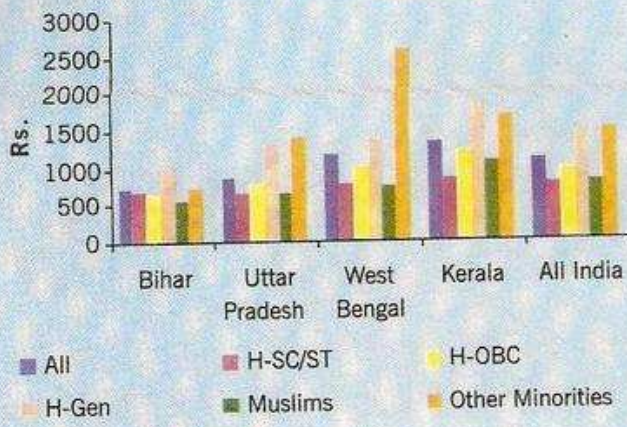


دیہی علاقوں میں زمرہ اخراجات کے مطابق مختلف فرقوں کے کنبوں کی تعداد کا فریڈ ان دائروں میں موجود نا برابری کو ظاہر کرتا ہے (شکل 8.6)۔ مسلم، ایس سی/ایس ٹی اور او بی سی کنبوں کی کثیر تعداد 500 روپے سے کم کے زمرہ اخراجات میں آتی ہے جب کہ اس زمرے میں عام ہندوؤں اور دیگر تمام کا تناسب بہت کم ہے۔ مختلف فرقوں میں کنبوں کی خاصی بڑی تعداد 500 روپے سے 1000 روپے تک کے زمرہ اخراجات میں آتی ہے مگر مسلمانوں، او بی سی اور ایس سی/ایس ٹی میں ایسے کنبوں کی تعداد دیگر فرقوں کے مقابلے میں کم ہے۔ 1000 روپے سے زیادہ والے زمرہ اخراجات میں ان تینوں طبقوں کے کنبوں کی تعداد بھی بہت کم ہے۔ دیہی علاقوں میں، مسلمانوں کی کم قوت صرف کا ایک سبب مسلمانوں میں زمین مالکوں کی کم تعداد معلوم ہوتی ہے (شکل 8.1)

2.2 ریاستی سطح پر ایم پی سی ای کا فرق

مختلف ریاستوں میں ایم پی سی ای سطحوں کے معاملے میں مختلف فرقوں کے درمیان فرق ویسا ہی ہے جیسا کہ شہری اور دیہی علاقوں میں قومی سطح پر نظر آیا تھا۔ (دیکھئے ضمیمہ جدولیں 8.2 اور 8.3)۔ شہری علاقوں میں، ان تقریباً تمام ریاستوں میں جہاں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہے، مسلمانوں میں ایم پی سی ای، ایس سی/ایس ٹی کے سوا دیگر تمام فرقوں کے مقابلے میں خاصا کم ہے۔ مغربی بنگال، بہار، آندھرا پردیش، گجرات،

Fig. 8.6 Urban-MPCEs according to SRCs for selected States - 2004-05



راجستھان اور مدھیہ پردیش میں اس سلسلے میں ان کی حالت ایس سی/ایس ٹی تک سے اتر ہے۔ ایک آسام کو چھوڑ کر، دیگر تمام ریاستوں میں مسلمانوں میں استعمال اشیاء کی سطح ریاستی اوسط سے کم ہے۔ شکل 8.6 میں چند خاص ریاستوں میں شہری علاقوں سے متعلق ایم پی سی ای کے تخمینے پیش کئے گئے ہیں۔

شہری علاقوں کے تقابل میں، دیہی علاقوں میں مسلمانوں کی حالت نسبتاً بہتر ہے۔ حالاں کہ ایم پی سی ای کی سطح شہری علاقوں کی بہ نسبت بہت کم ہے۔

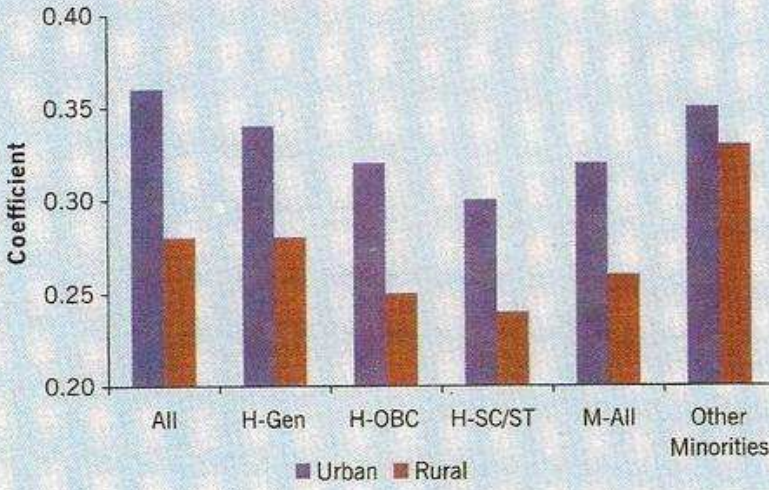
2.3 فرقوں کے درمیان استعمال کی سطحوں میں عدم مساوات

نابرابری کی پیمائش کے لئے عام طور پر گنی عدد (Gini coefficient) کا استعمال کیا جاتا ہے۔ ہر سماجی-مذہبی طبقے کے لئے اس عدد کے تخمینے شکل 8.7 میں پیش کئے گئے ہیں۔ یہ پیمانہ کسی گروپ کے اندر

موجود عدم مساوات کو ظاہر کرتا ہے۔ مجموعی لحاظ سے، عدم مساوات دیہی علاقوں کے مقابلے میں شہری علاقوں میں زیادہ ہے۔ ایس سی/ایس ٹی اور ایس سی میں استعمال اشیاء کی سطح عام ہندوؤں اور دیگر اقلیتوں کے

مقابلے میں نسبتاً کم ہے اور اس کے ساتھ ہی ان طبقوں کے درمیان استعمال کی سطح کا فرق بھی نسبتاً کم ہے۔ دوسری جانب، عام ہندو اور دیگر اقلیتیں نسبتاً دولت مند ہیں مگر ان کے اندر، خاص طور پر شہری علاقوں میں زیادہ عدم مساوات پائی جاتی ہے۔

Fig. 8.7: Gini Coefficients across SRCs



گنی عدد کے ریاست وار تخمینے ظاہر کرتے ہیں کہ تمام ریاستوں میں یہ عدد تقریباً 0.30 ہے۔ مہاراشٹر، کیرل اور تمل ناڈو میں یہ قدرے زیادہ ہے مگر کیرل اور ہریانہ میں خاصا زیادہ ہے۔ عدم مساوات آسام، بہار اور جھارکھنڈ میں سب سے کم ہے۔ جیسا کہ کل ہند سطح پر دیکھا گیا تھا، عدم مساوات بیشتر ریاستوں میں دیہی علاقوں کی بہ نسبت شہری علاقوں میں زیادہ ہے۔

بیشتر ریاستوں میں دیہی علاقوں کی بہ نسبت شہری علاقوں میں عدم مساوات زیادہ ہے۔

3 غربی کے تخمینے اور فرقوں کے درمیان فرق

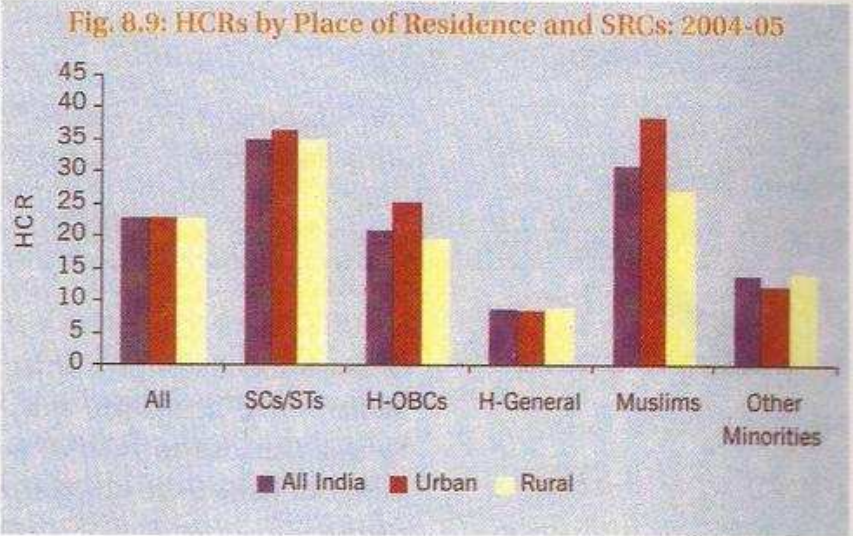
جیسا تعارفی حصے میں ذکر کیا گیا تھا، این ایس ایس او، 61 ویں دور کے اعداد و شمار پر مبنی غربی کے تخمینے عبوری ہیں۔ جہاں تک ہمارے گزشتہ برسوں سے متعلق کل ہند اور ریاستی سطح کے تخمینے منصوبہ بندی کمیشن کے تخمینوں سے میل کھاتے ہیں، ہمارے تخمینوں کے ساتھ کوئی بڑی دشواری پیش آنے کی توقع نہیں ہے۔ بہر حال، مختلف فرقوں کے درمیان فرق میں تبدیلی آنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔

3.1 غربی کی مجموعی سطحوں میں فرق

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے، ہیڈ کاؤنٹ ریشیو (ایچ سی آر) غربی کی موجودگی کا ایک موثر پیمانہ ہے۔ یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ مقام پیدائش کے مطابق ایچ سی آر کا تخمینہ قائم کرنے کے لئے منصوبہ بندی کمیشن کی منہاجیات کا استعمال کیا گیا ہے اور بڑی ریاستوں میں فرقوں کے لحاظ سے

گنی عدد کے تحت زیادہ قدر نابرابری کی بلند سطحوں کی نمائندگی کرتی ہے جب کہ زیادہ سے زیادہ ممکنہ قدر وحدت ہوتی ہے۔ پوری طرح مساوات پر مبنی معاشرے میں گنی عدد صفر ہوتا ہے۔

انچھی آر کا اندازہ کرنے کے لئے این ایس ایس او 61 ویں کے عبوری اعداد و شمار 365 کے عرصہ حوالہ کے ساتھ استعمال کئے گئے ہیں۔ 5 مختلف فرقوں اور مقام رہائش کے مطابق انچھی آر کے مجموعی کل ہندسہ کے تجزیے سے (شکل 8.9) ظاہر ہوتا ہے کہ 2004-05 میں مجموعی لحاظ سے ہندوستان کی 22.7 فی صد آبادی غریب تھی جسے تعداد میں تقریباً 25 کروڑ 10 لاکھ سے ظاہر کیا جاسکتا ہے۔ ایس سی/ایس ٹی 35 فی صد انچھی آر کے ساتھ سب سے غریب ہیں جن کے بعد سب سے زیادہ غریبی مسلمانوں میں ہے جن میں خط افلاس سے نیچے رہنے والے لوگوں کی تعداد 31 فی صد ہے۔ عام ہندوؤں میں صرف 8.7 فی صد انچھی آر کے ساتھ سب سے کم غریبی ہے اور او بی سی کی حالت 21 فی صد انچھی آر کے ساتھ درمیان میں ہے جو کل ہند اوسط سے بھی قریب ہے۔



قابل غور ہے کہ مسلمانوں میں غریبی شہری علاقوں میں 38.4 فی صد انچھی آر کے ساتھ سب سے زیادہ ہے۔ ایس سی/ایس ٹی 36.4 فی صد انچھی آر کے ساتھ ان کے فوراً بعد آتے ہیں۔ غریبی میں شہری۔ دیہی فرق مسلمانوں میں سب سے زیادہ ہے۔ شہری مسلمانوں میں غریبی کی سطح 11 فی صد زیادہ ہے جب کہ ہندو او بی سی اس معاملے میں ان کے بعد آتے ہیں۔ (5 فی صد)۔ شہری۔ دیہی فرق دیگر تمام فرقوں میں نسبتاً کم ہے۔

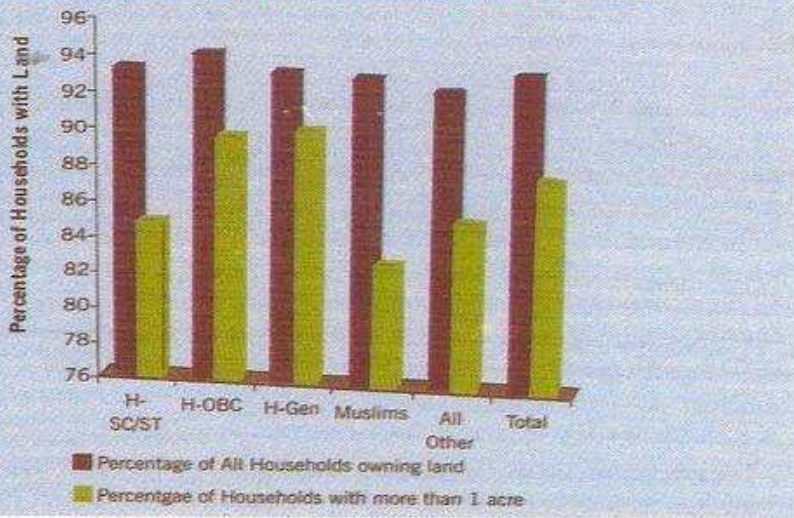
شہری علاقوں کے مسلمانوں میں غریبی 38.4 فی صد انچھی آر کے ساتھ سب سے زیادہ ہے

50 ویں دور کے سروے کے اعداد و شمار کی بنیاد پر شہروں کے سائز کے لحاظ سے مختلف فرقوں میں غریبی کے فرق سے متعلق تخمینوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ تقریباً 50000 کی آبادی والے چھوٹے شہروں میں مسلمانوں میں غریبی سب سے زیادہ ہے جب کہ 50000 سے دو لاکھ

Box 8.1: Land Holding

Land holding is an important form of asset in rural areas and is an important indication of economic status in developing countries. In Fig. 8.8 the situation with respect to rural land holding in rural areas is shown for owners based on NSSO 61st Round data (2004-05).

Fig. 8.8: Land Ownership by SRCs in Rural India - 2004-05

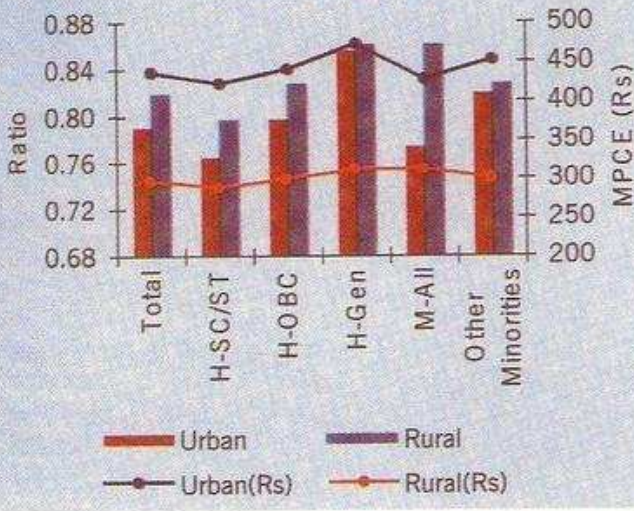


خط افلاس پر نظر جانی (اضافے پر مائل) دیہی علاقوں کے زراعتی کارکنوں کے لئے سی بی آئی ایل اور تمام ملک کے 30 شہروں اور قصبوں کے صنعتی کارکنوں سے متعلق سی بی آئی ایل کی بنیاد پر کی گئی۔

آبادی تک کے شہروں میں ان کی غریبی کی حالت نسبتاً کم اتر ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شہر کا سائز جتنا بڑا ہوتا ہے ان کی حالت اتنی ہی بہتر ہوتی ہے۔ تاہم ایس سی / ایس ٹی کے معاملے میں شہر کے سائز میں اضافے سے غریبی کے حالات میں کوئی بہتری نظر نہیں آتی۔ 10 لاکھ سے زیادہ آبادی والے شہروں میں، غریبوں کا تناسب مسلمانوں میں 28 فی صد، عام ہندؤں میں 14 فی صد اور ایس سی / ایس ٹی میں 45 فی صد ہے۔

3.2 غریبی کی شدت کا تقابل

Fig. 8.10 MPCE of Poor and Its Ratio to Poverty Line by SRCs, 2004 - 05



اچھی سی آر کے تحت خط افلاس سے نیچے آنے والے لوگوں کی تعداد (تناسب) پر غور کیا جاتا ہے۔ یہ معلوم نہیں کیا جاتا کہ وہ خط افلاس سے کتنا نیچے ہیں۔ 6۔ بہ الفاظ دیگر، اچھی سی آر سے محض غریبی کی حد معلوم ہوتی ہے، اس کی گہرائی یا شدت نہیں۔ مختلف سماجی۔ مذہبی زمروں کے درمیان غریبی کی شدت کے تجزیے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ ہر سماجی۔ مذہبی زمرے کے لئے خط افلاس کی شرح کے طور پر اوسط اخراجات کا مطالعہ کیا جائے۔ (شکل 8.10)

یہاں یہ دیکھا جاسکتا ہے کہ عموماً، غریبی کی شدت (ستونوں کے ذریعے پیش کردہ) دیہی علاقوں کے مقابلے شہری علاقوں میں، عام ہندوؤں کو چھوڑ کر تمام فرقوں کے معاملے میں زیادہ ہے۔ شہری علاقوں میں، غریبی کی شدت سب سے زیادہ ایس سی / ایس ٹی میں اور ان سے کچھ ہی کم مسلمانوں میں ہے۔ غریبی کے حالات کے

غریبی کے حالات کے مطابق اخراجات میں غریب مسلمانوں کا حصہ اوسطاً 75 فی صد ہے جو دیگر فرقوں میں سب سے کم ہے

مطابق اخراجات میں غریب مسلمانوں کا حصہ اوسطاً 75 فی صد ہے۔ او بی سی کی صورت حال ان دونوں طبقوں سے خاص بہتر ہے۔ تاہم دیہی علاقوں میں غریبی کی شدت عام ہندوؤں کو چھوڑ کر بقیہ تمام فرقوں کے مقابلے میں مسلمانوں میں بہت کم ہے۔

3.3 ریاستی سطح پر غریبی کی صورت حال

آزادی کے بعد پہلی بار شہری غریبی، دیہی غریبی سے قدرے زیادہ نظر آ رہی ہے (جدول 8.3)۔ شہری غریبی اڑیسہ، مدھیہ پردیش، چھتیس گڑھ اور بہار میں بہت زیادہ ہے (40-34 فی صد کے درمیان)۔ زیادہ شہری غریبی والی دیگر ریاستیں مہاراشٹر، اتر پردیش، کرناٹک، راجستھان اور آندھرا پردیش ہیں (30-26 فی صد کے درمیان)۔ قابل غور ہے کہ شہری غریبی کا پھیلاؤ مسلمانوں اور ایس سی / ایس ٹی میں سب سے زیادہ ہے۔ مسلم اچھی سی آر اڑیسہ، مدھیہ پردیش، اتر پردیش، بہار، مغربی بنگال، جھارکھنڈ، راجستھان، مہاراشٹر، کرناٹک اور آندھرا پردیش میں ریاستی اوسط سے خاصا زیادہ ہے۔ مہاراشٹر، گجرات، مغربی بنگال، چھتیس گڑھ اور یو پی میں غریبی کی شدت مسلمانوں میں ایس سی / ایس ٹی کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ کل ہند سطح پر مسلمانوں میں غریبی کی حالت ایس سی / ایس ٹی کے مقابلے میں قدرے کم مگر او بی سی اور عام ہندوؤں کی بہ نسبت خاصی زیادہ ہے۔

دیہی علاقوں تک میں مسلمانوں میں غریبی کی سطح زیادہ ہے۔ بعض ریاستوں میں، مسلمانوں میں اچھی سی آر او بی سی اور عام ہندو تو دور رہے ایس سی / ایس ٹی سے بھی بہت زیادہ ہے۔ (جدول 8.4) مغربی بنگال اور آسام اس سلسلے میں سب سے الگ ہیں جہاں مسلمانوں میں غریبی دیہی علاقوں میں بہت زیادہ ہے۔ توجہ طلب ہے کہ آسام اور مغربی بنگال کے سوا بیشتر ریاستوں میں دیہی غریبی کے مقابلے میں شہری غریبی، مسلمانوں میں بہت زیادہ ہے۔

6 خطا کوئی معاشرہ جہاں میں افراد خط افلاس سے ذرا نیچے ہوں اس معاشرے جیسا نہیں ہوگا جہاں ٹھارہ افراد خط افلاس سے خاصے نیچے ہوں۔

Table 8.3: State-wise Urban Poverty Incidence across SRCs in 2004-05

| States- Urban | All | Hindu | | | | Muslims | Other Minorities |
|------------------|------|-------|----------|------|-----|---------|------------------|
| | | All | SCs/ STs | OBCs | Gen | | |
| Total | 22.8 | 20.4 | 36.4 | 25.1 | 8.3 | 38.4 | 12.2 |
| West Bengal | 12 | 10 | 22 | 13 | 6 | 27 | 1 |
| Kerala | 18 | 19 | 32 | 21 | 8 | 24 | 9 |
| Uttar Pradesh | 31 | 24 | 42 | 28 | 11 | 44 | 6 |
| Bihar | 36 | 34 | 65 | 39 | 8 | 45 | 4 |
| Assam | 3 | 3 | 4 | 5 | 1 | 5 | 0 |
| Jammu & Kashmir | 9 | 4 | 9 | 5 | 2 | 12 | 2 |
| Jharkhand | 18 | 16 | 37 | 15 | 5 | 32 | 27 |
| Karnataka | 30 | 27 | 52 | 30 | 13 | 45 | 9 |
| Uttaranchal | 15 | 14 | 29 | 20 | 8 | 24 | 0 |
| Delhi | 12 | 12 | 24 | 24 | 4 | 22 | 1 |
| Maharashtra | 26 | 20 | 33 | 25 | 12 | 49 | 27 |
| Andhra Pradesh | 26 | 25 | 41 | 27 | 11 | 35 | 16 |
| Gujarat | 11 | 10 | 17 | 18 | 3 | 24 | 0 |
| Rajasthan | 29 | 27 | 47 | 28 | 11 | 41 | 15 |
| Madhya Pradesh | 41 | 38 | 64 | 46 | 13 | 58 | 6 |
| Haryana | 5 | 5 | 16 | 5 | 1 | 6 | 0 |
| Tamil Nadu | 18 | 18 | 37 | 16 | 5 | 18 | 15 |
| Orissa | 43 | 42 | 69 | 49 | 22 | 48 | 49 |
| Himachal Pradesh | 2 | 3 | 3 | 10 | 1 | 1 | 0 |
| Chhattisgarh | 38 | 38 | 48 | 47 | 13 | 61 | 10 |
| Punjab | 1 | 2 | 3 | 2 | 0 | 0 | 0 |
| All Other States | 5 | 6 | 14 | 6 | 3 | 9 | 1 |

Fig. B.5: Distribution of Population of Each SRC by Expenditure Classes, 2004-05 - Rural

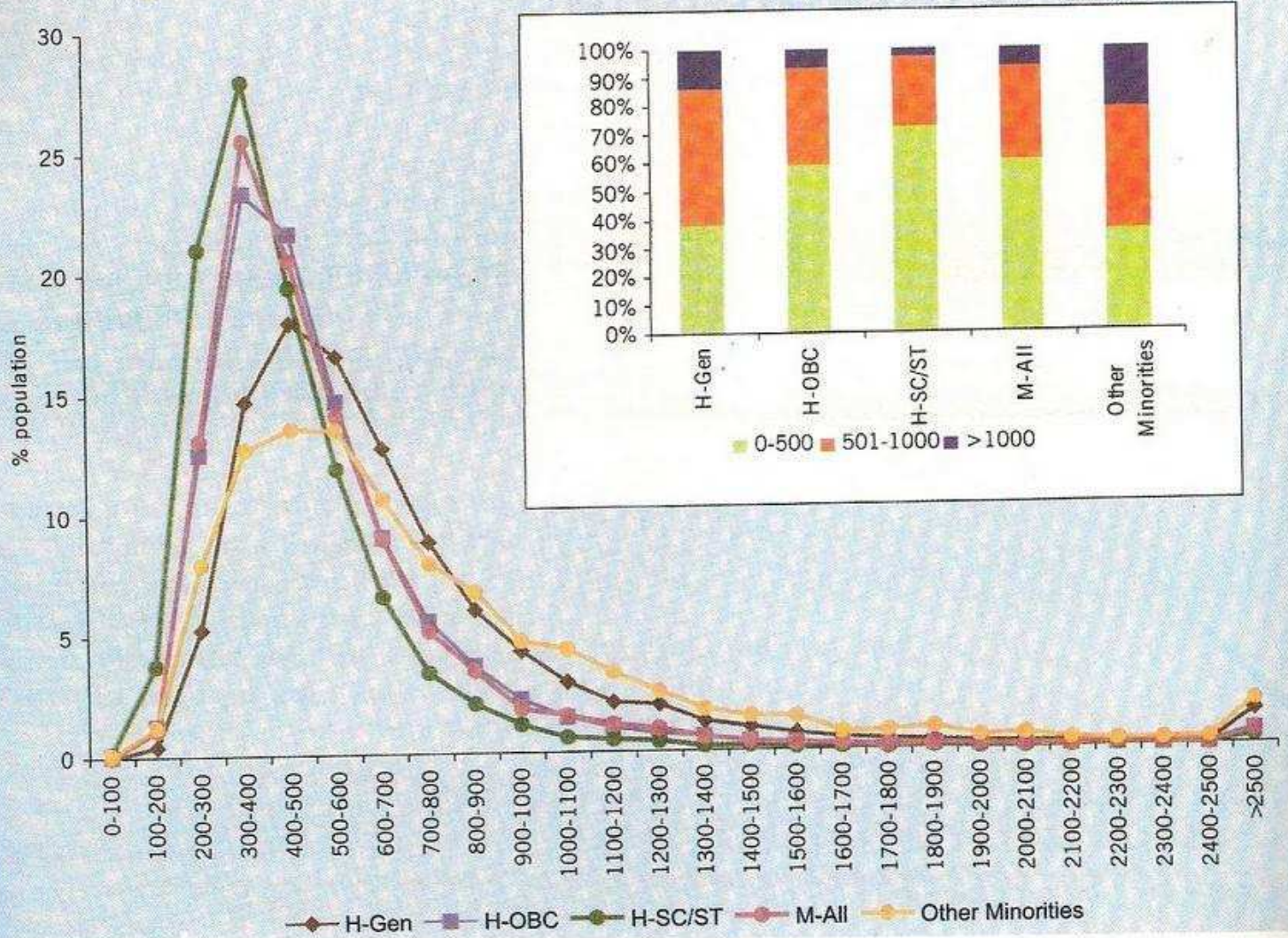


Fig. 8.11: HCRs Over Time 1987 to 2005 According to Place of Residence and SRCs

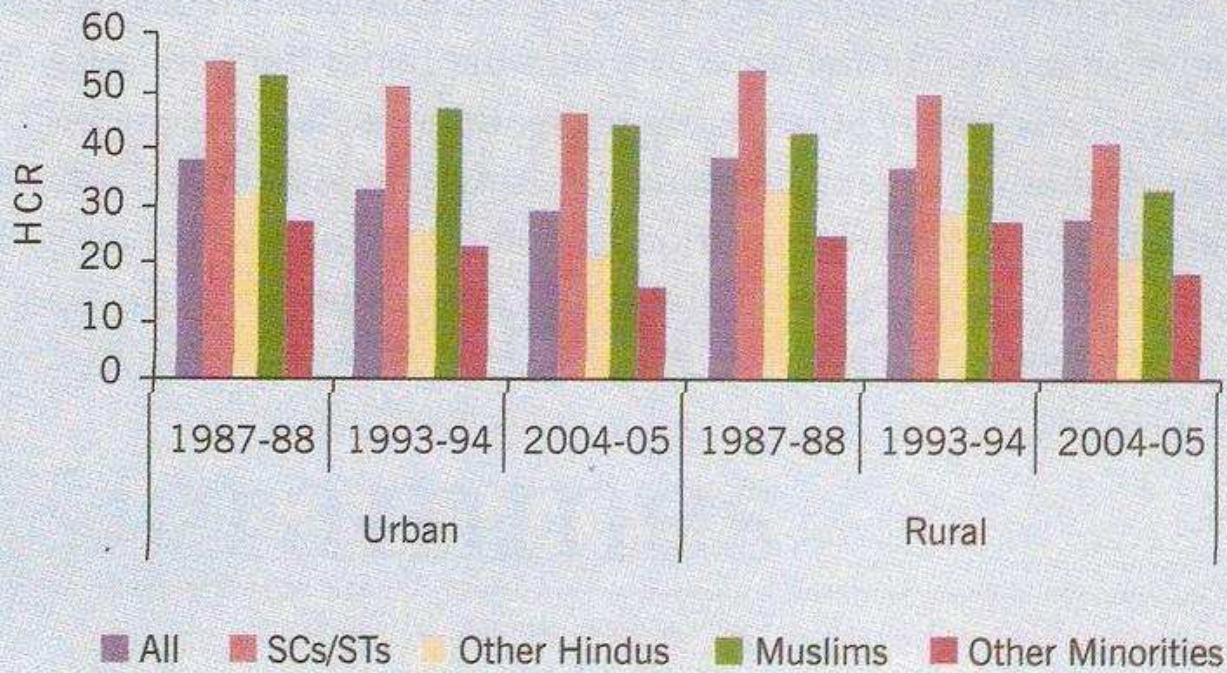
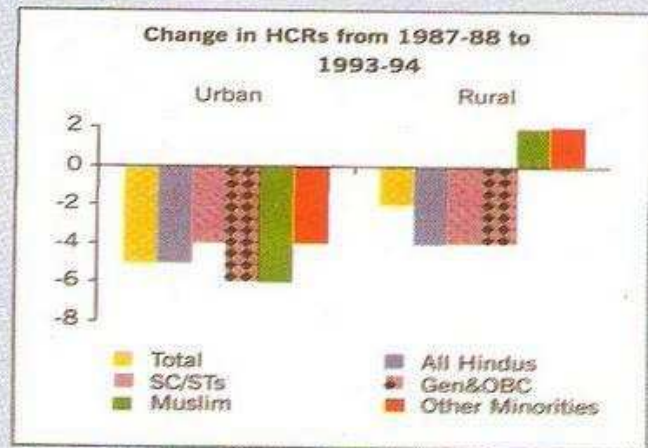
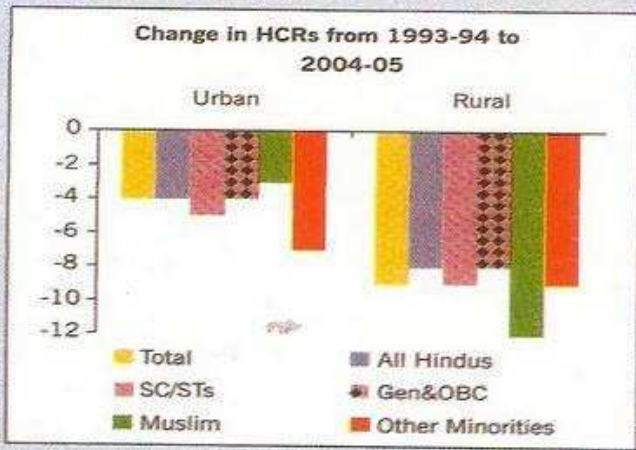


Fig. 8.12 Change in HCRs over time according to SRC and place of residence



3.4 - 1983-05 اور 2004-05 کے دوران غریبی کی صورت حال میں تبدیلی

این ایس ایس او، 61 ویں دور کے تخمینوں کے مطابق شہری غریبی، دیہی غریبی سے قدرے زیادہ ہے۔ اس سے پہلے کے برسوں میں یہ صورت 94 - 1993 سے حال نہیں تھی۔ (شکل 8.11، ضمیمہ جدول 8.5 اور 8.6 بھی دیکھئے)۔ ایچ سی آر (30 دن کے استعمالی اخراجات کے اعداد و شمار پر مبنی) جو 2004-05 کے درمیان شہری 88-1987 میں ایس سی/ایس ٹی میں 54 تھا۔ 1993-94 میں گھٹ کر 50 ہو گیا اور 2004-05 میں مزید گر کر 42 پر آ گیا۔ دیہی رجحان مسلمانوں میں بھی دیکھا گیا جن کا ایچ سی آر 1993-94 میں 47 سے کم ہو کر 46 ہو گیا اور 2004-05 میں مزید گر کر 37 تک جا پہنچا۔ یہاں یہ نکتہ توجہ طلب ہے کہ مسلمانوں کے ایچ سی آر میں گراؤ 1993-94 سے 2004-05 کے درمیان شہری علاقوں میں خاصی معمولی مگر دیہی علاقوں میں اچھی خاصی رہی۔ غریبی سب سے کم عام ہندوؤں اور ہندوؤں کی سی میں نظر آتی ہے۔

مختلف فرقوں کے درمیان ایچ سی آر میں مقام پیدائش کے لحاظ سے ہونے والی تبدیلیوں پر گہری نگاہ ڈالنے سے مسلمانوں سے متعلق ایک منفرد صورت حال سامنے آتی ہے (شکل 8.12)۔ گذشتہ برسوں کے دوران دیہی غریبی میں تقریباً 2 فی صد اضافہ ہوا مگر 1993-94 سے 2004-05 کے درمیان کی دہائی میں ایچ سی آر میں 12 فی صد گراؤ آئی۔ دوسری جانب، شہری علاقوں میں اسی عرصے کے دوران مسلمانوں کے ایچ سی آر میں گراؤ مسلسل مگر بہت معمولی رہی جس کی وجہ سے یہاں غریبی کی سطح دیہی علاقوں میں صرف 33 فی صد کے مقابلے میں بہت زیادہ یعنی 47 فی صد پر برقرار رہی۔ دیگر تمام فرقوں کے لئے شہری۔ دیہی فرق کم ہے جس میں کبھی کبھی دیہی علاقوں کی جانب جھکاؤ نظر آتا ہے جب کہ بعض فرقوں میں یہ جھکاؤ شہری علاقوں کی طرف دکھائی پڑتا ہے۔ تاہم ایس سی/ایس ٹی کا ایچ سی آر شہری علاقوں میں 5 فی صد زیادہ ہے۔ اس طرح غریبی میں کی کار رجحان شہری اور دیہی علاقوں کے مسلمانوں میں اس صورت میں ظاہر ہوا ہے کہ شہری مسلمانوں کی غریبی میں بہت کم فرق آنے کے سبب ان کی حالت ویسی کی ویسی ابتر ہے جب کہ دیہی مسلمان غریبی میں بھاری کمی کے نتیجے میں مثبت اقتصادی مواقع حاصل کر رہے ہیں۔ ان رجحانات کے منظم تجزیے کی ضرورت ہے۔

4. ماحصل

شہری علاقوں میں مسلمانوں کی اقتصادی حالت میں ویسی بہتری نہیں آئی جیسی کہ دیگر فرقوں میں نظر آتی ہے

مختلف فرقوں کے درمیان غریبی کی صورت حال کے فرق کے اس تجزیے سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو خاصی غریبی کا سامنا ہے۔ ان کی حالت مجموعی طور پر ایس سی/ایس ٹی سے بس کچھ ہی بہتر ہے۔ دیہی علاقوں کے مقابلے میں، شہری علاقوں کے مسلمان محرومیوں کے زیادہ شکار ہیں۔ گذشتہ برسوں کے دوران غریبی کی سطحوں میں تبدیلی آئی ہے مگر اس ضمن میں بھی یہ نظر آتا ہے کہ شہری علاقوں میں مسلمانوں کی اقتصادی حالت اتنی بہتر نہیں ہوئی جتنی کہ دیگر فرقوں کی۔ مختلف فرقوں کے درمیان غریبی کی سطحوں میں آنے والی تبدیلیوں کے تجزیے سے کوئی منظم قرینہ سامنے نہیں آتا (دیکھئے ضمیمہ جدول 8.5 اور 8.6)۔ ان تبدیلیوں کو سمجھنے کے لئے زیادہ تفصیلی تجزیہ درکار ہے۔

مختلف ریاستوں میں مسلمانوں کی حالت میں فرق پایا جاتا ہے مگر کیرل، آسام، تمل ناڈو، اڑیسہ، ہماچل پردیش اور پنجاب کے سوا دیگر تمام

ریاستوں کے شہری علاقوں میں ان کی حالت نسبتاً بدتر نظر آتی ہے۔ دیہی علاقوں میں ان کی حالت نسبتاً بہتر ہے مگر یہاں بھی بیشتر ریاستوں میں، مسلمانوں میں غریبی کی سطحیں ایس سی/ ایس ٹی کے سوا دیگر تمام فرقوں سے زیادہ ہے۔ اس صورت حال میں بہتری لانے کے لئے پالیسی اقدامات کی فوری ضرورت ہے۔ توقع کی جاتی ہے کہ مختلف ابواب اور اختتامی باب میں پیش کردہ سفارشات کو بروئے کار لایا جائے تو ملک میں غریبوں بطور خاص مسلمانوں کے حالات کو سدھارنے میں مدد ملے گی۔

Table 8.4 Statewise Rural Poverty Incidence across SRCs in 2004-05

| States- Urban | All | Hindu | | | Muslims | Other Minorities |
|------------------|------|-------|----------|------|---------|------------------|
| | | All | SCs/ STs | OBCs | | |
| Total | 22.7 | 22.6 | 34.8 | 19.5 | 9.0 | 26.9 |
| West Bengal | 25 | 21 | 27 | 16 | 14 | 33 |
| Kerala | 9 | 9 | 19 | 7 | 4 | 11 |
| Uttar Pradesh | 28 | 28 | 39 | 26 | 10 | 33 |
| Bihar | 35 | 34 | 56 | 29 | 13 | 38 |
| Assam | 18 | 12 | 14 | 16 | 7 | 27 |
| Jammu & Kashmir | 3 | 3 | 4 | 0 | 2 | 4 |
| Jharkhand | 38 | 38 | 49 | 32 | 17 | 36 |
| Karnataka | 14 | 14 | 21 | 14 | 7 | 18 |
| Uttaranchal | 11 | 12 | 17 | 19 | 7 | 8 |
| Delhi | - | - | - | - | - | - |
| Maharashtra | 23 | 22 | 44 | 16 | 13 | 21 |
| Andhra Pradesh | 8 | 8 | 16 | 6 | 2 | 7 |
| Gujarat | 14 | 15 | 24 | 14 | 3 | 7 |
| Rajasthan | 16 | 16 | 28 | 9 | 6 | 11 |
| Madhya Pradesh | 30 | 31 | 45 | 22 | 6 | 25 |
| Haryana | 9 | 9 | 21 | 7 | 2 | 24 |
| Tamil Nadu | 17 | 17 | 23 | 14 | 14 | 10 |
| Orissa | 41 | 40 | 60 | 30 | 16 | 22 |
| Himachal Pradesh | 8 | 8 | 16 | 7 | 4 | 4 |
| Chhattisgarh | 33 | 33 | 40 | 27 | 26 | 40 |
| Punjab | 6 | 4 | 4 | 7 | 3 | 4 |
| All Other States | 12 | 18 | 29 | 12 | 10 | 22 |

سرکاری ملازمتیں اور پروگرام

1- تعارف

ہندوستانی معیشت کے مختلف زمروں میں 2004-05 کے دوران تقریباً 38 کروڑ 70 لاکھ لوگوں کو روزگار دیا گیا۔ پانچویں باب میں مسلم کارکنوں پر خصوصی توجہ دیتے ہوئے روزگاری نوعیت اور قریبوں کا تجزیہ کیا گیا تھا۔ اس تجزیے سے معلوم ہوا کہ روزگار کے حد درجہ ترجیحی زمرے میں مسلم کارکنوں کی موجودگی بہت کم تھی۔ اقتصادی سروے برائے 2005-06 کے مطابق، منظم زمرے میں تقریباً 2 کروڑ 70 لاکھ لوگ برسر روزگار تھے۔ ان میں سے ایک کروڑ 60 لاکھ لوگوں کو سرکاری محکموں اور سرکاری زمرے کے اداروں کے ذریعے روزگار دیا گیا جس کا تناسب 70 فی صد ہے جب کہ بقیہ کارکنوں کو منظم نجی زمرے میں روزگار سے لگایا گیا۔ ہندوستان میں، بیشتر لوگ اب بھی مختلف اسباب کے تحت حکومت/سرکاری زمرے کے روزگار کو ترجیح دیتے ہیں۔ طویل مدت تک پابندی سے ہونے والی آمدنی اور سبک دوشی کے بعد کے فوائد کے علاوہ جن سے اقتصادی تحفظ حاصل ہوتا ہے، سرکاری ملازمین کو اعلیٰ سرکاری عہدوں سے سماج میں ان عہدوں سے منسوب اور کبھی کبھی مفروضہ حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ انہیں حکومت کے نمائندوں کی حیثیت سے ایک خاص قدر اور پروٹوکال کی مراعات بھی حاصل ہوتی ہیں۔ یہ فوائد سرکاری ملازمت کو پرکشش بناتے ہیں۔ سرکاری رہائش کی سہولت بھی سرکاری ملازمتوں کو ترجیح دے جانے کی ایک بڑی وجہ ہے۔ اگرچہ گذشتہ دہائی یا اس سے کچھ زیادہ عرصے سے سرکاری روزگار میں کمی آئی ہے مگر پھر بھی اس کی کشش میں کوئی کمی نہیں آئی ہے۔ کسی تکثیری معاشرے میں شرکاتی حکمرانی کو فروغ دینے کے لئے سرکاری روزگار میں مختلف فرقوں کی معقول حد تک نمائندگی ضروری ہے۔

کسی بھی تکثیری معاشرے میں شرکاتی حکمرانی کو فروغ دینے کیلئے سرکاری روزگار میں مختلف فرقوں کے معقول نمائندگی ضروری ہے

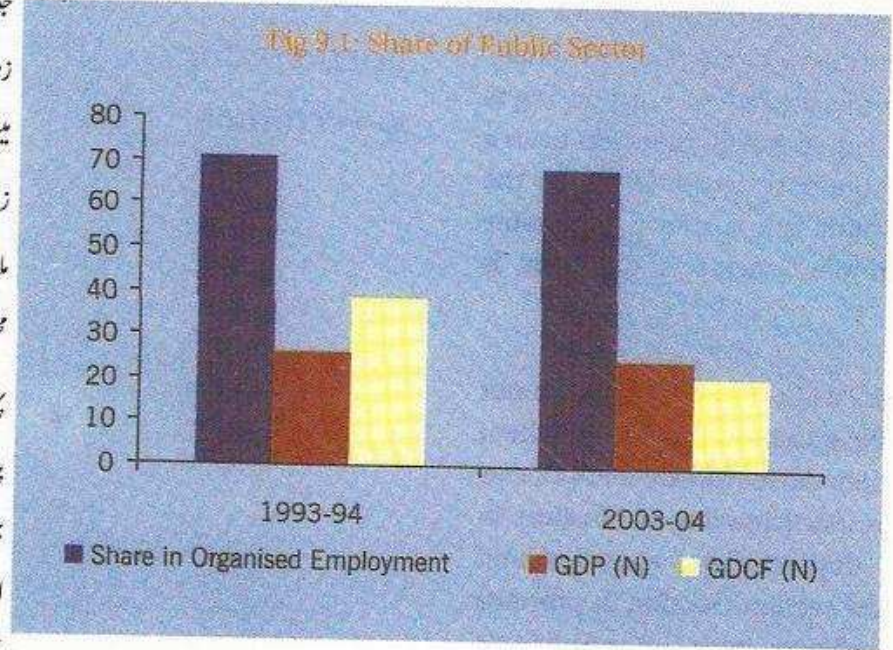
ہندوستان کی مرکزی اور ریاستی حکومتیں کمزور طبقوں کی اقتصادی ترقی اور انہیں سماجی تحفظ فراہم کرنے کے لئے بہت سے پروگرام جاری کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ خط افلاس کے نیچے زندگی گزارنے والے لوگوں کی مدد کرنے کا ایک طریقہ کار بھی موجود ہے۔ اس باب میں قومی اور ریاستی حکومتوں کے مختلف محکموں، ایجنسیوں اور پروگراموں میں مسلمانوں کی موجودگی اور شرکت کا تجزیہ تقابلی سیاق میں کیا گیا ہے۔ اگلے حصے (دوسرے حصے) میں مرکزی اور ریاستی حکومتوں سے حاصل کئے گئے روزگار سے متعلق اعداد و شمار کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ اس باب کے تیسرے حصے میں یہ جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے کہ مسلمانوں کو ان فلاحی پروگراموں سے کتنا فائدہ پہنچا ہے۔ آخری حصے میں بعض مطلوبہ پالیسی اقدامات کی نشاندہی کی گئی ہے۔

یہ تجزیہ مرکزی اور ریاستی حکومتوں اور ان کی ایجنسیوں کے فراہم کردہ اعداد و شمار پر مبنی ہے۔ ریاستوں سے روزگار اور فلاحی پروگراموں سے متعلق اعداد و شمار مختلف خاکوں کے تحت جمع اور مرتب کرنے کی درخواست کی گئی تھی۔ بعض ریاستوں میں سرکاری ملازمتوں کے بارے میں اعداد و شمار جمع کرنا نسبتاً آسان تھا مگر فلاحی پروگراموں سے متعلق معلومات کئی کو مطلوب خاکے کے مطابق حاصل کرنا دشوار تھا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یہ اعداد و شمار عموماً ان فارمیٹوں میں جمع نہیں کئے جاتے، اس کے علاوہ 129 یونیورسٹیوں اور 84 کالجوں اور 154 سرکاری زمرے کے اداروں سے اعداد و شمار حاصل کئے گئے، جن کا تجزیہ یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔ بہت سی شائع شدہ فہرستوں، بیانات اور افسروں کے ناموں پر مشتمل بہت سی ڈائریکٹریوں کا بھی جائزہ لیا گیا اور تجزیہ کیا گیا۔

2 سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کا حصہ

مرکزی اور ریاستی حکومتیں بڑی تعداد میں تعلیم یافتہ اور تکنیکی تربیت یافتہ کارکنوں کو ملازمت دیتی ہیں۔ یہ ملازمتیں عموماً طویل مدتی یا مستقل ہوتی ہیں۔ ان ملازمتوں کے تحت نہ صرف حکومت کی مختلف سطحوں پر فیصلہ سازی کے عمل میں شرکت کرنی ہوتی ہے بلکہ سرکاری پروگراموں کو بروئے کار لانے، صحت کارکنوں، زراعتی توسیعی کارکنوں، اسکول ٹیچروں کی حیثیت سے کام کرتے ہوئے یا پولیس اہل کاروں کی حیثیت سے تحفظ فراہم کرنے کے دوران عوامی رابطے کے مواقع حاصل ہوتے ہیں۔ فیصلہ سازی اور عوامی رابطہ خدمات فراہم کرنے کے عمل میں مختلف فرقوں اور طبقوں کی حصے داری مطلوب اور مناسب ہے۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا، حکومت سب سے بڑے آجروں میں شامل ہے۔ سرکاری زمرہ مجموعی ملکی پیداوار (جی ڈی پی) اور مقامی سرمایہ سازی (جی ڈی سی ایف) میں اہم کردار ادا کرتا ہے (شکل 9.1)۔ ایسی ہی بہت سی سرمایہ کاری مختلف زمروں کی آمدنی اور روزگار کو متاثر کرتی ہے۔ لہذا حکومتی زمرے میں باضابطہ محفوظ ملازمت خاصاً تحفظ فراہم کرتی ہے، اس کے ذریعے فیصلہ سازی کا عمل بھی مختلف انداز سے متاثر ہوتا ہے، جس سے آبادی کے مختلف طبقوں کی زندگی پر اثر پڑتا ہے۔ مردم شماری اور این ایس ایس او کے ثانوی اعداد و شمار سے، جن کا تجزیہ پانچویں باب میں کیا گیا تھا، سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کی حصے داری کی ایک بڑی تصویر فراہم ہوئی تھی مگر مرکزی اور ریاستی حکومتوں سے جمع کئے گئے بنیادی اعداد و شمار سے اس معاملے کا گہرائی سے مطالعہ کرنے میں مدد ملی۔ توجہ طلب ہے کہ کمیٹی نے ایک کروڑ ایک لاکھ سے زیادہ ملازمین سے متعلق اعداد و شمار تک



رسائی حاصل کی۔ نجی ٹیکوں اور یونیورسٹیوں سے حاصل اعداد و شمار کو الگ بھی کر دیا جائے تو کمیٹی نے حکومتی زمرے کے ایک بڑے حصے سے متعلق اعداد و شمار فراہم کئے (شکل 9.1)

کمیٹی کو حکومت کے مختلف محکموں، ایجنسیوں اور اداروں سے 88 لاکھ ملازمین سے متعلق اعداد و شمار موصول ہوئے جس میں سے 4.4 لاکھ یا 5 فی صد ملازمین مسلمان تھے۔ سرکاری زمرے کے اداروں کے 14 لاکھ کارکنوں سے متعلق معلومات سے پتہ چلتا ہے کہ مرکزی سرکاری

Table 9.1: Muslim Employees in Government Sector Employment

| Departments/ Institutions Reporting | Reported No.of Employees | Reported number of Muslim Employees | Muslims as Percentage to reported Employees |
|---|--------------------------------|--|--|
| State Level - Departments | 4452851 | 278385 | 6.3 |
| Railways | 1418747 | 64066 | 4.5 |
| Banks and RBI | 680833 | 15030 | 2.2 |
| Security Agencies* | 1879134 | 60517 | 3.2 |
| Postal Service | 275841 | 13759 | 5.0 |
| Universities** | 137263 | 6416 | 4.7 |
| All Reported Government Employment (Excludes PSUs) | 8844669 | 438173 | 4.9 |
| Central PSUs*** | 687512 | 22387 | 3.3 |
| States PSUs | 745271 | 80661 | 10.8 |
| All PSUs | 1432783 | 103048 | 7.2 |

*CRPE CISE BSE SSB and other agencies; **129 Universities (Central and State) and 84 Colleges; *** Data from 154 PSUs

اداروں اور ریاستی سرکاری اداروں میں جن کے اعداد و شمار ہمیں موصول ہوئے مسلمانوں کی تعداد بالترتیب 3.3 فی صد اور 10.8 فی صد تھی۔ (جدول 9.1)

قومی سطح پر روزگار کی صورت حال

قومی سطح پر، سول سروس، مختلف سرکاری محکموں، یونیورسٹیوں اور سرکاری زمینوں کے اداروں کے بارے میں اعداد و شمار دست یاب ہیں۔ یہ ہم ان تمام شعبوں میں سے ہر ایک میں مسلمانوں کی حصے داری سے بحث کریں گے۔

سول سروسز میں روزگار

مسلمانوں کی حصے داری معلوم کرنے کے لئے انڈین ایڈمنسٹریٹو سروس (آئی اے ایس)، انڈین فارین سروس (آئی ایف ایس) اور انڈین پولس سروس (آئی پی ایس) جیسی کلیدی سروسز کی سال 2006 سے متعلق دست یاب فہرستوں کا تجزیہ کیا گیا۔ اس کے دوران سرکاری ملازم کے نام کے ذریعے اس کے مذہب کی نشان دہی کی گئی۔ 18827 اندراجات میں سے صرف 10 معاملے ایسے ملے جہاں ملازم کے مذہب کی نشان دہی نہیں کی جاسکی (جدول 9.2)۔ اس سے معلوم ہوا کہ آئی اے ایس میں صرف 3 فی صد، آئی ایف ایس میں 1.8 فی صد اور آئی پی ایس میں 4 فی صد مسلمان موجود ہیں۔ مزید یہ کہ اعلیٰ عہدوں پر تقرر حاصل کرنے والے مسلمانوں میں سے بیشتر وہ ہیں جو ترقی پا کر وہاں تک پہنچے ہیں۔ مقابلہ جاتی امتحانات کے ذریعے براہ راست بھرتی کئے جانے والے مسلمانوں کی تعداد ان سروسز میں بالترتیب 2.4 فی صد، 1.9 فی صد اور 2.3 فی صد ہے۔

مسلم نمائندگی آئی اے ایس
میں صرف 3 فی صد، آئی ایف ایس
میں 1.8 فی صد اور آئی پی ایس میں 4 فی
صد پائی گئی

Table 9.2: Share of Muslims in All India Civil Services - 2006

| Service | All Officers | No. of Muslim Officers | Muslim as Percentage to All | Unconfirmed Names |
|--|--------------|------------------------|-----------------------------|-------------------|
| Civil Service Officers (IAS, IFS & IPS) | 8827 | 285 | 3.2 | 10 |
| Direct Recruitment through competitive examination | 6460 | 155 | 2.4 | 4 |
| Promoted from State Service | 2367 | 130 | 5.5 | 6 |
| Indian Administrative Service | 4790 | 142 | 3.0 | 4 |
| Direct Recruitment through competitive examination | 3542 | 80 | 2.3 | 0 |
| Promoted from State Service | 1248 | 62* | 5.0 | 4 |
| Indian Foreign Service | 828 | 15 | 1.8 | 0 |
| Direct Recruitment | 621 | 12 | 1.9 | 0 |
| Grade I of IFS(B) Personnel | 207 | 3 | 1.4 | 0 |
| Indian Police Service | 3209 | 128 | 4.0 | 6 |
| Direct Recruitment through competitive examination | 2297 | 63 | 2.7 | 4 |
| Promoted from State Service | 912 | 65** | 7.1 | 2 |

Note: All direct recruitments include appointments under Initial Constitution Scheme and EC/SSC * 20 Officers are from Jammu and Kashmir cadre; ** 30 Officers are from Jammu and Kashmir cadre. Note: Data for other allied services are not included

Source: Indian Administrative Service Civil List-2006 Ministry of Personnel, Public Grievances and Pensions, GOI (51st Edition), Indian Police Service Civil Lists-2006 Ministry of Home Affairs, GOI (50th Edition); Indian Foreign Service Civil Lists-2006 Ministry of External Affairs (GOI).

2003 اور 2004 میں یو پی ایس کے تحت تقرر

یونین پبلک سروس کمیشن (یو پی ایس سی) کی جانب سے دو برسوں 2003 اور 2004 کے اعداد و شمار فراہم کئے گئے (جدول 9.3)۔ چونکہ مذہبی شناختوں سے متعلق اعداد و شمار عموماً مرتب نہیں کئے جاتے، اس لئے یو پی ایس سی نے تحریری امتحانات میں شریک ہونے والوں، انٹرویو

Table 9.3: Recommended Candidates though the Union Public Service Commission (2003 and 2004)

| Category | Total | Muslim Candidates | Percentage of Muslim Candidates |
|---|-------|-------------------|---------------------------------|
| Appeared for Main Written Civil Services Exams | 11537 | 283 | 4.9 |
| Selected for Interviews | 2342 | 56 | 4.8 |
| Recommended Candidates | 835 | 20 | 4.8 |
| Recommended Candidates as % of Appeared for Written Examination | 7.2 | 7.1 | - |
| Recommended Candidates as % of Selected for Interview | 35.7 | 35.7 | - |

مختلف محکموں میں برسر روزگار
مسلمانوں کی تعداد ہر سطح پر
حد درجہ کم ہے

ہندوستانی ریلوے میں مسلمانوں
کی نمائندگی صرف 4.5 فی صد
ہے اور ان میں بی تقریباً تمام
ملازمین 98.7 فی صد) نچلی
سطحوں کی ملازمتوں میں ہیں

کے لئے منتخب اور تقرر کے لئے منتخب کئے جانے والوں میں مسلمانوں کا تناسب معلوم کرنے کے لئے اپنے ریکارڈوں کا خصوصی جائزہ لیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ 2003 اور 2004 میں سول سروسز کا تحریری امتحان دینے والے امیدواروں میں مسلمانوں کی تعداد صرف 4.9 فی صد تھی۔ یہ تعداد آبادی میں مسلمانوں کے 13.4 فی صد تناسب سے بہت کم ہے۔ تاہم مسلمانوں کی کامیابی کی شرح دیگر امیدواروں جیسی ہی ہے۔ سول سروسز کے تحریری امتحان میں شریک امیدواروں میں مسلمانوں کی یہ قلیل تعداد فکرمندی کا باعث ہے مگر ان کی کامیابی کی یکساں شرح امیدواروں میں پیدا کرتی ہے۔ یو پی ایس سی کے مقابلہ جاتی انتخاب کے عمل میں مسلمانوں کی شرکت میں بہتری لانے کی ضرورت ہے۔ 1

مرکزی حکومت کے چند خاص محکموں کے ملازمین

مرکزی سرکاری محکموں اور ایجنسیوں میں مسلمانوں کی مجموعی شرکت کے بارے میں اجمالاً ذکر جدول 9.4 میں کیا گیا ہے۔ اصل حصے داری کے علاوہ، کل ہند آبادی میں مسلمانوں کے تناسب کے لحاظ سے روزگار میں ان کے حصے کی کمی پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ مختلف سرکاری محکموں میں مسلمانوں کا حصہ تمام سطحوں پر حد درجہ کم ہے۔ مسلمانوں کا حصہ صرف نچلی سطح کی ملازمتوں میں بہت معمولی سا بڑھا ہوا ہے مگر گروپ 'ڈی' کی ملازمتوں میں بھی (جس میں بہت معمولی تعلیم درکار ہے) مسلمانوں کا حصہ صرف تقریباً 5 فی صد ہے۔ اس قسم کی ملازمتوں میں ان کا حصہ مرکزی سرکاری زمرہ اداروں میں اور بھی کم ہے۔ گروپ 'سی' میں ایسے ملازمین اور افسروں کی سب سے زیادہ تعداد ہوتی ہے جو ملازمت کے دوران عموماً عوام کے رابطے میں آتے ہیں۔ اس سطح پر بھی مسلمانوں کی موجودگی 5 فی صد سے کم ہے اور سرکاری زمرے کے بینکوں میں ان کی تعداد اس سے بھی کم (2.5 فی صد) ہے 2

مختلف سطحوں کی سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کے حصے اور آبادی میں ان کے تناسب کے درمیان تقابل سے ان کی کم نمائندگی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ یہ دیکھا جاسکتا ہے کہ یہ کمی یوں تو ہر محکمے اور ہر سطح پر موجود ہے مگر سرکاری زمرے کے اداروں اور بینکوں کی اعلیٰ ترین سطحوں پر بطور

Table 9.4: Share of Muslim Employees in Selected Central Government Department and Institutions

| Category/ Level of Employment | Total number of Employees# | Civil Services | Railways Telegraph | Post & Services | Security | Banks | University | PSU*** |
|-------------------------------------|----------------------------------|-------------------|-----------------------|--------------------|---------------|---------------|-----------------|---------------|
| Group 'A' | 231619 | 4.8 (35.8) | 2.5 (18.7) | 3.8 (28.4) | 3.1 (23.1) | 1.7 (12.7) | 3.7 (27.6)* | 2.3 (17.2) |
| Group 'B' | 122551 | - | 3.4 (25.4) | 4.4 (32.8) | 3.9 (29.1) | | | 2.8 (20.9) |
| Group 'C' | 1486637 | - | 4.9 (36.6) | 4.8 (35.8) | 4.6 (34.3) | 2.5 (18.7) | 5.4 (40.3)** | 3.9 (29.1) |
| Group 'D' | 659113 | - | 5.0 (37.3) | 5.3 (39.6) | 4.3 (32.1) | | | |

Note: Figures in parenthesis are ratios (in percentage terms) of Muslims' share in employment of a specific department to their share in total population which is 13.4.

* Teaching Faculty, ** Non teaching Faculty

*** For PSUs Group A is Higher Managerial, Group B is Managerial and Group C & D Workers

For employment number under Group A PSUs, Railways, Security Agencies, Postal, Civil Services are shown for Group B PSUs, Railways, Security Agencies, Postal; for Group C Railways, Security Agencies, Postal; and for Group D Railways, Security Agencies, Postal department are indicated.

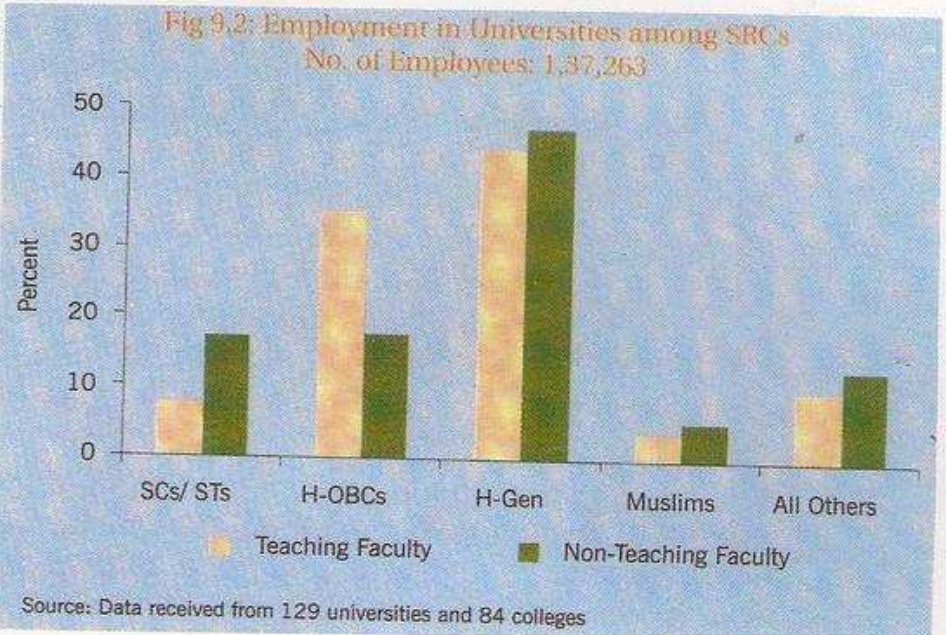
1 1980 کی دہائی کے اوائل میں گئے ریاستی پبلک سروس کمیشن کے تقررات کے ایک تجربے سے بھی ظاہر ہوا تھا کہ مسلمانوں کی کامیابی کی شرح دیگر فرقوں سے مختلف نہیں ہے (حصن، 1992، ص 290-91)

2 متن میں موجود بعض جدولوں میں، گروپ 'اے' اور 'بی' کی ملازمتوں کو یکجا کر کے اعلیٰ سطح کی ملازمتیں اور گروپ 'سی' اور 'ڈی' کو یکجا کر کے نچلی سطح کی ملازمتیں دکھایا گیا ہے جس کا مقصد بیان میں آسانی لانا ہے۔ تاہم قابل غور ہے کہ گروپ 'سی' کے ملازمین تو ترقی کر کے اوپر پہنچ سکتے ہیں مگر گروپ 'ڈی' کے ملازمین کے لئے ایسی کوئی سہولت نہیں ہے۔ اس لحاظ سے گروپ 'سی' اور 'ڈی' کا حصے نمایاں ہیں۔

خاص نمایاں ہے۔ مسلم روزگار کا یہ خسارہ عام محکموں میں بہت زیادہ ہے مگر انہیں گروپ 'سی' اور 'ڈی' کی چھٹی سطح کی ملازمتیں کچھ حد تک حاصل ہو جاتی ہیں۔ دیگر محکموں کے مقابلے میں مسلم نمائندگی یونیورسٹیوں کی ملازمتوں میں بہتر ہے۔ ان کی بہترین نمائندگی یونیورسٹیوں کی غیر تدریسی ملازمتوں میں پائی جاتی ہے اور اس کے بعد ریلوے اور محکمہ ڈاک کی گروپ 'ڈی' کی ملازمتوں میں۔

ہندوستانی ریلوے

ہندوستانی ریلوے تقریباً 14 لاکھ لوگوں کو روزگار دیتی ہے۔ ان میں سے صرف 64 ہزار ملازمین کا تعلق مسلم فرقے سے ہے جس سے صرف 4.5 فی صد نمائندگی ظاہر ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ تقریباً تمام (98.7 فی



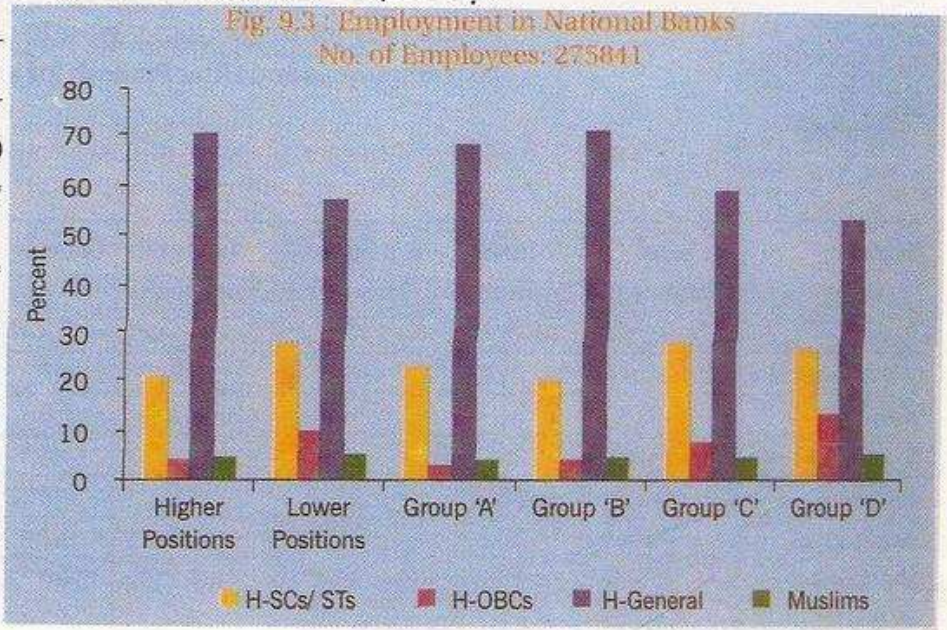
صد) مسلم ریلوے ملازمین چھٹی سطح پر برسر کار ہیں۔ گروپ 'اے' یا گروپ 'بی' کے افسروں میں مسلمانوں کی تعداد صرف 1.3 فی صد ہے۔ گروپ 'اے' میں دیگر ہندو گروپ (بشمول عام ہندو اور ہندو اوبی سی) کو 72 فی صد ملازمتیں اور اس کے بعد ایس سی/ ایس ٹی کو 18 فی صد ملازمتیں حاصل ہیں۔ اس سطح پر مسلمانوں کا حصہ درجہ کم صرف 3 فی صد ہے۔ چھٹی سطح کی ملازمتوں میں مسلمانوں کا حصہ تھوڑا زیادہ یعنی 5 فی صد ہے جب کہ دیگر ہندوؤں کا حصہ 65 فی صد (ضمیمہ جدول 9.1)۔

سیکورٹی ایجنسیوں میں مسلمانوں کی موجودگی تقریباً 4 فی صد ہے

گروپ 'اے' کی ملازمتوں میں مسلمانوں کیسوا دیگر اقلیتوں کا حصہ 11 فی صد ہے

قومی سلامتی ایجنسیاں

ہندوستان میں دفاعی افواج کے تینوں بازوؤں بڑی، بحری اور فضائیہ سمیت مختلف قومی سلامتی ایجنسیوں میں تقریباً 19 لاکھ ملازمین ہیں، تاہم مختلف فرقوں کی نمائندگی کی تفصیلات بارڈر سیکورٹی فورس، سنٹرل ریزرو پولس فورس، سنٹرل انڈسٹریل سیکورٹی فورس اور سشسٹرا ایسٹابلیشمنٹ کے ساتھ 5.2 لاکھ ملازمین کے بارے میں حاصل ہو سکیں۔ ان قومی سلامتی ایجنسیوں میں بھی مسلمانوں کا حصہ اعلیٰ سطحوں پر 3.6 فی صد اور چھٹی سطحوں پر 4.6 فی صد ہے۔ مجموعی طور پر تمام قومی سلامتی ایجنسیوں میں، عملاً تمام مسلم ملازمین (96 فی صد) چھٹی، بطور خاص گروپ 'سی' کی سطحوں پر ہیں اور گروپ 'اے' اور 'بی' کے افسروں میں ان کی تعداد صرف تقریباً دو فی صد ہے۔ گروپ 'ڈی' میں جہاں قومی سلامتی ایجنسیوں کی تمام ملازمتوں میں سے صرف 4 فی صد ملازمتیں ہیں، ایس سی/ ایس ٹی کی تعداد 37 فی صد



ہے۔ اس کے علاوہ باقی تمام زمروں کی ملازمتوں میں دیگر ہندوؤں (بشمول عام ہندو اور ہندو اوبی سی) کا غلبہ ہے۔ یہ دیکھا جاسکتا ہے کہ گروپ 'اے' کی ملازمتوں میں تقریباً 11 فی صد حصہ مسلمانوں کے علاوہ، دیگر اقلیتوں کا ہے (ضمیمہ جدول 9.2)۔

محکمہ ڈاک و تار

محکمہ ڈاک و تار میں تقریباً 2.75 لاکھ ملازمین ہیں جن میں مسلمانوں کا حصہ صرف 5 فی صد ہے جب کہ ہندو اعلیٰ ذاتوں اور ایس سی/ ایس ٹی کی نمائندگی بہت اچھی ہے۔ اس محکمے میں مسلمانوں اور اوبی سی کا حصہ آبادی

میں ان کے تناسب کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ دیگر محکموں کی طرح اس محکمے میں بھی مسلمانوں کی نمائندگی بیشتر سطحی سطحوں پر ہے۔ ضمیمہ جدول 9.3 میں دکھایا گیا ہے کہ مسلمانوں کی زیادہ سے زیادہ نمائندگی گروپ 'ڈی' میں ہے جب کہ گروپ 'اے' کی ملازمتوں میں ان کا حصہ صرف 3.8 فی صد ہے۔

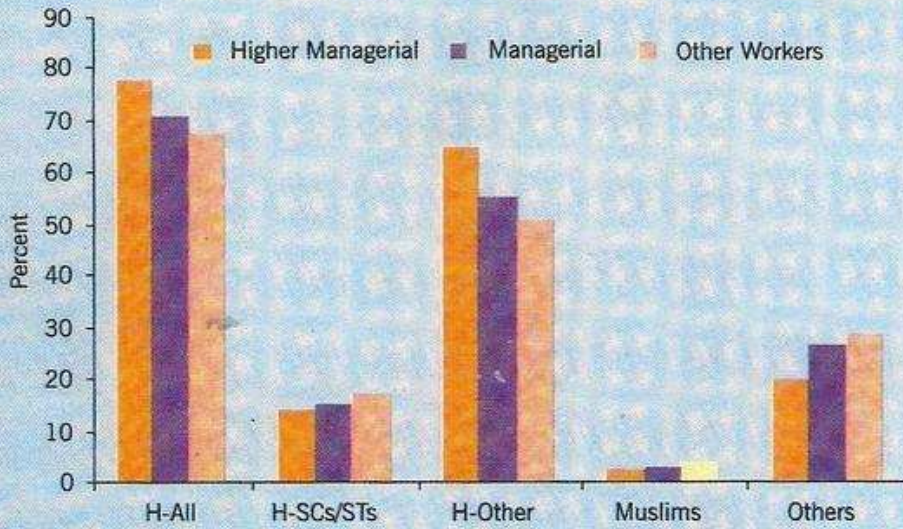
یونیورسٹی میں روزگار

کمپنی کو حاصل 129 یونیورسٹیوں اور 84 کالجوں کے اعداد و شمار کے مطابق ان اداروں میں ملازمین کی مجموعی تعداد تقریباً 1.37 لاکھ ہے جن میں تقریباً 42 فی صد تدریسی زمرے اور بقیہ 58 فی صد غیر تدریسی عملے سے متعلق ہیں۔ شکل 9.2 سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان دونوں زمروں میں عام ہندو ملازمین حاوی ہیں جن کا حصہ آبادی میں ان کے تناسب کا تقریباً دو گنا ہے۔ دیگر اقلیتیں جن کا آبادی میں تناسب تقریباً 6 فی صد ہے یونیورسٹی ملازمتوں میں اچھی خاصی نمائندگی رکھتی ہیں۔ تدریسی عملے میں او بی سی کا حصہ آبادی میں ان کے تناسب سے زیادہ ہے۔ یونیورسٹی ملازمتوں میں صرف مسلمانوں اور ایس سی/ ایس ٹی کی نمائندگی کم ہے۔ تدریسی عملے میں مسلمانوں کا حصہ صرف 3.7 فی صد اور غیر تدریسی عملے میں 3.4 فی صد ہے۔ ان دونوں زمروں میں ایس سی/ ایس ٹی کا حصہ بالترتیب 7.4 فی صد اور 16.9 فی صد ہے۔ ان دونوں فرقوں کا آبادی میں تناسب بالترتیب 13.4 فی صد اور 25.2 فی صد ہے۔ (شکل 9.2)

پبلک سیکٹر بینکوں کی ملازمت

کمپنی کو آر بی آئی، شیڈولڈ کمرشیل بینکوں، این اے بی اے آر ڈی او، ایس آئی ڈی بی آئی سے موصولہ اعداد و شمار ظاہر کرتے ہیں کہ ان بینکوں میں 6.8 لاکھ ملازمین ہیں جن میں سے تقریباً 32 فی صد اعلیٰ عہدوں اور 68 فی صد سطحی سطحوں سے متعلق ہیں۔ تمام بینک ملازمین میں مسلمانوں کا تناسب بہت کم 2.2 فی صد ہے۔ جن میں سے 1.7 فی صد اعلیٰ عہدوں پر اور 2.5 فی صد سطحی سطحوں پر ہیں (شکل 9.3)

Fig. 9.4 : Employment in Central PSUs No. of Employees: 687512



Note : Data Based on 154 PSUs; Higher Managerial includes Board of Directors, Top Management-Professionals and Administration, Executive Carde. Managerial includes Supervisory Cadre-Technical and Non-Technical

ریاستی سطح پر، بینک ملازمتوں میں مسلمانوں کی نمائندگی 5 فی صد سے زیادہ ہے۔ مسلمانوں کی نمائندگی کے لحاظ سے جموں و کشمیر سب سے آگے (18.1 فی صد) اور اس کے بعد آسام (6.5 فی صد) اور آندھرا پردیش (5.6 فی صد) ہیں۔ لیکن ہم ان اعداد و شمار کو ریاستی آبادی میں مسلمانوں کے تناسب کے سیاق میں دیکھیں تو مسلم نمائندگی آندھرا پردیش میں 3.6 فی صد کم، آسام میں 24.3 فی صد کم اور جموں و کشمیر میں 48.9 فی صد کم نظر آتی ہے۔ اس طرح اعداد و شمار سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ریزرو بینک آف انڈیا میں مسلم ملازمین کی تعداد تقریباً 19000 ملازمین میں سے 150 ہے۔

مرکزی سرکاری زمرہ کے ادارے

کمپنی کو 154 مرکزی سرکاری زمرے کے اداروں سے اعداد و شمار

موصول ہوئے جن میں تقریباً 6.88 لاکھ لوگ ملازم ہیں۔ ان میں سے 28.7 فی صد اعلیٰ منیجری عہدوں پر، 14.2 فی صد منیجری عہدوں پر اور 57.1 فی صد سطحی سطحوں پر یا کارکنوں کے طور پر سرکار ہیں۔ مرکزی سرکاری زمرے کے اداروں میں ہر سطح پر مسلمانوں کی نمائندگی بے انتہا کم ہے۔ مثلاً اعلیٰ منیجری عہدوں پر ان کی تعداد صرف 2.3 فی صد اور وسطیٰ منیجری عہدوں پر 2.8 فی صد ہے (شکل 9.4)۔ دیگر کارکنوں میں ان کا تناسب صرف 3.9 فی صد ہے۔ مسلمانوں کے تقابلیں میں دیگر اقلیتوں کو، جن کا تناسب آبادی میں بہت کم ہے، منیجری عہدوں پر 25 فی صد

صد اور کارکنوں میں تقریباً 30 فی صد نمائندگی حاصل ہے۔ دیگر ہندوؤں کی تعداد نیجری عہدوں پر خاصی زیادہ ہے اور ایس سی/ایس ٹی کوڈنگ کارکنوں کے زمرے میں خاصی اچھی نمائندگی حاصل ہے۔

ریاستی سطح کی ملازمتیں

کمیٹی نے ریاستوں سے اپنے تمام محکموں اور سرکاری زمرے کے اداروں سے متعلق اعداد و شمار فراہم کرنے کی درخواست کی تھی۔ صرف 12 ریاستوں نے کچھ اعداد و شمار فراہم کئے۔ مکمل معلومات فراہم کرنے والی ریاستوں کی تعداد اور بھی کم تھی۔ مغربی بنگال نے قابل استعمال فارمیٹ کے مطابق اعداد و شمار فراہم نہیں کئے۔ مسلم کارکنوں سے متعلق اعداد و شمار فراہم کئے گئے مگر کارکنوں کی مجموعی تعداد اور دیگر فرقوں کی روزگار کی صورت حال سے متعلق معلومات کی عدم موجودگی میں با معنی تجزیہ مشکل تھا۔ بہار سے متعلق اعداد و شمار حاصل کرنا ممکن نہیں تھا کیوں کہ وہاں کے سرکاری محکموں نے اس سلسلے میں کوئی کوشش ہی نہیں کی۔

مجموعی طور پر، کمیٹی کو ریاستی حکومت کے مختلف محکموں کے 44 لاکھ ملازمین سے متعلق معلومات فراہم کی گئی۔ کرناٹک، مہاراشٹر، گجرات اور تمل ناڈو سے مکمل معلومات موصول ہوئی۔ بہار نے صرف 75 ہزار ملازمین کے بارے میں، جھارکھنڈ نے 15 ہزار، آسام نے 18 ہزار، مغربی بنگال نے تقریباً 1.3 لاکھ اور اتر پردیش نے 1.34 لاکھ ملازمین سے متعلق معلومات فراہم کی۔ ریاستوں سے موصولہ تمام تر معلومات سے پتہ چلا کہ ریاستی حکومتوں کی ملازمت میں مسلمانوں کی تعداد تقریباً تین لاکھ ہے۔ جو تمام ریاستوں کی آبادی سے ان کے مجموعی تناسب کا تقریباً آدھا حصہ ہے۔ (جدول 9.5)

کسی بھی ریاست میں سرکاری ملازمتوں میں مسلم نمائندگی آبادی میں ان کے تناسب کے نہ صرف برابر نہیں ہے بلکہ بہت کم ہے۔ آندھرا پردیش واحد ریاست ہے جہاں مسلم نمائندگی آبادی میں ان کے تناسب سے خاصی نزدیک مگر پھر بھی کم ہے۔ تین اور ریاستیں جہاں سرکاری ملازمتوں میں مسلم نمائندگی آبادی میں ان کے تناسب کے 50 فی صد سے زیادہ ہے، کرناٹک (70 فی صد)، گجرات (59 فی صد) ہیں۔ باقی تمام ریاستوں میں مسلم نمائندگی آبادی میں ان کے تناسب سے آدھے سے بھی کم ہے۔ (جدول 9.5)

کسی بھی ریاست میں، سرکاری محکموں میں مسلمانوں کی نمائندگی آبادی میں ان کے تناسب کے برابر نہیں ہے

Table 9.5: Share of Muslim Employees in Selected State Governments
(No. of Employees : 44,52,851*)

| States | Total number of Employees | Muslim Population (%) | Higher Positions | Lower Positions | Group A | Group B | Group C | Group D | Others |
|---------------|---------------------------|-----------------------|------------------|-----------------|---------|---------|---------|---------|--------|
| West Bengal | 134972 | 25.2 | 4.7 | 1.8 | 6.7 | 3.9 | 2.1 | 2.5 | 1.4 |
| Kerala | 268733 | 24.7 | 10.3 | 10.4 | 11.8 | 10.1 | 11.1 | 9.1 | 10.5 |
| Uttar Pradesh | 134053 | 18.5 | 7.5 | 4.9 | 4.6 | 8.0 | 4.3 | 5.4 | 6.7 |
| Bihar | 78114 | 16.5 | 7.2 | 7.6 | 7.9 | 7.0 | 7.3 | 8.4 | 5.2 |
| Assam | 81261 | 30.9 | 10.2 | 11.4 | 9.2 | 10.7 | 11.5 | 9.9 | 10.5 |
| Jharkhand | 15374 | 13.8 | 3.8 | 7.2 | 4.0 | 3.7 | 9.0 | 4.5 | - |
| Karnataka | 528401 | 12.2 | 4.9 | 8.9 | 4.7 | 5.1 | 9.3 | 6.0 | - |
| Delhi | 135877 | 11.7 | 2.1 | 3.3 | 3.5 | 1.4 | 3.9 | 1.1 | 1.6 |
| Maharashtra | 915645 | 10.6 | 3.1 | 4.5 | 2.3 | 3.4 | 4.4 | 4.6 | - |
| Gujarat | 754533 | 9.1 | 3.4 | 5.5 | - | - | - | - | - |
| Tamil Nadu | 529597 | 5.6 | 4.2 | 2.9 | 4.0 | 4.2 | 3.1 | 2.5 | - |
| Sum of States | 4452851 | 16.0 | 5.7 | 5.6 | 5.8 | 6.1 | 5.9 | 5.1 | 3.3 |

Note: Higher Positions: aggregate of Group A and Group B. Lower Positions: aggregate of Group C, Group D and Others
*876291 employees from Andhra Pradesh are included in the Sum of States, further breakup of these data is not available.

عموماً یہ دیکھنے میں آیا کہ چلی سطح کی ملازمتوں میں مسلمانوں کی موجودگی نسبتاً زیادہ ہے۔ صرف مغربی بنگال، اتر پردیش اور تمل ناڈو میں اعلیٰ عہدوں پر مسلم نمائندگی چلی سطحوں پر ان کی نمائندگی سے زیادہ ہے۔ اعلیٰ عہدوں اور چلی سطحوں پر مسلم نمائندگی کے درمیان سب سے زیادہ فرق کرناٹک میں نظر آتا ہے جہاں اعلیٰ عہدوں پر مسلمانوں کی تعداد 4.9 فی صد مگر چلی سطحوں پر 8.9 فی صد ہے۔ دیگر ریاستوں میں جہاں یہ فرق خاصاً نمایاں ہے جھارکھنڈ بھی شامل ہے جس میں اعلیٰ اور چلی سطحوں پر مسلم نمائندگی بالترتیب 3.8 فی صد اور 7.2 فی صد ہے۔ مزید یہ کہ بیشتر ریاستوں میں مسلمانوں کی تعداد گروپ 'اے' افسروں کی بجائے گروپ 'بی' افسروں میں زیادہ ہے۔ صرف مغربی بنگال، دہلی، کیرل، بہار اور جھارکھنڈ میں گروپ 'اے' افسروں میں مسلم نمائندگی گروپ 'بی' افسروں کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ چلی سطحوں کے معاملے میں دیکھا جائے تو گروپ 'سی' کے کارکنوں میں مسلمانوں کی تعداد تقریباً 5.9 اور گروپ 'ڈی' میں 5.1 فی صد ہے۔

چند منتخب ریاستی محکموں میں مسلم نمائندگی

چند منتخب ریاستی محکموں میں مسلم موجودگی کی معلومات (جدول 9.6 اور ضمیمہ جدول 9.4) کی تلخیص سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی بھی اور ریاستی محکمے کے مقابلے میں امور داخلہ کے محکمے میں مسلم موجودگی سب سے زیادہ ہے مگر یہاں بھی مجموعی طور پر ان کا تناسب صرف 7.3 فی صد ہے۔ اس کے بعد محکمہ تعلیم اور ٹرانسپورٹ میں بھی ان کی تعداد 6.5 فی صد، محکمہ صحت میں 4.4 فی صد اور دیگر محکموں میں 6 فی صد ہے۔ ملازمتوں میں مسلمانوں کا یہ حصہ ہر ریاست کی آبادی میں ان کے تناسب سے بہت کم ہے۔ یہاں کمیٹی کو موصولہ تمام اعداد و شمار کی تلخیص پیش کی گئی ہے مگر مزید تفصیلی معلومات حاصل کر کے مختلف محکموں میں مسلم موجودگی کا جائزہ لینا مناسب ہوگا۔

محکمہ تعلیم

کمیٹی کو فراہم کردہ 8 ریاستوں کے اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ محکمہ تعلیم میں مسلمانوں کی نمائندگی صرف 6.5 فی صد ہے جو آبادی میں ان کے تناسب کی تقریباً آدھی ہے۔ وہ تین ریاستیں جہاں مسلم نمائندگی 10 فی صد سے زیادہ ہے کیرل (12.3 فی صد)، بہار (12.3 فی صد) اور کرناٹک (11.9 فی صد) ہیں۔ کرناٹک واحد ریاست ہے جہاں محکمہ تعلیم میں مسلم موجودگی (11.9 فی صد) آبادی میں ان کے 12.2 فی صد تناسب کے قریب ہے، بہار میں مسلم آبادی 16.5 فی صد اور محکمہ تعلیم میں ان کی نمائندگی 12.3 فی صد ہے۔ اس طرح کیرل کے محکمہ تعلیم میں مسلمانوں کی نمائندگی آبادی میں ان کے 24.7 فی صد کی تقریباً آدھی ہے۔

تعلیم کے محکموں میں بیشتر مسلم ملازمین چلی سطحوں پر ہیں۔ (جدول 9.6)۔ صرف بہار، کیرل اور تمل ناڈو میں، اعلیٰ سطحوں پر مسلم نمائندگی چلی سطحوں پر ان کی نمائندگی سے زیادہ ہے۔ مسلمانوں کی کثیر آبادی والی ریاستوں میں، چلی سطحوں پر کام کرنے والے مسلمانوں کی بیشتر تعداد گروپ 'سی' کے بجائے گروپ 'ڈی' سے تعلق رکھتی ہے (ضمیمہ جدول 9.5)

امور داخلہ کا محکمہ

کمیٹی کو امور داخلہ کے محکموں میں مسلم نمائندگی کے بارے میں 12 ریاستوں سے معلومات موصول ہوئی۔ فراہم کردہ معلومات کے مطابق اس محکمے کے مجموعی ملازمین کی تعداد اتر پردیش میں 1344، جھارکھنڈ میں 728، تمل ناڈو میں 2637، اور مغربی بنگال میں 5690 ہے۔ تاہم کمیٹی کو موصولہ اعداد و شمار کے مطابق تمام بڑے محکموں میں سے، امور داخلہ کے محکمے میں مسلمانوں کی نمائندگی سب سے زیادہ، 7.3 فی صد، ہے (ضمیمہ جدول 9.4)۔ ان ریاستوں میں جہاں مسلم نمائندگی 10 فی صد سے زیادہ بتائی گئی آندھرا پردیش میں یہ نمائندگی 14.6 فی صد، آسام میں 11.3 فی صد اور کیرل میں 10.7 فی صد ہے۔ آندھرا پردیش واحد ریاست ہے جہاں امور داخلہ کے محکمے میں مسلم موجودگی آبادی میں ان

محکمہ تعلیم میں مسلمانوں کی نمائندگی
6.5 فی صد اور محکمہ داخلہ میں 7.3 فی صد ہے۔ پولیس کانسٹیبلوں میں
مسلمانوں کا حصہ تقریباً 6 فی صد ہے

کے تناسب سے زیادہ نظر آتی ہے۔ باقی تمام ریاستوں کی پولس فورس میں مسلم موجودگی بہت کم ہے۔

امور داخلہ کے محکموں میں زیر ملازمت مسلمانوں کی زیادہ بڑی تعداد چھٹی سطحوں کے مقابلے اعلیٰ سطحوں پر نظر آتی ہے۔ (جدول 9.6) تاہم گروپ 'اے' افسروں کے مقابلے میں گروپ 'بی' کے افسروں میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہے۔ تمام ریاستوں میں چھٹی سطحوں پر کام کرنے والے مسلمانوں میں بیشتر مسلمان گروپ 'سی' سے متعلق ہیں، صرف کیرل، اتر پردیش اور مہاراشٹر کے سوا جہاں گروپ 'ڈی' میں مسلم ملازمین کی تعداد گروپ 'سی' سے زیادہ ہے (ضمیمہ جدول 9.6)۔ 95 فی صد گروپ 'سی' کے ملازمین پولس کانسٹیبل ہیں اور پولس کانسٹیبلوں میں مسلمانوں کا حصہ صرف 6 فی صد ہے۔

Table 9.6: Share of Muslim Employees in Selected State Government Departments
(No. of Employees : 44,52,851)

| States | Muslim Population (%) | Education Dept. | | Home Dept. | | Health Dept. | | Transport Dept. | | Others Depts. | |
|---------------|-----------------------|------------------|-----------------|------------------|-----------------|------------------|-----------------|------------------|-----------------|------------------|-----------------|
| | | Higher Positions | Lower Positions | Higher Positions | Lower Positions | Higher Positions | Lower Positions | Higher Positions | Lower Positions | Higher Positions | Lower Positions |
| West Bengal | 25.2 | - | - | 14.1 | 5.1 | 1.3 | 0.9 | - | - | 4.3 | 2.2 |
| Kerala | 24.7 | 13.0 | 11.7 | 10.8 | 10.7 | 11.2 | 10.2 | 9.4 | 9.2 | 8.9 | 10.5 |
| Uttar Pradesh | 18.5 | - | - | 8.1 | 9.9 | 4.3 | 5.6 | 1.9 | 4.9 | 7.6 | 4.8 |
| Bihar | 16.5 | 14.8 | 11.8 | 5.9 | 7.1 | - | 2.6 | 8.3 | 10.9 | 7.5 | 7.6 |
| Assam | 30.9 | - | - | 9.3 | 11.5 | 8.0 | 11.1 | 13.9 | 11.5 | 12.2 | 11.4 |
| Jharkhand | 13.8 | - | - | 5.7 | 7.6 | 6.0 | 3.2 | - | - | 3.7 | 7.8 |
| Karnataka | 12.2 | 5.0 | 12.4 | 3.6 | 4.2 | 4.7 | 5.0 | 16.8 | 7.0 | 5.1 | 7.3 |
| Delhi | 11.7 | 5.9 | 7.2 | 1.5 | 2.3 | 1.0 | 1.8 | 1.4 | 1.1 | 0.3 | 0.9 |
| Maharashtra | 10.6 | 2.9 | 4.7 | 4.2 | 4.2 | 2.6 | 3.3 | - | - | 2.2 | 3.9 |
| Gujarat | 9.1 | 1.7 | 4.5 | 5.6 | 5.6 | 2.2 | 1.5 | 9.4 | 16.3 | - | - |
| Tamil Nadu | 5.6 | 5.8 | 5.3 | 0.0 | 2.6 | 4.6 | 3.3 | 1.0 | 2.6 | 2.9 | 2.1 |
| Sum of States | 16.0 | 5.7 | 6.2 | 8.7 | 5.6 | 4.4 | 3.5 | 1.6 | 6.9 | 5.5 | 5.1 |

محکمہ صحت

کمپنی کو 12 ریاستوں کے مجموعی طور پر 4.02 لاکھ محکمہ صحت کے ملازمین سے متعلق اعداد و شمار فراہم کئے گئے۔ ان ریاستوں میں آسام، کرناٹک، دہلی، آندھرا پردیش، گجرات اور تمل ناڈو بھی شامل ہیں۔ صحت کے محکموں میں مسلمانوں کی نمائندگی تقریباً 4.4 فی صد ہے جو آبادی میں ان کے تناسب سے بہت کم ہے۔ ان صرف دو ریاستوں میں جہاں مسلم نمائندگی 10 فی صد سے زیادہ ہے کیرل اور آسام ہیں۔ یہ نمائندگی بالترتیب 10.5 فی صد اور 10.8 فی صد ہے مگر یہاں بھی یہ حصہ آبادی میں مسلمانوں کے تناسب سے بہت کم ہے۔ اس محکمے میں اعلیٰ سطحوں خاص کر گروپ 'بی' میں مسلم نمائندگی نسبتاً بہتر نظر آتی ہے۔ (ضمیمہ جدول 9.7)

محکمہ صحت میں مسلم نمائندگی تقریباً 4.4 فی صد ہے

محکمہ ٹرانسپورٹ

مجموعی طور پر 9 ریاستوں نے اپنے ٹرانسپورٹ محکمے کے بارے میں معلومات فراہم کیں جس میں 9.11 لاکھ ملازمین کا احاطہ کیا گیا۔ کیرل، دہلی، گجرات اور تمل ناڈو نے مکمل اعداد و شمار فراہم کئے۔ اس محکمے میں مسلم نمائندگی تقریباً 6.5 فی صد ہے جو آبادی میں ان کے تناسب کے پیش

محکمہ ٹرانسپورٹ میں مسلمانوں کی نمائندگی صرف 6.5 فی صد ہے

نظر تقریباً آدھی ہے۔ 9 ریاستوں میں سے 4 نے اس محکمے میں مسلم نمائندگی 10 فی صد سے زیادہ بتائی ہے جس میں گجرات میں یہ حصہ 16.3 فی صد، آسام میں 11.8 فی صد، بہار میں 10.9 فی صد اور آندھرا پردیش میں 10 فی صد ہے (جدول 9.6)۔ یہاں بھی چلی سطحوں (گروپ سی اور ڈی) پر مسلم موجودگی اعلیٰ عہدوں کے مقابلے میں نسبتاً زیادہ ہے اور اعلیٰ عہدوں پر مسلم نمائندگی صرف 1.6 فی صد ہے۔ صرف کیرل، آسام، کرناٹک اور دہلی میں اعلیٰ عہدوں پر مسلم نمائندگی چلی سطحوں کے مقابلے میں بہتر ہے۔ ٹرانسپورٹ واحد محکمہ ہے جہاں گروپ ڈی میں مسلم نمائندگی آبادی میں ان کے تناسب کے تقریباً برابر ہے (ضمیمہ جدول 9.8)۔

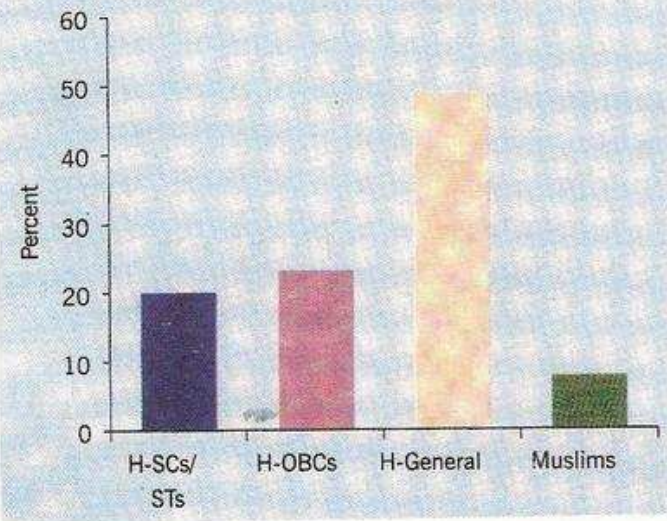
دیگر محکمے

12 ریاستوں کے دیگر تمام محکموں کے 16.6 لاکھ ملازمین میں مسلم نمائندگی 6 فی صد ہے (ضمیمہ جدول 9.4)۔ مغربی بنگال، کیرل، بہار، آسام اور جھارکھنڈ کے اعداد و شمار مکمل نہیں تھے۔ ان 12 ریاستوں میں سے جنہوں نے اعداد و شمار فراہم کئے، جن دور ریاستوں کے ان محکموں میں مسلم نمائندگی 10 فی صد سے زیادہ ہے، ان میں کیرل (10.2 فی صد) اور آسام (11.7 فی صد) شامل ہیں مگر یہ تناسب بھی آبادی میں مسلمانوں کے تناسب سے بہت کم ہے۔

عدلیہ میں مسلمانوں کا حصہ

عدلیہ میں تقرر کا طریقہ کار خاصا منصفانہ تصور کیا جاتا ہے۔ 3 پھر بھی اس شعبے میں بھی مسلمانوں کی موجودگی اور شرکت باعث تشویش ہے۔

Fig. 9.5 : Share of Muslims in Judiciary Employment
No. of Employees: 98593



کمیٹی نے 15 ریاستوں کے مختلف سطحوں کے تقریباً ایک لاکھ ملازمین سے متعلق اعداد و شمار حاصل کئے۔ یہ معلومات مختلف فرقوں کے تعلق سے بھی دست یاب ہے۔ (شکل 9.5)

مجموعی لحاظ سے عدلیہ میں مسلم نمائندگی تقریباً 7.8 فی صد ہے جب کہ او بی سی کا حصہ تقریباً 23 فی صد اور ایس سی/ایس ٹی کا تقریباً 20 فی صد ہے۔ عدلیہ میں عام ہندوؤں کو آبادی میں ان کے تناسب سے بہت زیادہ یا تقریباً دو گنی نمائندگی حاصل ہے اور ان کی تعداد عدلیہ کے تمام ملازمین کی تقریباً آدھی ہے۔ عدلیہ کے اعلیٰ عہدوں میں مثلاً سیشن جج وغیرہ میں مسلمانوں کی نمائندگی برائے نام ہے (ضمیمہ جدول 9.10)۔

مختلف ریاستی محکموں میں جن سے متعلق اعداد و شمار فراہم کئے گئے مسلم نمائندگی کی صورت حال میں بہتری لانے کی ضرورت ہے۔ یہاں مختلف سرکاری محکموں میں آبادی کے تناسب کے مطابق نمائندگی تجویز نہیں

مسلمانوں/اقلیتوں کی اقتصادی
بے حفاظتی اور مخصوص سماجی و ثقافتی
ضرورتوں کے پیش نظر ان کیلئے
مخصوص پروگراموں کی ضرورت

کی جارہی ہے مگر خاص طور پر ان سرکاری محکموں میں مسلمانوں کی خاصی موجودگی کو یقینی بنایا جانا ضروری ہے جہاں روزانہ عوامی رابطے کا موقع ملتا ہے یا حساس نوعیت کی خدمات انجام دی جاتی ہیں۔ ان محکموں میں امور داخلہ (بطور خاص پولیس) صحت اور تعلیم کے محکمے شامل ہیں۔

ریاستی سطح پر حالیہ تقرر

کمیٹی نے اتر پردیش، آسام، گجرات، کرناٹک، اتر اچل، دہلی، راجستھان، اڑیسہ اور ہماچل پردیش کے پبلک سروس کمیشن کے ذریعہ گزشتہ پانچ سال کے دوران کئے گئے تقررات سے متعلق اعداد و شمار حاصل کئے ہیں۔

جدول 9.7 میں پیش کردہ اعداد و شمار سے واضح ہوتا ہے کہ گروپ ڈی کے سوا تمام ملازمتوں میں عام ہندوؤں کی نمائندگی آبادی میں ان کے

تناسب سے بہت زیادہ ہے۔ ہندو اوبی سی کا حصہ چلی سطح کی ملازمتوں میں، آبادی میں ان کے تناسب کے خاصا قریب مگر اعلیٰ عہدوں کی ملازمتوں میں آبادی میں ان کے تناسب سے تقریباً 8 فی صد کم ہے۔ مسلمانوں اور ایس سی/ ایس ٹی کی نمائندگی آبادی میں ان کے تناسب سے بہت کم ہے مگر انہیں گروپ سی اور گروپ ڈی کی ملازمتوں کے مقابلے میں جن سے ملازمین کی بڑی تعداد کا تعلق ہے اعلیٰ سطحوں پر نسبتاً زیادہ نمائندگی حاصل ہے۔ ریاستی پبلک سروس کمیشنوں کے تمام تقررات میں مسلمانوں کا حصہ تقریباً 2.1 فی صد ہے جب کہ ان ریاستوں میں جنہوں نے کمیٹی کو اعداد و شمار فراہم کئے، آبادی میں مسلمانوں کا تناسب 12.4 فی صد ہے۔

عدلیہ میں مسلمانوں کی موجودگی اور ان کی شرکت تشویش کا براسبب رہی ہے

کمیٹی کو اتر پردیش، آسام، راجستھان، اڑیسہ اور ہماچل پردیش کے انٹرویو کے لئے بلائے گئے امیدواروں سے متعلق مکمل اعداد و شمار موصول ہوئے۔ ان کے تجزیے سے ظاہر ہوتا ہے کہ انٹرویو کے لئے بلائے گئے تمام فرقوں اور طبقوں سے متعلق امیدواروں میں بھی عام ہندوؤں کی تعداد غالب ہے اور ان کا حصہ آبادی میں ان کے تناسب سے خاصا زیادہ ہے (جدول 9.8)۔ یہ دیکھا گیا کہ جہاں تک گروپ اے کے عہدوں کا تعلق ہے انٹرویو دینے والوں کی تعداد میں مسلمانوں کا حصہ آبادی میں ان کے تناسب سے خاصا قریب ہے۔ گروپ ڈی کی جگہوں کے لئے انٹرویو کے مقصد سے بلائے گئے امیدواروں میں مسلمانوں کا حصہ خاصا زیادہ تقریباً 18 فی صد تھا، مگر ان ریاستوں میں کامیاب ہونے والے امیدواروں میں مسلمانوں کی تعداد صرف 1.1 فی صد تھی جن کے انٹرویو کے لئے بلائے گئے اور منتخب امیدواروں سے متعلق معلومات کمیٹی کو فراہم کی گئی تھی۔ اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ ایس سی/ ایس ٹی زیادہ تر چلی سطح کی ملازمتوں کے لئے کوشش کرتے ہیں جب کہ گروپ ڈی کی جگہوں کے لئے بلائے جانے والوں میں اوبی سی کا برابر کا حصہ ہوتا ہے۔ باقی تمام جگہوں پر ان کا تناسب کم ہے۔

ریاستی سرکاری زمرے کے ادارے

ریاستی پبلک سروس کمیشنوں کے ذریعے کئے گئے حالیہ تقررات میں مسلمانوں کا حصہ صرف تقریباً 2.1 فی صد ہے

کمیٹی کو 10 ریاستوں کے ریاستی سرکاری زمرے کے اداروں سے متعلق 7.6 لاکھ ملازمین کے اعداد و شمار موصول ہوئے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان ملازمین مسلمانوں کا حصہ 10.7 فی صد ہے جو اچھا خاصا ہے مگر آبادی میں ان کے 14.8 فی صد تناسب سے پھر بھی کم ہے۔ مجموعی طور پر یہ اعداد و شمار سرکاری زمرے کے اداروں کی ملازمتوں میں تقریباً 28 فی صد کا خسارہ ظاہر کرتے ہیں۔ گجرات اور آندھرا پردیش جیسی ریاستوں میں مسلمانوں کی نمائندگی نسبتاً بہتر ہے، جہاں ان کا حصہ آبادی میں ان کے بالترتیب 9.1 فی صد اور 9.2 فی صد تناسب سے زیادہ ہے۔ مسلمانوں کی سب سے زیادہ نمائندگی گجرات میں ہے جو تقریباً 16 فی صد ہے اور اس کے بعد آندھرا پردیش میں جہاں یہ تناسب 12 فی صد ہے۔ کیرل میں مسلمانوں کا حصہ 10.8 ہے مگر آبادی میں ان کے تناسب سے پھر بھی کم ہے۔ تاہم گجرات اور کیرل، دونوں ریاستوں کے سرکاری زمرے کے اداروں میں پیشتر مسلمان اعلیٰ جگہوں کے مقابلے میں چلی جگہوں پر نظر آتے ہیں (ضمیمہ جدول 9.11)

3 پروگرام

جیسا کہ آٹھویں باب میں ذکر کیا گیا شہری علاقوں میں تقریباً 38 فی صد اور دیہی علاقوں میں تقریباً 27 فی صد مسلمان خط افلاس سے نیچے زندگی بسر کرتے ہیں۔ بہت سے اور مسلمان غریبی کی سطح سے بہت قریب ہیں۔ اس سے ان کنہوں کی قرضے حاصل کرنے کی اہلیت کم ہو جاتی ہے اور بینکوں اور مالیاتی اداروں سے قرضہ حاصل کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ مسلم فرقے کی اس حالت کے پیش نظر، مسلمانوں میں غریب لوگوں، بطور

3 مثلاً ماتحت عدلیہ کے تقرر کے لئے ریاستی پبلک سروس کمیشن پہلے ایک تحریری امتحان کراتا ہے۔ اس میں ہر شخص مقررہ اہلیت کے مطابق حصہ لے سکتا ہے۔ اس کے لئے مطلوب اہلیت قانون کی ڈگری ہے۔ اس امتحان میں کامیاب ہونے والوں کو انٹرویو کے لئے بلا یا جاتا ہے۔ انٹرویو کے لئے بلائے جانے والوں کی تعداد بھری جانے والی جگہوں پر منحصر ہوتی ہے۔ سلیکشن ایک ہائی کورٹ جج کی زیر صدارت سلیکشن کمیٹی کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ اس کمیٹی میں ریاستی پبلک سروس کمیشن کا ایک نمائندہ بھی شامل ہوتا ہے۔ اس امتحان کے لئے صرف ایس سی/ ایس ٹی سے متعلق کوٹا ہے۔ دیگر تمام فرقوں اور طبقوں کے لئے سلیکشن، امتحان میں حاصل ہونے والے مطلوبہ نمبروں اور انٹرویو میں کارکردگی کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد خالی جگہوں کی تعداد کے مطابق امیدواروں کو انٹرویو کے لئے بلا یا جاتا ہے اور سلیکشن کیا جاتا ہے۔ امتحان کے نتائج دئے تک امیدوار کی شناخت مخفی رکھی جاتی ہے۔ لہذا آبادی انظر میں کسی فرقے کے خلاف تعصب خارج از امکان ہے۔

Table 9.7: Share of Muslims Recruited through State Public Service Commissions during the last 5 years. (Recommended/selected for recruitment*: 63,402)

| Category | All | Hindus | | | | Muslims | Other Minorities |
|------------------|------|------------|---------|------|--------------|------------|------------------|
| | | All Hindus | SCs/STs | OBCs | Upper Castes | | |
| Higher Positions | 25.4 | 88.8 | 20.9 | 22.7 | 45.3 | 3.2 (20.7) | 8.0 |
| Lower Positions | 74.6 | 98.0 | 35.2 | 29.0 | 33.9 | 1.6 (10.4) | 0.3 |
| Group 'A' | 5.8 | 82.2 | 19.3 | 23.7 | 39.2 | 7.5 (48.6) | 10.3 |
| Group 'B' # | 12.4 | 86.4 | 19.8 | 21.2 | 45.3 | 2.2 (14.3) | 11.5 |
| Group 'C' | 21.1 | 95.8 | 12.6 | 20.8 | 62.4 | 3.0 (19.4) | 1.2 |
| Group 'D' | 53.4 | 98.9 | 44.1 | 32.2 | 22.6 | 1.1 (7.1) | 0.0 |

خاص خواتین اور بچوں کی زندگی کے حالات سدھارنے کے لئے حکومت کے پروگراموں کے تحت امداد کی بڑی اہمیت ہے۔ کمزور اور غیر محفوظ طبقوں کو اقتصادی ترقی اور سماجی تحفظ کے فوائد پہنچانے کے لئے بہت سے پروگرام جاری کئے گئے ہیں۔ مثلاً تعلیم اور صحت کے علاوہ زراعت، آب پاشی اور تقسیم اراضی کے ذریعے دیہی آمدنیوں میں بہتری لانے کے پروگرام موجود ہیں۔ اسی طرح عوامی تقسیم کے نظام، انگریجڈ چائلڈ ڈیوے پلینٹ اسکیم (آئی سی ڈی ایس) اور ڈیڈ ویل اسکیم بھی غریبوں کی مدد کے لئے ہے۔ لڑکیوں سے متعلق وظائف، سماجی تحفظ یا پنشن وغیرہ کے اقدامات بھی کئے گئے ہیں۔ ان میں سے بیشتر پروگراموں کا مقصد غریبوں کی مدد کرنا ہے مگر ان کے تحت اکثر مخصوص پیشوں، علاقوں اور اثاثہ پیدا کرنے پر زور دیا جاتا ہے۔ مزید یہ کہ مسلمانوں/ اقلیتوں کی اقتصادی بے تحاشی اور مخصوص سماجی و ثقافتی ضرورتوں کے پیش نظر، کئی مخصوص پروگرام بھی جاری کئے گئے ہیں۔ مثلاً مسلمانوں/ اقلیتوں اور او بی سی کی ضرورتوں کی تکمیل کرنے کے لئے مانٹارینی ڈیوے پلینٹ اینڈ ٹیکنالس کارپوریشن (این ایم ڈی ایف سی) اور نیشنل بیک ورڈ کلاسز فائنانس اینڈ ڈیوے پلینٹ کارپوریشن (این بی سی ایف ڈی سی) جیسے

Table 9.8: Share of Muslims Interviewed in State Public Service Commissions* (Candidates called for interview: 40,085)

| Category | All | Hindus | | | | Muslims | Other Minorities |
|------------------|------|------------|---------|------|---------|--------------|------------------|
| | | All Hindus | SCs/STs | OBCs | General | | |
| Higher Positions | 79.1 | 87.2 | 22.3 | 21.0 | 43.9 | 7.3 (46.9) | 5.5 |
| Lower Positions | 20.9 | 87.4 | 40.1 | 20.5 | 26.7 | 3.3 (21.2) | 9.4 |
| Group 'A' | 35.8 | 80.5 | 18.3 | 17.5 | 44.7 | 13.4 (86.1) | 6.1 |
| Group 'B' # | 19.0 | 84.8 | 30.5 | 23.2 | 31.1 | 3.7 (23.8) | 11.5 |
| Group 'C' | 19.9 | 87.8 | 41.4 | 20.0 | 26.4 | 2.5 (16.1) | 9.7 |
| Group 'D' | 1.0 | 79.4 | 14.6 | 31.7 | 33.2 | 17.8 (114.4) | 2.8 |

*Includes UP, Assam, Rajasthan, Orissa, HP
States not included: Uttaranchal, Delhi, Maharashtra and Gujarat (as data not provided). West Bengal not included as Hindus data is not provided. due to lack of data, is not in our format.
Figures in parentheses are ratios of Muslim share to their population share in per cent terms.

ادارے قائم کئے گئے ہیں۔ یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ مسلمانوں کو ان پروگراموں اور خصوصی اداروں کا فائدہ پہنچ رہا ہے یا نہیں۔

3.2 مخصوص استفادہ کاروں پر مبنی پروگرام

مرکز کی جانب سے چلائی جانے والی اسکیموں کی تعداد تقریباً دو سو ہے جن میں سے بعض اسکیمیں ریاستی سطح پر اتنی کارگر نہیں ہیں اور بعض اسکیموں کو کئی ریاستوں میں بروئے کار نہیں لایا گیا ہے پھر یہ کہ کئی اسکیمیں انفرادی استفادہ کاروں پر خصوصی توجہ نہیں دیتیں۔ بعض دیگر اسکیمیں بنیادی ڈھانچے پر مرکوز ہیں اور علاقے کے تمام باشندوں کا احاطہ کرتی ہیں۔ ایسے میں صرف چند اسکیمیں رہ جاتی ہیں جنہیں استفادہ کاروں پر توجہ دینے والی اسکیموں میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ اس سلسلے میں اعداد و شمار حاصل کرنے میں دشواری کے پیش نظر کمیٹی نے چند خاص حکموں سے متعلق غریب ترین طبقوں کو براہ راست اور بھاری فوائد پہنچانے والی چند اسکیموں کو، مسلمانوں پر ان کے اثرات کا تجزیہ کرنے کے لئے منتخب کیا۔ یہ انتخاب ریاستی حکموں کی کمیونٹی میں محفوظ معلومات فراہم کرنے کی صلاحیت کی بنیاد پر کیا گیا۔ کمیٹی کو معلوم تھا کہ حکام از روئے قانون مذہب کے لحاظ سے اعداد و شمار مرتب کرنے کے پابند نہیں ہیں اور یہ کہ حکموں کو یہ معلومات استفادہ کاروں کے ناموں کے ذریعے حاصل کرنی ہوتی ہے۔ اسکیموں کا تجزیہ کرنے کے لئے اعداد و شمار متعلقہ ریاستی حکومتوں سے حاصل کئے گئے۔ ہر اسکیم کے تمام تر فوائد کی معلومات ریاستی سالانہ منصوبوں اور بجٹوں کے ذریعے بہ آسانی حاصل کی جاسکتی ہے۔ مگر مذہب پر مبنی اعداد و شمار مرتب نہیں کئے جاتے۔ لہذا ریاستی حکومتوں سے کہا گیا کہ وہ اسکیموں کو بروئے کار لانے والی ایجنسیوں اور حکموں کے ذریعے ضلع سطح پر تیار کئے جانے والے ریکارڈوں میں سے یہ معلومات حاصل کریں۔ بعض ریاستوں نے تقریباً 20 فی صد استفادہ کاروں کے نمائندہ نمونوں کی بنیاد پر تخمینے تیار کئے اور ان کے ذریعے اسکیموں کے استفادہ کاروں میں مسلمانوں کا تناسب معلوم کیا۔ 4

ریاستی سطح پر صورت حال

کمیٹی نے ریاستوں سے 2002-03، 2004-05 اور 2005-06 کے چار برسوں سے متعلق اعداد و شمار فراہم کرنے کی درخواست کی۔ کئی ریاستوں نے پہلے تین برسوں کے، چند ریاستوں نے چار برسوں اور بعض ریاستوں نے دو برسوں سے متعلق اعداد و شمار فراہم کئے۔ ریاستوں کے درمیان تقابلی تجزیہ کرنے کے لئے، ان اعداد و شمار کو سالانہ اوسط اعداد و شمار میں تبدیل کیا گیا۔ پھر اس معلومات میں پیش آنے والی خامیوں کی جانچ کی گئی اور کمیٹی نے قومی اور ریاستی حکومتوں کے سالانہ منصوبوں اور رپورٹوں جیسے بنیادی ذرائع سے ان اعداد و شمار کی تصدیق کی بھی۔ ان تمام کوششوں کے باوجود یہ اعداد و شمار کچھ حد تک ناکافی رہے۔ 5 متعلقہ اسکیموں اور ریاستوں کے ذریعے فراہم کردہ اعداد و شمار کو ضمیمہ جدول 9.12 میں پیش کیا گیا ہے۔

تجزیے کے چند اہم نتائج مندرجہ ذیل ہیں:

- ☆ کیرل میں غریبوں (خط افلاس سے نیچے) کی مجموعی تعداد میں مسلمانوں کا تناسب 30.7 فی صد ہے مگر حکومت کی مختلف اسکیموں میں ان کا حصہ 5 فی صد سے 18 فی صد کے درمیان ہے۔ اس میں کوآپریٹو کریڈٹ (25 فی صد)، نیشنل ٹیو بریکولوس کنٹرول پروگرام (28 فی صد) اور نیشنل پروگرام فار کنٹرول آف بلاسٹڈ بنس (21 فی صد) جیسے پروگرام شامل نہیں ہیں۔ دیہی ترقیات اور ہاؤسنگ کے حکموں کے زیر اہتمام اسکیموں میں مسلمانوں کا حصہ 12 فی صد سے کم ہے۔
- ☆ اتر پردیش میں بھی جہاں غریبوں میں مسلمانوں کا تناسب تقریباً 23.6 فی صد ہے۔ ان کا حصہ اطمینان بخش نہیں ہے۔ سورن جینٹی شہری روزگار یوجنا (ایس جے ایس آروائی) جیسے پروگراموں اور چھوٹی صنعتوں کو چھوڑ کر جن میں مسلمانوں کا حصہ 16 فی صد سے زیادہ ہے۔ بقیہ پروگراموں میں مسلمانوں کا حصہ 3 فی صد سے 14 فی صد ہے۔ زراعت اور کوآپریٹو حکموں کے ذریعے چلائی جانے والی اسکیموں میں مسلمانوں کا حصہ 10 فی صد سے زیادہ ہے۔
- ☆ کرناٹک میں، غریبوں کی تعداد میں پانچواں حصہ مسلمانوں کا ہے۔ ایس جے ایس آروائی (15 فی صد زیادہ) اور چھوٹی صنعتوں

ان ریاستوں میں جنہوں نے کمیٹی کو اعداد و شمار فراہم کئے پروگراموں سے مسلمانوں کے استفادے کی صورتحال مجموعی لحاظ سے اطمینان بخش ہے

(11 فی صد) میں مسلمانوں کا حصہ اطمینان بخش ہے۔ مگر بقیہ اسکیموں میں مسلمانوں کا مناسب انداز سے احاطہ نہیں کیا گیا ہے۔
یشوینی جیسے کامیاب پروگرام میں بھی مسلمانوں کا حصہ ناکافی ہے۔ (دیکھئے باکس 9.1)

Box 9.1: Yeshasvini - A Farmer's Health Insurance Scheme in Karnataka

On 14th November 2002 Karnataka launched "Yeshasvini Co-operative Farmers Health Care Scheme (Yeshasvini)". This is the World's largest scheme of Self Funded Healthcare recorded to date, offering low priced health care for a wide surgical cover, (covering over 1600 defined surgical procedures) to the registered co-operative farmer and his dependent family members.

Yeshasvini is a contributory scheme where the beneficiaries contribute a small amount of money every year (Rs. 10 per month for the adult member and Rs. 5 per month for children) to avail required surgery during the period. The beneficiaries are offered cashless treatment in the network of over 135 hospitals spread across the State of Karnataka. The scheme is open to all co-operative society members who have a minimum of 6 month membership in the co-operative society. The ages of the insured are from newborn to 75. The plan is open to all members on a voluntary basis; dependents (spouse and children) are also enrolled voluntarily by the member.

The scheme operates under the aegis of the Karnataka State Co-operative Department and "Family Health Plan Limited", an Insurance Regulatory and Development Authority of the Government of India. An approved Third Party Administrator has been appointed as the implementation agency for the scheme.

Till the end of March 2006, 17.01 lakh persons have benefitted from the Yeshasvini Health Care scheme implemented in Karnataka. Unfortunately, the number of Muslims who have availed the benefit is 0.17 lakh persons or only 1%.

☆ مہاراشٹر میں جہاں غریبوں میں مسلمانوں کی تعداد 16.4 فی صد ہے۔ ایس جے ایس آروائی، این ایس اے پی اور پیٹرنلوم و ٹیکنیکل محکموں کی اسکیموں میں مسلمانوں کا حصہ مناسب ہے۔ تاہم بقیہ اسکیموں کے تحت مسلمانوں پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے کیوں کہ ان اسکیموں میں ان کا حصہ 8 فیصد یا اس سے کم ہے۔

☆ گجرات میں غریبوں کی تعداد میں مسلمانوں کا تناسب تقریباً 9.7 فی صد ہے۔ مگر بیشتر اسکیموں میں مسلمانوں کا حصہ اس عدد سے نیچے ہے۔ ان کا حصہ صرف ایس جے ایس آروائی اور این ایس اے پی اسکیموں میں اطمینان بخش ہے۔

☆ تمل ناڈو میں غریب لوگوں کی تعداد میں مسلمانوں کا تناسب تقریباً 4.1 فی صد ہے مگر صرف کوآپریٹو اور صحت کے محکموں کی اسکیموں میں ہی ان کا حصہ اطمینان بخش ہے۔ ان ریاستوں میں جنہوں نے کمیٹی کو اعداد و شمار فراہم کئے اسکیموں میں مسلمانوں کی شرکت غیر اطمینان بخش ہے۔ نرسوں میں مسلمانوں کی نمائندگی تقریباً نہ ہونا قابل توجہ ہے۔ صرف ایس جے ایس آروائی، کوآپریٹو کرڈٹ اور این ایس اے پی جیسی اسکیموں کے تحت مسلمانوں کا مناسب احاطہ کیا گیا ہے۔ یہ بات بھی دلچسپ ہے کہ عام تصور کے برعکس، خاندانی منصوبہ بندی کے پروگراموں میں مسلمانوں کی شرکت حوصلہ افزا رہی ہے۔

☆ کمیٹی کے اراکین نے اس سرگرمی میں تعاون دیتے ہوئے معلومات حاصل کرنے کی غرض سے بار بار ریاستوں کے دورے کئے اور حکومت کے چیف سکریٹری اور متعلقہ پبلسکریٹریوں/سکریٹریوں سے کئی کئی ملاقاتیں کیں۔ کمیٹی معلومات فراہم کرنے والی ریاستوں کی کوششوں کو بددیہتین پیش کرتی ہے۔

بچوں کا فروغ اور تغذیے کے پروگرام

ملکوں اور کسی ملک کے مختلف علاقوں اور آبادی کے طبقوں کے درمیان ترقی کی سطحوں کا تقابل کرنے کے بہترین طریقوں میں سے ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ بچوں کی حالت کا جائزہ لیا جائے۔ تعلیم کے علاوہ نوزائیدوں اور بچوں کی شرح اموات کم کرنے اور بچوں کے تغذیے میں بہتری لانے میں کی جانے والی سرمایہ کاری ایک دہائی یا اس سے زیادہ عرصے بعد سامنے آنے والے کارکنوں کے معیار کو متاثر کرتی ہے۔ انسانی ترقی کے اس پہلو کو سمجھنے کے لئے پیدائش سے 16 سال کی عمر تک کے بچوں کی صحت/تغذیے کی ضرورتوں پر توجہ دینے والے تین کلیدی پروگراموں کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

زچگی اور صحت خدمات کی سہولتیں 1999-2000

دوران حمل، نوزائیدوں اور بچوں کی موت کی شرح میں کمی لانا حکومت کے مقاصد میں شامل ہے۔ اس کے لئے حکومت نے مقامی سطحوں پر غیر مرکز صحت سہولتیں اور صحت کارکن (آگزیٹری نرس، ڈوائف، اے این ایم وغیرہ) فراہم کئے ہیں۔ ان سہولتوں اور کارکنوں سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ زچگی سے قبل اور بعد کی دیکھ بھال سمیت ماں اور بچے کی صحت کا خیال رکھیں۔ ان بڑے اور وسیع پروگراموں کے تعین قدر سے خاصا مشکل کام ہے۔ تاہم یہ کام جزوی طور پر ضرور کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً زچگی کے محفوظ حالات کے بارے میں زچگی کے مقام سے متعلق معلومات کے تجربے کے ذریعے اندازہ قائم کیا جاسکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ معلوم ہونے سے کہ زچگی کسی تکنیکی طور پر تربیت یافتہ کارکن کی موجودگی اور/یا اس کی مدد سے ہوئی یا نہیں ان خدمات کی رسائی کے بارے میں مزید معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔ اس سلسلے میں این ایف ایچ ایس 2 اعداد و شمار کی تخفیف شہری اور دیہی دونوں علاقوں کے بارے میں پیش کی جا رہی ہے۔

یہ قرین قیاس ہے کہ لوگ کسی ڈسپینسری یا اسپتال میں زچگی کو ترجیح دیتے ہیں جہاں تربیت یافتہ طبی اور نرسنگ عملے کی خدمات مہیا ہوتی ہیں۔ پھر بھی بہت سے لوگ فاصلے یا اخراجات کے سبب ان اداروں میں زچگی کرانے کے متحمل نہیں ہو پاتے۔ اعداد و شمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ زچگی کے مقامات کے لحاظ سے شہری اور دیہی علاقوں میں بڑا فرق پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر شہری علاقوں میں زچگی زیادہ تر صحت مراکز میں کرائی جاتی ہے۔ اور وہ بھی نجی۔ دیہی علاقوں میں زچگیاں عام طور پر گھروں میں اور تربیت یافتہ کارکنوں کی مدد کے بغیر ہوتی ہیں (شکل 9.5)۔

شہری اور دیہی علاقوں کے درمیان اس عمومی فرق کے ضمن میں، مسلمانوں کی صورت حال مختلف فرقوں کے درمیان بدترین نظر آتی ہے۔ ان کے علاوہ صرف ایس سی/ایس ٹی طبقے ایسے ہیں جو انہی حالات سے دوچار ہیں۔ شہری علاقوں میں مسلمانوں میں تقریباً 60 فی صد زچگیاں صحت مراکز، خاص کر نجی اداروں میں ہوتی ہیں۔ دوسری جانب عام ہندو اور ہندو اوبی سی ادارہ جاتی خدمات کا بڑے پیمانے پر استعمال کرتے ہیں۔ ان میں سرکاری اور نجی اداروں کا استعمال بھی مسلمانوں اور ایس سی/ایس ٹی سے زیادہ ہے۔

دیہی علاقوں میں تقریباً تین چوتھائی زچگیاں گھروں میں ہوتی ہیں۔ ان میں سے تقریباً 80 فی صد میں کسی تربیت یافتہ کارکن کی مدد شامل نہیں ہوتی۔ تقریباً پانچ دہائیوں سے جاری توسیعی پروگرام سے توقع تھی کہ اس کے تحت دیہی علاقوں میں زچگی کے دوران تربیت یافتہ کارکنوں کی موجودگی میں بہتری آئے گی مگر یہ پروگرام غیر موثر نظر آتا ہے کیوں کہ سب سے کم زچگیوں کے دوران تربیت یافتہ کارکنوں کی موجودگی ممکن ہوتی ہے۔ شہری علاقوں میں مسلمانوں میں زچگی کے حالات اور بھی ابتر ہیں۔ درحقیقت مسلمانوں میں کسی تربیت یافتہ کارکن کی

شہری علاقوں میں مسلمانوں میں تقریباً 60 فی صد زچگیاں اداروں، خاص طور پر نجی اداروں میں ہوتی ہیں، یہ تعداد ایس سی/ایس ٹی کے سوا باقی تمام فرقوں سے کم ہے

5 کئی کو اس بات پر افسوس ہے کہ بعض ریاستوں نے اطمینان بخش جواب نہیں دیا۔ مغربی بنگال، آسام، آندھرا پردیش اور بہار نے مکمل معلومات فراہم کرنے کے وعدوں کے باوجود بہت محدود معلومات فراہم کی۔ یہ طرز عمل کئی کے بعض اراکین کے ذریعے ان ریاستوں کے دوسرے دورے کے باوجود تھا۔ اس کے علاوہ جموں و کشمیر، راجستھان، مدھیہ پردیش، ہریانہ، اڑیسہ، جہاں چل پردیش، چھتیس گڑھ اور پنجاب نے استفادوں سے مخصوص پروگراموں کے بارے میں کوئی معلومات فراہم نہیں کی۔

مدد کے بغیر ہونے والی زچکیوں کی تعداد ایس سی / ایس ٹی اور دیگر فرقوں سے بھی کم ہے۔ زچگی کے لئے صحت اداروں کے کم استعمال کے باوجود، دیہی علاقوں میں بھی، اوبی سی اور عام ہندوؤں میں ادارہ جاتی زچکیوں کی تعداد زیادہ ہے۔

اٹلیگ ریڈ چائلڈ یو پلینٹ سرویسز (آئی سی ڈی ایس) 2004-05

نوزائیدہ بچوں کے لئے شروع سے ہی اچھا تغذیہ اہم ہوتا ہے۔ آئی سی ڈی ایس ایک جامع پروگرام ہے جس کے تحت 0-6 سال کے بچوں (قبل از اسکول) بطور خاص دیہی علاقوں اور غریب تر فرقوں کے بچوں کے تغذیے کے حالات پر توجہ دی جاتی ہے۔ 6 اس پروگرام کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ طرز عمل کی تبدیلی اور دوسرا حصہ روزانہ تغذیے میں مدد دینے سے متعلق ہے۔ ایک حالیہ کل ہند جائزے کے تحت ریاستوں سے مخصوص آئی سی ڈی ایس اور ملک بھر میں حکومت کے ذریعے فراہم کردہ مڈ ڈے میل کے بارے میں اعداد و شمار فراہم کئے گئے ہیں۔ اسی طرح ایک اور جائزے سے 'جائے پیدائش' سے متعلق اہم صحت خدمات اور زچگی کے وقت موجود پیشہ ورانہ امداد کے بارے میں اعداد و شمار فراہم ہوئے ہیں۔

این ایس ایس او کے 61 ویں دور کے اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ آئی سی ڈی ایس کے تحت سارے ملک میں 0-6 سال کے صرف تقریباً 11 فی صد بچوں کا احاطہ کیا جاتا ہے۔ (جدول 9.9)۔ آئی سی ڈی ایس کی کارکردگی کیرل، مہاراشٹر، گجرات اور مغربی بنگال میں بہتر اور اتر پردیش، بہار، جھارکھنڈ، اتر اچل اور راجستھان میں بہت اتر نظر آتی ہے جہاں اس کے دائرے میں 3 فی صد سے بھی کم آبادی شامل ہے۔

آئی سی ڈی ایس پروگرام نا کام معلوم ہوتا ہے کیوں کہ اس سے کسی بھی فرقے کو مطلوبہ فائدہ نہیں پہنچا ہے۔ اس کے تحت مسلمانوں کا احاطہ بھی ناکافی رہا ہے

مختلف فرقوں کے لحاظ سے آئی سی ڈی ایس کے استعمال کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کل ہند سطح پر اوبی سی کو اس معاملے میں سہت حاصل ہے کہ ان کے تقریباً 13 فی صد مستحق بچے اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں جب کہ اس سلسلے میں ایس سی / ایس ٹی، عام ہندوؤں اور مسلمانوں سے متعلق تعداد بالترتیب 10 فی صد، 10 فی صد اور 8 فی صد ہے۔ کیرل میں آئی سی ڈی ایس کے استعمال کے معاملے میں مختلف فرقوں کے درمیان خاص فرق پایا جاتا ہے۔ یہاں 31 فی صد اوبی سی بچے ان خدمات سے مستفید ہوتے ہیں جب کہ اس سلسلے میں ایس سی / ایس ٹی کے لئے یہ تعداد 27 فی صد، عام ہندوؤں کے لئے 22 فی صد اور مسلمانوں کے لئے 9 فی صد سے ذرا زیادہ ہے۔ آئی سی ڈی ایس خدمات مغربی بنگال میں بھی مساوی طور پر فراہم نہیں کی جا رہی ہیں جہاں عام ہندوؤں سے سب سے زیادہ مستفید ہوئے ہیں اور ان کے بعد اوبی سی (19 فی صد)، ایس سی / ایس ٹی (16 فی صد) اور مسلمان (14 فی صد) آتے ہیں۔ گجرات، اتر اچل اور مدھیہ پردیش میں مسلمان ان خدمات سے نسبتاً زیادہ مستفید ہوتے ہیں۔

مجموعی لحاظ سے آئی سی ڈی ایس پروگرام نا کام نظر آتا ہے کیوں کہ اس سے کسی بھی فرقے اور طبقے کو ٹھیک سے فائدہ نہیں پہنچا ہے۔ اس کے تحت بیشتر ریاستوں میں مسلمانوں کا احاطہ بہت کم کیا گیا ہے۔

مڈ ڈے میل (ایم ڈی ایم) کے استفادہ کار (16-6 سال کے بچے) 2004-05

مڈ ڈے میل پروگرام کو شروع ہونے ایک دہائی سے بھی کم عرصہ ہوا ہے۔ اسے سارے ملک میں نافذ کیا گیا ہے۔ تعلیم کا تقریباً ایک تہائی بچہ اس پروگرام کے لئے وقف ہے۔ اس کا ایک خاص مقصد اسکول میں بچوں کے داخلے اور برقراری کو یقینی بنانا ہے۔ اسکول میں موجود تمام بچوں کے لئے دن میں کھانے کا انتظام ایک نہایت فلاحی نوعیت کا اقدام ہے مگر اس میں ایک

6 آئی سی ڈی ایس صرف غریبوں یا کسی خاص فرقے سے مخصوص نہیں ہے۔ حالانکہ مڈ ڈے میل کارڈ ایس سی / ایس ٹی کی جانب رہتا ہے۔

خاص قسم کا من مانا پن ہے جس سے وہ فرقے متاثر ہوتے ہیں جن میں اسکول میں داخل اور برقرار رہنے والے بچوں کی تعداد کم ہے۔ پھر یہ کہ بعض فرقوں کے بچے سرکاری یا حکومت کے امداد یافتہ اسکولوں میں نہیں جاتے اس لئے تو وہ اس کا فائدہ بھی نہیں اٹھا سکتے۔ لہذا اس کے تحت احاطہ کئے جانے کے معاملے کو زیادہ دھیان دے کر سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اس پروگرام کے بہترین نتائج بھی حاصل کئے جاسکتے ہیں جب اسے اسکول میں داخلے اور برقراری کی حوصلہ افزائی کے ساتھ عمل میں لایا جائے۔

اس پروگرام سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد تقریباً 27 فی صد ہے۔ ایس سی/ ایس ٹی کے لئے یہ تعداد ذرا زیادہ 35 فی صد، او بی سی کے لئے 28 فی صد، مسلمانوں کے لئے 23 فی صد اور عام ہندوؤں کے لئے 19 فی صد ہے۔ ریاست وار تجزیے سے ظاہر ہوتا ہے (جدول 9.10) کہ ایم ڈی ایم کا پھیلاؤ تمل ناڈو، کرناٹک، کیرل اور مغربی بنگال میں نسبتاً زیادہ ہے، جہاں اس کا فی صد تناسب بالترتیب 54 فی صد، 46 فی صد، 35 فی صد اور 32 فی صد ہے۔ تمل ناڈو کے سوا ان ریاستوں میں جہاں اسکول جانے والے مسلم بچوں کی تعداد بھی خاصی بڑی ہے، مسلمانوں کا اس پروگرام کے تحت احاطہ کئے جانے کی صورت حال دیگر فرقوں جیسی ہی ہے۔

اقلیتوں کی بہبود سے متعلق اسکیمیں

مرکزی حکومت نے اقلیتوں کی بہبود کے لئے بہت سے اسکیمیں جاری کی ہیں۔ یہاں ان اقدامات کی رسائی اور کارگر ہونے پر گفتگو کی جا رہی ہے۔

مولانا آزاد ایجوکیشن فاؤنڈیشن

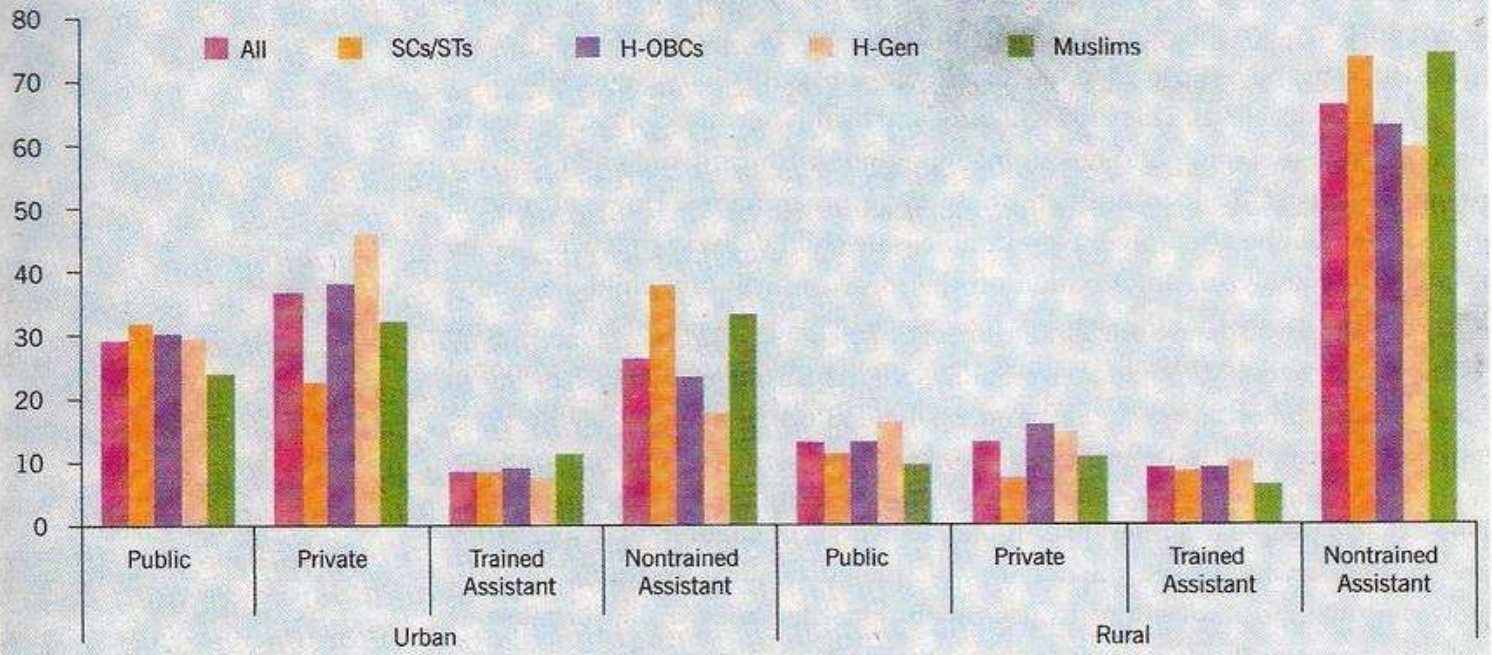
مولانا آزاد ایجوکیشن فاؤنڈیشن 1989 میں سماج کے تعلیمی طور پر پسماندہ طبقوں، خاص طور پر اقلیتوں کے کمزور طبقوں میں تعلیم کو فروغ دینے کے لئے قائم کی گئی تھی۔ فاؤنڈیشن غیر حکومتی تنظیموں (این جی او) کو اسکول قائم کرنے اور ان کی توسیع کرنے، سائنسی آلات خریدنے، لڑکیوں کے ہائل تعمیر کرانے اور پیشہ ورانہ تربیت کی سہولتوں کو فروغ دینے کے لئے مالی امداد فراہم کرتی ہے۔ فاؤنڈیشن 'مولانا آزاد نیشنل اسکالرشپ اسکیم' کے توسط سے 5000 باصلاحیت لڑکیوں کو فی کس 10000 روپے کا وظیفہ بھی فراہم کرتی ہے۔ تاہم اس پروگرام کے تحت استفادہ کرنے والوں میں مسلمانوں کے خط افلاس سے نیچے والے طبقے سے متعلق صرف 0.1 فی صد مستحق لڑکیاں ہی شامل ہو پاتی ہیں۔

مولانا آزاد فاؤنڈیشن کے موثر ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس کا مستقل سرمایہ بڑھا کر 1000 کروڑ روپے کر دیا جائے

فاؤنڈیشن کو مرکزی حکومت کی جانب سے تقریباً 100 کروڑ روپے کا مستقل سرمایہ فراہم کیا گیا تھا۔ 2006-07 کے مرکزی بجٹ میں اس رقم کو بڑھا کر 200 کروڑ روپے کر دیا گیا۔ اس کا مقصد اصل رقم کو برقرار رکھنا اور اس پر ملنے والے سود کی رقم کو استعمال کرنا تھا۔ اس رقم کو فاؤنڈیشن کی ابتدا کے بعد سے تقریباً 90 کروڑ روپے کی گرانٹ منظور کرنے اور 1688 این جی او کو امداد دینے میں استعمال کیا گیا ہے۔ فاؤنڈیشن کی اسکیموں کو قبول عام حاصل ہوا ہے۔ ان کی وجہ سے موجودہ اداروں کی توسیع اور معیار کی بلندی، اور مسلمانوں اور دیگر پسماندہ اقلیتوں کی تعلیمی حالت سدھارنے کی کوششوں کو فروغ دینے کا ماحول پیدا ہوا ہے۔ تاہم سرمائے کی قلت کی وجہ سے یہ اسکیمیں پوری طرح موثر نہیں ہو سکی ہیں۔ اصل سرمائے پر سود کی رقم اتنی کم ہوتی ہے کہ فاؤنڈیشن کی اسکیمیں تعلیمی حالت پر کوئی خاص نقش قائم نہیں کر سکتیں۔ سود کی شرحوں میں گراؤٹ نے بھی اس ادارے کی مالی امداد کی صلاحیت کو محدود کر دیا ہے۔ فاؤنڈیشن نے 2002-03 سے 2005-06 کے درمیان صرف 27 کروڑ روپے کی امداد منظور کی۔ اس ادارے کے موثر ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس کا مستقل سرمایہ 1000 کروڑ روپے کر دیا جائے۔

داخلے کے امور سے قطع نظر 16-6 سال عمر کے تمام بچے اس میں شامل ہیں۔ اگر ان اسکولوں کے بچوں کو بھی شامل کر لیا جائے جن کے بارے میں مستر اعداد و شمار موجود نہیں ہیں تو فی صد کے اعداد و ہر ریاست کے لئے خاصے بڑھ جائیں گے لیکن اگر مختلف ریاستوں میں داخلے کی شرحوں میں اہم فرق آتا ہے تو بین ریاستی فرق بھی بڑھ جائے گا۔

Fig. 9.6 : Percentage Share of Deliveries in Home and Institutions



علاقہ مخصوص مرکزی اسکیم اور مدرسہ جدید کاری کا پروگرام

یہ اسکیم دسویں پانچ سالہ منصوبے کے تحت دو مرکزی اسکیموں، تعلیمی طور پر پسماندہ اقلیتوں سے متعلق علاقہ مخصوص پروگرام اور مدرسہ جدید کاری پروگرام کو ملا کر مرتب کی گئی تھی۔ اس اسکیم کے دو حصے ہیں: بنیادی ڈھانچے کا فروغ اور مدارس کی جدید کاری۔ کمیٹی کو فروغ انسانی وسائل کی وزارت (اقلیتی شعبہ) کی جانب سے فراہم کردہ اعداد و شمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس اسکیم کے تحت 4694 مدارس کو مالی امداد دی جا چکی ہے۔ اپریل 2002 سے مارچ 2006 کے چار برسوں کے دوران دی گئی مجموعی رقم صرف 106 کروڑ روپے ہے جس میں سے 79 کروڑ روپے بنیادی ڈھانچے کے فروغ اور 27 کروڑ روپے مدارس کی جدید کاری کے لئے تھے۔ اس رقم میں خاصے اضافے کی ضرورت ہے۔ مدرسہ تعلیم سے متعلق دیگر تفصیلات چوتھے باب میں شامل ہیں۔

پسماندہ طبقوں اور اقلیتوں سے متعلق ریاستی محکمے/کارپوریشن

بعض اسکیمیں صرف اقلیتوں یا پسماندہ طبقوں کے لئے مخصوص ہیں جن کو اقلیتی بہبود/پسماندہ طبقوں سے متعلق محکمے یا کارپوریشنوں کے ذریعے بروئے کار لایا جاتا ہے۔ صرف آٹھ ریاستوں مغربی بنگال، کیرل، اتر پردیش، آسام، کرناٹک، مہاراشٹر، گجرات اور اڑیسہ نے ان پروگراموں میں مسلمانوں کے حصے سے متعلق اعداد و شمار فراہم کئے۔ 2002-04 سے 2004-05 تک کے عرصے سے متعلق ان اعداد و شمار کی تفصیلات ضمیمہ جدول 9.14 میں پیش کی گئی ہیں۔

مغربی بنگال میں اقلیتوں کی بہبود کے لئے 64 کروڑ روپے خرچ کئے گئے جس سے 17618 لوگوں نے استفادہ کیا۔ ان میں بیشتر مسلمان تھے۔ کیرل میں جہاں اقلیتوں کی آبادی میں مسلمانوں کا تناسب 57 فی صد ہے، 141 کروڑ روپے کے کل اخراجات میں مسلمانوں کا حصہ صرف 22 فی صد ہے۔ 8 اتر پردیش میں کل اخراجات میں مسلمانوں کا حصہ 98 فی صد ہے۔ اتر پردیش میں یہ اخراجات اساتذہ کی

8 استفادہ کاروں کی حیثیت سے مسلمانوں کا تناسب 17 فی صد ہے۔

Table 9.9: Percentage Coverage of the ICDS for 0-6 years old Population by States and SRCs 2004-05

| Incidence | All | Hindus | | | | Muslim All | All Others |
|------------------|------|------------|---------|------|---------|------------|------------|
| | | All Hindus | SCs/STs | OBCs | General | | |
| India | 10.5 | 10.9 | 10.2 | 12.5 | 9.9 | 7.6 | 13.5 |
| West Bengal | 16.6 | 17.9 | 16.3 | 18.8 | 21.5 | 13.8 | 24.5 |
| Kerala | 20.9 | 25.2 | 26.9 | 31.2 | 22.2 | 9.4 | 29.1 |
| Uttar Pradesh | 1.9 | 2.0 | 1.5 | 2.7 | 1.6 | 1.9 | 0.0 |
| Bihar | 2.7 | 3.0 | 1.8 | 2.3 | 3.5 | 1.7 | 0.0 |
| Assam | 11.8 | 13.3 | 12.0 | 10.8 | 19.3 | 10.4 | 2.8 |
| Jammu & Kashmir | 6.6 | 1.0 | 1.3 | 0.6 | 0.9 | 10.1 | 0.0 |
| Jharkhand | 2.0 | 1.8 | 0.0 | 0.9 | 2.9 | 4.0 | 0.7 |
| Karnataka | 10.6 | 11.1 | 6.2 | 14.8 | 11.4 | 6.7 | 15.4 |
| Uttaranchal | 3.1 | 2.5 | 1.4 | 4.8 | 1.7 | 7.8 | 0.0 |
| Delhi | 0.0 | 0.0 | 0.0 | 0.0 | 0.0 | 0.0 | 0.0 |
| Maharashtra | 21.2 | 22.2 | 16.6 | 23.4 | 26.6 | 14.0 | 21.4 |
| Andhra Pradesh | 9.6 | 9.9 | 8.0 | 13.1 | 8.7 | 6.3 | 9.8 |
| Gujarat | 23.3 | 22.5 | 14.3 | 28.0 | 22.9 | 31.7 | 11.7 |
| Rajasthan | 2.4 | 2.5 | 5.6 | 2.4 | 1.6 | 2.2 | 0.2 |
| Madhya Pradesh | 5.0 | 4.8 | 2.0 | 6.1 | 4.6 | 8.1 | 0.9 |
| Haryana | 23.7 | 24.7 | 20.2 | 25.2 | 30.1 | 6.6 | 20.2 |
| Tamil Nadu | 17.6 | 18.3 | 8.0 | 22.7 | 17.1 | 15.1 | 8.8 |
| Orissa | 38.3 | 38.3 | 34.1 | 40.4 | 37.6 | 39.3 | 39.8 |
| Himachal Pradesh | 17.8 | 18.2 | 21.1 | 17.3 | 8.9 | 9.0 | 15.9 |
| Chhattisgarh | 22.5 | 22.7 | 12.1 | 25.2 | 21.4 | 2.6 | 17.0 |
| Punjab | 4.1 | 5.9 | 7.5 | 6.5 | 0.6 | 0.0 | 3.2 |
| All Other States | 20.1 | 10.5 | 4.3 | 16.8 | 9.5 | 12.4 | 32.4 |

تنخواہوں سے متعلق گرانٹ اور اقلیتوں سے متعلق محکمے کے ذریعے بڑی تعداد میں پری میٹرکولیشن طلبہ کے دئے جانے والے وظائف کے سبب بہت زیادہ ہے۔

نیشنل مائٹارٹیز ڈیولپمنٹ اینڈ فائنانس کارپوریشن

نیشنل مائٹارٹیز ڈیولپمنٹ اینڈ فائنانس کارپوریشن (این ایم ڈی ایف سی) 1994 میں اقلیتوں بشمول مسلمان، عیسائی، سکھ، بودھ اور پارسی کی اقتصادی ترقی پر خصوصی توجہ دینے کے لئے قائم کی گئی تھی۔ اس کا بنیادی مقصد اقلیتوں کے 'پسماندہ طبقوں' کی بہبود کے لئے اقتصادی اور ترقیاتی سرگرمیوں کو فروغ دینا ہے جس میں مختلف پیشہ ورانہ گروپوں اور خواتین پر خصوصی توجہ دی جائے گی۔ یہ ادارہ خط افلاس کے قریب زندگی بسر کرنے والی اقلیتوں کو خود روزگاری کے لئے رعایتی امداد فراہم کرتا ہے۔ دیہی علاقوں میں 40000 روپے اور شہری علاقوں میں 55000 روپے کی سالانہ آمدنی والے کنبے اس کی امداد پانے کے مستحق ہیں۔ 10 این ایم ڈی ایف سی کا آٹھ انڈسٹریل کمپنیز (خصوصی سرمایہ) 650 کروڑ روپے ہے جس میں 65 فی صد حصہ مرکزی حکومت کا 26 فی صد ریاستی حکومتوں/مرکزی علاقوں کی حکومتوں کا اور 9 فی

9 استفادہ کاروں کی حیثیت سے مسلمانوں کا تناسب 92 فی صد

10 یہ رقم دیہی اور شہری علاقوں سے متعلق خط افلاس کی رقم کو دوگنا کر کے حاصل کی گئی ہے

صد اقلیتوں کی اقتصادی ترقی سے متعلق تنظیموں کا ہے۔ 31 مارچ 2006 کو اس کا ادا شدہ سرمایہ 437 کروڑ روپے تھا جس میں 357 کروڑ روپے مرکزی حکومت اور 80 کروڑ روپے ریاستی حکومتوں اور مرکزی علاقوں کی حکومتوں نے فراہم کئے تھے۔ اس میں اب تک کسی اور تنظیم کی کوئی مالی امداد شامل نہیں ہے۔ مقررہ نشانے کے تحت دسویں منصوبے کے اختتام تک، این ایم ڈی ایف سی کو بتدریج 1065 کروڑ روپے تقسیم کرے گی جس سے 3.01 لوگوں کو فائدہ پہنچے گا اور مستحق لوگوں (خط افلاس سے دوگنا نیچے والے کنبے) کی 2.19 فی صد تعداد کا احاطہ کیا جائے گا۔ 11 ویں منصوبے سے متعلق یہ اعداد ہالترتیب 2658.29 کروڑ روپے، 6.30 لاکھ اور 5.53 فی صد ہیں 11

این ایم ڈی ایف سی استفادہ کاروں تک دو ذرائع سے پہنچتی ہے۔ ایک ریاستی جینڈرنگ ایجنسیوں (ایس سی اے) کے ذریعے جو ریاستی حکومتوں کی جانب سے نامزد کی جاتی ہیں اور دوسرے این جی او کے ذریعے۔ اس وقت اس ادارے کے تحت 25 ریاستوں اور دو مرکزی علاقوں میں 35 ریاستی جینڈرنگ ایجنسیاں اور سارے ملک میں 150 این جی او کام کر رہے ہیں۔ یہ کارپوریشن ان دونوں ذرائع کے توسط سے فی استفادہ کار 5 لاکھ روپے تک کے میعاد قرضے اور 25000 روپے کا مائیکرو فنانس فراہم کرتی ہے۔ کارپوریشن نے اب تک ان دونوں اسکیموں کے تحت تقریباً 2.87 لاکھ استفادہ کاروں کو تقریباً 803 کروڑ روپے کی مالی امداد فراہم کی ہے۔ یہ دونوں اسکیمیں کارپوریشن

Table 9.10: Percentage Coverage of the Mid Day Meal for 6-16 years old Population by States and SRCs 2004-05

| Incidence | All | Hindus | | | | Muslim All | All Others |
|------------------|------|------------|---------|------|---------|------------|------------|
| | | All Hindus | SCs/STs | OBCs | General | | |
| India | 26.8 | 28.1 | 34.7 | 27.6 | 19.1 | 22.8 | 17.2 |
| West Bengal | 32.3 | 31.9 | 35.6 | 31.6 | 27.6 | 33.3 | 23.5 |
| Kerala | 35.0 | 37.4 | 47.4 | 37.5 | 26.8 | 37.4 | 24.2 |
| Uttar Pradesh | 17.0 | 17.9 | 25.6 | 16.2 | 10.4 | 13.8 | 10.5 |
| Bihar | 13.4 | 13.3 | 13.7 | 13.6 | 11.3 | 14.0 | 0.0 |
| Assam | 21.9 | 21.2 | 23.8 | 23.9 | 15.5 | 22.4 | 30.3 |
| Jammu & Kashmir | 2.0 | 0.0 | 0.0 | 0.0 | 0.0 | 3.0 | 0.0 |
| Jharkhand | 17.6 | 18.0 | 23.7 | 16.3 | 6.5 | 10.8 | 24.7 |
| Karnataka | 45.8 | 46.5 | 50.7 | 49.8 | 36.1 | 42.4 | 33.6 |
| Uttaranchal | 28.7 | 29.9 | 37.0 | 24.5 | 27.4 | 16.7 | 44.6 |
| Delhi | 9.7 | 9.9 | 19.8 | 13.9 | 2.5 | 13.7 | 0.0 |
| Maharashtra | 31.4 | 32.5 | 33.4 | 33.9 | 30.4 | 25.2 | 28.9 |
| Andhra Pradesh | 29.9 | 30.2 | 40.2 | 29.7 | 17.9 | 26.5 | 32.7 |
| Gujarat | 33.0 | 33.6 | 48.0 | 38.4 | 9.9 | 31.4 | 13.1 |
| Rajasthan | 25.5 | 26.1 | 29.2 | 27.2 | 16.6 | 23.1 | 8.7 |
| Madhya Pradesh | 33.7 | 35.0 | 42.6 | 34.6 | 15.9 | 21.2 | 13.7 |
| Haryana | 16.7 | 16.3 | 29.7 | 14.8 | 8.4 | 29.2 | 16.1 |
| Tamil Nadu | 53.8 | 55.2 | 71.5 | 50.9 | 11.2 | 38.5 | 45.9 |
| Orissa | 32.2 | 32.0 | 36.3 | 29.7 | 26.4 | 35.5 | 36.3 |
| Himachal Pradesh | 37.4 | 37.8 | 43.1 | 35.7 | 35.0 | 39.7 | 19.6 |
| Chhatisgarh | 40.2 | 41.1 | 45.9 | 38.2 | 22.1 | 27.8 | 12.9 |
| Punjab | 2.5 | 2.8 | 5.2 | 0.0 | 1.3 | 0.0 | 2.4 |
| All Other States | 56.5 | 59.1 | | | 59.1 | 32.5 | 52.0 |

انگریجول فنانس کارپوریشن لمیٹڈ کے ذریعے این ایم ڈی ایف سی کے لئے تیار کردہ منصوبہ (مارچ 2005)

کے ذریعے فراہم کردہ قرضوں کی رقم کے 96 فی صد کا احاطہ کرتی ہیں۔ میعاد قرضہ اسکیم کارپوریشن کی خاص سرگرمی ہے جسے ایس سی اے کے ذریعے انجام دیا جاتا ہے۔ این ایم ڈی ایف سی میعاد قرضہ اسکیم کے تحت کسی بھی تجارتی طور پر قابل عمل اور تکنیکی طور پر ممکن سرگرمی کے لئے پراجکٹ لائن کی 85 فی صد رقم فراہم کرتی ہے جب کہ باقی 15 فی صد رقم ایس سی اے اور خود استفادہ کار کے ذریعے فراہم کی جاتی ہے۔ 50000 روپے تک کے میعاد قرضے اکثر صرف ایک یا دو ریاستی سرکاری ملازموں کی ضمانت پر منظور کردئے جاتے ہیں۔ اس سے زیادہ رقم والے قرضوں کے لئے این ایم ڈی ایف سی کے منظوری حاصل کرنی ہوتی ہے۔ مائکرو فنانسنگ اسکیم کا مقصد نشان زدگروپوں کے غریب ترین لوگوں، بطور خاص دور دراز دیہات اور شہری مسلوں میں رہنے والی اقلیتی خواتین کو فائدہ پہنچانا ہے جو عام بینکوں سے قرضے حاصل نہیں کر سکتے۔

میعاد قرضہ اسکیم کے تحت 2002-2003 سے 2005-06 تک فراہم کردہ رقوم اور استفادہ کاروں کی تعداد سے متعلق معلومات شکل 9.7 اور 9.8 میں پیش کی گئی ہے۔ (ضمیمہ جدول 9.14 بھی دیکھئے)۔ این ایم ڈی ایف سی نے اس اسکیم کے تحت 400 کروڑ روپے فراہم کئے جس میں مسلمانوں کا حصہ 73 فی صد رہا۔ اس عرصے کے دوران امداد حاصل کرنے والوں کی تعداد 1.15 لاکھ ہے جس میں مسلمانوں کا حصہ 77 فی صد ہے۔

اس اسکیم کے تحت اتر پردیش کے سوا بیشتر تمام ریاستوں میں مالی امداد کی فراہمی اطمینان بخش ہے۔ مائکرو فنانسنگ اسکیم کے تحت زیر مطالعہ عرصے کے دوران تقریباً 36 ہزار استفادہ کاروں کو صرف 19 کروڑ روپے فراہم کئے گئے۔ یہ ایک بہت چھوٹی رقم ہے جس کا کوئی خاص فائدہ نہیں ہو سکتا (شکل 9.8)۔ 12۔

مسلمانوں کو این ایم ڈی ایف سی کی سرگرمیوں سے فائدہ پہنچا ہے مگر قابل غور ہے کہ بینکوں اور دیگر مالیاتی اداروں کے مقابلے میں (جس کا تجزیہ چھٹے باب میں کیا جا چکا ہے) اس ادارے کا فراہم کردہ مجموعی سرمایہ محدود ہے۔ اس سے مسلم فرقے کی اقتصادی ترقی پر اس ادارے کی امداد کے اثرات محدود ہو جاتے ہیں۔ مزید یہ کہ ریاستی حکومت کی ضمانت حاصل کرنا اس کارپوریشن سے قرضہ حاصل کرنے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ ریاستی حکومتیں اپنی تنگ مالی حالت کے پیش نظر قرضوں کی ضمانت دینے میں زیادہ سے زیادہ پس و پیش کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ سفارشات کی بنیاد پر استفادہ کاروں کی نشان دہی کے سبب ایسے کنیوں کو مالی امداد حاصل ہو جاتی ہے جو خط افلاس سے دو گنا نیچے زندگی بسر کرنے والوں (ڈی بی ایل) میں شامل نہیں ہیں۔ 13۔ قرضوں کی رقم کی ادائیگی میں لگنے والے وقت کی معیار بندی نہیں کی گئی ہے۔ بعض اوقات یہ عمل بہت سست اور این ایم ڈی ایف سی سے حاصل ہونے والے سرمائے پر منحصر ہوتا ہے۔ مائکرو فنانسنگ اسکیم کے تحت، ان جی او سے قرضوں کی طلب بہت زیادہ ہے۔ این ایم ڈی ایف سی کی جانب سے سرمائے کی فراہمی میں اضافہ درکار ہے، اور نشانے پورے کرنے کے لئے اس کی فراہمی زیادہ پابندی سے کی جانی چاہئے۔

نیشنل بیک ورڈ کلاسز فائنانس اینڈ ڈیولپمنٹ کارپوریشن

نیشنل بیک ورڈ کلاسز فائنانس اینڈ ڈیولپمنٹ کارپوریشن (این بی سی ایف ڈی سی) حکومت ہند کی جانب سے جنوری 1992 میں قائم کی گئی تھی۔ اس کا بنیادی مقصد پسماندہ طبقوں میں اقتصادی اور ترقیاتی سرگرمیوں کی فروغ دینا اور ان کے غریب طبقوں کو مہارتوں کے فروغ اور خود روزگاری کے معاملے میں امداد دینا ہے۔ یہ ادارہ ایس سی اے اور این جی او کے توسط سے پسماندہ طبقوں کو خط افلاس سے نیچے والے اور خط افلاس سے اوپر گردوہرے خط افلاس سے نیچے والے لوگوں کو رعایتی شرحوں پر قرضے فراہم کرتی ہے۔

اس کارپوریشن کا حصص سرمایہ 700 کروڑ روپے اور ادا شدہ حصص سرمایہ 437.35 کروڑ روپے (31 مئی 2006 کو) ہے۔ 31 مئی

12 سے متعلق فراہم کردہ اعداد و شمار استعمال شدہ رقم کے لئے ہے نہ کہ پہلے کے تین برسوں کے لئے ادا شدہ رقم سے متعلق۔

13 انگری ٹیبل فائنانس کارپوریشن لمیٹڈ (2005) اسٹریٹجک پلان برائے این ایم ڈی ایف سی میں درج۔ فیکس رپورٹ، 161-162۔ یہ معلومات استفادہ کاروں

اور این جی او کے ساتھ بات چیت پر مبنی ہے۔

این بی سی ایف ڈی سی کے ذریعہ دی گئی کل رقم میں مسلمانوں کا حصہ بہت کم ہے 247 کروڑ روپے میں سے مسلم او بی سی کو صرف 23 کروڑ روپے فراہم کئے گئے

2006 تک اس کے ذریعے 1103.55 کروڑ روپے فراہم کئے گئے اور 7.02 لاکھ استفادہ کاروں کی مالی امداد کی گئی۔ کارپوریشن کے تحت خاص اسکیموں میں این ایم ڈی ایف سی جیسی میعادتی قرضہ اسکیم اور ماکرو فنانس اسکیم شامل ہے۔ اس کی دیگر اسکیمیں نی سوئٹا اسکیم برائے خواتین، سویم سکیم، تعلیمی قرضہ اسکیم، مارجن منی قرضہ اسکیم اور ٹریڈنگ گرانٹ اسکیم ہیں۔

این بی سی ایف ڈی سی کے ذریعے فراہم مالی امداد میں مسلمانوں کا حصہ کم ہے۔ مسلم او بی سی کو 247 کروڑ روپے میں سے صرف 23 کروڑ روپے فراہم کئے گئے جو او بی سی آبادی میں مسلم او بی سی کے تناسب کے پیش نظر حد درجہ کم ہے۔ یہ رقم اتنی کم ہے کہ ریاستی سطح کا کوئی بھی تجزیہ باعنی نہیں ہو سکتا۔ 14

4 اختتامی معروضات

سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کے حصے کے تفصیلی تجزیے سے وہی قرینہ سامنے آتا ہے جسے پانچویں باب میں دیکھا گیا تھا۔ سرکاری/سرکاری زمرے کے ملازمین میں مسلمانوں کی تعداد بہت ہی کم ہے جو بیشتر اوسطاً نچلی سطح کی ملازمتوں میں پائے جاتے ہیں۔ یہ بات مذکورہ بالا اس نتیجے کے مطابق ہے کہ مسلم ملازمین کی اوسط آمدنی دیگر فرقوں کے ملازمین کے مقابلے میں کم ہے۔ اگرچہ اس سلسلے میں کسی طرح کے امتیازات کی شکایت نہیں کی جا رہی ہے مگر یہ مناسب ہوگا کہ انٹرویو کے پینلوں میں اقلیت کے نمائندے بھی شامل کئے جائیں۔ یہ اقدام ان بینکوں میں ایس سی/ایس ٹی نمائندوں کی شرکت کے خطوط پر کیا جاسکتا ہے۔ اگرچہ گروپ سی اور گروپ ڈی سے متعلق سلیکشن کمیٹیوں میں مسلمانوں کی شمولیت کو یقینی بنانے کی کوششیں کی گئی ہیں مگر کمیٹی کو ان کے نتائج سے آگاہ نہیں کیا گیا (دیکھئے ضمیمہ 9.15)

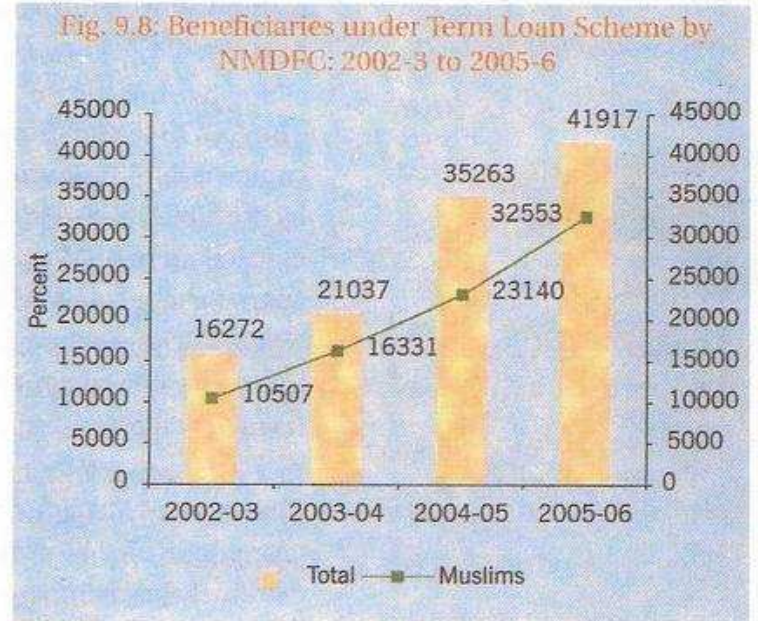
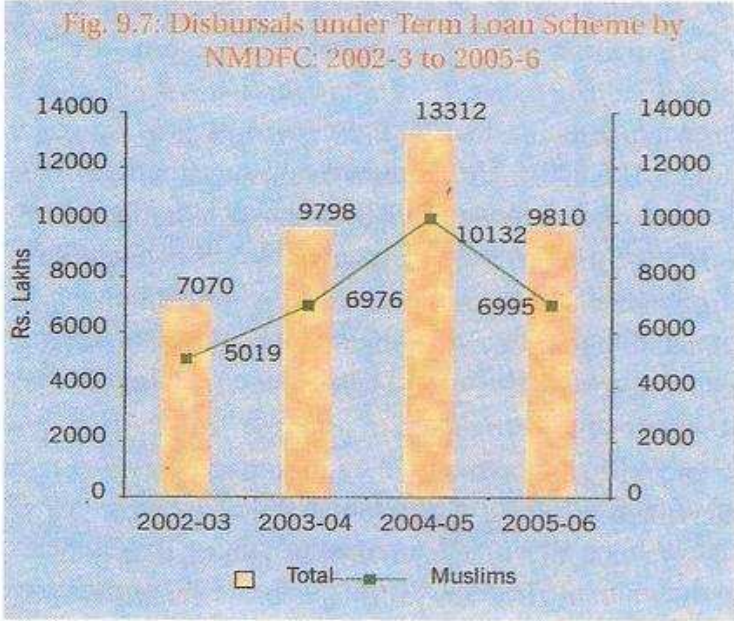
پروگراموں کے مختصر جائزے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو ان کا کوئی خاص فائدہ نہیں پہنچا ہے۔ بعض اوقات مسلمان ان کے استفادہ کاروں میں اچھی تعداد میں شامل نہیں ہو پاتے اور اگر ان کی شرکت مناسب بھی ہوتی ہے تو پروگرام کے تحت رقم اتنی کم ہوتی ہے کہ اس کا کوئی باعنی اثر مرتب نہیں ہوتا۔ اعداد و شمار جس فارمیٹ میں مرتب کئے جاتے ہیں اس کی بنیاد پر یہ معلوم کرنا آسان نہیں ہے کہ مختلف فرقوں کو کتنا فائدہ پہنچا ہے۔ پروگرام کا جائزہ لینے اور نگرانی کے معاملات میں شفاف طرز عمل اختیار نہیں کیا جاتا۔ پروگراموں کی قدر و قیمت اور اثرات کا اندازہ کرنے کے لئے اعداد و شمار جمع کرنے کے علاوہ ہر سطح کی ریاستی بیورو کریسی کو مختلف پروگراموں میں مسلمانوں کو شامل کرنے کے بارے میں حساس بنانا بھی ضروری ہے۔

پروگراموں کے کم موثر ہونے کے تمام اسباب کی نشان دہی تو مشکل ہے مگر سیاسی عمل اور حکمرانی کے عمل میں، بطور خاص مقامی سطح پر مسلمانوں کی شرکت میں کمی اس کا ایک سبب ہو سکتی ہے۔ تقریباً تمام اجتماعی معاملات میں مسلمانوں کی شرکت کم ہے۔ ان کی جمہوری سرگرمیوں اور فیصلہ سازی کے عمل میں ان کی حصہ داری میں اضافہ کرنا بہت ہم ہے۔ اس سے ترقیاتی عمل میں ان کی باعنی اور سرگرم شرکت میں آسانی پیدا ہوگی۔ جمہوری سرگرمیوں میں شرکت ایک ایسی پارلیمانی جمہوریت کا مطلوب و مقصود ہے جس سے تمام فرقوں کو مساوی مواقع فراہم کرنے کی توقع کی جاتی ہے۔ ہندوستان میں یہ شرکت کئی سطحوں، قومی سطح، ریاستوں، مرکزی علاقوں کی سطح اور بنیادی زمینی سطح یعنی پنچایت اور شہری منتخب اداروں کی سطح پر ہو سکتی ہے۔ ان جمہوری اداروں کے علاوہ، بہت سے نیم حکومتی ادارے ہیں جو انتخابی جمہوریت اور عوامی نمائندگی کے اصول پر کام کرتے ہیں۔ مثلاً کسی علاقے میں ترقیاتی مالی امداد فراہم کرنے کی غرض سے تشکیل دی گئی کوئی کوآپریٹو سوسائٹی علاقے کے باشندوں میں سے اپنے نمائندوں کا انتخاب کر سکتی ہے۔ تاہم کثیر ثقافتی معاشرے میں، جیسا کہ ہندوستانی معاشرہ ہے، انتخابی اصولوں پر مبنی پارلیمانی جمہوریت کبھی کبھی نسلی، لسانی اور مذہبی اقلیتوں کو منتخب ہو کر حکمرانی کے عمل کا حصہ بننے کا موقع دینے میں ناکام بھی ہو جاتی ہے۔

14 این بی سی ایف ڈی سی سے موصولہ معلومات کافی نہیں ہے۔ اس سے اس بات کے تجزیے میں رکاوٹ آتی ہے کہ مسلمانوں کو اس ادارے سے کتنا فائدہ پہنچا ہے۔ ریاستوں نے اعداد و شمار فراہم نہیں کئے۔ کئی ریاستوں کے فراہم کردہ اعداد و شمار جزوی تھے۔ تمام ایس سی اے نے معلومات فراہم نہیں کی۔ موصولہ اعداد و شمار کے مطابق فراہم کردہ رقم اور استفادہ کاروں کی تعداد کے لحاظ سے مسلمانوں کی تعداد کم ہے۔ اس کے علاوہ یہ کہ کارپوریشن کے لئے مختص سرمایہ قلیل ہے اور اس سے او بی سی کی بہبود پر کوئی اثر پڑنے کا امکان نہیں ہے۔

منتخب اداروں میں مسلمانوں کا حصہ عام طور پر کم ہے۔ رواں لوک سبھا کے 1534 اراکین میں صرف 36 مسلمان ہیں۔ منتخب اداروں میں مسلمانوں کے حصے میں کمی کے باوجود انہیں اور دیگر کم نمائندگی والے زمروں کو نئے نئے طریقوں سے فیصلہ سازی کے عمل میں شریک کیا جاسکتا ہے۔ حکومت آندھرا پردیش کے ایک تجربے کو (باس 9.2) فیصلہ سازی کے عمل میں مسلمانوں کی شرکت میں اضافہ کرنے کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

سیاسی شمولیت میں اضافے کے علاوہ حکومت کی راست ذمے داریوں میں سماج کے غریب اور کمزور لوگوں کی بنیادی ضرورتوں پر توجہ دینا بھی شامل ہے۔ اس تجزیے سے ظاہر ہوتا ہے کہ پروگراموں کے استفادہ کاروں میں مسلمانوں کی تعداد کم ہے۔



باکس 9.2: 73 ویں اور 74 ویں آئینی ترمیمات کے تحت قائم اداروں میں شرکت کو

فروغ دینے کا ایک ایجاد پسندانہ منصوبہ

ہندوستان کی جمہوریت میں ایک انقلابی تبدیلی اس وقت آئی جب 71 ویں اور 74 ویں آئینی ترمیمات کے تحت مقامی خود حکومتی کے اداروں کو اختیارات فراہم کئے گئے۔ ان ترمیمات کے ذریعے یہ توقع کی گئی تھی کہ مقامی طور پر منتخب ادارے نہ صرف مسائل کی بہتر نشان دہی کر سکیں گے بلکہ انہیں حل کرنے کے طریقے بھی تلاش کر سکیں گے۔ یہ توقع بھی تھی کہ یہ عمل شمولیت پسندانہ ہوگا کیوں کہ نسبتاً چھوٹے حلقے پر توجہ مرکوز ہونے سے نظر انداز شدہ لوگوں کے تعلق سے حساس ہونا زیادہ ممکن ہے۔ مقامی اداروں نے مختلف سطحوں پر کامیابی حاصل کی ہے جس کا دارومدار ریاستی انتظامیہ اور بیوروکریسی کے ساتھ رابطوں پر رہا ہے لیکن اس سلسلے میں یہ واضح نہیں ہو سکا ہے کہ ان اداروں کے ذریعے فیصلہ سازی کے عمل میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کی شرکت ممکن ہو سکے گی یا نہیں۔ ایسے ماحول میں یہ اندیشہ پیدا ہوتا ہے کہ اقلیتیں/مسلمان، خاص کر جب ان کی تعداد بہت کم ہو، الگ تھلگ ذرہ جائیں۔ تاہم ایس سی/ایس ٹی سے متعلق آئینی ضمانتیں سیاسی عمل میں ان کی شرکت اور اس سے وابستہ سماجی و اقتصادی فوائد کو یقینی بناتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔

اس پس منظر میں، یہاں بعض ایسے طریقوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جن کے ذریعے کم سے کم جمہوری شرکت کی ضمانت دی جاسکتی ہے، اس سے قطع نظر کہ ان منتخب اداروں میں شریک لوگوں کو اس کے ذریعے کتنے سیاسی اختیارات حاصل ہو پاتے ہیں۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ مختلف اداروں جن کا ذکر یہاں کیا جائے گا کے نامزد اور باہمی طور پر منتخب اراکین کو کسی اجتماعی فیصلے کو تبدیل کرنے کے لئے رائے دینے کا حق نہیں ہے، یہ اختیار دیا جائے کہ وہ ممبروں میں زیر بحث آنے والے امور تجویز کر سکیں۔ منڈل اور ضلع پریشدوں (73 ویں آئینی ترمیم)، کارپوریشنوں اور میونسپلیٹیوں (74 ویں آئینی ترمیم)، کوآپریٹو سوسائٹیوں (بینکوں) اور مارکیٹنگ اداروں میں اقلیتوں کو نامزد کرنے سے متعلق ضابطوں کے مطالعے کی تفصیلات ذیل میں پیش کی جا رہی ہیں۔

منڈل اور ضلع پریشد: آندھرا پردیش پنچایت کے ایک نئے قانون کی سیکشن 149 میں کہا گیا کہ ”(v) کلار (1) میں مذکور ممبروں کے ذریعے اقلیتوں سے متعلق ایک شخص کو مقررہ طریقے سے ان ممبروں میں سے منتخب کیا جاسکتا ہے جو منڈل کے رجسٹرڈ ووٹر ہیں اور جن کی عمر 21 سال سے کم نہیں ہے۔“ لفظ ”اقلیتیں“ یہاں مقامی سیاق میں استعمال ہوا ہے جس میں منڈل کے علاقے کی مذہبی اور لسانی اقلیتیں شامل ہیں۔ اس طرح یہ ضابطہ بھی فراہم کیا گیا ہے کہ آندھرا پردیش میں اقلیتوں کے دو افراد کو ضلع پریشدوں کے لئے ممبر منتخب کیا جاسکتا ہے۔ یہ ضابطہ اس وقت بھی عائد ہوتا ہے جب اقلیتوں کے ایسے ممبر موجود ہوں جو عام انتخابات میں منڈل اور ضلع پریشد کے لئے چنے جاسکے ہوں۔

میونسپل کارپوریشن اور میونسپلٹیوں: نئے آندھرا پردیش میونسپل ضابطہ (ترمیمی) ایکٹ 2006 کی رو سے آندھرا پردیش اسمبلی تمام میونسپل کارپوریشنوں کو اختیار دیتی ہے کہ وہ اقلیتوں کے دو افراد کو کارپوریشن کا ممبر منتخب کر سکتی ہیں جنہیں اختیار ہوگا کہ کارپوریشنوں کے اجلاسوں میں اظہار خیال کر سکیں اور حصہ لے سکیں مگر ووٹ دینے کا اختیار نہیں ہوگا۔ ان ضابطوں کو حیدرآباد، وشاکھا پنیم اور وجے واڑہ کی میونسپل کارپوریشنوں میں نافذ کیا گیا۔ ایسا ہی ایک ضابطہ مگر پنچایتوں میں اقلیتوں کے دو افراد کو منتخب کرنے کے لئے فراہم کیا گیا ہے۔ یہ ضابطہ اس وقت بھی عائد ہوتا ہے جب اقلیتوں سے متعلق اراکین عام میونسپل انتخابات میں منتخب کئے جاسکے ہوں۔

کوآپریٹو بینک: آندھرا پردیش کوآپریٹو سوسائٹیز (ترمیمی) آرڈی نینس 2005: آندھرا پردیش کے ہر ضلع میں تقریباً 200 کوآپریٹو

زراعتی (قرضہ جاتی) سوسائٹیاں ہیں جن سے ریاست میں مجموعی طور پر تقریباً 3000 کوآپریٹو بینک وجود میں آتے ہیں۔ ان میں سے ہر بینک کے 8-9 منتخب اراکین ہوتے ہیں۔ آندھرا پردیش کوآپریٹو سوسائٹیز ایکٹ کے سیکشن (d) 31 میں کہا گیا ہے: ”کمپنی کے رجسٹرار کے ذریعے اقلیتی فرقے کے ایک ممبر کو نامزد کیا جائے گا جو کمپنی کے اجلاسوں کی کارروائی میں شریک ہو سکے گا مگر اسے ووٹ دینے کا اختیار نہیں ہوگا۔“ یہ اسکیم ضلع کوآپریٹو بینکوں وغیرہ میں بھی نافذ کر دی گئی ہے۔

زراعتی مارکیٹنگ کمپنی: آندھرا پردیش نے نجی بازاروں میں خصوصی بازاروں اور انٹیگرٹڈ پروڈیوس مارکیٹس کی زراعتی مارکیٹنگ کمپنیوں کی رکنیت کے متنوع کردار میں اضافہ کرنے میں بھی سہقت حاصل کی ہے۔ آندھرا پردیش کے تمام اضلاع میں ایسی 371 مارکیٹنگ کمپنیاں ہیں اور کمپنی میں اب مختلف قسموں کے 14 نامزد اراکین کو شامل کیا جاسکتا ہے۔ ان میں سے 5 نامزد اراکین ایس سی / ایس ٹی / او بی سی / اقلیتوں اور خواتین سے متعلق ہو سکتے ہیں۔

دیگر کمپنیاں: کئی اور کمپنیاں بھی ہیں مثلاً اسے پی اجرت کمپنی، خود روزگاروں کی کمپنی، اقلیتی کمپنی / کمیشن، جن میں اقلیتوں / مسلمانوں اور دیگر نظر انداز کردہ طبقوں کی جمہوری شرکت میں اضافہ کرنے کے اسی طرح کی نامزدگی اور ممبر منتخب کرنے کے طریقوں کو فروغ دیا جاسکتا ہے۔

مسلم اوبی سی اور مثبت اقدام

1- تعارف

اس باب میں مسلمانوں یا ان کے ایک طبقے کے لئے مثبت اقدام کی مختلف پالیسیوں اور ان کے گذر بسر کے حالات پر ان پالیسیوں کے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ مرکزی حکومت کی ملازمتوں سے متعلق منڈل کمیشن رپورٹ نافذ ہونے کے بعد سے مسلمانوں میں موجود دیگر پسماندہ طبقوں (اوبی سی) کی نشان دہی کی گئی اور دیگر مذاہب کے پسماندہ طبقوں کے ساتھ ساتھ انہیں بھی ریزرویشن کے فوائد فراہم کئے گئے۔ یہاں اوبی سی ہونے والے اور ریزرویشن سے محروم قرار دئے گئے مسلمانوں کی سماجی و اقتصادی حالت کا تقابل ان مسلمانوں کی اسی حالت سے کیا گیا ہے جو اوبی سی فہرست میں شامل نہیں ہیں۔ مسلمانوں کی حالت کا تقابل اوبی سی (عام مسلمان) اور جنہیں کسی قسم کا کوئی ریزرویشن حاصل نہیں ہے۔ ان دونوں گروپوں کی حالت کا تقابل ہندو اوبی سی سے کیا گیا ہے۔ جن کا قرار دئے جانے والے مسلمانوں ملک کی اوبی سی آبادی میں غالب حصہ ہے۔ اس کوشش میں این ایس ایس او سے مدد حاصل ہوئی جس نے اپنے 55 ویں دور سے مسلمانوں سے متعلق اعداد و شمار جمع کرنے شروع کئے تھے۔ ان اعداد و شمار میں سے مختلف سماجی۔ مذہبی طبقوں (ایس آر سی) کے بارے میں معلومات الگ کی جاسکتی ہیں۔ لیکن یہاں یہ بات ملحوظ رکھی جانی چاہئے کہ این ایس ایس او کے اعداد و شمار، خاص طور پر اوبی سی کے معاملے میں، لوگوں کے اپنے بیانات پر مبنی ہیں اور اسی لئے ان کا دار و مدار اس بات پر ہے کہ جواب دینے والے اپنی سماجی حالت سے کتنے واقف اور باخبر ہیں۔

چوں کہ مختلف طبقوں کی حالت سے

متعلق این ایس ایس او اعداد و شمار،

اس باب کا بنیادی مقصد مسلم اوبی سی کے معاملے پر مثبت اقدام کے نقطہ نظر سے غور کرنا ہے۔ لہذا ہندو اوبی سی اور مسلم اوبی سی اس مطالعے کے بنیادی محور ہیں۔ تاہم فرقوں کے مختلف طبقوں کے درمیان فرق کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ بقیہ مسلمانوں (جنہیں اب عام مسلمان کہا جائے گا) سے متعلق تقابلی اعداد و شمار بھی فراہم کئے جائیں۔ اس باب میں ثانوی اور بنیادی دونوں نوعیت کے متنوع قسم کے اعداد و شمار سے مدد لی گئی ہے۔ ہندوستانی مسلمانوں میں موجود ذات برادریوں کی پیچیدگیوں کو سمجھنے کے لئے مسلمانوں میں سماجی تفریقات سے متعلق مطالعوں سے مدد لی گئی ہے۔ دیگر پسماندہ طبقوں کی اصطلاح جن تاریخی اسباب و عوامل کے نتیجے میں وجود میں آئی ہے انہیں سمجھنے کے لئے پسماندہ طبقوں سے متعلق تحریکوں کے مطالعوں، آئین ساز اسمبلی کی بحثوں اور سپریم کورٹ اور ہائی کورٹوں کے بہت سے سنگ میل نوعیت کے فیصلوں سے بہت مدد ملی ہے۔ آزادی کے بعد سے ذات کا شمار نہ کئے جانے، مسلم اوبی سی کی آبادی، تعلیم اور سرکاری ملازمتوں میں ان کے حصے سے متعلق پیشتر عملی اعداد و شمار پیشکش سہیل سروے (این ایس ایس) کے 61 ویں دور کی فراہم کردہ معلومات سے حاصل کئے گئے جس میں مسلم اوبی سی کو بھی شامل کیا گیا۔

سطح پر ہوتا ہے

گیا ہے۔ تقابلی کی غرض سے، 55 ویں دور کے اعداد و شمار بھی استعمال کئے گئے ہیں۔ اس سے بھی اہم یہ ہے کہ مرکزی اور ریاستی حکومتوں کے مختلف محکموں اور اداروں نے کمیٹی کو سرکاری ملازمتوں سے متعلق اعداد و شمار خصوصی طور پر فراہم کئے جن کے مطالعے اور تجزیے کے ذریعے مسلم اوبی سی کی حصے داری معلوم کرنے کی کوشش کی گئی۔

یہ جاننے کے لئے کہ کیا اوبی سی سے متعلق ریاستی اور مرکزی فہرستوں میں تمام مسلم پسماندہ گروپوں کو شامل کیا گیا ہے یا نہیں، ہم نے بڑی حد تک ریاستی اور مرکزی فہرستوں پر تکیہ کیا ہے اور ان دونوں کے درمیان عدم مطابقت کی نشان دہی کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے علاوہ منڈل کمیشن کی فراہم کردہ فہرست بھی زیر نظر رہی ہے۔ 'اینٹھر وپولا جیکل سروے آف انڈیا' نے اپنے 'پینل آف انڈیا پراجکٹ' کے تحت ملک کے مختلف سماجی طبقات کا تعارف پیش کرنے کی جو زبردست کوشش کی ہے اس کے ذریعے بھی مختلف علاقوں اور ریاستوں میں موجود مختلف مسلم ذاتوں اور برادریوں سے متعلق معلومات حاصل کی گئی ہے۔

اس باب کے باقی حصوں میں زیر بحث آنے والے معاملات اس طرح ہیں، دوسرے حصے میں سرکاری معاملات میں 'اوبی سی' کی اصطلاح کے استعمال کی شروعات اور اس سے متعلق بحثوں پر غور کیا گیا ہے۔ اس سے اگلے حصے میں مسلم اوبی سی کی سماجی صورت حال بیان کی گئی ہے اور اس کے بعد کے حصے میں مرکزی اور ریاستی سطحوں پر ان کے سلسلے میں کئے گئے مختلف مثبت اقدامات کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ اس کے بعد اوبی سی سے متعلق مرکزی اور ریاستی فہرستوں کا تقابلی کیا گیا ہے تاکہ دونوں کے درمیان عدم مطابقتوں کی نشان دہی کی جاسکے۔ آخری حصے میں عملی صورت حال کا مطالعہ کیا گیا ہے اور مسلم اوبی سی، ہندو اوبی سی اور عام مسلمانوں کی حالتوں کے درمیان تقابلی پیش کیا گیا ہے۔

2 'دیگر پسماندہ طبقات' کی اصطلاح کا آغاز

'پسماندہ طبقات' کو شروع میں ایک جامع اصطلاح کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا جس میں بہت سے محروم اور شیڈولڈ کاسٹس (ایس ٹی) کی اصطلاحوں کے برعکس، جن کی واضح تعریف متعین کی گئی تھی، 'پسماندہ طبقات' کی اصطلاح غیر واضح رہی۔ اس اصطلاح کا استعمال برطانوی دور میں شروع ہوا مگر اس وقت اس سے بہت سے گروپ مراد ہوتے تھے اور انہیں بغیر کسی واضح وجہ کے پسماندہ کے عنوان کے تحت یکجا یا اس سے خارج کیا جاسکتا تھا۔ استعمال کے ابتدائی مرحلے میں، 'پسماندہ طبقات' کی اصطلاح خاصی وسیع تھی جس میں تمام محروم اور نظر انداز کردہ ذاتوں، قبائل اور فرقوں کو شامل کیا جاتا تھا۔ اس اصطلاح کا استعمال سب سے پہلے 1880 میں نظر آتا ہے۔ اس وقت اسے ابتدائی اسکولوں میں تعلیم کے لئے وظائف کے مستحق ناخواندہ یا کمزور طبقوں کے حوالے سے استعمال کیا جاتا تھا۔

'پسماندہ طبقات' کی اصطلاح کا ذکر

اس اصطلاح کے غیر متعین ہونے کا سلسلہ آئین وضع کئے جانے کے وقت تک جاری رہا۔ آئین ساز اسمبلی میں، بحثوں کے دوران، اس اصطلاح کو کئی مفاہیم میں استعمال کیا گیا۔ موٹے طور پر دو واضح استعمالات اس طرح تھے: ایک ترقیاتی سلوک کے مستحق طبقوں کا ایک گروپ۔ یہاں 'پسماندہ طبقوں' کی اصطلاح اچھوتوں اور قبائل پر مشتمل تھی۔ دوسرے ایک ایسا گروپ جو اچھوتوں سے اوپر مگر محروم ہو۔ اس ضمن میں 'دیگر پسماندہ طبقوں' کی ایک الگ اصطلاح استعمال میں لائی گئی۔ تاہم دونوں طرح کے استعمالات میں نقطہ حوالہ بڑی حد تک ہندو سماجی ساخت ہی تھی۔ آئین ساز اسمبلی کی بحثوں میں مذہبی اقلیتوں کے پسماندہ طبقوں کا ذکر اس وقت تک نہیں نظر آتا جب تک کہ ان طبقوں سے متعلق مندوبین نے اس سوال کو اٹھانا شروع نہیں کیا۔ مدراس کے محمد اسماعیل صاحب نے یہ وضاحت طلب کی کہ کیا یہ اصطلاح 'اقلیتی

فروق“ کے پسماندہ طبقوں، کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے۔ 1

آئین کی دفعہ 340 ریاست کو سماجی اور تعلیمی طور پر پسماندہ طبقوں کی حالت معلوم کرنے کے لئے کمیشن مقرر کرنے کا اختیار دیتی ہے۔ اب تک کل ہند سطح پر اس قسم کے دو کمیشن، ایک کا کالیکٹر کمیشن اور دوسرا بی پی منڈل کمیشن، مقرر کئے جا چکے ہیں۔ پہلے پسماندہ طبقات کمیشن (کا کالیکٹر) نے اپنی رپورٹ 1955 میں پیش کی تھی۔ اس کمیشن نے ذات کے نظام میں کم تر درجے کو پسماندگی کے تعین کی بنیاد قرار دینے اور اس کے ساتھ ہی تعلیمی سطح، آمدنی کی سطح اور سرکاری ملازمتوں میں نمائندگی کے امور پر زور دیا تھا۔ اس کی رپورٹ میں پہلی بار مسلمانوں (اور دیگر مذہبی اقلیتوں) کی چند ذاتوں/ برادریوں کو پسماندہ قرار دیتے ہوئے مثبت اقدام کے دائرے میں لایا گیا تھا۔ دوسرے پسماندہ طبقات کمیشن (بی پی منڈل کمیشن 1980) نے بھی ذات کے پیمانے کو خاص اہمیت دی تھی مگر کسی ذات یا سماجی گروپ کو پسماندہ قرار دینے کے اہم اشاریوں میں ذاتوں کے نظام میں کم تر درجہ، شادی کی عمر کا کم ہونا، خواتین کا بہت زیادہ کام کرنا، اسکول چھوڑنے کی شرح کا زیادہ ہونا، پینے کے پانی تک رسائی نہ ہونا، خواتین کے اثاثوں کی کم تر اوسط قدر، کچے مکانوں کی کثرت وغیرہ امور کو بھی شامل کیا گیا تھا۔ غیر ہندو فرقوں کے لئے اس سلسلے میں الگ پیمانہ استعمال کیا گیا تھا جس کا ذکر اس باب میں آگے کیا جائے گا۔

آئین کی دفعہ (4) 15، (4) 16 اور (1) 340 میں اوبی سی کے لئے 'ذات' کی بجائے 'طبقوں' کی اصطلاح کے استعمال سے بہت سے اوبی سی کے تعلق سے آئین میں قانونی تنازعات پیدا ہوئے ہیں۔ مگر دونوں پسماندہ طبقات کمیشنوں کی طرح، عدالتوں نے بھی 'ذات' کو درجہ بندی کی بنیاد تسلیم کیا۔ سپریم کورٹ نے وکٹ من بنام ریاست مدراس کے معاملے میں مدراس حکومت کے ذریعے پسماندہ قرار دی گئی ہندو ذاتوں کی فہرست کو تسلیم کر لیا۔ اس کی مزید توثیق رام کرشن سنگھ بنام ریاست میسور کے معاملے میں ہوئی جس میں میسور ہائی کورٹ نے فیصلہ کیا کہ طبقہ، ذاتوں کی بنیاد پر بہت سے قانونی تنازعات کا باعث یکجا کئے گئے لوگوں پر مشتمل ہے۔ 3 سپریم کورٹ میں زیر غور آنے والے کئی اور معاملوں نے اس قضیے کو اور بھی صاف کر دیا۔ بالاجی بنام ریاست میسور کے معاملے میں سپریم کورٹ نے مثبت اقدام کے کوٹے میں 50 فی صد کی حد مقرر کر دی۔ عدالت نے ذات کا پیمانہ استعمال کئے جانے پر نکتہ چینی کی اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ اسے غیر ہندو طبقوں پر عائد نہیں جاسکتا۔ 4 چتر لیکھا بنام ریاست میسور معاملے میں بھی اس عدالت نے واضح کیا کہ (1) 'ذات'... سماجی پسماندگی کے تعین میں کارگر ہو سکتی ہے مگر (2)، یہ واحد یا غالب بنیاد نہیں ہو سکتی۔ 'ذات' کی بنیاد کی مزید وضاحت 1968 میں پی راجیو رن بنام ریاست مدراس معاملے میں سامنے آتی ہے جب سپریم کورٹ نے فیصلہ دیا کہ اگر ذات بحیثیت مجموعی تعلیمی طور پر پسماندہ ہے تو ذات بھی شہریوں کا ایک طبقہ سمجھی جائے گی۔ 5 اس کی دوبارہ تصدیق یو ایس وی بلرام بنام ریاست آندھرا پردیش معاملے میں ہوئی جب سپریم کورٹ نے آندھرا پردیش کے فیصلے کو مسترد کرتے ہوئے ذات کو پسماندگی کے تعین کی بنیاد قرار دینے کی اجازت دے دی۔ 6 خاصے مشہور ہونے والے اندرا ساسنی بنام یونین آف انڈیا معاملے میں (منڈل کیس) سپریم کورٹ کی ایک 9 رکنی بنچ نے پسماندگی کے تعین کے لئے اقتصادی پیمانے کو مسترد کر دیا۔ عدالت نے ذات کے تصور کو تسلیم کرتے ہوئے کہا: 'ذات طبقہ ہو سکتی ہے اور ہندستان میں اکثر و بیشتر ایک سماجی طبقہ ہی ہوتی ہے'۔ 7 غیر ہندوؤں میں پسماندہ طبقوں کی موجودگی کے ان کی نشان دہی ان کے آبائی پیشوں سوال پر عدالت کا فیصلہ تھا کہ ان کی نشان دہی ان کے روایتی پیشوں کی بنیاد پر کی جانی چاہئے۔ اس طرح پسماندہ طبقوں کی اصطلاح، برطانوی کی بنیاد پر کی جائے

VII 692/ CAD 1

آل انڈیا رپورٹ 1951، ایس سی 229 2

آل انڈیا رپورٹ 1960، میسور، 338 3

آل انڈیا رپورٹ 1963، ایس سی، 649 4

آل انڈیا رپورٹ 1968، ایس سی، 1012، 1015 5

آل انڈیا رپورٹ 1972، ایس سی، 1375 6

سپریم کورٹ کیسز، 1992، ص 217 7

دور میں ایک ہمہ مفہوم اصطلاح ہونے کے بعد سے دھیرے دھیرے خصوصی طور پر ان ذاتوں سے متعلق ہوتی چلی گئی جو سماجی درجہ بندی کے نظام میں درمیان میں آتی ہیں اور اقتصادی، تعلیمی اور انسانی فروغ کے دیگر اشاروں کے لحاظ سے پسماندہ ہیں۔

3 مسلم ادبی سی: تعارفی خاکہ

1901 کی مردم شماری میں 133 ہندوستانی مسلمانوں کی سماجی ساخت سے متعلق سماجیاتی مطالعوں میں بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں میں نسب اور توارث پر مبنی سماجی تفریقات موجود ہیں۔ ہندو ذات کے نظام کی شناختی خصوصیات مثلاً سماجی طبقتوں کی درجہ بندی، اندرونی سلسلہ ازدواج اور موروثی پیشے، ہندوستانی مسلمانوں میں بھی اچھی خاصی حد تک پائی جاتی ہیں۔ ہندوستان کی مردم شماری برائے 1901 میں پوری طرح یا جزوی طور پر مسلمانوں میں 133 سماجی طبقتوں کی فہرست پیش کی گئی تھی۔ آج کا ہندوستانی مسلم معاشرہ چار بڑے طبقتوں میں منقسم ہے:

(1) اشراف جو اپنی جڑیں عرب، ایران، ترکی یا افغانستان میں تلاش کرتے ہیں (2) اسلام قبول کر لینے والے اعلیٰ ذات کے ہندو (3) اسلام قبول کر لینے والے درمیانی ذاتوں کے لوگ جن کے پیشے مذہبی رسوم کے لحاظ سے صاف ستھرے تھے (4) اچھوت ذاتوں مثلاً بھنگلی، مہتر، چمار، ڈوم وغیرہ کے اسلام میں داخل ہونے والے لوگ۔

چلتا ہے

یہ چاروں طبقے عموماً دو عمومی زمروں میں رکھے جاتے ہیں، اشراف اور اجلاف۔ اشراف میں بیرونی خون والے اور اعلیٰ ذاتوں کے مذہب تبدیل کر کے مسلمان ہونے والے لوگ شامل ہیں۔ اجلاف جس کے معنی کم مرتبہ یا ناپاک کے ہیں صاف ستھرے پیشوں اور نچلی ذاتوں کے مسلمان ہونے والے لوگوں پر مشتمل ہیں۔ یوپی، بہار اور بنگال میں، سید، شیخ، مغل اور پٹھان اشراف میں شمار کئے جاتے ہیں۔ اجلاف میں بڑھتی، دست کار، رنگ ریز، چرواہے، چمڑہ کمانے والے، گھوڑی وغیرہ شامل ہیں 8 1901 کی مردم شماری کے مطابق اجلاف میں مختلف طبقتوں کے مذہب تبدیل کرنے والے لوگ شامل ہیں جنہیں بہار میں نو مسلم اور شمالی بنگال میں 'نسیا' کہا جاتا ہے۔ ان میں مختلف پیشوں کے لوگ مثلاً جولاہے، دھنیے، کلو، کچھڑے، حجام، درزی وغیرہ بھی شامل ہیں۔ 9 1901 کی مردم شماری میں ارذال نام کے ایک اور زمرے کی بھی نشان دہی کرتے ہوئے کہا گیا کہ یہ کم ترین ذاتوں مثلاً حلال خوروں، لال بیگوں، ابدالوں اور بیڈیوں پر مشتمل ہے۔ 10 وراثت پر مبنی سماجی تفریقات کا یہی قرینہ دیگر علاقوں میں بھی نظر آتا ہے۔ کیرل میں، مالابار کے موپلا مسلمانوں کو پانچ درجہ ذات یعنی تھنگل، عربی، مالاباری، پوسالار اور اوسان میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ تھنگل لوگ اپنا نسب رسول اللہ کی بیٹی فاطمہ سے جوڑتے ہیں اور اعلیٰ ترین درجہ رکھتے ہیں۔ ان سے کم تر درجے پر عربی ہیں جو خود کو عرب مردوں اور مقامی عورتوں کی اولادوں میں شمار کرتے ہیں اور اپنی عرب وراثت پر قائم ہیں۔ ان کے بعد مالاباری آتے ہیں۔ عرب کے ساتھ ان کا نسبی سلسلہ منقطع ہو چکا ہے اور وہ مادرانہ طور پر وراثت کا نظام اختیار کر چکے ہیں۔ پوسالار، مکوون کہے جانے والے ان ہندو چھٹیروں کی اولادوں میں ہیں جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان کی حیثیت بہت کم ہے۔ اوسان حجام ہیں اور اپنے پیشے کے لحاظ سے کم ترین حیثیت کے ہیں۔ 11 آندھرا پردیش میں 1987 میں کی گئی ایک فیلڈ اسٹڈی میں مسلمانوں میں سماجی درجہ بندی کے حامل آپس میں شادیاں کرنے والے طبقتوں کی نشان دہی کی گئی۔ اس درجہ بندی میں اعلیٰ ترین مقام باہر سے آئے ہونے کا دعویٰ کرنے والے سید، شیخ، پٹھان اور تباہی (مقامی خواتین سے شادی کرنے والے عرب تاجروں کی اولاد) کو حاصل ہے۔ گندے کام کرنے والے مثلاً دودے کولا۔ (دھوبی)، حجام اور فقیر۔ بڈ کی لوگ سب سے کم حیثیت ہیں۔ 12

| | |
|----|--------------------------|
| 8 | احمد (1977) ص 9 |
| 9 | 1901 کی مردم شماری ص 543 |
| 10 | ایضاً ص 544 |
| 11 | ڈیویوزار (1973)، ص 49-51 |
| 12 | صاحب (2003) |

اس وقت 'اوبی سی' میں شامل مسلم طبقوں کا تعلق بنیادی طور پر مسلمانوں کے غیر اشراف طبقے سے ہے۔ یہ مذہب تبدیل کرنے والے درمیانی اور 'اوبی سی' زمرے کے تحت یکجا مسلم چھوٹی ذاتوں کے ہندوؤں کی اولادوں پر مشتمل ہیں اور انہیں ان کے روایتی پیشوں سے پہچانا جاتا ہے۔ اتر پردیش کے ایک گاؤں کے مطالعے سے اس قسم کے اٹھارہ طبقوں کی نشان دہی کی گئی۔ مثلاً جولاہے، میراٹی، درزی، حلوائی، منیہار وغیرہ۔ 13 1997 کی مردم شماری میں برادریوں کا تعلق لازمی طور پر مسلمانوں اتر پردیش کے مسلمانوں سے متعلق 102 برادریوں کی نشان دہی کی گئی تھی جن میں سے کم از کم 97 کا تعلق غیر اشراف سے تھا۔ راجپوت، کے غیر اشراف طبقے سے ہے کاہتھ، کوزری، کوری، کمہار، کرمی، مالی، موچی وغیرہ برادریاں ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں میں موجود تھیں۔

آئینی (شیڈولڈ کاسٹ) حکم 1950 میں جسے عموماً صدارتی حکم (1950) کہا جاتا ہے، ایسی سی درجہ صرف 'غیر صاف ستھرے' کام کرنے والے ہندو طبقوں کے لئے مخصوص کیا گیا ہے۔ 14 اور ان کے جیسے غیر ہندو طبقوں کو مذہب تبدیل کرنے والے درمیانی ذاتوں کے لوگوں کے ساتھ یکجا کر کے اوبی سی قرار دے دیا گیا ہے۔ مسلم اوبی سی کے دو زمرے ہیں۔ 'ارڈال' سے متعلق حلال خور، ہیلا، لال بیگی یا بنگلی، پیشوں سے وابستہ ہندو گروپوں کو ہی دھوبی، نانکی، چکوسے، فقیر، اسلام قبول کرنیوالے اچھوتوں پر مشتمل ہیں جو اوبی سی فہرست میں شامل کر لئے گئے ہیں۔ موہن یا جولاہے، درزی یا اورہی، راجپوت یا کچھڑے اجلاف یا مذہب تبدیل کرنے والے 'صاف ستھرے' پیشوں والی ذاتوں کے لوگ ہیں۔ اس طرح مسلمانوں میں تین طبقے نظر آتے ہیں۔ (1) اشراف، جو کسی بھی سماجی محرومی کے شکار نہیں ہیں (2) اجلاف جن کی حیثیت ہندو اوبی سی جیسی ہے اور (3) ارڈال جو ہندو ایسی سی جیسی حیثیت رکھتے ہیں۔ جنہیں مسلم اوبی سی کہا جاتا ہے ان میں (2) اور (3) کے تحت طبقے شامل ہیں۔

چوں کہ صدارتی حکم (1950) کے تحت ایسی سی درجہ صرف 'ناصاف' لوگوں کے ساتھ یکجا کر کے اوبی سی قرار دے دیا جاسکتا ہے اس لئے ان کے غیر ہندو ہم پیشہ لوگوں کو متوسط ذاتوں کے مسلمان ہونے والے لوگوں میں شامل کر کے اوبی سی قرار دیا گیا

مسلم اوبی سی سے متعلق کانفرنس

کمیٹی نے مسلم اوبی سی کے بارے میں قومی سطح کی ایک کانفرنس کا اہتمام کیا جس کا مقصد ہندوستانی مسلمانوں کے اس طبقے کو درپیش مختلف مسائل پر غور کرنا تھا۔ اس دوروزہ کانفرنس میں ملک کے مختلف علاقوں اور ریاستوں کے لوگوں نے حصہ لیا۔ کانفرنس میں مسلم اوبی سی طبقوں کے سرگرم لوگوں، اس مسئلے پر مطالعہ اور غور و فکر کرنے والے اسکالروں اور مذہبی جماعتوں کے نمائندوں نے بھی شرکت کی۔

تمام شرکاء اس بات پر متفق تھے کہ مسلمان تفریقات کے شکار ہیں اور یہ بات حکومت کے تمام پالیسی اقدامات میں منعکس ہونی چاہئے۔ سرگرم لوگوں نے اس بات پر زور دیا کہ ہندو ایسی سی جیسے کام کرنے والے مسلم طبقوں کو بھی ایسی سی فہرست میں شامل کیا جائے۔ ایسی سی حیثیت دئے جانے میں کافر یا امتیازات کا سوال بھی اٹھایا گیا۔ یہ بتایا گیا کہ اتر پردیش میں ہندو بھاریوں کو ایسی سی فہرست میں رکھا گیا مگر ان کے مسلم ہم پیشہ لوگوں کو اوبی سی فہرست میں ڈال دیا گیا۔ سرکاری اور نجی زمرے کے روزگار میں مسلمانوں کی حد درجہ کم نمائندگی پر تشویش ظاہر کی گئی۔ مسلم اوبی سی کی نمائندگی اور بھی اہتر ہے۔ لہذا یہ کہا گیا کہ اوبی سی کوٹے میں ان کے لئے ایک الگ کوٹا مقرر کرنا ضروری ہے۔

مسلم اوبی سی کے لئے ریزرویشن کو درست قرار دیتے ہوئے، یہ خیال بھی پیش کیا گیا کہ وہ لوگ جنہیں ریزرویشن کے دائرے سے باہر رکھا گیا ہے بہت برے حال میں ہیں ان کے لئے بھی فوری تدارک کی اقدامات کئے جانے چاہئیں۔ خاتون شرکاء کو شکایت تھی کہ ریزرویشن کے سارے فوائد فرقے کے مرد ہڑپ کر لیتے ہیں۔ تاہم یہ کہا گیا کہ بیشتر مسلم خواتین خود روزگاری میں لگی ہوئی ہیں، اس لئے ان کے لئے مختلف قسم کے اقدامات درکار ہیں۔

مسلم اوبی سی سے متعلق کانفرنس میں اس بات پر اتفاق رائے تھا کہ مسلمانوں میں سماجی تفریقات موجود ہیں اور اس کا انعکاس حکومت کے تمام پالیسی اقدامات میں بھی ہونا چاہئے

وظائف، مفت یونیفارم اور پسماندہ مسلمانوں کے بچوں کے لئے ہاسٹلوں کی تعمیر کا مطالبہ کیا گیا۔ یہ کہا گیا کہ عالم کاری کے نتیجے سے پیدا شدہ

صورت حال میں کارگیروں کی مہارتوں میں اضافہ اور ٹکنالوجی کا معیار بلند کرنے کی ضرورت ہے۔ سرگرم لوگوں نے ذات کی سند حاصل کرنے میں آنے والی نوکریوں کی رکاوٹوں کی شکایت کی۔ انہوں نے مرکز کے ماتحت اعلیٰ تعلیم کے اداروں میں منڈل کمیشن کی سفارشات نافذ کئے جانے کا بھی مطالبہ کیا۔

4 مسلم ادبی سی کے لئے مثبت اقدام کے طریقے

ادبی سی کے معاملے پر غور کرنے کے لئے کل ہند سطح پر دو پسماندہ طبقات کمیشن مقرر کئے گئے جنہیں پسماندگی کا پیمانہ متعین کرنے، اس کی بنیاد پر سماجی طبقات کی نشان دہی کرنے اور ان کے حالات سدھارنے کے اقدامات تجویز کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ ان دونوں میں سے پہلے کمیشن (کا کا کالیکٹر کمیشن) کی رپورٹ کو مرکزی حکومت نے اس بنیاد پر مسترد کر دیا کہ اس میں پسماندہ طبقوں کی نشان دہی کے لئے اقتصادی پیمانے کی بجائے 'ذات' کا پیمانہ استعمال کیا گیا ہے۔ دوسرے کمیشن (منڈل کمیشن) کی رپورٹ کو اسے پیش کئے جانے کی ایک دہائی سے زیادہ عرصے کے بعد 1991 میں جزیوی طور پر نافذ کیا گیا۔ مرکزی سطح پر ان دو کوششوں کے علاوہ، مختلف ریاستی حکومتوں نے بھی اپنے پسماندہ طبقات کمیشن مقرر کئے اور پسماندہ طبقوں کو ریزرویشن دینے کے لئے اپنے طور پر الگ طریقے اختیار کئے۔

4.1 کا کا کالیکٹر کمیشن (1955) اور بی پی منڈل کمیشن (1980)

پہلے پسماندہ طبقات کمیشن نے اپنی رپورٹ 1955 میں پیش کی تھی۔ اس رپورٹ نے پسماندہ سبھی جانے والی 2399 ذاتوں اور برادریوں کی فہرست پیش کی جن میں سے 837 کو 'حد درجہ پسماندہ' قرار دیا گیا تھا جن پر خصوصی توجہ دی جانی چاہئے۔ اس طرح 'پسماندہ طبقوں' کی اصطلاح کو دو مزید زمروں میں تقسیم کیا گیا یعنی پسماندہ اور حد درجہ پسماندہ۔ فہرست میں صرف ہندوؤں کے پسماندہ طبقوں کو ہی نہیں، مسلمانوں سمیت غیر ہندوؤں کے ایسے زمرے کو بھی شامل کیا گیا تھا۔ اس رپورٹ میں پہلی بار مسلمانوں (اور دیگر مذہبی اقلیتوں) میں پسماندہ برادریوں کی موجودگی کو سرکاری طور پر تسلیم کیا گیا۔ ذات کے پیمانے کو کمیشن کے سربراہ کی منظوری نہیں مل سکی اور مسلمانوں عیسائیوں میں مفروضہ طور پر ذات پات نہ ہونے کو اس کی وجہ قرار دیا گیا۔ انہوں نے کہا: 'مگر میں نے ذات کی بنیاد پر تدارکی اقدامات تجویز کرنے کے خطرات پر نگاہ ڈالی جب میں نے پایا کہ ملک کے مسلم اور عیسائی طبقوں پر اس کے حد درجہ غیر صحت مند اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔' 15

منڈل کمیشن نے مسلمانوں کے کم از کم 82 سماجی گروپوں کو ادبی سی قرار دیا

دوسرے کل ہند پسماندہ طبقات کمیشن، جو منڈل کمیشن تھا، نے اپنی رپورٹ 1980 میں پیش کی۔ کمیشن نے سماجی اور تعلیمی پسماندگی کا جائزہ لینے کے لئے ذات اور طبقے دونوں پر مشتمل گیارہ اشاریے وضع کئے تھے۔ کمیشن نے ذاتوں کو ہندو سماجی ساخت کو تعمیر کرنے والی ایتھس، قرار دیا جو ایک ذاتوں کی تفریق سے پاک مساوی اور منصفانہ سماج قائم کرنے کے آئینی عزم کے باوجود برقرار ہیں۔ اس نے پسماندہ قرار دی جانے والی 3743 ذاتوں کی ایک جامع فہرست پیش کی۔ کمیشن نے اصولی طور پر تسلیم کیا کہ ذاتوں یا ذات جیسی خصوصیات صرف ہندو سماج تک محدود نہیں ہیں بلکہ ان کے اثرات مسلم، سکھ اور عیسائی جیسے غیر ہندو فرقوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ 1931 کی مردم شماری اور خود کمیشن کے ذریعے کرائے گئے فیلڈ سروے سے فراہم کردہ اعداد و شمار کی بنیاد پر مسلمانوں کے کم از کم 82 سماجی گروپوں کو ادبی سی قرار دیا گیا۔ تاہم کمیشن نے غیر ہندو ادبی سی کی نشان دہی کے لئے 'ذات' کا پیمانہ استعمال کرنے سے گریز کیا کیوں کہ یہ مذہب اپنے نقطہ نظر میں پوری طرح مساوات اور انصاف پر مبنی ہیں (تھے) 16۔ مگر کمیشن نے غریبی کو بھی واحد پیمانہ تسلیم نہیں کیا۔ کمیشن کے ذریعے وضع کردہ کام چلاؤ دو پیمانے اس

15 دوسرے پسماندہ طبقات کمیشن کی رپورٹ میں حوالہ (جلد اول)، 1980، ص 3

- (۱) کوئی بھی غیر ہندو مذہب اختیار کرنے والے تمام اچھوت، مسلمانوں کے معاملے میں انہیں ارڈال کہا جاتا ہے۔
 - (۲) ایسی پیشہ ورانہ برادریاں جو اپنے روایتی موروثی پیشوں سے بچپانی ذاتی ہیں اور جن کے ہندو مذہب سے پیشہ طبقے ہندو اوبی سی میں شامل کئے گئے ہیں۔ مسلمانوں میں یہ طبقے اجلاف پر مشتمل ہیں۔
- لیکن مسلم ارڈال اور اجلاف کو ایک عمومی اوبی سی زمرے میں یکجا کر کے، منڈل کمیشن نے ان دونوں طبقوں کو درپیش محرومیوں کے فرق کو نظر انداز کر دیا۔ ارڈال سماجی درجہ بندی میں سب سے نیچے ہونے کی وجہ سے بدترین حالت میں ہیں اور ان کے ساتھ علاحدہ سلوک درکار ہے۔ زیادہ مناسب ہوگا اگر انہیں ایس سی فہرست میں یا کم از کم اوبی سی کے اندر بنائے گئے حد درجہ پسماندہ طبقوں میں شامل کر لیا جائے۔

4.2 مسلم اوبی سی اور ریاستوں میں مثبت اقدام

کیرل میں مسلمانوں کے لئے ایک

کیرل اور کرناٹک ماڈل

کیرل اور کرناٹک، پسماندہ طبقوں سے متعلق ریزرویشن کی اپنی پالیسی کے تحت اس لحاظ سے ممتاز ہیں کہ انہوں نے اپنی تمام مسلم آبادی کو ریزرویشن کے فوائد فراہم کئے ہیں۔ یہ کام مسلمانوں کو (بالائی سطح کو چھوڑ کر) پسماندہ طبقوں کے عمومی زمرے میں ایک مخصوص گروپ کی حیثیت سے شامل کرنے اور ان کے لئے ایک الگ کوٹا فراہم کر کے کیا گیا ہے۔ ان کے ریزرویشن کی یہ مخصوص نوعیت نوآبادیاتی دور سے چلی آتی ہے۔ سابقہ ریاست میسور میں، مثبت اقدام کا سلسلہ 1874 میں شروع ہوا جب ایک سرکاری حکم کے تحت محکمہ پولس کے 80 فی صد عہدے غیر برہمنوں، مسلمانوں اور ہندوستانی عیسائیوں کے لئے مخصوص کر دیئے گئے۔ کیرل میں کم نمائندگی والے فرقوں کے لئے ریزرویشن کا مطالبہ ریاست ٹریوکنور اور کوچین میں 1936 میں اور مالابار میں اس سے بھی پہلے 1921 میں منظور کر لیا گیا تھا۔ اس کے تحت ایسا جیسی ذاتوں کے ساتھ ساتھ مذہبی اقلیتوں مثلاً مسلمانوں اور عیسائیوں کے بعض طبقوں کے لئے بھی کوٹے مقرر کئے گئے۔

ریزرویشن کے فوائد پہنچائے گئے ہیں

آزادی کے بعد، ریاست میسور کی تشکیل نو کے نتیجے میں ریاست کرناٹک وجود میں آئی جس میں تمام غیر برہمن ہندو ذاتوں اور تمام غیر ہندو اقلیتی فرقوں مثلاً مسلمانوں اور عیسائیوں کو پسماندہ طبقوں کی حیثیت سے تسلیم کر لیا گیا۔ 1960 میں، ناگن گوڈا کمیٹی کی سفارشات کے مطابق پسماندہ طبقوں کے زمرے کو پسماندہ طبقوں (28 فی صد) اور زیادہ پسماندہ طبقوں (22 فی صد) میں تقسیم کر دیا گیا۔ اس طرح ایس سی/ایس ٹی کوٹے کے ساتھ مل کر ریزرویشن کا مجموعی تناسب بڑھ کر 68 فی صد ہو گیا۔ تاہم سپریم کورٹ نے ایک سنگ میل نوعیت کے فیصلے میں ریزرویشن پر 50 فی صد کی حد لگا دی۔ 17 مسلمانوں کو ایک فرقے کی حیثیت سے پسماندہ طبقوں میں شمار کیا جاتا رہا۔ ہوانور کمیشن، 1972 نے ایک اقلیتی گروپ تشکیل دینے کی سفارش کی جسے 6 فی صد تک ریزرویشن حاصل ہو۔ اس ریاست میں پسماندہ طبقوں کے تین 6 فی صد سے زیادہ نہ ہو

ہوانور کمیشن 1972 نے ایک ایسا

اقلیتی زمرہ تشکیل دینے کی سفارش

کی تھی جس کو ریزرویشن دیا جائے

زمرے بنائے گئے۔ (۱) سب سے پسماندہ (۲) زیادہ پسماندہ اور (۳) پسماندہ۔ دو لاکھ روپے سالانہ سے کم آمدنی والے تمام مسلمانوں کو پسماندہ قرار دے کر زیادہ پسماندہ کے ذیلی زمرے میں رکھ دیا گیا اور ان کے لئے چار فی صد نشستیں مخصوص کر دی گئیں۔ ریاستی حکومت کی جانب سے اس کمیٹی کو فراہم کردہ معلومات کے مطابق اس اقدام کے نتیجے میں ریاستی حکومت کی ملازمتوں میں مسلمانوں کے حصے میں خاصا اضافہ ہو گیا۔ میڈیسن، ڈینٹل اور انجینئرنگ جیسے پیشہ ورانہ کورسوں میں بھی مسلمانوں کی تعداد خاصی بڑھ گئی۔ 1996 سے 2002 کے درمیان مسلم طلبہ نے میڈیسن میں 346، ڈینٹل میں 258 اور انجینئر کورسوں میں 3486 نشستیں حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ کیرل میں 1952 میں جاری کی گئی ریزرویشن اسکیم کے تحت، ریزرویشن کا دائرہ 45 فی صد (بشمول ایس سی/ایس ٹی کے لئے 10 فی صد) مقرر کیا

گیا۔ اس کے استفادہ کاروں میں ایزاوا، کمالا، نادر (ہندو اور عیسائی)، دیگر ہندو پسماندہ ذاتیں اور عیسائی ہو جانے والے ایس سی اور او بی سی شامل تھے۔ 1956 میں ریاست کی تشکیل نو کے بعد، پسماندہ طبقوں سے متعلق کوٹا بڑھا کر 40 فی صد کر دیا گیا۔ بعد میں اس اسکیم میں ترمیم کر کے اس میں بڑے پسماندہ گروپوں کے ایک ذیلی کوٹے کا اضافہ کیا گیا۔ مسلمانوں کا 10 فی صد حصہ مقرر کیا گیا جسے بعد میں بڑھا کر 12 فی صد کر دیا گیا۔ اس وقت کیرل میں موجودہ ریزرویشن کا نظام یوں ہے: پسماندہ طبقات 40 فی صد (ایزاوا 14 فی صد، مسلمان 12 فی صد، لائٹ کیتھولک 4 فی صد، نادر 2 فی صد، عیسائی ہو جانے والے ایس سی طبقے 1 فی صد، دیگر پسماندہ طبقے 3 فی صد، وشوکرما 3 فی صد) اور ایس سی و ایس ٹی 10 فی صد۔

تمل ناڈو ماڈل

حکومت تمل ناڈو نے مذہب پر مبنی تمل ناڈو، مسلمانوں یا مسلم او بی سی سے متعلق ریزرویشن کا ایک ایسا ماڈل پیش کرتا ہے جو کیرل اور کرناٹک سے قدرے مختلف ہے۔ کیرل اور ریزرویشن ختم کر دیا ہے مگر اس کے کرناٹک کے برعکس، یہاں مسلمان ایک علاحدہ زمرے کی حیثیت سے ریزرویشن کے مستحق نہیں ہیں مگر بیشتر مسلم برادریاں پسماندہ یا سب سے پسماندہ طبقوں کی فہرست میں شامل ہیں۔ ریاستی حکومت نے مذہب کی بنیاد پر ریزرویشن ختم کر دیا ہے مگر اس کے باوجود تقریباً 95 فی صد مسلمانوں کو پسماندہ طبقوں کے دائرے میں لے آیا گیا ہے۔

باوجود تقریباً 95 فی صد مسلمان پسماندہ طبقوں میں شامل کر لئے گئے ہیں

اس سلسلے کا آغاز یوں ہوا کہ تعلیمی طور پر پسماندہ مسلمانوں کو 29 جولائی 1872 کو منظور ایک قرارداد کے تحت خصوصی سلوک کا مستحق قرار دیا گیا۔ بعد میں 'آدی باسیوں' اور چلی ذات کے ہندوؤں کو بھی اس میں شامل کر لیا گیا۔ چونکہ زیادہ تنخواہوں والی ملازمتوں میں برہمنوں کی نمائندگی بہت زیادہ تھی، اس لئے ایک سرکاری حکم (1927) کے ذریعے ریزرویشن کا نظام جاری کیا گیا جس کے تحت دست یاب ملازمتوں میں غیر برہمنوں کو 42 فی صد اور مسلمانوں کو 17 فی صد حصہ حاصل ہوتا تھا۔

مسلم برادریوں کو ان کی پسماندگی کی آزادی کے بعد، ریزرویشن کی سہولت صرف آئینی طور پر تسلیم شدہ محروم طبقوں مثلاً ایس سی، ایس ٹی اور پسماندہ طبقوں کو فراہم کی گئی۔ مسلمانوں کے مطابق او بی سی یا ایم بی سی سے متعلق علاحدہ کوٹا بھی واپس لے لیا گیا مگر اس کی جگہ مسلمانوں کی پسماندہ سمجھی جانے والی برادریوں کو پسماندہ طبقوں کی فہرست میں شامل کر لیا گیا۔ ست نانتھن کمیشن (1970) نے 1951 کی زمرہ بندی کی توثیق کی۔ 105 واں/برادریوں کو پسماندہ قرار دیا اور 31 فی صد ریزرویشن کی سفارش کی جب کہ 18 فی صد ایس سی اور ایس ٹی کے لئے چھوڑ دیا گیا۔ تمل بولنے والے مسلم طبقوں مثلاً لٹا، دکنی مسلمانوں اور دیگر لوگ پسماندہ طبقوں کی فہرست میں شامل کر لئے گئے۔ 1980 میں، پسماندہ طبقوں سے متعلق 31 فی صد کوٹے کو بڑھا کر 50 فی صد کر دیا گیا جس سے مجموعی کوٹا 68 فی صد ہو گیا ہے۔

امپائٹر کمیشن (1982) کی سفارشات کے تحت پسماندہ طبقوں کو پسماندہ طبقوں، سب سے پسماندہ طبقوں اور غیر نوٹی فائدہ برادریوں کے زمروں میں تقسیم کیا گیا۔ ریزرویشن کا موجودہ تناسب 69 فی صد ہے جو سپریم کورٹ کی مقرر کردہ 50 فی صد کی حد سے بہت زیادہ ہے۔ تمل ناڈو کے پسماندہ طبقوں، درج فہرست ذاتوں اور درج فہرست قبائل (تعلیمی اداروں کی نشستوں اور ریاست کی سروہیز کے تقررات یا عہدوں میں ریزرویشن) سے متعلق قانون 1993 کو 76 ویں آئینی ترمیم کے ذریعے نوٹیفکیشن میں شامل کر لیا گیا۔

بہار ماڈل

'کرپوری فارمولہ' کے تحت پسماندہ طبقوں کے زمرے کو 'ترقی یافتہ طبقوں'، 'دیگر پسماندہ طبقوں' (او بی سی) اور نسبتاً زیادہ محروم، سب سے پسماندہ، طبقوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ بہار میں پسماندہ طبقوں کی حالت کو سمجھنے کے لئے پہلا بڑا قدم اس وقت اٹھایا گیا جب 1971 میں

موتگیری لال کمیشن تشکیل دیا گیا۔ اس کمیشن نے 1975 میں اپنی رپورٹ پیش کی جس میں سفارش کی گئی کہ پسماندہ طبقوں کو دیگر پسماندہ طبقوں (اوبی سی) اور سب سے پسماندہ طبقوں (ایم بی سی) میں تقسیم کر دیا جائے۔ اوبی سی فہرست میں 128 اور ایم بی سی فہرست میں 93 ذات برادریوں کو شامل کیا گیا۔ کرپوری ٹھا کر حکومت نے 1978 میں موتگیری لال کمیشن کی پیش کردہ زمرہ بندی کو منظور کر لیا۔ ملازمتوں میں بہت سے اوبی سی گروپ بلا لحاظ تقرر کے لئے، 8 فی صد حصہ اوبی سی کے لئے، 12 فی صد ایم بی سی کے لئے، 14 فی صد ایس سی اور 3 فی صد ایس ٹی کے لئے، 3 فی صد خواتین اور 3 فی صد اقتصادی طور پر پسماندہ طبقوں کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔ ریاست جھارکھنڈ کی تشکیل کے بعد، مذکورہ اسکیم میں تھوڑی ترمیم کی گئی۔ ایس ٹی کو نام کم کر کے ایک فی صد کر دیا گیا اور ایس سی کو 15 فی صد، اوبی سی کو 13 فی صد، ایم بی سی کو 18 فی صد اور پسماندہ ذاتوں کی خواتین کے لئے 3 فی صد کو نام مقرر کیا گیا۔ مسلم ذات برادریوں کو ان کی پسماندگی کی سطح کے لحاظ سے اوبی سی یا ایم بی سی فہرست میں شامل کیا ناموجود ہیں گیا ہے۔

اس طرح مذکورہ بالا تفصیلات کے مطابق مسلمانوں/مسلم پسماندہ طبقوں سے متعلق مثبت اقدام کے تین ماڈل مختصر اویوں ہیں۔

- (1) پورے مسلم فرقے کے لئے سیٹوں کا ریزرویشن (بالائی سطح کو چھوڑ کر): کیرل اور کرناٹک
- (2) پسماندہ ذاتوں/برادریوں کے لئے ریزرویشن مگر 95 فی صد مسلم آبادی پر مشتمل بیشتر مسلم برادریاں ریزرویشن کے دائرے میں شامل: تمل ناڈو
- (3) اوبی سی کی پسماندہ طبقوں اور سب سے پسماندہ طبقوں (ایم بی سی) میں تقسیم، بیشتر مسلم پسماندہ طبقے ایم بی سی فہرست میں شامل: بہار

Table 10.1 Relative Reservation shares/Quotas for Public Employment : All India and Major States

| India/States | Muslim Pop.(%) | Quota for SRCs (%) | | | | Remarks |
|---------------|----------------|--------------------|-----|------|-------|---|
| | | SCs | STs | OBCs | Total | |
| India | 13.4 | 15 | 7.5 | 27 | 49.5 | <ul style="list-style-type: none"> No separate quota for Muslims. Muslim OBCs clubbed with all OBCs. |
| West Bengal | 25.2 | 22 | 6 | 7 | 35 | <ul style="list-style-type: none"> No separate quota for Muslims. 9 Muslim groups in the state list of OBCs. |
| Kerala | 24.7 | 10 | | 40 | 50 | <ul style="list-style-type: none"> Within OBC separate 10 to 12% quota is fixed exclusively for Muslims for different levels. |
| Uttar Pradesh | 18.5 | 21 | 2 | 27 | 50 | <ul style="list-style-type: none"> No separate quota for Muslims. Nearly 30 Muslims groups included in the OBC list. |
| Bihar | 16.5 | 15 | 1 | 34 | 50 | <ul style="list-style-type: none"> No Separate quota for Muslims. OBC quota subdivided into BCs (13%), MBC (18%) and OBC women(3%). 9 Muslim groups figure in the BC list and 27 in the MBC list. |
| Assam | 30.9 | 7 | 15 | 15 | 37 | <ul style="list-style-type: none"> No separate quota for Muslims. OBC category divided into BCs and MBCs. Muslim groups figure in both BC and MBC list. |
| Jharkhand | 13.8 | 11 | 27 | 22 | 60 | <ul style="list-style-type: none"> No separate quota for Muslims. Muslim OBCs included in the OBC list. |

| India/States | Muslim Pop.(%) | Quota for SRCs (%) | | | | Remarks |
|----------------|----------------|--------------------|-----|------|-------|--|
| | | SCs | STs | OBCs | Total | |
| Karnataka | 12.2 | 15 | 3 | 32 | 50 | <ul style="list-style-type: none"> The backward classes are further categorized into category I, IIA and IIB, IIIA and IIIB. Category I : 4% (89 castes that includes Muslim groups such as Darvesu, Chapperband, Bazigar, Pinjari, Nadaf, Ladaf, Dudekula, Mansoori including creamy layer), IIA: 15% (101 caste groups, also includes Muslim groups such as darzi, rangrez, julaha); II B: 4% (Exclusively for Muslims, excluding creamy layer) ; IIIA : 4 %, no Muslim group; IIIB : 5 %, no Muslim group. |
| Uttaranchal | 11.9 | 19 | 4 | 14 | 37 | <ul style="list-style-type: none"> No separate quota for Muslims A few Muslim groups in the state list. |
| Delhi | 11.7 | 15 | 7.5 | 27 | 49.5 | <ul style="list-style-type: none"> No separate quota for Muslims Has 54 castes in its state list out of which at least 19 are Muslim. |
| Maharashtra | 10.6 | 13 | 7 | 32 | 52 | <ul style="list-style-type: none"> No separate quota for Muslims The category backward classes is subdivided into Vimukta Jati (3 %), Nomadic Tribes (8 %), Special Backward Castes (2 %) and OBCs (19 %). Around 35 Muslim groups in the state list under various categories. |
| Andhra Pradesh | 9.2 | 15 | 6 | 25 | 46 | <ul style="list-style-type: none"> No separate quota for Muslims. The Backward Classes Category is subdivided into Group A (7%), Group B (10%), Group C (1%) and Group D (7%). A few Muslim groups such as Dudekula, Laddaf, Pinjari/Noorbash, Mehtar are included in Group A, B and D. Group C is exclusively for SC converts to Christianity. |
| Gujarat | 9.1 | 7 | 15 | 27 | 49 | <ul style="list-style-type: none"> No Separate quota for Muslims. Nearly 50 Muslim groups in the state OBC list. |
| Rajasthan | 8.5 | 15 | 7.5 | 27 | 49.5 | <ul style="list-style-type: none"> No separate quota for Muslims Nearly 30 Muslim groups in the OBC list. |
| Madhya Pradesh | 6.4 | 16 | 20 | 14 | 50 | <ul style="list-style-type: none"> No separate quota for Muslims. 37 Muslim groups included in the OBC list. Population figure of OBCs not available |
| Haryana | 5.8 | 15 | 7.5 | 27 | 49.5 | <ul style="list-style-type: none"> No separate quota for Muslims. A few Muslim groups in the OBC list. |
| Tamil Nadu | 5.6 | 18 | 1 | 50 | 69 | <ul style="list-style-type: none"> No separate quota for Muslims. |

| India/States | Muslim Pop.(%) | Quota for SRCs (%) | | | | Remarks |
|------------------|----------------|--------------------|-----|-------------------|-------|---|
| | | SCs | STs | OBCs | Total | |
| | | | | | | <ul style="list-style-type: none"> OBC category subdivided into BCs (30%) and MBCs& Denotified Communities (20%). The Muslim groups in the state list constitute nearly 95 % of the Muslim population. |
| Orissa | 2.1 | 15 | 7.5 | 27 | 49.5 | <ul style="list-style-type: none"> No separate quota for Muslims. A few Muslim groups in the OBC list. |
| Himachal Pradesh | 2 | 15 | 7.5 | 5% | 27.5 | <ul style="list-style-type: none"> No separate quota for Muslims. A few Muslim groups in the state list. OBC quota not applicable for admissions into educational institutions. |
| Chhattisgarh | 2 | 15 | 18 | 14 | 47 | <ul style="list-style-type: none"> No separate quota for Muslims For Class III and IV posts, the quota is slightly different. SC-16, ST-20, OBC-14. Population figures for OBCs not available. |
| Punjab | 1.6 | 20 | 5 | 5 (17% others) | 47 | <ul style="list-style-type: none"> No separate quota for Muslims. Other beneficiaries include women, from backward area and from border areas, freedom fighters and their children, Wards of defence personnel/ Para-Military Personnel (4%), Sportspersons (2%). |

5 - ریاستی اور مرکزی اوبی سی فہرست میں نا شامل اوبی سی

اوبی سی کے لئے ریویژن کا سلسلہ مرکز کے مقابلے ریاستوں میں زیادہ پہلے سے رائج ہے۔ منڈل کمیشن کی سفارشات منظور کئے جانے کے بعد، اوبی سی کی مرکزی فہرست ابتدائی مرحلے میں 'قدر مشترک' کے اصول پر تیار کی گئی۔ لہذا ریاستی فہرست اور منڈل کمیشن کی تیار کردہ فہرست بعض مسلم برادریاں مرکزی فہرست دونوں میں شامل ذاتوں/ برادریوں کو مرکزی فہرست میں شامل کیا گیا۔ اس طرح اس پر تعجب نہیں ہونا چاہئے کہ ایسی بہت سی ذاتیں/ برادریاں جو یا تو صرف منڈل کی فہرست میں یا صرف ریاستی فہرست میں شامل کی گئی تھیں، مرکزی فہرست میں شامل نہیں کی جاسکیں۔ توقع تھی کہ نیشنل بیک ورڈ کلائز کمیشن (این سی بی سی) کی تشکیل کے بعد یہ عدم مطابقت ختم کر دی جائے گی۔ 18 1993 میں وجود میں آنے والے این سی بی سی نے اوبی سی کی مرکزی فہرست میں ذاتوں/ برادریوں کی شمولیت کے لئے سماجی، اقتصادی اور تعلیمی اشاریوں پر مبنی چند رہنما خطوط مقرر کئے۔ مرکزی اور ریاستی فہرستوں کے درمیان عدم مطابقت اب بھی موجود ہے۔ یہ صرف مسلمانوں ہی کی نہیں بلکہ عام شکایت ہے۔ بلا لحاظ مذہب کئی ایسے گروپ ہیں جو ریاستی فہرست میں تو شامل ہیں مگر مرکزی فہرست میں ناموجود ہیں، مثلاً مدھیہ پردیش میں 91 سماجی گروپ ریاستی پسماندہ طبقات کمیشن کی تجویز کردہ فہرست میں بطور اوبی سی شامل ہیں مگر ایسے صرف 65 گروپوں کو ہی مرکزی فہرست میں جگہ دی گئی 18 قومی کمیشن برائے پسماندہ طبقات ایکٹ 1993 کے سیکشن (1) کے تحت کمیشن پسماندہ طبقوں کی مرکزی فہرست میں پسماندہ طبقے کی حیثیت سے شامل ہونے سے متعلق کسی بھی طبقے کے شہریوں کی درخواست پر غور کرے گا، فہرستوں میں کسی پسماندہ طبقے کی حد سے زیادہ یا کم شمولیت کی شکایات سے گاور مرکزی حکومت کو ایسی سفارشات پیش کرے گا جو اس کی نظر میں مناسب ہوں گی۔

ہے۔ اتر پردیش کی ریاستی ادبی سی فہرست میں 79 ذاتیں شامل ہیں مگر ان میں سے صرف 74 مرکزی فہرست میں شامل ہیں۔ اس طرح راجستھان کی ریاستی فہرست میں 74 ذاتیں شامل ہیں مگر صرف 65 کو مرکزی فہرست میں ادوبی سی کا درجہ دیا گیا ہے۔

اس قسم کی عدم مطابقت مسلم ادوبی سی کے معاملے میں بھی پائی ذاتی ہے۔ مثلاً مدھیہ پردیش میں، 37 برادریاں ریاستی فہرست میں اسلامی گروپوں کی حیثیت سے داخل ہیں مگر ان میں سے صرف 27 مرکزی فہرست میں جگہ پا سکی ہیں۔ بہار میں، فہرست پر حالیہ نظر ثانی کے بعد، 17 ادوبی سی طبقے ایسے پائے گئے جنہیں مرکزی فہرست میں جگہ نہیں دی گئی ہے۔ ان میں سے چھ مسلم برادریاں ہیں یعنی (1) فقیر/دیوان (2) جولاہا/انصاری (اس کا مترادف نام مومن مرکزی فہرست میں ہے) (3) عطر فروش/گدھیری/ایتانج/ابراہیمی (3) جاٹ (5) گڈریا اور (6) سورج پوری۔ اتر پردیش میں، دو مسلم برادریاں مرثیکہ اور نانباٹی مرکزی فہرست میں داخل نہیں ہیں۔ گجرات میں، جیلایا، تریاتانی، منصور، عرب سمر، تارک، کلال اور بہویا برادریاں ریاستی فہرست میں تو ہیں مگر مرکزی فہرست میں ندرد ہیں۔ اسی طرح کئی مسلم برادریاں مثلاً منصور، پان فروش، عطار، سنیا گروڑی، مسلم مداری، مسلم گاؤلی، درویش، ہاشمی، نال ہند وغیرہ مرکزی فہرست میں شامل نہیں ہو سکی ہیں۔

ریاستی حکومتوں کی تیار کردہ ادوبی سی کی فہرستوں میں بھی کئی محروم ذاتیں اور برادریاں شامل نہیں ہیں۔ چند مسلم برادریاں مرکزی فہرست میں شامل ہیں مگر ریاستی فہرستوں میں شامل ہونا باقی ہیں۔ بہار میں کلوار، راجستھان میں منصور، اتر پردیش میں آتش باز، رامین، کلوار، رنگو اور چوڑی ہار، مغربی بنگال میں ایسی مسلم برادریوں کی چند مثالیں ہیں۔ کئی اور مسلم برادریاں مرکزی اور ریاستی دونوں فہرستوں میں شامل نہیں ہیں۔ ان برادریوں کی نشان دہی 'پینیل آف انڈیا پراجکٹ' کے تحت 'پیشہ و پالوجیکل سرورے آف انڈیا کی جمع کردہ معلومات کی بنیاد پر کی جاسکتی ہے۔ مثلاً گجرات میں اس پروجیکٹ نے 85 مسلم برادریوں کی نشان دہی کی جن میں سے کم از کم 76 غیر اشراف ہیں۔ تاہم مرکزی فہرست میں ان میں سے صرف 22 کو داخل کیا گیا ہے جب کہ ریاستی فہرست میں ان کی تعداد صرف 27 ہے۔ بہار میں، اس پراجیکٹ کے مطابق 37 ذاتیں/برادریاں غیر اشراف میں شمار کی جاسکتی ہیں مگر ان میں سے صرف 23 مرکزی فہرست میں شامل کی گئی ہیں۔ اس پراجیکٹ نے اتر پردیش سے متعلق ایسی 67 برادریوں کی فہرست بنائی ہے جن میں سے 61 پیشہ ورانہ برادریاں ہیں۔ مرکزی اور ریاستی دونوں فہرستوں میں ان میں سے صرف 32 کو شامل کیا گیا ہے۔

گجرات میں، 'پروجیکٹ' نے پایا کہ 85 مسلم برادریوں میں سے کم از کم 76 غیر اشراف ہیں۔ مگر ان میں سے صرف 22 کو مرکزی فہرست میں جگہ دی گئی ہے جب کہ ریاستی فہرست میں ایسی صرف 27 برادریاں شامل ہیں

مسلم برادریوں کے لئے ایسی سی درجہ

مسلم سماجی ساخت میں اشراف اور اجلاف کو اعلیٰ ترین اور متوسط درجہ حاصل ہے مگر اذال کم ترین حیثیت میں ہیں جو ان برادریوں پر مشتمل ہیں جن کے روایتی پیشے وہی ہیں جو درج فہرست ہندو ذاتوں کے ہیں۔ یہ بات بڑے پیمانے پر مانی ذاتی ہے کہ یہ برادریاں اسلام قبول کر لینے والے ہندو اچھوتوں پر مشتمل ہیں۔ مذہب کی تبدیلی سے ان کی سماجی یا اقتصادی حالت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ ان کے روایتی پیشوں کی داغ داری کے سبب وہ سماجی مقاطعے کے شکار ہیں۔ مگر اس کے باوجود انہیں ان کے ہندو ہم پیشہ لوگوں کی طرح ایسی سی کا درجہ نہیں دیا گیا ہے۔

ایسی سی فہرست سے ان کا اخراج 1936 سے چلا آتا ہے جب شاہی حکم (شیڈولڈ کاسٹ) کے تحت یکساں اصل والے عیسائیوں اور بودھوں کے ایسی سی درجے کو مسترد کر دیا گیا۔ مسلمانوں کے محروم طبقے مثلاً حلال خور اس فہرست میں شامل کئے گئے مگر انہیں اس کے فوائد سے محروم کر دیا گیا۔ نوآبادیاتی دور کے اس حکم کی ہی بنیاد پر آزاد ہندوستان کی حکومت نے اپنے آئینی حکم، (شیڈولڈ کاسٹ) 1950 کے تحت ان برادریوں کو انہیں درپیش محرومیوں کے مطابق درجہ دینے سے محروم کر دیا۔ اس حکم میں دوبار ترمیم کی گئی۔ پہلی بار 1956 میں جب سکھوں کی بعض برادریوں کو ایسی سی میں شامل کیا گیا اور دوسری بار 1990 میں جب بودھوں کو ایسی سی قرار دیا گیا۔ اس طرح اب صرف یکساں اصل کے مسلمانوں

بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ 1950 کا حکم، آئین کی دفعہ 14، 15، 16 اور 25 کے منافی ہے جن میں مساوی مواقع، ضمیر کی آزادی اور شہریوں کو ریاست کے ذریعے مذہب یا ذات کی بنیاد پر امتیازات سے تحفظ کی ضمانت دی گئی ہے

اور عیسائیوں کو ہی اس درجے سے محروم رکھا گیا ہے۔ اس کی وجہ سے گدھیری، گورکن، مہتر یا حلال خور، مسلم دھوبی، جاکھو، نٹ، پیر یا، لال بیگی اور دیگر مسلم برادریاں حدود درجہ غربی اور محرومی کی شکار اور الگ تھلگ پڑی ہوئی ہیں۔ اوبی سی فہرست میں ان کی شمولیت سے انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا ہے کیوں کہ انہیں زیادہ تر ترقی یافتہ متوسط ذاتوں کے ساتھ یکجا کر دیا گیا ہے۔ کئی لوگوں کا کہنا ہے کہ 1950 کا حکم، آئین کی دفعہ 14، 15، 16 اور 25 سے ہم آہنگ نہیں ہے جن میں مواقع کی برابری، ضمیر کی آزادی اور شہریوں کو مذہب، ذات یا عقیدے کی بنیاد پر ریاست کے ذریعے امتیازات سے محفوظ رکھنے کی ضمانت دی گئی ہے۔

6 عملی صورت حال

ان میں بیشتر اشاریے بتاتے ہیں کہ مسلم اوبی سی، ہندو اوبی سی کے مقابلے زیادہ محروم ہیں

اس باب میں عام مسلمانوں اور بطور خاص مسلم اوبی سی کو درپیش محرومیوں کو عددی طور پر سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مثلاً مرد اور خاتون کارکنوں کی تعداد مختلف سطحوں اور سیکٹروں کی ملازمتوں میں مسلمانوں کی نمائندگی، تنخواہوں اور اجرتوں، فی کس آمدنی، غربی کی صورت حال، شہری و دیہی اراضی کی ملکیت، تعلیم میں شرکت وغیرہ عوامل کی مدد سے مسلم اور ہندو اوبی سی اور غیر اوبی سی مسلمانوں اور عام ہندوؤں کی حالتوں کے درمیان تقابل کیا گیا ہے۔ ان میں سے بیشتر عوامل ظاہر کرتے ہیں کہ مسلم اوبی سی، ہندو اوبی سی کے مقابلے میں نمایاں طور پر زیادہ محرومی کے شکار ہیں۔

6.1 مسلم اوبی سی کی تعداد

آبادی سے متعلق معلومات کے لئے ہندوستان میں رائج دس سالہ مردم شماری معتبر ترین ذریعہ ہے۔ تاہم مردم شماری، مسلم اوبی سی کی آبادی معلوم کرنے کے ہمارے مقصد کے لئے ناکافی ہے کیوں کہ آزادی کے بعد ذاتوں یا برادریوں کو شمار کرنے کا سلسلہ بند کر دیا گیا۔ اس فیصلے کے نتیجے میں، اس سلسلے میں صرف قیاسات اور دعووں اور جوابی دعووں کو بڑھاوا ملا ہے۔ تاہم بعض ریاستوں میں، ریاستی پسماندہ طبقات کمیشنوں نے ان ریاستوں میں اوبی سی قراوردی گئی مختلف ذاتوں کی تعداد معلوم کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر یہاں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ایسے تمام سروے تقریباً ایک دہائی یا اس سے زیادہ پہلے کے ہیں۔ مزید یہ کہ چونکہ تمام ریاستی حکومتوں یا ریاستی سطح کے تمام پسماندہ طبقات کمیشنوں نے یہ سروے نہیں کرائے ہیں اس لئے کوئی کل ہند تخمینہ قائم نہیں کیا جاسکتا۔

منڈل کمیشن نے 1931 کی مردم شماری کے اعداد و شمار پر تکیہ کرتے ہوئے یہ تخمینہ قائم کیا تھا کہ اوبی سی آبادی، ملک کی مجموعی آبادی کا 52 فی صد ہے۔ کمیشن نے یہ فرض کر لیا کہ غیر ہندو (مسلم، عیسائی اور سکھ) فرقوں میں بھی اوبی سی کا یہی تناسب ہوگا۔ اس طرح ملک کی آبادی میں غیر ہندو اوبی سی کی تعداد 40.8 فی صد ملے گی۔ اس بات کے پیش نظر کہ 1931 کی مردم شماری کی بنیاد بجائے خود غیر یقینی ہے، اس تخمینے کی مزید جانچ درکار ہے۔ منڈل کمیشن کے تخمینے پر اس لحاظ سے بھی اعتبار نہیں کیا جاسکتا کہ منڈل فہرست میں شامل بہت سی ذاتوں/برادریوں کو اب تک مرکزی اوبی سی فہرست میں جگہ نہیں مل سکی ہے۔ ابھی حال ہی میں، نیشنل سیکول سروے آرگنائزیشن (این ایس ایس او) نے اپنے 55 ویں دور کے سروے کی بنیاد پر مختلف مذہبی طبقوں کے بہت سے اوبی سی طبقوں سے متعلق رضا کارانہ بیانات پر مبنی، اعداد و شمار فراہم کرنے شروع کئے ہیں۔ لہذا اب اس کے ذریعے آبادی، روزگار یا تعلیم میں مسلم اوبی سی کے تناسب کے بارے میں معلومات حاصل کی جاسکتی ہے۔ تاہم فرد افراد ہر ذات اور اس کے تناسب سے متعلق معلومات دست یاب نہیں ہے۔ مسلم اوبی سی کے تناسب کے تجزیے کے لئے ہم نیشنل سیکول

سروے کے 61 ویں دور سے متعلق اعداد و شمار پر تکیہ کریں گے۔

نیشنل سیمپل سروے، 61 واں دور

اوبی سی سے متعلق سروے کے اوبی سی سے متعلق اس سروے کے اعداد و شمار منڈل کمیشن کے تیار کردہ تخمینے سے کم ہیں۔ پھر یہ کہ 55 ویں اور 61 ویں دور کے سروے کے اعداد و شمار منڈل کمیشن کے تخمینوں فراہم کردہ اعداد و شمار میں خاصا فرق پایا جاتا ہے۔ جدول 10.2 میں دکھایا گیا ہے کہ 61 ویں دور کے مطابق خود مسلم اوبی سی قرار دینے والوں کی تعداد کل مسلم آبادی کی 40.7 فی صد ہے جب کہ 55 ویں دور کے مطابق یہ تعداد 31.7 فی صد تھی جس سے 9 فی صد کا اضافہ ظاہر ہوتا ہے۔ یہی فرق دیہی اور شہری دونوں علاقوں میں نظر آتا ہے۔ چونکہ این ایس ایس اولوگوں کے اپنے بیانات پر مبنی اعداد و شمار فراہم کرتا ہے، اس لئے اس سے صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یا تو مسلم اوبی سی میں اپنی اوبی سی حیثیت کے بارے میں شعور و احساس کا اضافہ ہوا ہے یا پھر گزشتہ دور کے سروے کے بعد اوبی سی فہرست پر خاصے بڑے پیمانے پر نظر ثانی کی گئی ہے۔ ہندو اوبی سی کی تعداد میں اضافہ بھی توجہ طلب ہے۔ دونوں سروے میں، ہندو آبادی میں ایس سی/ ایس ٹی کی تعداد برقرار رہی ہے۔ ایس سی/ ایس ٹی کی درجہ بندی اور اس سے وابستہ فوائد کا سلسلہ بہت پہلے، کم از کم 50 سال پہلے سے شروع ہو گیا تھا اور اسی لئے ان طبقوں کے لوگ بڑے پیمانے پر اپنی حیثیت سے پوری طرف واقف ہو چکے ہیں۔

Table 10.2: Distribution of Population by SRCs

| | Hindus | | | | | | Muslims | | | | Other Min | | |
|-----------|-------------|-----------|------|-------|------|-------|-------------|-------|------|-------|--------------|------|------|
| | Pop. (%) | % SCs/STs | | % OBC | | % Gen | Pop. (%) | % OBC | | % Gen | | | |
| | | 55th | 61st | 55th | 61st | | | 55th | 61st | | | 55th | 61st |
| All India | 80.5 | 31.3 | 31.2 | 38.3 | 43.0 | 30.5 | 25.9 | 13.4 | 31.7 | 40.7 | 68.3 | 59.3 | 6.1 |
| Urban | 75.6 | 20.6 | 20.5 | 33.0 | 36.9 | 46.5 | 42.6 | 17.3 | 32.6 | 40.2 | 67.4 | 59.8 | 7.1 |
| Rural | 82.3 | 34.6 | 34.5 | 39.9 | 44.9 | 25.5 | 20.6 | 12.0 | 31.2 | 40.9 | 68.8 | 59.1 | 5.7 |

Source: Based on NSSO 55th Round (Schedule 10) and 61st Round (Schedule 10) data

Note: Muslim-OBC population includes those of SC origins.

اوبی سی کی ریاست وارا آبادی

جدول 10.3 میں ملک میں ہندو اور مسلم اوبی سی آبادی کی ریاست وار معلومات فراہم کی گئی ہے۔ کیڑل، تمل ناڈو اور ہریانہ جیسی ریاستوں میں تقریباً تمام مسلم آبادی اوبی سی پر مشتمل ہے۔ کیڑل میں اس کا سبب یہ ہے کہ موہٹا مسلمانوں کو جو ریاست کی مسلم آبادی کا تقریباً 90 فی صد حصہ ہیں مرکزی فہرست میں شامل کر لیا گیا ہے۔ اسی طرح ہریانہ میں مسلم آبادی کا غالب حصہ میو مسلمانوں پر مشتمل ہے جو اوبی سی ہیں۔ بہار، اتر پردیش، راجستھان، مدھیہ پردیش اور چھارکھنڈ کی ہندی-اردو بولنے والوں کی پٹی میں اوبی سی قرار دئے گئے مسلمان اکثریت میں ہیں۔ دوسری جانب، مغربی بنگال اور آسام میں، جہاں مسلمانوں کی کثیر آبادی ہے، مسلم اوبی سی کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ اسی لئے ان ریاستوں کے بیشتر مسلمانوں کو اوبی سی حیثیت سے وابستہ فوائد حاصل نہیں ہیں۔

علاقائی تجزیے سے، اہم بین ریاستی فرق کا اندازہ ہوتا ہے۔ 20 میں سے 14 ریاستوں میں جن سے متعلق اعداد و شمار پیش کئے گئے ہیں، مسلم اوبی سی کی تعداد، گزشتہ سروے کے مقابلے 61 ویں سروے میں زیادہ ہو گئی ہے۔ یہ اضافہ راجستھان میں سب سے زیادہ (32 فی صد) اور اس کے بعد بہار میں 23 فی صد اور اتر پردیش میں 18 فی صد ہوا ہے۔ مغربی بنگال، آسام، جوں و کشمیر، کرناٹک، دہلی اور ہماچل پردیش میں

ان 20 ریاستوں میں سے جن کے اعداد و شمار پیش کئے گئے 12 میں مسلم اوبی سی کا حصہ 61 ویں دور میں گزشتہ دور کے سروے سے زیادہ نظر آیا

اوبی سی کی تعداد میں کمی نظر آتی ہے۔ دہلی میں یہ تبدیلی بہت زیادہ (24 فی صد) ہے جب کہ مغربی بنگال میں معمولی ہے۔

این ایس ایس او کے تازہ ترین (61 واں دور) سروے کے تحت کل آبادی میں اوبی سی کا تناسب 40.4 فی صد قرار دیا گیا ہے۔ ان میں سے 34 فی صد ہندو اوبی سی اور باقی 6.4 فی صد مسلم اوبی سی ہیں۔ ملک کی کل اوبی سی آبادی میں مسلم آبادی کا تناسب 15.7 فی صد ہے۔ لیکن اس کا انعکاس، جیسا کہ ہم ابھی دیکھیں گے، سرکاری ملازمتوں یا تعلیمی اداروں میں ان کی نمائندگی سے نہیں ہوتا۔

Table 10.3: Distribution of Population According to SRCs by States

| State | Pop. 2001 (Millions) | Hindus | | | | | Muslims | | | Other Min. |
|------------------|----------------------|--------|-----------|--------|--------|--------|---------|--------|--------|------------|
| | | ALL | % SCs/STs | | % OBCs | | ALL | % OBCs | | |
| | | | '99-00 | '04-05 | '99-00 | '04-05 | | '99-00 | '04-05 | |
| India | 1028.6 | 80.5 | 31.3 | 31.2 | 38.3 | 43.0 | 13.4 | 31.7 | 40.7 | 6.1 |
| West Bengal | 80.2 | 72.5 | 43.3 | 42.0 | 8.3 | 8.4 | 25.2 | 2.6 | 2.4 | 2.3 |
| Kerala | 31.8 | 56.2 | 18.1 | 21.1 | 49.4 | 56.0 | 24.7 | 89.8 | 99.1 | 19.1 |
| Uttar Pradesh | 174.7 | 80.8 | 28.8 | 28.5 | 41.6 | 51.5 | 18.2 | 44.4 | 62.0 | 0.9 |
| Bihar | 109.9 | 79.6 | 29.5 | 26.9 | 54.4 | 60.2 | 15.9 | 40.6 | 63.4 | 0.2 |
| Assam | 26.7 | 64.9 | 34.5 | 40.7 | 24.6 | 26.6 | 30.9 | 4.9 | 3.0 | 4.2 |
| J & K | 10.1 | 29.6 | 22.9 | 35.4 | 3.1 | 10.1 | 67.0 | 19.4 | 17.1 | 3.4 |
| Jharkhand | - | - | - | 37.8 | - | 47.0 | - | - | 61.7 | - |
| Karnataka | 52.9 | 83.9 | 29.2 | 29.7 | 35.1 | 39.2 | 12.2 | 56.8 | 52.7 | 3.9 |
| Uttaranchal | - | - | - | 27.8 | - | 14.9 | - | - | 53.2 | - |
| Delhi | 13.9 | 82.0 | 18.5 | 27.8 | 22.4 | 14.1 | 11.7 | 45.1 | 21.6 | 6.3 |
| Maharashtra | 96.9 | 80.4 | 23.5 | 22.2 | 30.0 | 37.7 | 10.6 | 6.8 | 11.6 | 9.0 |
| Andhra Pradesh | 76.2 | 89.0 | 27.3 | 25.6 | 49.4 | 50.2 | 9.2 | 10.7 | 19.5 | 1.8 |
| Gujarat | 50.7 | 89.1 | 30.0 | 29.0 | 29.3 | 39.8 | 9.1 | 25.6 | 33.0 | 1.8 |
| Rajasthan | 56.5 | 88.8 | 37.4 | 37.9 | 34.0 | 43.1 | 8.5 | 24.2 | 55.8 | 2.8 |
| Madhya Pradesh | 81.2 | 92.1 | 42.4 | 39.0 | 41.2 | 41.6 | 5.2 | 36.8 | 48.3 | 2.5 |
| Haryana | 21.1 | 88.2 | 24.7 | 25.5 | 25.1 | 29.3 | 5.8 | 82.4 | 86.2 | 6.0 |
| Tamil Nadu | 62.4 | 88.1 | 27.3 | 23.6 | 64.8 | 72.5 | 5.6 | 83.2 | 93.3 | 6.3 |
| Orissa | 36.8 | 94.4 | 44.0 | 41.6 | 30.5 | 37.8 | 2.1 | 7.8 | 8.5 | 3.6 |
| Himachal Pradesh | 6.1 | 95.4 | 23.6 | 32.4 | 11.5 | 14.8 | 2.0 | 33.4 | 30.9 | 2.6 |
| Punjab | 24.4 | 36.9 | 43 | 39.6 | 17.4 | 14.3 | 1.6 | 40.6 | 54.4 | 61.5 |

Source: Census 2001, NSSO 55th and 61st Round.

6.2 مسلمانوں میں درج فہرست قبائل کا تناسب

درج فہرست ذاتوں کے زمرے کے برعکس، درج فہرست قبائل کے تمام لوگ بلا لحاظ مذہبی وابستگی ریزرویشن کے مستحق ہیں۔ کسی فرقے کو درج فہرست قبائل میں شامل کرنے کے لئے قدیم طرز حیات کے آثار، نمایاں طور پر مختلف ثقافت، جغرافیائی لحاظ سے الگ تھلگ ہونا، دیگر انسانوں سے ملنے جلنے سے گریز اور پسماندگی کے پیمانے استعمال کئے جاتے ہیں۔ یہ پیمانہ آئین میں درج نہیں ہے مگر پھر بھی اچھی طرح قائم

ہو چکا ہے۔

ایس ٹی آبادی میں مسلمانوں کا تناسب بہت کم ہے۔ 1991 کی مردم شماری کے مطابق یہ تناسب ملک کی کل ایس ٹی آبادی کا صرف 0.25 فی صد ہے۔ ایس ٹی قرار دئے جانے والے مسلمانوں کی سب سے زیادہ تعداد کلش دیپ میں پائی جاتی ہے جہاں ساری ایس ٹی آبادی ترین تعداد کلش دیپ میں ہے جہاں مسلمانوں پر مشتمل ہے (99.74 فی صد)۔ ہماچل پردیش کی ایس ٹی آبادی میں مسلمانوں کا تناسب (7 فی صد) خاصا اہم ہے۔ دیگر ساری کی ساری ایس ٹی آبادی مقامات پر مسلم ایس ٹی کی تعداد ابھت ہی کم ہے۔ مسلم ایس ٹی آبادی صرف 170428 ہے جب کہ کل ایس ٹی آبادی تقریباً مسلمان ہے۔ (99.74 فی صد) 6,7,7,58,285 ہے (1991 کی مردم شماری) (دیکھئے ضمیمہ جدول 10.1)۔

یہاں اس بات پر توجہ دی جانی چاہئے کہ اگرچہ تمام ایس ٹی لوگوں کو بلا لحاظ مذہبی وابستگی تمام فوائد حاصل ہیں مگر قبائلی پس منظر کے تمام مسلمانوں کو یہ فوائد فراہم نہیں ہیں۔ ان فوائد سے محروم بہت سے مسلم طبقوں نے ایس ٹی حیثیت دئے جانے کا مطالبہ کیا ہے۔

6.3 تعلیمی حالت

خواندگی کی سطح

تعلیم یاب ہونے کا سب سے عام اشاریہ خواندگی ہے۔ او بی سی / بطور خاص مسلم او بی سی میں خواندگی کی سطح سے متعلق اعداد و شمار فراہم کرنے والے کسی اور ذریعے کی ناموجودگی میں، کمیٹی نے این ایس ایس او کے اعداد و شمار کا استعمال کیا ہے۔ 6 سال اور اس سے زیادہ عمر والوں کی آبادی میں خواندگی کی سطحوں میں کل ہند سطح پر صرف معمولی سا فرق نظر آتا ہے (جدول 10.4)۔ تاہم مقام رہائش کے لئے علاحدہ تجزیے سے شہری علاقوں میں مختلف فرقوں کے درمیان بڑا نمایاں فرق نظر آتا ہے۔ مسلمان، بطور خاص مسلم او بی سی، ہندو او بی سی سے بہت پیچھے ہیں۔ مسلم او بی سی میں خواندگی کی سطح دیہی علاقوں میں سب سے کم ہے مگر شہری علاقوں میں، ان میں اور دیگر فرقوں کے درمیان فرق نمایاں نہیں ہے۔

Table 10.4: Literacy Levels of SRCs by Place of Residence

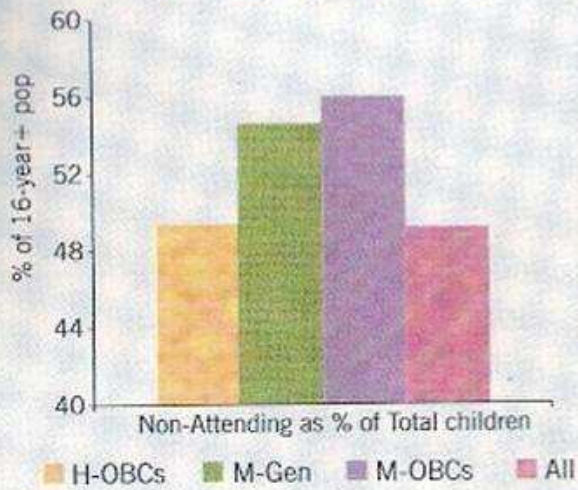
| SRCs | INDIA | URBAN | RURAL |
|------------|-------|-------|-------|
| Hindu-OBCs | 65.7 | 80.8 | 61.7 |
| M-Gen | 66.0 | 75.6 | 61.2 |
| M-OBCs | 61.9 | 70.1 | 57.8 |
| India | 67.3 | 82.6 | 61.9 |

Source: Estimated from NSSO (2004-5) 61 Round, Sch. 10

اسکول نہ جانے والے بچے

12-6 سال عمر کے بچوں کی تقریباً 12-6 سال عمر کے تقریباً آدھے بچے اسکول نہیں جا رہے ہیں۔ یہ دیکھا جاسکتا ہے کہ 12 سال یا اس سے کم عمر کے اسکول نہ جانے والے آدھی تعداد اس وقت اسکول نہیں مسلم او بی سی بچوں کی تعداد، اس عدد سے بہت زیادہ ہے۔ (جدول 10.2) اگرچہ مسلم او بی سی اور عام مسلمانوں کے درمیان فرق بہت نمایاں نہیں ہے (دونوں کا تناسب تقریباً 55 فی صد) مگر ہندو او بی سی اور مسلم او بی سی کے درمیان اسکول نہ جانے والے بچوں کی تعداد کا فرق خاصا اہم جارہی (56 فی صد کے مقابلے 49 فی صد) ہے۔

Fig. 10.2: % of Children aged 6-12 years not attending school



جدول 10.5 میں، ہر سماجی- مذہبی طبقے میں تعلیم کی اعلیٰ ترین سطح حاصل کرنے والوں کا تناسب پیش کیا گیا ہے۔ مختلف فرقوں کے تقابل سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلم اوبی سی اور عام مسلمانوں میں تعلیم کی سطح ہندو اوبی سی کے مقابلے کم ہے۔ عمومی لحاظ سے، مسلم اوبی سی میں تعلیم کی حالت دیگر فرقوں کے مقابلے میں زیادہ اتر ہے۔ اس گروپ میں ناخواندگی سب سے زیادہ ہے اور اسکولی تعلیم مکمل کرنے یا گریجویٹیشن کرنے والوں کی تعداد خاص کم ہے۔

اعلیٰ تعلیم کی صورت حال

آخر میں اعلیٰ تعلیم کی صورت حال کے لحاظ سے تینوں طبقوں کا جائزہ لیا گیا۔ اس کے لئے تعلیم کی تین سطحوں کو پیش نظر رکھا گیا: عام گریجویٹ اور اس سے زیادہ، تکنیکی گریجویٹ اور تکنیکی ڈپلوما اور سرٹیفکٹ کورس۔

یہ دیکھا جاسکتا ہے کہ تینوں زمروں میں ہندو اوبی سی کے مقابلے میں، تکنیکی/غیر تکنیکی ڈگری یا تکنیکی ڈپلوما/سرٹیفکٹ رکھنے والے لوگوں کی تعداد کم ہے۔ تکنیکی ڈپلوما/سرٹیفکٹ کورس کو چھوڑ کر، اعلیٰ تعلیم کے تمام دیگر شعبوں میں مسلم اوبی سی کی تعلیمی سطح بہت نیچی ہے۔

Table 10.5: Distribution of Persons (aged 6 + years) in Each SRC by Levels of Education

| Educational Level | H-OBCs | M-Gen | M-OBCs | Total |
|---------------------|--------|-------|--------|-------|
| Illiterate | 33.4 | 33.3 | 37.4 | 31.6 |
| Just Literate | 1.2 | 2.2 | 2.9 | 1.4 |
| Below Primary | 0.8 | 1.7 | 1.5 | 1.0 |
| Primary | 15.9 | 18.0 | 17.5 | 15.4 |
| Middle | 16.0 | 18.6 | 16.0 | 15.7 |
| Secondary | 15.0 | 12.6 | 13.1 | 14.2 |
| Higher Secondary | 7.4 | 5.9 | 5.1 | 7.8 |
| Diploma/Certificate | 3.9 | 2.8 | 2.5 | 4.4 |
| Graduate and above | 3.2 | 2.4 | 1.9 | 4.3 |

Source: Estimated from NSSO 61 Round (2004-5), Sch. 10.

عموماً ہندو اوبی سی کی تعلیمی کارکردگی دیگر دونوں طبقوں کے مقابلے میں بہتر ہے۔ لہذا اعلیٰ تعلیم کے لحاظ سے بھی مسلم اوبی سی، ہندو اوبی سی اور عام مسلمانوں سے نیچے ہیں۔

6.4 روزگار کی حالت

کسی فرقے کے تعلیمی اکتسابات کی سطح اس کے روزگار کی حالت میں نظر آتی ہے۔ 19 قومی اوسطوں اور ہندو اوبی سی کے مقابلے میں مسلم فرقے میں تعلیم کی نسبتاً نیچی سطح، روزگار کے معاملے میں ان کی کم تر حیثیت کا

سبب کہی جاسکتی ہے۔ تینوں طبقوں کی روزگار کی حالت کا تجزیہ این ایس ایس او، 61 ویں دور کے اعداد و شمار پر مبنی کیفیاتی اور عددی اشاریوں کی بنیاد پر کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ کمیٹی نے آمدنیوں کے سلسلے میں، 55 ویں دور (1999-2000) کے اعداد و شمار کا استعمال بھی کیا ہے۔ مزید یہ کہ مرکزی حکومت، مرکزی سرکاری ذمے کے اداروں، مرکزی سیکورٹی ایجنسیوں، ریاستی پبلک سروس کمیشنوں اور تعلیمی اداروں کی جانب سے اس طبقوں کی نمائندگی کے بارے میں، کمیٹی کو خصوصی طور پر فراہم کردہ معلومات کا استعمال بھی کیا گیا ہے۔

Table 10.6: Proportion of Persons aged 20 years+ with Higher Education in Each SRC

| SRCs | General Graduate | Technical graduates | Tech Dip/Cert | Higher Education |
|--------|------------------|---------------------|---------------|------------------|
| H-OBCs | 3.7 | 0.2 | 2.3 | 6.2 |
| M-Gen | 3.5 | 0.2 | 1.4 | 5.2 |
| M-OBCs | 2.3 | 0.1 | 1.7 | 4.1 |
| Total | 5.5 | 0.3 | 2.6 | 8.5 |

Source: Estimated from NSSO 61 Round (2004-5), Sch. 10.

19 اس سے روزگار اور تعلیم کے درمیان تعلق اور ملزم ذرا اظہار سے ان کا مقصد نہیں ہے۔ مثلاً محض روزگار سے والدین کو اپنے بچوں کی تعلیم کے لئے وسائل فراہم ہوتے ہیں۔ اس سے تعلیم کے لئے اقتصادی ترقیب بھی فراہم ہوتی ہے۔

کام میں حصے داری اور بے روزگاری کی شرحیں

15-64 سال عمر والوں کی آبادی کی کام میں شرکت کی شرح 20 (ڈبلو پی آر) کے معائنے میں، ہندو او بی سی (67 فی صد) اور دو مسلم طبقوں (تقریباً 55 فی صد) کے درمیان نمایاں فرق موجود ہے جب کہ کل ہندسٹھ پر دونوں مسلم طبقوں میں ڈبلو پی آر بہت کم ہے (شکل 10.3 ضمیمہ جدول 10.2 بھی دیکھئے)۔ عام مسلمانوں اور مسلم او بی سی کے درمیان فرق بہت معمولی ہے (کل ہندسٹھ پر 56 فی صد اور 54 فی صد)۔ یہ فرق دیہی اور شہری دونوں علاقوں اور خواتین میں دیکھا جا سکتا ہے۔ مردوں میں ڈبلو پی آر کے معائنے میں بہت کم فرق پایا جاتا ہے۔

این ایس ایس او 61 دور کے اعداد و شمار کے مطابق 2004-05 میں تمام عمر

کام میں شرکت کی شرح (ڈبلو پی آر) گروپوں کے 9.2 فی صد مسلم او بی سی بے روزگار تھے اور ہندو او بی سی اور عام مسلمانوں میں بے روزگاری کی شرح بالترتیب 7.5 فی صد اور 7.7 فی صد تھی، جو کم تھی۔ یہی فرق مردوں اور خواتین اور دیہی و شہری علاقوں کے درمیان بھی موجود تھا۔ 21 جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بے روزگاری کی شرح عموماً دیگر روزیہ طبقوں کے مقابلے میں مسلم او بی سی میں سب سے زیادہ تھی۔

باضابطہ زمرے میں کارکنوں کی تعداد

کارکن کس زمرے میں سرگرم ہیں یہ بات کسی فرقے کی سماجی و اقتصادی حالت کا اہم اشاریہ ہوتی ہے۔ شکل 10.4 سے واضح طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ باضابطہ زمرے میں عام مسلمانوں اور مسلم او بی سی کا حصہ عام ہندوؤں اور ہندو او بی سی کے مقابلے میں کم ہے۔ این ایس ایس او 61 میں دور کے اعداد و شمار کے مطابق حکومت / سرکاری زمرے کی ملازمتوں میں مسلم او بی سی کا حصہ ہندو او بی سی اور عام مسلمانوں کے مقابلے میں خاصاً کم تھا۔ دیہی علاقوں میں 7.2 فی صد ہندو او بی سی کارکن اس زمرے کی ملازمتوں میں تھے جب کہ عام مسلمانوں اور مسلم او بی سی میں ایسے کارکنوں کی تعداد بالترتیب 5.8 فی صد اور 3.4 فی صد تھی۔ شہری علاقوں میں یہ فرق زیادہ نمایاں تھا کہ یہاں ہندو او بی سی 11.3 فی صد حصے کے ساتھ عام مسلمانوں (7 فی صد) اور مسلم او بی سی (3.5 فی صد) سے بہت آگے تھے۔ دیگر دو طبقوں کے مقابلے میں مسلم او بی سی کی روزگاری بدتر حالت اس بات سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ

خاص طور پر شہری علاقوں میں، باضابطہ اجرت / تنخواہ والی ملازمتوں میں، مسلم او بی سی کارکنوں کی تعداد بہت کم ہے۔ دیہی علاقوں میں باضابطہ روزگار سے وابستہ کارکنوں کا تناسب تینوں طبقوں میں 6-7 فی صد کے درمیان تھا۔ تاہم شہری علاقوں میں، باضابطہ روزگار میں مسلم او بی سی کا حصہ (20.4 فی صد) عام مسلمانوں (31.2 فی صد) اور ہندو او بی سی (36.47 فی صد) سے بہت کم تھا۔

لہذا باضابطہ زمرے اور باضابطہ روزگار والی ملازمتوں (اجرت اور تنخواہ والی) میں شرکت کے لحاظ سے مسلم او بی سی، عام مسلمانوں اور ہندو او بی سی سے پیچھے ہیں۔

یہ 15-64 سال عمر کے ان لوگوں کا حساب ہے جن کی اقتصادی سرگرمی (کام) کی بنیادی یا ثانوی سرگرمی ہے۔

Figure 10.3: Worker-Population Ratio: 2004-5

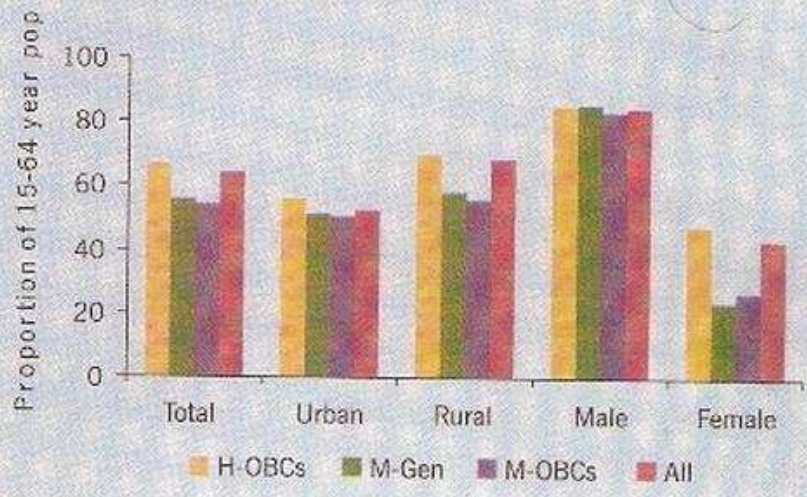
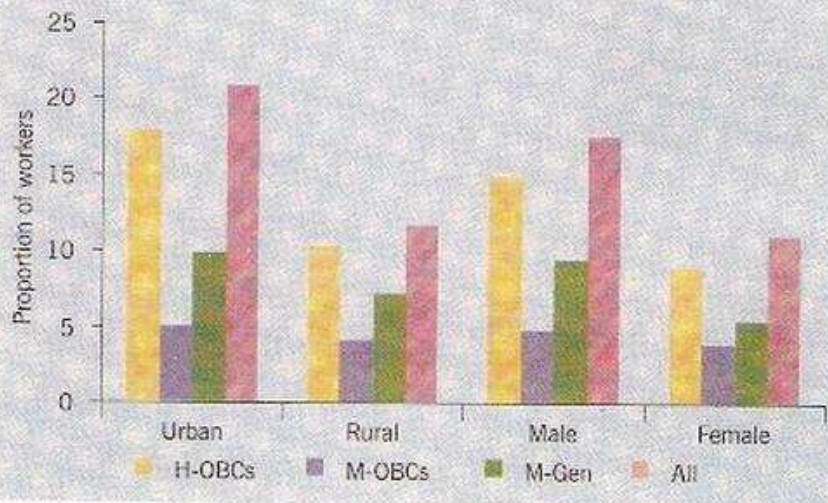


Fig. 10.4: Proportion of workers in Formal sector: 2004-5



دیگر روزیہ طبقوں کے مقابلے میں مسلم او بی سی میں بے روزگاری کی شرح سب سے زیادہ تھی

باضابطہ زمرے میں، سرکاری سرکاری زمرے کی ملازمتوں میں

آمدنی میں فرق

کارکنوں کو دو عمومی زمروں میں رکھا جاسکتا ہے: اتفاقی اور باضابطہ۔ باضابطہ کارکنوں کو بھی سرکاری یا نجی زمروں میں کام کرنے والوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ جدول 10.7 سے ظاہر ہوتا ہے کہ مختلف طبقوں کو دی جانے والی اجرتوں میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ دلچسپ طور پر، مسلم اوبی سی کو حاصل ہونے والی اجرتیں، عام مسلمانوں اور ہندو اوبی سی کو ملنے والی اجرتوں سے زیادہ ہیں۔ یہ بات مرد اور خاتون دونوں کارکنوں کے تعلق سے دیکھی جاسکتی ہے۔

Table 10.7: Average Daily Wages and Salary for Casual and Regular Workers (Rupees)

| Earning Category | Gender | H-OBC | M-Gen | M-OBC | All |
|------------------|--------|-------|-------|-------|-----|
| Wages | Total | 39 | 43 | 49 | 40 |
| | Male | 45 | 46 | 52 | 45 |
| | Female | 27 | 27 | 32 | 28 |
| Salary-Public | Total | 190 | 196 | 176 | 213 |
| | Male | 199 | 199 | 177 | 220 |
| | Female | 138 | 164 | 173 | 177 |
| Salary-Private | Total | 85 | 87 | 79 | 110 |
| | Male | 92 | 91 | 83 | 115 |
| | Female | 48 | 57 | 39 | 79 |

Source: Estimated from NSSO (1999-2000) 55 Round, Sch. 10.

سرکاری اور نجی دونوں زمروں میں سرگرم ہندو اوبی سی اور مسلم ملازمین کو دی جانے والی تنخواہیں عام تنخواہوں سے کم ہیں۔ عام مسلم ملازمین ہندو اوبی سی ملازمین کے مقابلے میں بہتر ہیں لیکن مسلم اوبی سی کو حاصل ہونے والی تنخواہیں دیگر دو طبقوں سے خاصی کم ہیں۔ یہ بات سرکاری اور نجی دونوں زمروں میں نظر آتی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دیگر طبقوں کے مقابلے میں مسلم اوبی سی کی زیادہ تعداد کم تنخواہ والی ملازمتوں کی جانب مائل ہے۔ باضابطہ مرد کارکنوں میں، مسلم اوبی سی کارکن دیگر دو طبقوں کے مقابلے میں زیادہ محروم نظر آتے ہیں۔ مگر عام مسلمانوں اور ہندو اوبی سی کے درمیان فرق بہت کم ہے۔ خاتون کارکنوں کے معاملے میں مسلم اوبی سی کارکن سرکاری زمرے میں دیگر دو طبقوں کے مقابلے میں کم محروم ہیں مگر نجی زمرے میں ان کی محرومی خاصی زیادہ ہے۔

کام کی جگہ کے مطابق کارکنوں کی تعداد

کام کی جگہ کے لحاظ سے مرد کارکنوں کی تعداد میں فرق مختلف طبقوں کے درمیان زیادہ نمایاں نہیں ہے۔ تینوں طبقوں کے کارکنوں کی بڑی تعداد آجروں کے کارخانوں یا خود اپنے کارخانوں/ رہائش گاہوں میں کام کرتی ہے۔ مگر مختلف طبقوں کے درمیان بعض فرق بھی نظر آتے ہیں۔ مثلاً

Table 10.8: Distribution of Male Workers by Place of Work for Each SRCs

| Location of Work | Hindu-OBCs | M-Gen | M-OBCs | All |
|----------------------------|------------|-------|--------|------|
| No Fixed Place | 8.5 | 9.6 | 5 | 8.3 |
| Own Dwelling | 14.7 | 13.8 | 10.2 | 12.3 |
| Own Enterprise | 17.5 | 21.9 | 24.9 | 18.5 |
| Employer's Dwelling | 2.6 | 3.5 | 2.9 | 3.0 |
| Employer's Enterprise | 34.3 | 25.5 | 43.2 | 35.0 |
| Street- Fixed location | 3.4 | 4.3 | 2.4 | 3.3 |
| Street - No Fixed Location | 4.2 | 8.0 | 2.8 | 4.6 |
| Construction Sites | 10.8 | 9.7 | 4.8 | 11.0 |
| Others | 4.0 | 3.9 | 4.0 | 4.2 |

Source: Estimated from NSSO (2004-05) 61 Round, Sch. 10.

مسلمانوں کا حصہ ہندو اوبی سی اور مسلم اوبی کارکنوں کی نسبتاً زیادہ تعداد آجروں کے کارخانے میں کام کرتی ہے جب کہ تعمیرات کی جگہوں پر کام کرنے والے ان کارکنوں کی تعداد کم ہے (دیکھئے جدول 10.8)

تمام طبقوں کی خاتون کارکنوں کی غالب تعداد خود اپنے گھروں میں کام کرتی ہے۔ تاہم مسلمانوں، بطور خاص مسلم اوبی سی میں ایسے کارکنوں کی تعداد زیادہ ہے (دیکھئے جدول 10.9)

Table 10.9: Distribution of Female Workers by Place of Work for Each SRCs

| Location of Work | Hindu-OBCs | M-Gen | M-OBCs | All |
|----------------------------|------------|-------|--------|------|
| No Fixed Place | 3.2 | 4.0 | 3.1 | 3.2 |
| Own Dwelling | 52.1 | 66.8 | 73.6 | 51.3 |
| Own Enterprise | 12.4 | 6.5 | 5.9 | 10.7 |
| Employer's Dwelling | 5.4 | 6.9 | 4.3 | 6.7 |
| Employer's Enterprise | 17.5 | 10.2 | 9.4 | 18.9 |
| Street- Fixed Location | 1.5 | 0.3 | 0.4 | 1.3 |
| Street - No Fixed Location | 1.8 | 1.3 | 1.7 | 1.6 |
| Construction Sites | 3.9 | 1.0 | 1.0 | 4.0 |
| Others | 2.3 | 2.9 | 0.6 | 2.4 |

Source: Estimated from NSSO (2004-05) 61 Round, Sch. 10.

تمام طبقوں میں خواتین کی غالب تعداد سرکاری ملازمتوں میں مسلم اوبی سی

اپنے گھروں میں رہ کر کام کرتی ہے۔ کمیٹی نے مختلف سرکاری زمرے کے اداروں، ریلوے اور مرکزی سیکورٹی ایجنسیوں سے حاصل ہونے والے اعداد و شمار، سرکاری زمرے کی ملازمتوں میں مختلف طبقوں کے حصے کا تجزیہ کرنے کے لئے استعمال کئے۔ اس کے علاوہ، مختلف مرکزی اور ریاستی یونیورسٹیوں کے موجودہ ملازمین سے متعلق اعداد و شمار کا بھی تجزیہ کیا گیا۔ کمیٹی کے قائم کردہ تخمینوں کے مطابق ہر 100 کارکنوں میں ہندو اوبی سی کی تعداد گیارہ ہے جب کہ عام مسلمانوں کی تعداد صرف تین اور مسلم اوبی سی کی تعداد صرف ایک ہے۔

دونوں مسلم گروپوں کے ماہانہ فی کس اخراجات قومی اوسط سے بہت کم ہیں (تفصیلات کے لئے ضمیمہ جدول 10.3 دیکھئے)۔

Table 10.10: Representation in Public Employment

| Department/Undertaking/Institution | H-OBCS | M-Gen | M-OBCs |
|------------------------------------|-----------|----------|----------|
| Central Security Agencies | 11.4 (33) | 1.0 (15) | 3.6 (82) |
| Railway | 9.3 (27) | 4.5 (66) | 0.4 (9) |
| Central PSU | 8.3 (24) | 2.7 (40) | 0.6 (14) |
| SPSC - Recommended for selection | 27.0 (77) | 0.9 (13) | 0.9 (20) |
| University Faculty | 17.6 (50) | 3.9 (57) | 1.4 (32) |
| University-Non Teaching | 24.9 (71) | 3.0 (44) | 1.7 (39) |

Note: Figures in parenthesis represent relative deprivation (This is calculated as Share of each SRC in workforce of sector * 100 / Share of SRC in population aged 21-60 years.

Source: Data obtained from concerned agencies

کمیٹی کے تخمینے ظاہر کرتے ہیں کہ ہر سو کارکنوں میں 11 ہندو اوبی سی جب کہ صرف عام مسلمان اور صرف ایک مسلم اوبی سی شامل ہیں

چھ میں سے پانچ ایجنسیوں میں
ہندو اوبی سی کی نمائندگی بھی کم ہے مگر
یہ محرومی چھ میں سے تین ایجنسیوں
میں مسلم اوبی سی سے کم اور چھ میں
سے تین ایجنسیوں میں عام
مسلمانوں سے کم ہے

مسلم اوبی سی کی اضافی محرومی ریلوے (14 لاکھ سے زیادہ لوگ زیر ملازمت) اور مرکزی سرکاری زمرے کے اداروں (کمپنی کو ان کے تقریباً 17 لاکھ ملازمین سے متعلق اعداد و شمار موصول ہوئے) میں سب سے زیادہ ہے۔ ریاستی پبلک سروس کمیشنوں کے ذریعے تقرر کے لئے تجویز کردہ امیدواروں میں بھی، ان کی نمائندگی کم ہے۔ عام مسلمانوں کی نمائندگی بھی تمام زمروں، بطور خاص مرکزی سیکورٹی ایجنسیوں، مرکزی سرکاری زمرے کے اداروں، ریاستی پبلک سروس کمیشنوں کے ذریعے تقرر کے لئے تجویز کردہ امیدواروں اور یونیورسٹیوں (تدریسی اور غیر تدریسی دونوں ملازمتیں) میں بہت کم ہے۔ ہندو اوبی سی کی نمائندگی بھی کم ہے مگر ان کی محرومی جتنے میں سے پانچ ایجنسیوں میں مسلم اوبی سی سے کم اور چھ میں سے تین ایجنسیوں میں عام مسلمانوں سے کم ہے۔

چند خاص مرکزی ریاستی اداروں میں نمائندگی

جدول 10.10 اور ضمیمہ جدول 10.3 پر سرسری نگاہ ڈالنے سے ہی واضح ہو جاتا ہے کہ تینوں طبقوں، ہندو اوبی سی، مسلم اوبی سی اور عام مسلمان، کی نمائندگی روزگار اور آبادی میں ان کے تناسب کے لحاظ سے کم ہے۔ کل آبادی میں ہندو اوبی سی کی تعداد 34 فی صد ہے مگر کسی بھی مرکزی تنظیم میں ان کا حصہ 12 فی صد سے زیادہ نہیں ہے۔ اس میں سب سے پگھلی سطح یعنی گروپ ڈی کے ملازمین بھی شامل ہیں۔ مسلم اوبی سی، آبادی میں جن کا تناسب 6.4 فی صد ہے، ان تنظیموں میں ایک فی صد سے کم موجودگی رکھتے ہیں، مرکزی سیکورٹی فورسز کے سوا جن میں ان کا تناسب 3.6 فی صد ہے۔ ان ملازمتوں کی اعلیٰ سطحوں پر ان کی موجودگی تقریباً ناپید ہے۔ مرکزی سیکورٹی فورسز (ایس ایف بی ایس ایف، سی آر پی ایف، سی آئی ایس اور دیگر) میں مسلم اوبی سی کی نمائندگی عام مسلمانوں سے بہتر ہے، (عام مسلمانوں کی ایک فی صد کے مقابلے میں 3.6 فی صد)۔ تاہم یہ حصہ آبادی میں ان کے تناسب سے بہت کم ہے۔ قابل توجہ ہے کہ مسلمانوں کے غیر اوبی سی طبقے کی نمائندگی بھی بہت کم ہے۔ (3 فی صد سے 4.5 فی صد کے درمیان)۔

ریاستی ملازمتوں میں نمائندگی

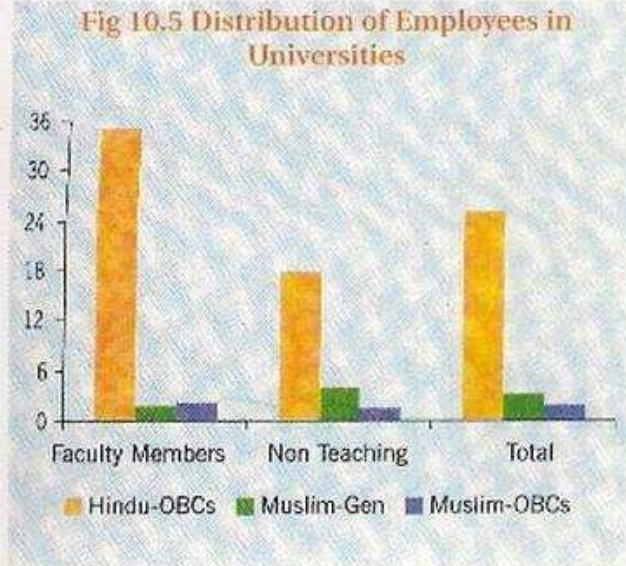
ریاستوں میں ہندو اوبی سی کی صورت حال بہتر ہے۔ (جدول 10.10 اور ضمیمہ جدول 10.3)۔ اگرچہ ان کی نمائندگی متناسب ہونے کے گروپ اے میں مسلم اوبی سی کا حصہ لحاظ سے کم ہے مگر مرکزی تنظیموں کے مقابلے میں اعلیٰ اور متوسط سطح کی ملازمتوں میں ان کا حصہ زیادہ ہے مگر پھر بھی یہ نمائندگی متناسب ہونے سے کم ہے۔ تاہم ہندو اوبی سی کی خاصی بڑی تعداد گروپ ڈی میں برسر روزگار ہے۔ گروپ اے اور ڈی کی ریاستی ملازمتوں میں مسلم اوبی سی کی نمائندگی بہتر ہے مگر متوسط سطح کی ملازمتوں میں ان کا حصہ بہت کم ہے۔ مسلم اوبی سی کا حصہ گروپ اے کی ملازمتوں میں بہتر ہے مگر یونیورسٹیوں میں ان کی موجودگی برائے نام ہے۔

یونیورسٹیوں میں نمائندگی

یونیورسٹیوں میں برسر روزگار تقریباً 1.5 لاکھ لوگوں میں سے ہندو اوبی سی کی فیئیکٹی ممبروں میں نمائندگی کم و بیش آبادی میں ان کے تناسب کے برابر ہے۔ (شکل 10.5)۔ مگر یونیورسٹیوں میں مسلم اوبی سی اور غیر اوبی سی مسلمان دونوں کی نمائندگی برائے نام ہے۔

اس تجربے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندو اوبی سی نے یونیورسٹیوں میں اپنے رییزرویشن کا فائدہ اٹھایا ہے مگر مختلف سیکٹروں میں مسلم اوبی سی اور عام مسلمانوں دونوں کی نمائندگی بہت ناکافی ہے۔

Fig 10.5 Distribution of Employees in Universities



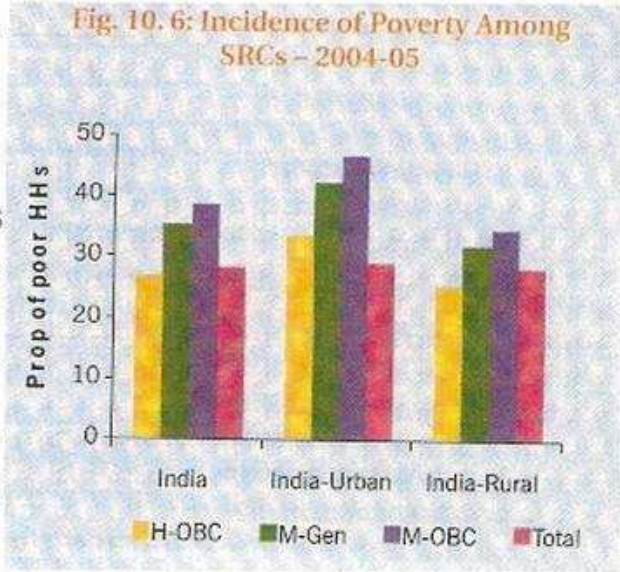
6.5 اقتصادی حالت

کسی فرقے کی تعلیم اور روزگار کی حالت ہے اس فرقے کی اقتصادی حالت میں دخل رکھتی ہے۔ یہاں مختلف طبقوں کی اقتصادی حالت کا تجزیہ مختلف اقتصادی اشاریوں کی بنیاد پر کیا گیا ہے۔ ان اشاریوں میں، بطور خاص وسیع دہلی بنیاد والی ترقی پذیر معیشتوں میں، زمین کی ملکیت اور اخراجات (آمدنی کی علامت کے طور پر) سب سے اہم ہیں۔ آخر الذکر کی بنیاد پر ان تین طبقوں کے درمیان غریبی اور نابرابری کی موجودگی کے تخمینے قائم کئے جاسکتے ہیں۔

غریبی کی صورت حال

غریبی کی پیمائش آبادی میں غریبوں کے تناسب سے کی جاتی ہے (جسے ہیڈ کاؤنٹ ریشیو کہا جاتا ہے) شکل 10.6 میں پیش کردہ کل ہندوستانیوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ غریبی سب سے زیادہ مسلم اوبی (38) اور پھر عام مسلمانوں میں ہے (35)۔ اس کے مقابلے میں غریبوں کا تناسب ہندو اوبی سی میں (27) قومی اوسط (28) سے کم ہے۔

مسلم اوبی سی اور عام مسلمانوں میں قومی اوسط اور ہندو اوبی سی کے مقابلے زیادہ غریبی کی صورت حال دیکھی اور شہری دونوں علاقوں میں نظر آتی ہے۔ مسلم اوبی سی اور ہندو اوبی سی کے درمیان فرق بطور خاص شہری علاقوں میں نمایاں دکھائی دیتا ہے۔ عام مسلمانوں کا تناسب ہندو اوبی سی کے مقابلے میں تقریباً 9 فی صد زیادہ ہے۔ مسلم اوبی سی غریبوں کی 14 فی صد تعداد کے ساتھ ہندو اوبی سی کے مقابلے میں بدتر حال میں ہیں۔



ماہانہ فی کس اخراجات (ایم پی سی ای)

تینوں طبقوں میں ایم پی سی ای قومی اوسط سے بہت کم ہے (شکل 10.11)۔ تینوں طبقوں میں، مسلم اوبی سی میں ایم پی سی ای سب سے کم ہے۔ عام مسلمانوں کی صورت حال دیگر دو طبقوں سے قدرے بہتر ہے جیسا کہ ان کے ایم پی سی ای سے ظاہر ہوتا ہے۔ شہری علاقوں میں بھی، تینوں طبقوں میں ایم پی سی ای قومی اوسط سے کم ہے۔ تاہم جیسا کہ غریبی کی سطح کے معاملے میں نظر آیا تھا، شہری علاقوں میں ان طبقوں کے درمیان فرق خاصا توجہ طلب ہے۔ دونوں مسلم گروپوں میں ایم پی سی ای قومی اوسط سے بہت کم ہے۔ شہری علاقوں میں، مسلم اوبی سی میں ایم پی سی ای عام مسلمانوں سے بہت کم ہے۔ دیہی علاقوں میں، ان طبقوں کے درمیان ایم پی سی ای ان کا فرق کم ہے۔ مسلم اوبی سی میں ایم پی سی ای قومی اوسط کے تقریباً برابر ہے جب کہ عام مسلمانوں میں ایم پی سی ای ہندو اوبی سی سے کم ہے۔

Table 10.11: Average Monthly per Capita Expenditure by Place of Residence and SRCs

| Sector | H-OBC | M-Gen | M-OBC | Total |
|--------|-------|-------|-------|-------|
| Total | 620 | 633 | 605 | 684 |
| Urban | 901 | 833 | 689 | 1052 |
| Rural | 548 | 532 | 566 | 559 |

Note: Estimated from NSSO (2004-5) 61 Round, Sch. 10

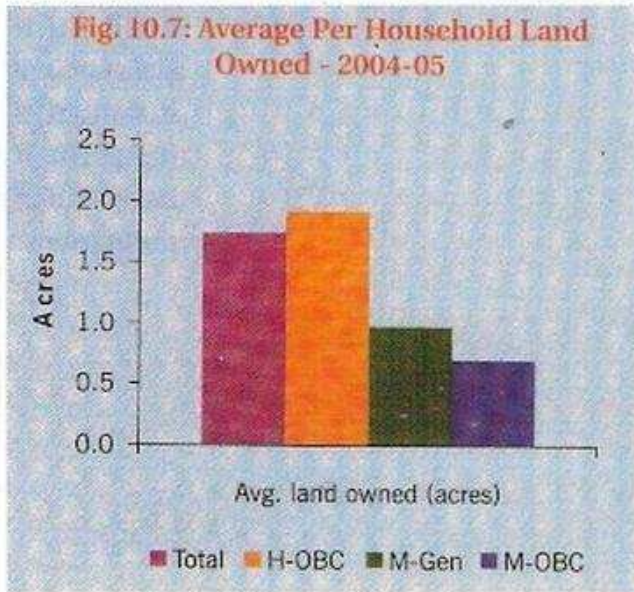
زمروں کے درمیان نابرابری

کل ہند سطح پر تینوں زیر تجزیہ طبقوں کے درمیان نابرابری میں معمولی فرق پایا جاتا ہے (جدول 10.2) 22۔ مجموعی لحاظ سے، نابرابری کی سطح مسلم اوبی سی میں دیگر طبقوں کے مقابلے زیادہ ہے۔ مذکورہ بالا بحث کے پیش نظر، غریبی کی شدت اور نابرابری کی نسبتاً زیادہ سطح ایک دوسرے سے ملتی ہوئی ہیں۔

Table 10.12: Inequality Measured Using Gini Coefficient

| Sector | H-OBC | M-Gen | M-OBC | Total |
|-----------|-------|-------|-------|-------|
| All India | 0.32 | 0.32 | 0.33 | 0.36 |
| Urban | 0.34 | 0.35 | 0.37 | 0.38 |
| Rural | 0.29 | 0.27 | 0.33 | 0.30 |

Note: Estimated from NSSO (2004-5) 61 Round, Sch. 10



اراضی کی ملکیت اور اوسط رقبہ

مختلف طبقوں میں اثاثوں کی ملکیت کی صورت حال ان کی ترقی کا اہم اشاریہ ہے۔ اگرچہ اثاثوں کی ملکیت کے بارے میں کل ہند سطح کے اعداد و شمار موجود نہیں ہیں، این ایس ایس اوبی سی میں زمین کی ملکیت کے بارے میں معلومات فراہم کرتی ہے۔ ترقی پذیر ملکوں، بطور خاص دیہات میں زمین کی ملکیت ایک اہم اثاثہ مانی جاتی ہے (شکل 10.7)۔ ہندو اوبی سی میں زمین کی ملکیت کی صورت حال مسلم اوبی سی اور عام مسلمانوں کے مقابلے میں بہت بہتر (تقریباً دوگنی) ہے۔ ہندو اوبی سی کی اوسط اراضی ملکیت (11.9 ایکڑ) قومی اوسط (11.7 ایکڑ) سے بھی زیادہ ہے۔ عام مسلمانوں اور مسلم اوبی سی کی اوسط اراضی ملکیت تقریباً یکساں ہے (بالترتیب 11.0 اور 10.7 ایکڑ)۔

7 اختتامی معروضات

این ایس ایس او کے تازہ ترین سروے کے مطابق کل مسلم آبادی میں مسلم اوبی سی کی تعداد 40.7 فی صد ہے۔ ملک کی کل اوبی سی آبادی میں بھی ان کا تناسب (15.7 فی صد) خاصا ہے۔ مگر این ایس ایس اوبی سی اور سروے مرکزی اور مختلف ریاستوں کی اوبی سی فہرستوں میں شامل ذاتوں/برادریوں کے بارے میں الگ الگ اعداد و شمار فراہم نہیں کرتا۔ اس کی وجہ سے تعلیم اور روزگار میں جیسے اہم اشاریوں کے لحاظ سے مختلف اوبی سی ذاتوں/برادریوں کے درمیان فرق کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ لہذا کمیٹی کی رائے ہے کہ اوبی سی زمرے میں شامل برادریوں سے متعلق فوائد کی مساوی و منصفانہ تقسیم کا اندازہ کرنے کے لئے دس سالہ مردم شماری کے تحت ذاتوں/برادریوں کا شمار کرنا بہت اہم ہوگا۔

تینوں طبقوں کی اقتصادی اور تعلیمی حالت سے متعلق خاص دریا فتوں کو جدول 10.13 میں اجمالاً پیش کیا گیا ہے۔ یہاں اس بات پر زور دینا ضروری ہے کہ ہندوستانی مسلمان پوری طرح ہموار اور یکساں فرقہ نہیں ہیں۔ انسانی ترقی کے مختلف اشاریوں کے تحت ہمارے تجزیے بھی یہی ظاہر کرتے ہیں۔ ہندو اوبی سی کل ہند اعداد و شمار کے لحاظ سے نسبتاً محروم نظر آتے ہیں مگر مسلم فرقہ بحیثیت مجموعی ہندو اوبی سی سے کچھزراہا ہے۔ تاہم مجموعی لحاظ سے، مسلم اوبی سی کی حالت عام مسلمانوں سے بدتر ہے۔ مسلم اوبی سی کی حدود چمک نما سنگی سے ظاہر ہوتا ہے کہ پسماندہ طبقوں سے متعلق فوائد ابھی ان تک نہیں پہنچ سکے گا۔

ان طبقوں کے درمیان فرق کی مزید تفتیش کرنے کے لئے، یہ معلوم کرنے کی کوشش کی گئی کہ زیادہ اور کم آمدنی والے گروپوں میں مسلم اوبی سی، عام مسلمانوں اور ہندو اوبی سی کے تناسب میں کتنا فرق ہے۔ (دیکھئے ضمیمہ جدول 10.4)۔ توجہ طلب ہے کہ دیگر طبقوں (ایس سی/ ایس ٹی کے سوا) کے مقابلے میں کم آمدنی والے گروپوں میں مسلم اوبی سی اور عام مسلمانوں کا حصہ نمایاں طور پر زیادہ ہے۔ مسلم فرقے کے اندر دیکھا جائے تو عام مسلمانوں کے مقابلے میں مسلم اوبی سی کا زیادہ بڑا حصہ کم آمدنی والے گروپوں میں شامل ہے۔ اس کے برعکس مسلمانوں کی خاصی کم تعداد زیادہ آمدنی کے زمروں سے تعلق رکھتی ہے۔ دوسری جانب دلچسپ بات یہ ہے کہ مسلمانوں کے مقابلے میں ایس سی/ ایس ٹی کی زیادہ بڑی تعداد کا تعلق زیادہ آمدنی والے گروپ سے ہے۔ مسلمانوں کے اندر، زیادہ آمدنی والے گروپ میں مسلم اوبی سی عام مسلمانوں سے قدرے پیچھے ہوئے ہیں۔

یہاں پیش کی گئی بحث اور اعداد و شمار کی بنیاد پر یہ کہنا منطقی ہوگا کہ ہندوستانی مسلمان اپنی سماجی ساخت کے لحاظ سے اشراف، اجلاف اور اذال کے تین طبقوں پر مشتمل ہیں۔ ان تینوں طبقوں کو مختلف قسم کا مثبت اقدام درکار ہے۔ دوسرے گروپ یعنی اجلاف/ اوبی سی کو مزید توجہ کی ضرورت ہے جو ہندو اوبی سی جیسی ہی ہو سکتی ہے۔ تیسرے گروپ کو جس کے روایتی پیٹے ہندو ایس سی جیسے ہی ہیں سب سے پسماندہ طبقوں (ایم بی سی) میں شامل کیا جاسکتا ہے کیوں کہ 'مجموعی طور پر مظالم کا شکار ہونے' کی وجہ سے انہیں ریرویشن سمیت بہت سے فلاحی اقدامات کی ضرورت ہے۔

۱۲. مظالم تحت عدلیہ کے تنازع کے لئے ریاستی پبلک سروس کمیشن پہلے ایک تحریری امتحان کرا تا ہے۔ اس میں ہر شخص مقررہ المیت کے مطابق حصہ لے سکتا ہے۔ اس کے لئے مطلوب المیت قانون کی ڈگری ہے۔ اس امتحان میں کامیاب ہونے والوں کو انٹرویو کے لئے بلا یا جاتا ہے۔ انٹرویو کے لئے بلائے جانے والوں کی تعداد بھری جانے والی جگہوں پر منحصر ہوتی ہے۔ سیکشن ایک ہائی کورٹ جج کی زیر صدارت سلیکشن کمیٹی کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ اس کمیٹی میں ریاستی پبلک سروس کمیشن کا ایک نمائندہ بھی شامل ہوتا ہے۔ اس امتحان کے لئے صرف ایس سی/ ایس ٹی سے متعلق ہوتا ہے۔ دیگر تمام فرقوں اور طبقوں کے لئے سلیکشن امتحان میں شامل ہونے والے مطلوبہ قہروں اور انٹرویو میں کارکردگی کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد عالی جگہوں کی تعداد کے مطابق امیدواروں کو انٹرویو کے لئے بلا یا جاتا ہے اور سلیکشن کیا جاتا ہے۔ امتحان کے نتائج نہ آنے تک امیدوار کی شناخت تلی رکھی جاتی ہے۔ فیڈ بیک ایڈیٹر میں کسی فرقے کے خلاف تعصب خارج از امکان ہے۔

Table 10.13: Educational, Employment and Economic Status of Muslim – OBCs, Muslim – Gen and Hindu – OBCs – A Comparative Picture

| Group | Indicator | How Muslim-OBCs fare with respect to: | |
|-------------------|---|---|--|
| | | Hindu-OBCs | M-Gen |
| Education | Never attending children | Substantially higher proportion of M-OBC children do not attend school | No major difference between M-Gen and M-OBCs. |
| | Literacy | Literacy levels of M-OBCs is substantially lower than H-OBCs | M-OBCs lag behind M-Gen |
| | School Education | Deprivation level among M-OBCs is substantially higher than among H-OBCs | No significant difference between Muslim-OBCs and Muslim-Gen |
| | Higher education | While attainment levels are low among both SRCs, M-OBCs have substantially lower achievements than H-OBCs | Muslim-Gen better than M-OBC in terms of graduate attainment |
| Employment Status | Work participation Ratios (WPRs) and Unemployment Rates (URs) | Lower WPRs among M-OBCs than among H-OBCs, especially for women. URs higher among M-OBCs than H-OBCs | Differences in WPRs marginal URs higher among M-OBCs than M-Gen |
| | Presence in formal sector | Presence of M-OBCs is much less than H-OBCs | Presence of M-Gen higher than M-OBC particularly among males and urban workers. |
| | Location of work | Male M-OBCs have higher concentration in employer's enterprises than H-OBCs Higher proportion of M-OBCs work in own dwelling Female M-OBC workers are more in own dwellings than H-OBC | Male M-OBCs are concentrated in employer's enterprises. Female M-OBC workers are more in own dwellings than M-Gen |
| | Earnings level | Wages are the same M-OBCs receive lower salaries than H-OBC. | Wages are similar Salaries of M-OBCs lower than M-Gen |
| | Central Employment | Both SRCs under-represented M-OBCs are more deprived than H-OBCs | Both SRCs under-represented No clear pattern |
| | State Employment | Both under-represented. H-OBCs better-off than M-OBCs | Both under-represented. No clear pattern |
| | University Employment | H-OBCs adequately represented in teaching posts; but under-represented in non-teaching posts. M-OBCs worse off than H-OBCs | Marginal difference in representation levels |

| Group | Indicator | How Muslim-OBCs fare with respect to: | |
|-----------------|--------------------|--|--|
| | | Hindu-OBCs | M-Gen |
| Economic Status | Poverty | M-OBCs are significantly poorer than H-OBCs | Marginal differences in incidence of poverty. |
| | Expenditure levels | Higher for H-OBCs than M-OBCs in urban areas Not much difference in rural areas | Significantly lower for M-OBCs as compared to M-Gen in urban areas In rural areas, differences are marginal |
| | Inequality | Inequality levels higher among M-OBCs than H-OBCs in both rural and urban areas | Marginally higher among M-OBCs than M-Gen particularly in rural areas |
| | Land holdings | Land holdings of M-OBCs is almost one third of that of H-OBCs | Marginal difference between land owned by M-OBCs and M-Gen. |

مسلم مساعی کی حوصلہ افزائی: اوقاف کا معاملہ

1- تعارف

اس رپورٹ کے ابواب میں، دیگر طبقوں کی بہ نسبت مسلمانوں پر مختلف سماجی، اقتصادی اور ترقیاتی اقدامات کے اثرات کا عملی جائزہ لیتے ہوئے ان کے بعض نقصانات کو سامنے لایا گیا ہے۔ چونکہ یہ نقصانات تمام غریب لوگوں کو درپیش ہیں، مسلمانوں کی حالت کو سدھارنے کے لئے مزید مالی وسائل درکار ہوں گے جو سر و ٹکشا اہمیان (ایس ایس اے)، صحت عامہ سے متعلق پروگراموں، جواہر لال نہرو قومی شہری تجدید مشن (جے این این یو آر ایم) وغیرہ جاری پروگراموں کے ذریعے فراہم کئے جاسکتے ہیں۔ اس کے لئے اعلیٰ تعلیم کے اداروں سے متعلق رقوم میں اضافہ بھی ضروری ہوگا۔ اب یہ بات زیادہ سے زیادہ تسلیم کی جا رہی ہے کہ مزید سرمایہ کاری اور نئے اقدامات کو لوگوں کی شرکت اور مقامی وسائل کو بروئے کار لاکر نئی قوت دی جاسکتی ہے اور یہ وسائل موروثی املاک کو وقف کرنے اور عطیات کے ذریعے فراہم کئے جاسکتے ہیں جسے تیسرے زمرے کی سرگرمی بھی کہا جاتا ہے۔ مادی وسائل کی فراہمی کی صورت میں لوگوں کی شرکت سے بہت سے پروگراموں مثلاً اسکول قائم کرنے کے لئے زمین کی فراہمی اور گاؤں اور شہروں کی مسلم بستیوں میں آئی سی ڈی ایس مراکز کے قیام میں آسانی پیدا ہو سکتی ہے۔ اس سے پرائمری اسکولوں کے قیام کی ضرورتیں بھی پوری کی جاسکتی ہیں۔ اس طرح مخصوص امدادی گروپوں اور ماٹکرو فائنانس اداروں کو فروغ دینے کے لئے بھی ضروری ہے کہ ادارہ جاتی اور مالی وسائل لوگوں کے ذریعے فراہم کئے جائیں۔

ان جائدادوں سے حاصل ہونے والے مالی وسائل غریبوں کی ضرورتوں کی تکمیل اور موقوفہ جائدادوں کی دیکھ رکھ کیلئے استعمال کئے جاتے ہیں

اس سیاق میں مسلم فرقے کی خود اپنی فلاحی سرگرمیوں پر غور کیا جانا چاہئے۔ مدارس سے متعلق سرگرمیوں کو چوتھے باب میں زیر غور لایا جا چکا ہے۔ مسلم فرقے کی ایک اور اہم سرگرمی اوقاف سے متعلق ہے۔ اپنی کمائی ہوئی یا موروثی دولت یا جائداد کا ایک حصہ فلاحی اور فلاحی مقاصد کے لئے وقف کر دینا مسلمانوں میں کارثواب سمجھا جاتا رہا ہے۔ چنانچہ اہل خیر مسلمان خاصی بڑی اور قیمتی جائدادیں فی سبیل اللہ وقف کر دیتے ہیں۔ ان جائدادوں سے حاصل ہونے والے مالی وسائل غریبوں کی ضرورتوں کی تکمیل اور موقوفہ جائدادوں کی دیکھ رکھ کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔

اسلام میں اوقاف کے مذہبی اور فلاحی مقاصد کے علاوہ مندرجہ ذیل مقاصد بھی ہو سکتے ہیں:

تعلیمی اداروں، ہاسٹلوں، کتب خانوں، کھیل کی سہولتوں وغیرہ کا قیام، دیکھ رکھ اور فروغ۔ تعلیم کے فروغ کے لئے وظائف۔

- ☆ تمام غریبوں بشمول فرقہ وارانہ فسادات اور قدرتی سانحات کے متاثرین کے لئے صحت خدمات، راحت اور مالی امداد کی فراہمی
 - ☆ مسافر خانوں اور تجارتی مقاصد کے لئے شادی گھروں کی تعمیر
 - ☆ مسجدوں، درگاہوں، قبرستانوں کی دیکھ رکیج اور وقف جائیدادوں کا فروغ
 - ☆ غریب بیواؤں، یتیموں اور جسمانی معذوروں کی مالی امداد، بے سہارا لڑکیوں کی شادی کا انتظام اور مطلقہ عورتوں کی کفالت
 - ☆ سپریم کورٹ کے حکم کے تحت مساجد کے اماموں اور مؤذنین کی تنخواہوں کا انتظام
- وقف کرنے والے کو وقف اور وقف جائیداد کی دیکھ بھال کرنے کے لئے نامزد شخص کو متولی کہا جاتا ہے۔ ہندوستان میں موجود وقف جائیدادوں میں زمینی (بیشتر زرعی) اور تعمیر شدہ تجارتی اور رہائشی جائیدادوں کے علاوہ مسجدیں، درگاہیں، خانقاہیں، مقبرے، عاشور خانے، قبرستان، عیقے، عیدگاہیں۔ امام باڑے، انجمنیں وغیرہ شامل ہیں۔

انگریزوں نے مسلم مراحمت کو کچلنے کی غرض سے لینڈ ریذمپشن ایکٹ (Land Resumption Act) نافذ کر کے وقف اراضیوں پر ٹیکس لگا دیا تھا جس سے اوقاف کے نظام کو سخت نقصان پہنچا۔ "اس طرح بنگال میں اب تک ٹیکس سے بری زمینوں پر ٹیکس سے 11 لاکھ پاؤنڈ کی رقم جمع کی گئی۔ اس رقم کا ایک بڑا حصہ مسلمانوں یا محض فائونڈیشنوں کی (اب تک) کرائے سے بری زمینوں سے حاصل کیا گیا۔ اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی افرائغری اور نفرت دیکھی دستاویزات میں ہمیشہ کے لئے نقش ہو گئی ہے۔ سیکڑوں قدیم خاندان تباہ ہو گئے اور مسلمانوں کے تعلیمی نظام کو جو تقریباً مکمل طور پر انہی وقف رقوم کے ذریعے چلایا جاتا تھا بلاکت خیز دھچکا لگا۔ اس کا سب سے زیادہ نقصان مسلم فائونڈیشنوں کو پہنچا۔" 1 اگرچہ اوقاف دائمی نوعیت کے ہوتے ہیں مگر اکثر و بیشتر ان سے پیدا ہونے والے مالی وسائل اور آمدنی پر متولیوں کا پورا پورا تصرف ہوتا ہے۔

2 - ہندوستان میں وقف اثاثوں کے اقتصادی امکانات

کمیٹی نے تمام ریاستی وقف بورڈوں اور مرکزی وقف کونسل سے وقف جائیدادوں کی نوعیت، قسم اور تعداد کے بارے میں، بطور خاص ان کے جانے وقوع کے لحاظ سے اعداد و شمار فراہم کرنے کی درخواست کی 2 توقع تھی کہ یہ اعداد و شمار معمول کے مطابق فراہم کر دئے جائیں گے کیوں کہ ایک کے تحت وقف جائیدادوں کا پابندی کے ساتھ سروے کرنا ضروری ہے۔ تاہم متعلقہ معلومات دست یاب نہیں تھیں کیوں کہ کئی ریاستوں میں سروے کا کام پورا نہیں کیا گیا تھا۔

کرائے اور دیگر ذرائع سے ہونے والی آمدنی سے متعلق معلومات بھی طلب کی گئی تھی۔ ہندوستان بھر میں پھیلے ہوئے اوقاف کے بارے میں راست معلومات اور خیالات حاصل کرنے کے لئے دہلی میں ایک گول میز ورک شاپ کی گئی جس میں وقف بورڈوں کے سربراہوں، اہل علم اور وقف قانون کے ماہرین اور وقف بورڈوں کے سابق سربراہوں نے شرکت کی۔ کمیٹی کو بہت سے متولیوں اور ان کے ساتھیوں کی جانب سے تحریری بیانات بھی موصول ہوئے۔

ہندوستان کی مختلف ریاستوں اور مرکزی علاقوں میں تقریباً 4.9 لاکھ رجسٹرڈ اوقاف ہیں۔ 3 اوقاف کی کثیر ترین تعداد مغربی بنگال میں پائی جاتی ہے (148200) جس کے بعد اتر پردیش میں ان کی تعداد 122839 ہے۔ اچھی خاصی تعداد میں وقف جائیدادوں والی دیگر ریاستوں میں کیرل، کرناٹک اور آندھرا پردیش شامل ہیں (دیکھئے جدول 11.1) 4۔ سارے ملک میں وقف جائیدادوں کے تحت آنے

ملک کی مختلف ریاستوں اور علاقوں میں 4.9 لاکھ سے زیادہ وقف جائیدادیں ہیں مگر ان موجودہ سالانہ آمدنی صرف تقریباً 163 کروڑ روپے ہے جس سے صرف 2.7 فی صد کا فائدہ ظاہر ہوتا ہے

1 Politicization of Islam by Keman H. Karpat, 2001

2 وقف جائیدادوں کی ایک بڑی تعداد ہم مقامات پر واقع ہیں۔ یہاں وقف سے صرف اتنا ہی اوقاف مراد ہیں۔ وقف علی الاولاد نہیں۔

3 کئی اوقاف ایک سے زیادہ جائیدادوں پر مشتمل ہیں۔

4 کمیٹی کو دیگر ریاستوں (نہایت چھوٹی) سے متعلق معلومات بروقت موصول نہیں ہوئی۔

والا کل رقم ایک اندازے کے مطابق 6 لاکھ ایکڑ اور اس کی دستاویزی قیمت تقریباً 6000 کروڑ روپے ہے۔ تاہم ان جائیدادوں کی بازار قیمت اس سے کہیں زیادہ ہوگی۔ مثلاً صرف دہلی کی وقف جائیدادوں کی موجودہ قیمت کا حالیہ اندازہ 6000 کروڑ روپے کا ہے۔ شہری علاقوں میں وقف جائیدادوں کی ایک بڑی تعداد اہم شہری مراکز میں واقع ہے جہاں ان کی موجودہ قیمت دستاویزی قیمت سے کئی گنا زیادہ ہے۔ 5 پھر بھی ان جائیدادوں سے ہونے والی موجودہ آمدنی صرف 163 کروڑ روپے ہے جو تمام تر جائیدادوں کی کل قیمت کا صرف 2.7 فی صد ہے۔ اس رقم میں سے وقف بورڈوں کو صرف 7 فی صد حصہ حاصل ہوتا ہے جسے وقف بورڈوں کے عملی مصارف کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ بقیہ رقم متعلقہ وقف کے مقررہ مقاصد کے لئے استعمال کی جانی ہوتی ہے۔

چوں کہ وقف جائیدادوں کی دستاویزی قیمتیں تقریباً ایک صدی پہلے کی ہیں، ان کی موجودہ قیمت اس سے کئی گنا زیادہ کہی جاسکتی ہے اور ایک اندازے کے مطابق ان املاک کی بازار قیمت اس وقت 1.2 لاکھ کروڑ روپے ہو سکتی ہے۔ اگر ان جائیدادوں کا موثر اور بازار کے لحاظ سے سود مند استعمال کیا جائے تو ان سے کم از کم 10 فی صد کا منافع ہو جو تقریباً سالانہ 12000 کروڑ روپے کی رقم ہوگی۔ جدول 11.2 میں پیش کردہ اعداد و شمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ وقف جائیدادوں کو جہاں بھی کارگر انداز سے استعمال کیا گیا ہے، ان سے تقریباً 20 فی صد کی آمدنی ہوتی ہے۔ 6 لہذا یہ واضح ہے کہ اہم مقامات پر واقع چند جائیدادوں کو ترقی دے کر ان کا تجارتی استعمال کیا جائے تو ان کی بازار قیمت اور سالانہ آمدنی بہت بڑھ سکتی ہے۔ وقف آمدنی میں اس اضافے کو وقف کے استفادہ کاروں کی تعلیمی حالت اور دیگر انسانی ترقیاتی پیلووؤں کو فروغ دینے کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ یہ سب اس وقت بھی کیا جا رہا ہے مگر ان کوششوں میں کامیابی خال خال ہی نظر آتی ہے۔ لہذا کئی اس سلسلے میں بعض تنبیہات تجویز کرنا چاہئے گی۔ وقف جائیدادوں کے بھرپور استعمال کے لئے مرکزی اور ریاستی حکومت کی جانب سے مناسب انتظامی تعاون اور اس کے ساتھ ہی وقف ایکٹ اور بعض دیگر موجودہ قوانین میں اہم ترمیمات کے ذریعے قانونی تعاون بھی درکار ہوگا۔

3 اوقاف کے مقاصد کی تکمیل میں رکاوٹیں

ہندوستان میں موجود وقف جائیدادوں کی بڑی تعداد کے تحفظ کے لئے پارلیمنٹ نے 1954 میں ایک جامع وقف ایکٹ منظور کیا تھا۔ گذشتہ برسوں میں، اس قانون پر عمل درآمد کے دوران اس میں کئی خامیاں اور چور و رازے نظر آئے اور وقف تحقیقاتی کمیٹی نے بعض ترمیمات تجویز کیں جنہیں وقف ایکٹ 1995 میں شامل کر لیا گیا۔ ان کوششوں کے باوجود، وقف بورڈوں اور جائیدادوں کا بندوبست اطمینان بخش نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ریاستی وقف بورڈوں اور مرکزی وقف کونسل کے اختیارات ناکافی ہیں۔

3.1 تنظیمی رکاوٹیں

اگرچہ بہت سے متولی دیانت دار اور باضمیر بھی ہیں مگر ایسی کئی مثالیں موجود ہیں کہ متولی وقف جائیدادوں کو اپنی ذاتی ملکیت کی طرح استعمال کرتے ہیں۔ بعض اوقات یہ لوگ درگاہوں کے چڑھاؤوں کو خرد برد کر ڈالتے ہیں۔ جو بھی ہو، متولی حضرات ہمیشہ سے اس بات کے لئے معروف رہے ہیں کہ وہ کبھی بھی وقف بورڈوں یا مرکزی وقف کونسل سے وقف جائیدادوں کی ترقی کے لئے رقم یا قرضے طلب نہیں کرتے۔ یہ لوگ تعلیمی اداروں سے متعلق تجاویز کو دکانیں تعمیر کرنے کی تجاویز سے بدل دیتے ہیں۔ دیگر فوائد کے بدلے میں وقف جائیدادوں کے کرائے بہت کم ملنے جاتے ہیں۔ مذکورہ بالا کوششوں کے باوجود، ریاستی وقف بورڈوں اور جائیدادوں کا بندوبست آج بھی غیر اطمینان بخش ہے جس کا سبب یہ ہے کہ وقف بورڈوں اور مرکزی وقف کونسل کو مناسب اختیارات حاصل نہیں ہیں۔ وسیع تر اجتماعی مفادات کی تکمیل کرنے والی وقف

5 بہت سی وقف جائیدادیں زری اراضیاں بھی ہیں۔

6 مرکزی وقف کونسل کی جانب سے ریاستی وقف بورڈوں کو سرمایہ کاری اور ترقی کے لئے فراہم کردہ قرضوں پر ایک سو سو صدی کے ادائل میں صرف تقریباً 20 فی صد نتائج حاصل ہوا۔

Table 11.1: Properties Gazetted as Wakfs in Indian States

| States | Area (acre) | No. of properties | Book Value (in lakhs) | Total Current Income of all the properties | 7% share of Wakf Board |
|----------------|---------------|-------------------|-----------------------|--|------------------------|
| West Bengal | 59090 | 148200 | 16000 | 457 | 32 |
| Uttar Pradesh | 15000 | 122839 | 15200 | 1214 | 85 |
| Kerala | 22410 | 36500 | 135586 | 803 | 56 |
| Andhra Pradesh | 145512 | 35703 | 8135 | 388 | 326 |
| Karnataka | 18033 | 28731 | - | 1288 | 90 |
| Maharashtra | 92207 | 23566 | 4185 | 443 | 31 |
| Gujarat | 8792 | 22485 | 600 | 381 | 27 |
| Rajasthan | 153180 | 19543 | 196755 | 8314 | 58 |
| Madhya Pradesh | - | 15000 | - | - | - |
| Haryana | 20895 | 11929 | 1125 | 500 | 500 |
| Punjab | 1778 | 11243 | 1589 | 596 | 596 |
| Tamil Nadu | 34388 | 7057 | 165072 | 1385 | 97 |
| Bihar | - | 2459 | 2000 | 33 | 2 |
| Uttaranchal | - | 2032 | 285 | 268 | 19 |
| Delhi | 152 | 1977 | - | 67 | 5 |
| Pondicherry | 425 | 589 | 179 | 118 | 8 |
| Assam | 190 | 168 | 110 | 35 | 2 |
| Total | 572052 | 490021 | 546821 | 16290 | 1934 |

Source: As per information received by the Prime Minister's High Level Committee from State Wakf Boards in 2005-06.

Table 11.2 Returns to Investment in Wakf Properties in India

| State | Loan given (Rs. in lakhs) | Annual Return before Development (Rs. in '000) | Annual Return after Development (Rs. in '000) | Increase in Return after Development (%) | Rate of Return to Loan |
|----------------|---------------------------|--|---|--|------------------------|
| Kerala | 49.8 | 96 | 877.7 | 814 | 15.7 |
| Bihar | 23.8 | 5.8 | 459 | 7,814 | 19.0 |
| Karnataka | 633.7 | 1,087.8 | 12,001 | 1,003 | 17.2 |
| Maharashtra | 41 | 9.7 | 590 | 5,988 | 14.2 |
| Andhra Pradesh | 58.7 | 30.7 | 1,160 | 3,681 | 19.2 |
| Rajasthan | 3.2 | -- | 106 | -- | 32.9 |
| Madhya Pradesh | 75.4 | 85 | 2,512 | 2,855 | 32.2 |
| Tamil Nadu | 191.4 | 720.3 | 3,747 | 420 | 15.8 |
| Orissa | 188.1 | 60.4 | 4,232 | 6,907 | 22.2 |
| Punjab | 17.6 | | 666 | | 37.9 |
| INDIA | 1241.6 | 2,086 | 25,760.7 | 1,135 | 19.1 |

Data : S.K Rashid (2005) - Protection, Maintenance and Development of Awqaf in India (with special reference to Rajasthan), Institute of Objective Studies, New Delhi: pp 74-85.

جانکدادوں کی اس حیثیت کا تحفظ کیا جانا چاہئے۔ ایسی وقف جانکدادوں کا بھی احترام کیا جانا چاہئے جہاں ان کے جائے وقوع کی اہمیت کے سبب بعض خصوصی مذہبی رسوم ادا کی جاتی ہیں۔ اس قسم کی پالیسی سے موثر سماجی ہم آہنگی اور اقتصادی ترقی حاصل کی جاسکتی ہے۔ لہذا یہ کوشش کی جانی چاہئے کہ ایسی وقف جانکدادوں کو سرکاری تحویل میں نہ لیا جائے۔

دستاویزات کی ناموجودگی

وقف جانکدادوں کے ریکارڈ اچھی طرح نہیں رکھے جاتے اور موسموں، رد و بدل اور نقصان کی زد پر رہتے ہیں۔ یہ صورت حال قومی تدارکی اقدامات کا تقاضا کرتی ہے۔ ان دستاویزات کو حکومت کے پروگرام کے تحت کمپیوٹر کے ذریعے محفوظ کیا جانا چاہئے۔ مرکزی حکومت اس مقصد اور دستاویز سازی کی نگرانی کے لئے مرکزی وقف کونسل کے توسط سے ایک خصوصی رقم منظور کر سکتی ہے۔ لازمی سروے کے تحت وقف جانکدادوں کی فہرست سازی کے باوجود، مالی ریکارڈوں اور مقامی حکومتوں کے ریکارڈوں میں اکثر جانکدادوں کو وقف کی حیثیت سے درج نہیں کرایا جاتا۔ یہ خامیاں اور ریاستی حکومتوں کی عملی طویل مقدمے بازی کا سبب بنتی ہے۔

وقف جانکدادوں پر قبضے

جیسا کہ کمیٹی کو ملک کے مختلف حصوں میں بتایا گیا، صرف لوگ ہی نہیں حکومتیں اور اس کی ایجنسیاں بھی وقف جانکدادوں پر قبضہ کر لیتی ہیں۔ یہ قبضے دو قسم کے ہوتے ہیں: (1) کسی بھی کرائے یا دیگر ادائیگی کے بغیر جانکداد پر مکمل عاصبات قبضہ اور (2) قبضے کی وہ صورت جہاں قابض فریق برائے نام کرایہ ادا کرتا ہے جس پر برسوں سے نظر ثانی نہیں کی گئی۔ نجی تصرفات اور قبضوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اس کی مثالیں سارے ملک میں نظر آتی ہیں اور ان میں سے اکثر مقدمے بازی میں الجھی ہوئی ہیں۔ لہذا ریاست کی جانب سے، جو وقف مفاہات کی گمراہی ہے، ان قبضوں پر توجہ مرکوز کرنی چاہئے۔

کمیٹی کو ایسی وقف جانکدادوں کی ایک فہرست فراہم کی گئی جو وقف جانکدادوں کی حیثیت سے گزٹ کی جانچکی ہیں مگر اس وقت حکومتوں اور ان کی ایجنسیوں کے ناجائز قبضے میں ہیں 7۔ یہ فہرست باکس 11.2 میں پیش کی گئی ہے۔ (ایسی وقف جانکدادوں کی تفصیلی فہرست جو سمیٹے طور پر سارے ملک میں نجی اور سرکاری ایجنسیوں کے غیر قانونی اور ناجائز قبضے میں ہیں ضمیمہ 11.1 میں پیش کی گئی ہے)۔ یہ دیکھا جاسکتا ہے کہ ریاستی حکومتوں اور ان کی ایجنسیوں کے رویے کے نتیجے میں اوقاف کے ان مطلوبہ رہنماہی مقاصد کی تکمیل میں رخنہ پڑ رہا ہے جن کے لئے یہ

باکس 11.2

حکومتوں اور ان کی ایجنسیوں کے ذریعے گزٹ شدہ وقف جانکدادوں پر غیر قانونی قبضوں کے چند معاملات جن کے بارے میں وقف بورڈوں کے ذریعے 2005-06 میں کمیٹی کو مطلع کیا گیا۔

| ریاست | وقف جانکدادوں کی تعداد |
|-------------|------------------------|
| دہلی | 316 |
| راجستھان | 60 |
| کرناٹک | 42 |
| مدھیہ پردیش | 53 |
| اتر پردیش | 60 |
| اڑیسہ | 53 |

نوٹ: یہ جانکدادوں کی مکمل جامع فہرست نہیں ہے۔

11.3 باکس

وزرائے اعلیٰ کے نام وزیراعظم اندرا گاندھی کا مکتوب

ضمیمہ vii

نمبر 71۔ پی ایم او/76

نئی دہلی، 26 مارچ، 1976

میں گذشتہ ایک عرصے سے اوقاف کے بندوبست میں بہتری لائے جانے کے بارے میں فکر مند رہی ہوں۔ ریاستی حکومتوں کو اسے یقینی بنانا چاہئے کہ ریاستی وقف بورڈوں کے ذریعے وقف ایکٹ 1954 کے تحت وقف جائیدادوں کا مناسب بندوبست اور دیکھ ریکھ کی جائے۔ مندرجہ ذیل چند امور آپ کی فوری توجہ کے طالب ہیں۔

کئی اسباب کے تحت، جن میں تقسیم کے بعد کے غیر یقینی حالات بھی شامل ہیں وقف جائیدادوں کی ایک بڑی تعداد نجی فریقوں اور ریاستی حکومت کے محکموں اور مقامی اداروں کے خاصا بہ قبضے میں چلی گئی ہیں۔ وقف بورڈ ریاستی حکومت کے متعلقہ محکموں کے خلاف قانونی چارہ جوئی کر سکتے ہیں۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ مقدمے بازی مناسب نہیں ہوگی۔ لہذا آپ کو چاہئے کہ اس معاملے کو انتظامی سطح پر حل کریں۔ ہم نے 1961 میں ایسے معاملات کے جلد تصفیے کے لئے تین ٹھوس تجاویز پیش کی تھیں:

(1) جہاں بھی ممکن ہو، وقف جائیداد خالی کر کے متعلقہ وقف کے حوالے کر دی جائے

(2) جہاں وقف اراضی پر قیمتی عمارتیں بنا دی گئی ہیں اور انہیں خالی کرنا ممکن نہیں ہے، ریاستی حکومتیں وقف بورڈوں کو بازار کی قیمت ادا کر کے یہ اراضیاں مستعمل بننے پر حاصل کر سکتی ہیں۔

(3) اس کے متبادل کے طور پر ریاستی حکومتیں وقف بورڈوں کو اراضیوں کی بازار قیمت ادا کر دیں جس کے بعد وہ بورڈ ان اراضیوں یا ان کے بندوبست پر اپنے حقوق سے دست بردار ہو جائیں یا پھر متعلقہ متولیوں سے، ان کے مرضی کے تحت، بے دخلی کے ضروری کاغذات حاصل کریں۔

میں سمجھتی ہوں کہ وقف بورڈوں نے آپ کو سرکاری محکموں اور مقامی اداروں کے قبضوں کے تحت وقف جائیدادوں کی فہرست ارسال کر دی ہے۔ برائے مہربانی دیکھئے کہ اس معاملے کو مذکورہ بالا تجاویز کے مطابق نمٹایا جائے۔ ان معاملات کا پابندی سے جائزہ لیا جانا چاہئے اور اس کی رپورٹ مجھے اور وزیر اوقاف کو ارسال کی جانی چاہئے۔

بیشتر وقف جائیدادیں برائے نام کرائے پر پٹے پر اٹھی ہوئی ہیں اور ریٹ کنٹرول قوانین کے تحت اس کرائے میں اضافہ نہیں کیا جاسکتا۔ وقف انکوائری کمیٹی نے اپنی عبوری رپورٹ میں تجویز رکھی ہے کہ تمام اجتماعی اوقاف جو مذہبی یا فاضلی مقاصد انجام دیتے ہیں یا کسی بھی فرقے کے تمام عوامی فرسٹوں اور اجتماعی اماک کو ریٹ کنٹرول قوانین سے مستثنیٰ کر دیا جائے۔ کمیٹی کا یہ خیال بھی بجا ہے کہ جو اوقاف، انفرادی استفادے کے لئے نہیں ہیں انہیں انفرادی جائیدادوں سے مختلف درجہ دیا جانا چاہئے۔ میں سمجھتی ہوں کہ مرکز کی ایما پر آندھرا پردیش، کیرل، کرناٹک اور تامل ناڈو کی ریاستوں نے اجتماعی وقف جائیدادوں کو ریٹ کنٹرول قوانین سے مستثنیٰ کر دیا ہے۔ برائے مہربانی آپ اپنی ریاست میں بھی اسی قسم کے استثنائے امکانات پر غور کیجئے۔

نیاز کیش

(دستخط)

(اندرا گاندھی)

عام امور اور رکاوٹیں: ریاستی وقف بورڈوں کو درپیش مسائل

مختلف ریاستی وقف بورڈوں نے سمیٹی کو اپنے کئی مسائل سے مطلع کیا جن میں سے چند مسائل کو یہاں بطور مثال پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ مسائل اوقاف کے مفادات کے لئے تباہ کن ہیں اور ان سے بطور خاص ان کے نامزد استفادہ کاروں اور عموماً تمام غریبوں کے حقوق پامال ہوتے ہیں۔

اہم وقف جائیدادوں پر قبضے

اکثر وقف جائیدادیں شہر یا قصبے کے قلب میں واقع ہیں۔ یہ وقف بورڈوں کے ایسے تجارتی طور پر کارگزارانہ ہیں جنہیں مناسب انداز سے ترقی دے کر بہتر آمدنی کا ذریعہ بنایا جانا چاہئے۔ مگر ایسی اکثر جائیدادیں کارپوریشنوں یا تیسرے فریقوں کے قبضے میں ہیں۔ ان تنازعات کے جلد تصفیے کے لئے ایک موثر طریق کار وضع کیا جانا چاہئے۔⁹

ریاستی حکومتوں کے استرداد یا متضاد احکام

حکومت اتر پردیش کے اقلیتوں سے متعلق محکمے نے غیر مستحق طور پر وقف بورڈ کے جاری کردہ نیم عدالتی احکامات کو مسترد کرنے والے احکام جاری کئے ہیں جس کی ایک نقل سمیٹی کو فراہم کی گئی ہے۔ یہ احکام حکومت اتر پردیش کے ذریعے وقف بورڈ کے احکامات کو مسترد کئے جانے کی تازہ ترین مثال ہیں۔ یہ محکمہ ایک عرصے سے وقف بورڈ کے احکامات کو روکنے، مسترد کرنے یا کالعدم قرار دینے کی کوششیں کرتا رہا ہے۔ یہ اقدامات وقف ایکٹ کے منافی ہیں۔ سنی اور شیعہ دونوں وقف بورڈوں نے 2004 میں وقف بورڈ کے کام کاج اور وقف ایکٹ 1995 پر عمل درآمد سے متعلق مجوزہ ضابطے وضع کر کے پیش کئے تھے۔ مگر اس محکمے نے اب تک اس سلسلے میں کوئی کارروائی نہیں کی ہے۔ حکومت اتر پردیش کو اس معاملے پر غور کرنے کے لئے کہا جانا چاہئے اور ان مداخلتوں کی روک تھام کے لئے وقف ایکٹ 1995 میں مناسب ترمیم کی جانی چاہئے۔

ریکارڈوں اور دائرہ اختیار کی منتقلی

انتظامی دائرہ اختیار منتقل نہ کئے جانے یا اس میں تاخیر یا اس سلسلے میں عدم وضاحت کی وجہ سے وقف جائیدادیں اکثر و بیشتر بد نظمی کی شکار رہتی ہیں۔ وقف بندوبست کو سدھارنے کے لئے انتظامی اور قانون سازی کی سطح پر وضاحت پیدا کرنے کے اقدامات درکار ہیں۔ اس سلسلے میں یہاں دی گئی نوٹ ملاحظہ کیجئے¹⁰۔

اختیارات کی عدم منتقلی میں تاخیر یا
اختیارات کی عدم وضاحت کے
سبب وقف جائیدادیں اکثر بد نظمی
کی شکار رہتی ہیں

⁹ وقف جائیدادیں استعمال کی ایک مثال حیدرآباد کے قلب میں واقع سماجن لال شیوہ وقف کی ہے۔ یہ ایک قبرستان تھا جو آب و سیرا کے ہوٹل کے قبضے میں ہے۔ یہ ہوٹل اسے وقف جائیداد تسلیم نہیں کرتا اور یہ اوقاف سے چار کروڑ روپے کے عرصے کی اجازت دیتا ہے۔ اس طرح کوکاتے کے ایک نہایت اہم مقام پر واقع پرنس تمام عمر وقف اسٹیٹ 1906 میں شاہین کھٹی کو مسمیٰ کرانے پر پے ہوئی گئی تھی۔ وقف بورڈ نے 1984 میں یہ پتہ چم کر دیا جس پر سمیٹی نے ہائی کورٹ سے رجوع کیا جہاں یہ معاملہ بائیس سال سے زیر سماعت ہے۔ درمیانی مدت کے لئے ہائی کورٹ نے فیصلہ دیا تھا کہ وقف بورڈ کو 25000 روپے ماہانہ قبضے کے کر کے بطور رازدکے جائیں۔ تاہم بازاری قیمتوں کے مطابق اس جگہ کا کرارہ اس وقت تقریباً 10 لاکھ روپے سالانہ ہوگا۔

¹⁰ یہاں مہاراشٹر وقف بورڈ کا ذکر کیا جا رہا ہے مگر یہ مسائل مختلف ریاستوں اور حالات میں الگ الگ ہیں۔ مہاراشٹر میں وقف ایکٹ 1995 کی شروعات سے پہلے تمام ٹرسٹ اور اوقاف (مراٹھواڑہ علاقے کو چھوڑ کر جہاں وقف ایکٹ 1954 نافذ تھا) ایسے پبلک ٹرسٹ ایکٹ 1950 کے دائرے میں آئے تھے اور ان کے معاملات چیر مینی کیشنز آف مہاراشٹر دیکھتا تھا۔ یکم جنوری 1996 سے وقف ایکٹ 1995 نافذ کیا گیا۔ اس کے تحت چیر مینی کیشنز کے لئے لازمی ہو گیا کہ تمام مسجدوں، عیدگاہوں، امام باڑوں، درگاہوں، خانقاہوں، مقبروں اور قبرستانوں وغیرہ کو مہاراشٹر وقف بورڈ کو منتقل کر دے۔ دریں اثنا وقف سروے کیشنز نے اپنا کام مکمل کر لیا اور ریاستی حکومت نے وقف ایکٹ 1995 کے سیکشن (2) کے تحت اوقاف کی فہرست شائع کر دی۔ چیر مینی کیشنز کو جاہلیت دی گئی کہ وہ وقف جائیدادوں سے متعلق اختیارات وقف بورڈ کو منتقل ہو جانے کے بعد ان جائیدادوں سے وصول کردہ رقم وقف بورڈ کے حوالے کرے۔ چیر مینی کیشنز نے اس قانون سازانہ انتظامی حکم اور دوسرے اوقاف کی جاہلیت کو نظر انداز کرتے ہوئے اوقاف کی آمدنی میں سے ایک حصہ حاصل کرنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ وقف بورڈ کی مسلسل کوششوں کے بعد چیر مینی کیشنز نے 2006 میں وقف بورڈ کو ریکارڈ کا صرف ایک حصہ منتقل کیا۔ اس طرح مکمل ریکارڈ کی ناموجودگی میں مختلف قانونی معاملات اور وقف بورڈ کو مسمور شہادت پر مناسب کارروائی ممکن ہو پائی جس سے اوقاف کے مفادات کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ بعض معاملات میں چیر مینی کیشنز کی اختیار کے بغیر وقف جائیدادوں میں خود بھی گرتے رہتا ہے۔

پنجاب وقف بورڈ کی تقسیم ختم کی جائے

2004 تک پنجاب، ہریانہ، ہماچل پردیش اور چند گڑھ کے لئے ایک واحد وقف بورڈ تھا۔ ان تمام ریاستوں کے اوقاف کے مسائل یکجا صورت میں سابقہ غیر منقسم پنجاب کے لوگوں کے لئے استعمال کئے جاتے تھے۔ اس سے عمومی فلاحی سرگرمیوں اور بطور خاص تعلیمی و پیشہ ورانہ تربیت کے اداروں اور صحت خدمات وغیرہ کے لئے مالی وسائل کی فراہمی میں آسانی ہوتی تھی۔ لیکن وقف بورڈ کو تین حصوں میں تقسیم کئے جانے سے انتظامی مصارف بے حد بڑھ گئے۔ اب ایک کی جگہ تین بورڈ ہیں جن کے لئے الگ الگ انتظامی سہولتیں قائم کی گئی ہیں۔ پنجاب میں 11000 وقف جائدادیں ہیں مگر وسیع تر مسلمانوں کو ان کا کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ ہریانہ میں میوات کا وسیع و عریض علاقہ ہے جہاں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد ملک کے پسماندہ ترین لوگوں میں شامل ہے۔ مگر وہ پنجاب میں موجود اہم وقف جائدادوں سے ہونے والے فوائد سے استفادہ نہیں کر سکتے۔ ہماچل پردیش اور چند گڑھ کے لوگ اب تک فراہم فلاحی سہولتوں سے محروم ہو چکے ہیں۔ کمیٹی نے اس سلسلے میں پیش کئے گئے تحریری بیانات کا تجزیہ کر کے اس معاملے کا مطالعہ کیا۔ اس کی رائے ہے کہ مرکزی حکومت سابقہ صورت حال کو بحال کرتے ہوئے سابقہ پنجاب وقف بورڈ کی تقسیم کو ختم کر سکتی ہے۔

اوقاف کو ادا کی جانے والی رقوم

بہت سی ریاستوں پر بڑی بڑی رقوم باقی ہیں جو مختلف اسباب کے تحت وقف بورڈوں کو ادا نہیں کی گئی ہیں

بعض ریاستوں پر وقف بورڈوں کی بڑی بڑی رقوم واجب الادا ہیں مگر بہت سے اسباب کے تحت ادا نہیں کی گئی ہیں۔ مثلاً مہاراشٹر وقف بورڈ نے کمیٹی کو مطلع کیا کہ اورنگ آباد، جالندہ، پربھاسی، نانڈیڑ، بیڑ، عثمان آباد، لاہور، پٹنہ، ناسک، امراتوٹی، سائنگی، ناگپور، احمد نگر اور دھولے میں جائدادیں تحویل میں لے جانے کے عوض ریاستی حکومت پر مہاراشٹر وقف بورڈ کی 8168285 روپے کی رقم اور اس کا سود باقی ہے۔ 11۔ اس لئے ضروری ہے کہ وقف بورڈوں کو ان کے بقایہ جات کی ایک معقول مدت میں ادائیگی کے لئے وقف ایکٹ میں مناسب ہدایات شامل کی جائیں۔

مشترکہ پارلیمانی کمیٹی کی سفارشات پر عمل درآمد نہیں

کئی معاملوں میں مشترکہ پارلیمانی کمیٹی کی سفارشات تک پر عمل درآمد نہیں کیا گیا ہے

بہت سے معاملات میں مشترکہ پارلیمانی کمیٹی کی سفارشات پر عمل نہیں کیا گیا ہے۔ یہاں اس کی ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔ میگھالے کے مسلمانوں نے 1994 میں شیلانگ میں ام شرنی کالج قائم کیا تھا۔ کالج کی کمیٹی ایک طویل عرصے تک ریاستی حکومت سے درخواست کرتی رہی کہ گرو سائڈ، کیٹنگ روڈ، شیلانگ پر واقع وقف اراضی کو سرکاری تحویل میں لینے کی کارروائی واپس لی جائے اور یہ اراضی کالج کو اس کی توسیع کے لئے الاٹ کر دی جائے۔ اس تجویز کو وقف بورڈ اور متعلقہ وقف غلام احمد وقف اسٹیٹ کے متولی کی منظوری حاصل تھی۔ مشترکہ پارلیمانی کمیٹی تک نے وزیر اعلیٰ سے اس سلسلے میں سفارش کی تھی اور مرکزی وزیر بہبود نے بھی اس سلسلے میں وزیر اعلیٰ کو ایک مکتوب بھیجا تھا۔ مگر یہ کام ابھی تک نہیں کیا گیا ہے جب کہ کالج کو مطلوب متعلقہ وقف اراضی بے استعمال پڑی ہوئی ہے۔ مرکزی حکومت، میگھالے حکومت سے اس سلسلے میں رابطہ کرنے پر غور کر سکتی ہے اور ریاستی حکومت کو متعلقہ جائداد کو تحویل میں لینے کی کارروائی واپس لے کر ام شرنی کالج کو الاٹ کرنے کے لئے ضروری احکامات جاری کرنے کے لئے کہہ سکتی ہے۔ 12۔

11۔ کمیٹی کے نام مہاراشٹر وقف بورڈ سے ای او کا نمبر ایم ایس بی ڈی/آر ای/بی/668/2006

12۔ کمیٹی کے نام میگھالے بورڈ آف اوقاف، نمبر ایم ایس ڈی/بی/ایم او/06/2005/1029 مورخہ 8 اگست 2005

دہلی کے قومی راجدھانی علاقے کا ایک معاملہ

حکومت ہند نے 1911 اور 1915 کے درمیان نئی راجدھانی کی تعمیر/دہلی شہر کی توسیع کے لئے ایک بہت بڑا قطعہ اراضی اپنی تحویل میں لیا تھا۔ اس سلسلے میں بہت سی وقف جائیدادیں بھی تحویل میں لی گئیں مگر ان میں سے کئی جائیدادوں کے معاملے میں معاوضہ یا تو موصول نہیں کیا گیا یا قبول نہیں کیا گیا۔ 1940 میں، حکومت ہند نے سنی مجلس اوقاف (دہلی وقف بورڈ کی پیش رو) کے ساتھ 42 معاملوں میں فرد افراد معاہدے کئے تھے اور ان جائیدادوں کے مذہبی استعمال کی اجازت دی تھی۔ 1970 کے دہلی گزٹ میں جاری ایک اعلیٰ درجے کے تحت، بہت سی جائیدادوں کو، جن میں زیر معاہدہ جائیدادیں بھی شامل تھیں، وقف جائیداد قرار دے دیا گیا۔ لینڈ اینڈ ڈیولپمنٹ افسر (ایل اینڈ ڈی او) اور دہلی ڈیولپمنٹ اتھارٹی (ڈی ڈی اے) نے جو حکومت ہند کی وزارت شہری ترقیات کے ماتحت ادارے ہیں، اس اعلیٰ درجے کے خلاف ضلع عدالتوں میں تقریباً 300 مقدمات دائر کئے۔

بہت سی وقف جائیدادوں کو بھی سرکاری تحویل میں لے لیا گیا مگر ان میں سے کئی جائیدادوں کا معاوضہ یا تو موصول نہیں ہوا یا قبول نہیں کیا گیا

1974 سے 1984 کے درمیان چار اعلیٰ اختیاراتی کمیٹیوں نے فریقوں کے درمیان تنازعات پر غور کیا۔ چھ کاہنہ ذریعوں پر مشتمل وزارتی گروپ نے بھی اس معاملے پر غور کیا۔ وزارت ورکس و ہاؤسنگ، وزارت داخلہ، ڈی ڈی اے، لینڈ اینڈ ڈیولپمنٹ افسر اور دہلی وقف بورڈ کے نمائندوں سمیت افسروں کی ایک کمیٹی نے متعلقہ جائیدادوں کا تفصیلی جائزہ لے کر راجدھانی کو فروغ دینے کی ضروریات کے نقطہ نظر سے ہر جائیداد کی نوعیت معلوم کرنے کی کوشش کی۔ اس کمیٹی نے تصدیق کی کہ 123 معاملوں میں یہ بات واضح تھی کہ ان جائیدادوں کو وقف جائیداد قرار دیا جاسکتا تھا اور سفارش کی کہ انہیں دہلی وقف بورڈ کے سپرد کر دیا جائے۔ حکومت ہند نے 31 جنوری 1984 کو اس کمیٹی کی سفارشات کو منظور کر دیا اور 123 جائیدادوں (61 ایل اینڈ ڈی او کے اور 62 ڈی ڈی اے کے تصرف میں) کی منتقلی کے احکامات جاری کر دیے۔ ان 123 جائیدادوں کے علاوہ، اس کمیٹی کو یہ بھی معلوم ہوا کہ 40 اور جائیدادیں بھی وقف جائیدادیں ہیں جو پارکوں جیسے سرکاری مقامات کے اندر واقع ہیں۔ ان جائیدادوں کے بارے میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ ان کی ملکیت حکومت کے پاس ہی رہے گی مگر دہلی وقف بورڈ کو انہیں وقف جائیدادوں کی طرح استعمال کرنے کی اجازت ہوگی۔

مذکورہ بالا فیصلوں کے باوجود، دہلی ہائی کورٹ نے یکم جون 1984 کو ایک عرضداشت پر فیصلہ کرتے ہوئے حکم جاری کیا کہ جائیداد کی موجودہ حالت برقرار رکھی جائے اور اس پر حکومت کا تصرف باقی رکھا جائے۔ یونین آف انڈیانے ہائی کورٹ میں اپنے جواب میں کہا کہ نوٹیفائڈ وقف جائیدادوں کی بھرپور جانچ اور موقع پر تصدیق کے بعد ہی ان جائیدادوں کو دہلی وقف بورڈ کو منتقل کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا جو:

- (1) واضح طور پر وقف نوعیت کی تھیں،
- (2) اجتماعی عوامی استعمال کے لئے مطلوب نہیں تھیں، اور
- (3) ملحقہ پبلک عمارتوں سے واضح طور پر الگ کی جاسکتی تھیں۔
- (4) وقف جائیدادوں کا دہلی وقف بورڈ کو منتقل کیا جانا ان کے موثر بندوبست کے لئے اور اجتماعی مفاد کے تحت تھا۔
- (5) وہ وقف جائیدادیں جو موقع پر موجود نہیں تھیں مگر گزٹ میں نوٹیفائی کر دی گئی تھیں انہیں نظر انداز کر دیا گیا۔

اس طرح حکومتی ایجنسیوں اور دہلی وقف بورڈ کے درمیان تمام تنازعات ختم ہوئے اور دونوں طرف کے تمام زیر سماعت معاملے عدالتوں سے واپس لے لئے گئے۔ تاہم 6 جون 1984 کے عبوری حکم امتناعی کے سبب اس سلسلے میں کوئی مزید کارروائی نہیں کی جاسکی۔ یہ افسوس ناک ہے

کہ حکومت کی دلچسپی نہ ہونے کے سبب 22 سال اور 112 پیشیوں کے بعد بھی ابھی تک اس معاملے کی سماعت نہیں ہو سکی ہے۔

اس 22 سال کے وقفے کے دوران وقف جائیدادوں پر بڑے پیمانے پر قبضے کئے گئے ہیں اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ یہ دیکھا جاسکتا ہے کہ دہلی وقف بورڈ کو اس کی قیمتی جائیدادوں کو استعمال کرنے سے محروم کر دیا گیا ہے۔ وہ اپنے آئینی فرائض کو انجام دیتے ہوئے اپنے اثاثوں سے مالی وسائل پیدا نہیں کر سکتا اور مالی طور پر حد درجہ کمزور ہو چکا ہے۔

123 جائیدادوں کی بازار قیمت 2002 میں مدعیوں کے ذریعے تقریباً 3000 کروڑ روپے لگائی گئی تھی۔ اس کے بعد سے دہلی میں جائیدادوں کی قیمتیں کئی گنا بڑھ چکی ہیں اور اب ان وقف جائیدادوں کی قیمت 6000 کروڑ روپے کے آس پاس ہوگی۔ طویل مقدمے بازی کے سبب ان کی مالی قدر و قیمت کے امکانات کا پتہ نہیں لگایا جاسکا۔ اب اگر ان کا تجارتی استعمال کیا جائے تو دہلی کے مسلمانوں کی بہت سی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے خاصے وسائل فراہم کئے جاسکتے ہیں۔ حکومت ہند اپنے لائسنس کو اس معاملے میں سرگرم دلچسپی لینے اور طویل عرصے سے اس زیر سماعت معاملے کے جلد تصفیے کی کوشش کرنے کو کہہ سکتی ہے۔ اس کے لئے بہتر قانونی مدد حاصل کرنا اور اس معاملے کے تصفیے کی فوری اہمیت کا احساس پیدا کرنا ضروری ہوگا۔

4 مسائل کا حل: چند سفارشات

4.1 تنظیمی اصلاحات

اس باب میں ایک سماجی و مذہبی ادارے کی حیثیت سے وقف کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے جو موجودہ دور کی، فلاحی سرگرمیوں سے وابستہ غیر حکومتی تنظیموں سے مشابہ ہیں۔ تاہم وقف جائیدادوں کا بندوبست بڑے پیمانے پر ہونے والی مقدمے بازی اور بد نظمی کے سبب بہت ناقص ہے۔ اکثر و بیشتر مالی اور انتظامی مسائل کی کمی کے سبب وقف سے متعلق اہم مقدمات میں شکست کا منہ دیکھنا پڑتا ہے جس سے بیش قیمت وقف جائیدادیں ہاتھ سے جاتی رہتی ہیں۔ لہذا وقف بورڈوں کو تمام ضروری مالی اور قانونی وسائل سے لیس کرنا حد درجہ لازمی ہے۔ ہندوستان بھر میں پھیلی ہوئی تقریباً پانچ لاکھ وقف جائیدادوں کے بندوبست کو بہتر کرنے کے لئے اوقاف کے معاملے کو اعلیٰ قانونی، انتظامی اور عدالتی ترجیح دی جانی چاہئے۔ مرکزی اور ریاستی حکومتوں نے، غالباً اپنی سخت مصروفیات کے پیش نظر، اس معاملے میں حالت موجودہ کو برقرار رکھنا مناسب جانا، یہ محسوس کئے بغیر کہ اوقاف مالی وسائل پیدا کرنے اور غریبوں اور ضرورت مندوں کی کفالت کے لحاظ سے کتنے زبردست امکانات کے حامل ہیں۔ اس باب میں تجویز کئے گئے قانون سازی اور قانونی دونوں طرح کے مناسب اقدامات کے ذریعے وقف جائیدادوں کے بندوبست کو اس طرح تقویت دی جاسکتی ہے کہ انہیں مالی طور پر قابل عمل ہی نہیں نفع بخش بھی بنایا جاسکے۔ یہاں ملک میں موجود اوقاف کے انتظام اور کام کاج کو بہتر کرنے کے سلسلے میں بعض سفارشات پیش کی جارہی ہیں:

مرکزی اور ریاستی دونوں سطحوں پر وقف جائیدادوں کو ترقی دینے کے لئے ایک تکنیکی مشاورتی کمیٹی کی تشکیل ضروری معلوم ہوتی ہے۔ یہ کمیٹی ریاستی وقف بورڈوں کے نمائندوں، اسکول آف پلاننگ اینڈ آرکیٹیکچر، نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ڈیزائن اور آئی آئی جیسے اداروں کے متعلقہ ماہرین اور ماہرین سماجیات، ماہرین اقتصادیات، مالیاتی امور کے ماہرین اور قانونی ماہرین پر مشتمل ہو سکتی ہے۔ متعلقہ سرکاری محکمے کا ایک نمائندہ بھی اس کمیٹی میں شامل ہونا چاہئے۔ کوئی غیر ترقی یافتہ وقف جائیداد جس کی بازار قیمت ایک کروڑ روپے یا اس سے زیادہ ہو یا جس کا رقبہ شہری علاقے میں ایک ہیکٹے سے زیادہ یا دیہی علاقے میں دو ایکڑ سے زیادہ ہو اسے اس تکنیکی مشاورتی کمیٹی کے زیر غور لایا جانا چاہئے۔ تمام

ہندوستان بھر میں پھیلی تقریباً پانچ لاکھ وقف جائیدادوں کے بہتر بندوبست کیلئے وقف کے معاملے کو اعلیٰ قانون سازی کی، انتظامی اور عدالتی ترجیح دی جانی چاہئے

مرکزی وقف کونسل اور ہر ریاستی وقف بورڈ میں کم از کم دو خواتین کی نمائندگی بے حد ضروری ہے

وقف جاکد اودوں کو فروغ دینے، رہن رکھنے یا انٹوامیں رکھنے کا کام ریاستی یا مرکزی تنظیمی مشاورتی کمیٹی کے مشورے سے کیا جانا چاہئے۔

● **خواتین کی نمائندگی:** مرکزی وقف کونسل اور ہر ریاستی وقف بورڈ میں کم از کم دو خواتین کی موجودگی بے حد ضروری ہے۔ اس سے صنفی مساوات کے علاوہ فلاحی اقدامات تک خواتین اور بچوں کی براہ راست رسائی میں بہتری آئے گی۔

● **مرکزی وقف کونسل (سی ڈبلو سی) کی ساخت:** ایک مرکزی وزیر بہ اعتبار عہدہ مرکزی وقف کونسل کا صدر ہوتا ہے۔ اس کی مصروفیات کے سبب کونسل اکثر فوری اہمیت کے امور پر غور اور بروقت کارروائی نہیں کر پاتی۔ لہذا تجویز پیش کی جاتی ہے کہ سبک دوش ہائی کورٹ ججوں، مرکزی یونیورسٹی کے سبک دوش چانسلروں اور وائس چانسلروں اور ریاستی وقف بورڈوں کے سابق سربراہوں جیسے ممتاز افراد میں سے کسی شخص کو سی ڈبلو سی کا مستقل صدر مقرر کیا جائے۔ صدر کے عہدے کی مدت تین سال ہو سکتی ہے۔ مرکزی وقف کونسل کے دیگر اراکین ماہرین تعمیرات، ڈاکٹروں، وکیلوں، چارٹرڈ اکاؤنٹنٹوں اور تعلیم و تدریس کے ماہرین وغیرہ میں شامل ممتاز مسلمانوں میں سے نامزد کئے جاسکتے ہیں۔ ممبران پارلیمنٹ اور ممبران اسمبلی کی نمائندگی جیسی کہ اب ہے ایک دوسرے میں ضم کر کے ہر ریاستی وقف بورڈ میں ان کی زیادہ سے زیادہ تعداد موجودہ چار سے کم کر کے دو کر دی جانی چاہئے۔ مرکزی وقف کونسل کا سکرٹری کم از کم حکومت ہند کے جو اہل سکرٹری کے عہدے کا افسر ہونا چاہئے تاکہ حکومت کے حکام کے ساتھ بہتر رابطہ ممکن ہو سکے۔ زیادہ موثر ہونے کے لئے یہ افسر ایسا ہونا چاہئے جو واقفانہ امور اور مسلمانوں کی مذہبی مآخذ سے اچھی واقفیت رکھتا ہو اور اردو جانتا ہو۔

ریاستی وقف بورڈوں کے چیئر مین اور اراکین کو ہر ریاست کے ممتاز لوگوں میں سے منتخب کیا جا سکتا ہے

● **ریاستی وقف بورڈ:** ریاستی وقف بورڈ کے صدر اور اراکین کا انتخاب ہر ریاست کے ممتاز افراد میں سے کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً سبک دوش ہائی کورٹ ججوں، سابق وائس چانسلروں اور موثر تعلیمی ادارے قائم کرنے والے لوگوں میں سے کسی کو وقف بورڈ کا سربراہ مقرر کیا جانا چاہئے۔ وقف بورڈ کے دیگر اراکین کی نامزدگی ماہرین تعمیرات، ڈاکٹروں، وکیلوں، چارٹرڈ اکاؤنٹنٹوں اور اہل تعلیم و تدریس جیسے افراد میں سے کی جانی چاہئے۔ ممبران پارلیمنٹ اور ممبران اسمبلی کی نمائندگی جیسی کہ اب ہے ایک دوسرے میں ضم کر کے ہر ریاستی وقف بورڈ میں ان کی تعداد موجودہ چار سے کم کر کے دو کر دی جانی چاہئے۔ وقف ایکٹ میں ریاستی حکومت کے ذریعے مقرر کئے جانے والے بورڈ کے چیف ایگزیکٹو افسر (سی ای او) کے لئے کوئی اہلیت طے نہیں کی گئی ہے۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ اگر بورڈ کا سی ای او ریاستی بیوروکریسی کے اعلیٰ عہدے سے تعلق نہیں رکھتا تو بورڈ کے معاملات کو نقصان پہنچتا ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ وقف بورڈ کا سی ای او کل وقتی اور ریاستی حکومت کے اعلیٰ افسروں کے ہم عہدہ ہو۔ مثالی صورت تو یہ ہوگی کہ یو پی ایس سی کے ذریعے کل ہند یا مرکزی سروریز کے لئے براہ راست منتخب کسی درجہ اول کے افسر کو سی ای او مقرر کیا جائے۔

حکومت افسروں کا ایک نیا کاڈ تشکیل دینے پر غور کر سکتی ہے جس کے افسر اسلامی قانون سے واقف ہوں تاکہ وہ اوقاف کا موثر بندوبست کر سکیں

● **وقف بورڈ کے لئے گروپ اے کے افسر:** ریاستی وقف بورڈوں اور مرکزی وقف کونسل کے بندوبست کے لئے افسروں کا ایک نیا کاڈ تشکیل دینے کی مضبوط بنیادیں موجود ہیں۔ سارے ملک میں اوقاف کے انتظام کے لئے اندازاً 200 گروپ اے کے افسر درکار ہوں گے۔ لہذا حکومت اس سلسلے میں افسروں کا ایک نیا کاڈ تشکیل دینے پر غور کر سکتی ہے جنہیں یو پی ایس سی کے ذریعے منتخب کیا جائے تاکہ وہ اوقاف کے مخصوص معاملات سے اچھی طرح عہدہ برآ ہو سکیں۔ مگر ایسے افسروں کے لئے اسلامی قانون اور اردو کا علم لازمی ہے کیوں کہ اوقاف سے متعلق بیشتر دستاویزات اردو میں ہیں۔ اس کاڈ کے بعض افسروں کو مرکزی جج کمیٹی کی رضا مندی کے تحت، مرکزی اور ریاستی جج کمیٹیوں میں انتظامی خدمات کے لئے بھیجا جاسکتا ہے۔

● **حسابات کا نظم:** سفارش کی جاتی ہے کہ تمام اوقاف کو مالیاتی آڈٹ کے نظام کے تحت لایا جائے۔

مرکزی حکومت، 500 کروڑ روپے کے متحرک مستقل سرمائے کے ساتھ ایک قومی وقف ترقیاتی کارپوریشن تشکیل دے سکتی ہے

• قومی و ریاستی وقف ترقیاتی کارپوریشن : مرکزی حکومت 500 کروڑ

روپے کے متحرک مستقل سرمائے کے ساتھ ایک قومی وقف ترقیاتی کارپوریشن تشکیل دے سکتی ہے۔ مسلم فرقے اور این جی او کے ذریعے فراہم کردہ اتنی ہی مزید رقم کو اس سرمائے میں شامل کرنا مناسب ہوگا۔ اس کارپوریشن کے چیئرمین و مینجنگ ڈائریکٹر (سی ایم ڈی) کو مسلم مذہبی معاملات اور اردو زبان سے واقف ہونا چاہئے۔ یہ کارپوریشن اوقاف کے وسائل میں اضافہ کرنے کے لئے وقف جائیدادوں کو ترقی دینے کی غرض سے مالی اور تکنیکی مدد فراہم کر سکتی ہے۔ ایسی ہی کارپوریشنیں ریاستی سطحوں پر بھی تشکیل دی جاسکتی ہیں۔

• اجمیر ایکٹ میں ترمیم درکار : وقف ایکٹ میں 1954 میں ترمیم کی گئی تھی۔ اب اس رپورٹ

میں کچھ اور ترمیمات بھی تجویز کی جارہی ہیں۔ درگاہ خواجہ صاحب اجمیر ایکٹ 1955 میں آج تک ترمیم نہیں کی گئی ہے جب کہ وہاں کے مسائل بھی وہی ہیں جو سارے ملک کے دیگر اوقاف کو درپیش ہیں۔ چنانچہ اس ایکٹ میں بھی جامع ترمیمات ضروری ہیں۔

4.2 قانونی اور انتظامی اصلاحی اقدامات

• عدالتی تضادات کا خاتمہ : وقف ایکٹ سیکشن (6) سب سیکشن (1) میں ترمیم: سپریم کورٹ نے بورڈ آف

مسلم وقف، راجستھان بنام راجا کشن اور دیگر کے معاملے میں کہا تھا کہ اگر کوئی غیر مسلم کسی جائیداد پر قابض ہو تو اس کی ملکیت کے حق اور مفاد کو اس لئے خطرے میں نہیں ڈالا جاسکتا کہ متعلقہ جائیداد اوقاف کی فہرست میں شامل ہے۔ اس شخص کے لئے اپنے حق ملکیت کے اعلیٰ کے لئے (ایک سال کی مدت کے اندر) مقدمہ دائر کرنا ضروری نہیں ہے، جیسا کہ وقف ایکٹ کے تحت ضروری ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سیکشن 6 کے سب سیکشن (1) کی تہدید میں مندرج حد بندی کا خصوصی ضابطہ غیر مسلموں پر عائد نہیں ہوتا۔ یہ تاویل اوقاف کے مفادات کے لئے تباہ کن ہوگی اور اس سے ناجائز قبضوں کو بڑھا دالے گا۔ لہذا عدم وضاحت کو دور کرنے کے لئے سیکشن 6 میں ترمیم کی جانی چاہئے اور یہ ترمیم اس تاریخ سے ہونی چاہئے جب کہ کسی جائیداد کو وقف جائیداد قرار دیا گیا تھا۔ وقف ایکٹ 1995 کے سیکشن (1) میں یا اس میں دلچسپی رکھنے والے کسی شخص کے الفاظ کے بعد اس کے مذہب کا لحاظ کئے بغیر، اضافہ کیا جانا چاہئے۔

جن وقف جائیدادوں کو تعلیمی، صحت خدمات اور وقف کے مقاصد سے ہم آہنگی اور اسلامی قانون کے تحت جائز دیگر مقاصد کیلئے استعمال کیا جا رہا ہو ان کی پے داری کی زیادہ سے زیادہ مدت 3 سے 30 سال کر دی جائے

• پے داری کی مدت میں اضافہ : ایسے معاملوں میں وقف جائیدادوں کی پے داری 3 سے 30 سال

تک بڑھائی جاسکتی ہے جہاں یہ جائیداد رجسٹرڈ رفاہی سوسائٹیوں یا ٹرسٹوں کے ذریعے تعلیم یا صحت خدمات کے اداروں کی تعمیر اور یا انہیں چلانے کے لئے یا وقف کے مقاصد (اگر ان کی تخصیص کی گئی ہو) سے ہم آہنگ یا اسلامی قانون کے تحت جائز دیگر سماجی، اقتصادی اور ترقیاتی مقاصد کے لئے استعمال کی جارہی ہو۔

• 'غاصب' کی تعریف کا تعین: سیکشن 3 میں 'غاصب' کی تعریف شامل کی جانی چاہئے۔ اس تعریف میں

وضاحت ہونی چاہئے کہ 'غاصب' سے مراد ہے 'ہر وہ شخص جو کسی وقف جائیداد پر از روئے قانون اختیارات کے بغیر قابض ہو اور وہ شخص جس کی کرائے داری، پے داری یا لائسنس کی مدت نکل چکی ہو یا بورڈ کے ذریعے ختم کر دی گئی ہو یا وہ شخص جس نے متعلقہ وقف بورڈ کی پیشگی تحریری

اجازت کے بغیر پٹے پر دی گئی یا قبضہ کی گئی جائداد میں کوئی تبدیلی کر دی ہو۔ اس تعریف کی شمولیت سے وقف بورڈوں کو قبضے ہٹانے میں مدد ملے گی۔ دوسری بات یہ کہ وقف جائداد پر قابض شخص کو دلچسپی رکھنے والے شخص کی تعریف میں شامل کیا جائے۔ تیسرے یہ کہ وقف جائدادوں کی ایسی تعریف مقرر کی جانی چاہئے کہ اس سے کوئی بھی مسجد، قبرستان، مزار، بنگلہ، عیدگاہ، امام باڑہ، درگاہ، خانقاہ، مقبرہ، انجمن اور ان سے متعلق یا ان کے زیر ملکیت کوئی زمین، ان کی دیکھ ریکھ کے لئے وقف شدہ کوئی جائداد، ان کی آمدنی سے خریدی گئی کوئی جائداد، وقف کی حیثیت سے دی گئی کوئی اراضی، باغ، کنواں، ہاڈلی، اسکول، اسپتال اور دیگر ادارے اور وقف جائدادوں تک جانے والے راستے، مراد ہوں۔ اس تعریف سے سیکشن 54 کے تحت وقف جائدادوں پر ناجائز قبضوں کو ہٹانے کی کارروائی میں مدد ملے گی۔

• ریٹ کنٹرول ایکٹ: ریٹ کنٹرول ایکٹ (آر سی اے) اکثر کرائے داروں کو اس طرح تحفظ دیتا ہے کہ جائداد کو فروغ دینے اور دیکھ ریکھ کرنے میں مالکوں کی ساری دلچسپی ختم ہو جاتی ہے۔ بیشتر ریاستوں میں، وقف جائدیں آر سی اے کے تحت آتی ہیں۔ 13۔ اس طرح آر سی اے اوقاف کے بلند مقاصد اور استفادہ کاروں کے حقوق کے لئے ضرر رساں ہے۔ لہذا وقف جائدادوں کو آر سی اے سے مستثنیٰ کرنے کے لئے وقف ایکٹ میں ترمیم فوری طور پر ضروری ہے۔ اس کے لئے وقف ایکٹ میں ایک خصوصی گنجائش (Provision) شامل کی جاسکتی ہے۔

• قبضہ خالی کرانے سے متعلق مدت کی توسیع: بیک وقف (توسیع) آف لمیٹیشن ایکٹ 1959 عدالتی چارہ جوئی کے ذریعے اجتماعی اوقاف کی بحالی میں آسانی پیدا کرتا ہے۔ اس ایکٹ کے تحت ناجائز قبضوں والی وقف جائدادوں کی بحالی کے لئے مقدمات دائر کرنے کی مدت 31 دسمبر 1970 تک بڑھادی گئی تھی۔ مختلف ریاستوں نے اس مدت میں مزید اضافہ کیا جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

| | |
|---------------------------|------------------|
| بہار اور مرکزی علاقہ دہلی | 31 دسمبر 1998 تک |
| ہریانہ | 31 دسمبر 1975 تک |
| مدھیہ پردیش | 31 دسمبر 1983 تک |
| ہماچل پردیش | 31 دسمبر 1978 تک |
| اڑیسہ | 31 دسمبر 1981 تک |
| راجستھان | 31 دسمبر 1980 تک |
| مغربی بنگال | 31 دسمبر 1976 تک |

تاہم 1947 سے بیشتر وقف بورڈ یا تو ٹھیک سے تشکیل نہیں دئے گئے یا مدت میں توسیع کا استعمال کرنے یا اس کا فائدہ اٹھانے کے لئے پوری ریاست اور آئینی ادارے جو وقف طرح تیار نہیں تھے۔ اگرچہ پبلک ورکس کا بندوبست اور گمرانی ریاست کی ذمہ داری ہے مگر ایک طویل عرصے تک اوقاف کے بندوبست کا کوئی جائدادوں کے تحفظ، نظم و نسق کے وجود ہی نہیں رہا۔ اس کے سبب وقف جائدادوں کی ایک بڑی تعداد خاصاً قبضوں میں چلی گئی اور ان کی بحالی کے لئے عدالتی چارہ جوئی کا وقت نکل گیا۔ لہذا عدالتی چارہ جوئی کی مدت 2035 تک بڑھائی جانی چاہئے اور اس توسیع کو پہلے سے نافذ کیا جانا چاہئے۔ بصورت دیگر بہت سی پیش قیمت جائدادیں اسی طرح ناجائز قبضوں اور اجنبیوں کے تصرف میں پڑتی رہیں۔ اور یہ سب ریاستی وقف نظام کی اجتماعی ناکامی کے مترادف ہوگا۔ اس طرح حکومت اپنی بے عملی یا ناکافی کارروائی کی وجہ سے وقف جائدادوں کو ہونے والے غیر ضروری نقصان یا ان کی تحفیف کے معاملے میں ایک فریق سمجھی جائے گی۔ ریاست یا وقف جائدادوں کے تحفظ/انتظام/فروغ کے لئے ذمہ دار آئینی اداروں کی یہ ناکامی مسلمانوں میں خاصی بے چینی کا سبب بنی ہے۔

• قدیم عمارتوں اور آثار قدیمہ سے متعلق ایکٹ 1958:

اس ایکٹ اور وقف ایکٹ کے مقاصد اکثر متضاد رہے ہیں۔ اول الذکر قانون کو اکثر بالادستی حاصل رہتی ہے۔ ایسے لاقعدا معاملے ہیں جہاں وقف بورڈ کسی وقف جائداد کے سلسلے میں، چاہے وہ کوئی عبادت گاہ یا مذہبی احترام کی حامل کوئی عمارت ہی کیوں نہ ہو، کچھ سمجھ نہیں کر سکتے کیوں کہ اسے محفوظ عمارت قرار دے دیا گیا ہوتا ہے۔ 14۔ چونکہ وقف جائدادوں کی ایک بڑی تعداد محکمہ آثار قدیمہ (اے ایس آئی) کے تصرف میں ہیں، اس لئے مناسب ہوگا کہ ان کی فہرستوں پر سالانہ نظر ثانی کی جائے اور اے ایس آئی کے اعلیٰ افسروں اور وقف کونسل کے نمائندوں کی میٹنگ میں ان کی حالت پر غور کیا جائے۔ اس میٹنگ کی کارروائی پر دونوں فریقوں کے دستخط ہوں اور دونوں فریق اور متعلقہ وزارتیں ان کی نقلیں محفوظ رکھیں۔ ایسی جائدادوں کی ایک علامتی فہرست جو اے ایس آئی کے تصرف میں ہیں مگر وقف جائدادوں کی حیثیت سے گزرتی جا چکی ہیں ضمیمہ 11.1 میں پیش کی گئی ہے۔

• ٹھیکا ایکٹ:

مغربی بنگال اسمبلی نے 1981 میں ٹھیکا اینڈ اور ٹی ٹینسز اینڈ لینڈ (ایکوی زیشن اینڈ ریگولیشن) ایکٹ (Thika and Other Tenancies and lands) منظور کیا جسے عرف عام میں ٹھیکا ایکٹ کہا جاتا ہے۔ 2001 میں اس میں ترمیم کی گئی۔ اس ایکٹ کے تحت ریاست بھر میں جائدادوں کی ایک بڑی تعداد کے کرایے داران جائدادوں کے مالک بن گئے۔ اگرچہ سرکاری اور میونسپل جائدادوں کو ٹھیکا ایکٹ سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے مگر وقف جائدادوں کو یہ سہولت فراہم نہیں کی گئی ہے۔ اس کے سبب وقف بورڈ جائدادوں کی ایک بڑی تعداد اور ان کی آمدنی سے محروم ہو گیا۔ وقف بورڈوں اور این جی اوز نے وقف اراضیوں کو ٹھیکا ایکٹ سے مستثنیٰ کرانے کی کوششیں کی ہیں۔ مغربی بنگال حکومت سے کہا جاتا چاہئے کہ وہ مطلوبہ استثنیٰ فراہم کرے۔

14۔ اس سے مراد وہ جائدادیں ہیں جنہیں وقف جائداد کی حیثیت سے گزرتا گیا چاہے مگر جو محکمہ آثار قدیمہ کے تصرف اور قبضے میں ہیں۔ یہاں وہ جائدادیں مراد ہیں جو تاج محل، قطب، پتار اور جواہر میں مقبرہ جی تاج محل عمارتوں پر مشتمل ہیں۔

کمیٹی کی پختہ رائے ہے کہ قانون کو، وقف جائیدادوں کو تحویل میں لینے کے لئے استعمال نہیں کیا جانا چاہئے اور سفارش کرتی ہے اسے مستقل طور پر یقینی بنانے کے لئے حکومت کو مناسب اقدامات کرنے چاہئیں۔

• وقف ضوابط:

وقف ایکٹ 1995 کی منظوری کے گیارہ سال گزر جانے کے بعد بھی بہت سی ریاستوں نے وقف ضوابط وضع نہیں کئے ہیں۔ وقف ایکٹ کی دفعات پر عمل درآمد نہ ہونے، بدعنوانیاں جاری رہنے اور احساسِ جواب دہی نہ ہونے کا ایک خاص سبب یہ بھی ہے۔ ریاستی وقف بورڈوں کے عملے کے لئے ریفرنڈم کو ریس پابندی سے چلائے جانے چاہئیں تاکہ اسے مناسب تربیت دی جاسکے۔ اس کام کی نگرانی مرکزی وقف کونسل کے ذریعے کی جاسکتی ہے۔

کمیٹی کی پختہ رائے ہے کہ قانون کا استعمال وقف جائیدادوں کو سرکاری تحویل میں لینے کیلئے نہیں کیا جانا چاہئے اور سفارش کرتی ہے کہ اسے مستقل طور پر یقینی بنانے کیلئے مناسب اقدامات کئے جائے

وقف ٹریبونل کیلئے صرف اوقاف کے مقاصد کے تحت کل وقتی سربراہ مقرر کیا جانا چاہئے

سرکاری جائدادوں (نا جائز قبضہ کرنے والوں کو ہٹانے) سے متعلق ایکٹ، 1971 کا استعمال

4.3 باختیار بنانے والے قانونی اقدامات

وقف جائدادوں پر سے قبضہ

ہٹانے کیلئے کیا جانا چاہئے اور کرائے کے بقایہ جات بازار شرح (84) اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ریاستی عدالتی خدمات سے وابستہ افراد کو جوان وقف ٹریبونوں کی سربراہی کرتے ہیں عموماً بہ یک وقت دو دو یا کئی ذمے داریاں انجام دینی ہوتی ہیں۔ مثلاً وہ ضلع، سیشن یا سول جج بھی ہوتے ہیں۔ نتیجتاً ان کے پاس وقف امور کے لئے زیادہ وقت نہیں ہوتا اور یہ ٹریبونل بعض اوقات مہینے میں صرف چند دن ہی بیٹھ پاتے ہیں۔ یہ بات سب جانتے ہیں کہ قبضوں/ غیر قانونی تعمیرات/ غیر قانونی تصرفات/ غلط استعمال کی شکار جائدادوں سے متعلق معاملات کے تصفیے میں تاخیر سے کتنے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ کہ اس کی وجہ سے وقف بورڈ جائدادوں کے استعمال اور اس سے حاصل ہونے والے منافع سے محروم ہو جاتے ہیں۔ لہذا مناسب ہوگا کہ وقف ایکٹ کے سیکشن (4) 83 میں ترمیم کر کے یہ صراحت شامل کی جائے کہ وقف ٹریبونل میں صرف وقف کے مقاصد کے لئے کل وقتی صدر نشین افسر مقرر کئے جائیں۔ وقف ٹریبونل کو عبوری راحت اور نقصانات کے ازالے وغیرہ کا حکم جاری کرنے کا بھی اختیار ہوگا۔

• ایکٹ 1995 میں ترمیم: کمیٹی کی تجویز ہے کہ یہاں ذکر کئے جانے والے امور کو وقف ایکٹ 1995 میں اس طرح شامل کیا جائے کہ یہ وقف جائدادوں پر سے ناجائز قبضہ ہٹانے کے معاملے میں زیادہ موثر اور باختیار ہو سکے۔ اس کے علاوہ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ وقف ایکٹ میں مذکور وقف ٹریبونل اتنے موثر نہیں ہیں جیسا کہ ان کے بارے میں سوچا گیا تھا۔ (سیکشن 83 اور 84)۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ریاستی عدالتی خدمات سے وابستہ افراد کو جوان وقف ٹریبونوں کی سربراہی کرتے ہیں عموماً بہ یک وقت دو دو یا کئی ذمے داریاں انجام دینی ہوتی ہیں۔ مثلاً وہ ضلع، سیشن یا سول جج بھی ہوتے ہیں۔ نتیجتاً ان کے پاس وقف امور کے لئے زیادہ وقت نہیں ہوتا اور یہ ٹریبونل بعض اوقات مہینے میں صرف چند دن ہی بیٹھ پاتے ہیں۔ یہ بات سب جانتے ہیں کہ قبضوں/ غیر قانونی تعمیرات/ غیر قانونی تصرفات/ غلط استعمال کی شکار جائدادوں سے متعلق معاملات کے تصفیے میں تاخیر سے کتنے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ کہ اس کی وجہ سے وقف بورڈ جائدادوں کے استعمال اور اس سے حاصل ہونے والے منافع سے محروم ہو جاتے ہیں۔ لہذا مناسب ہوگا کہ وقف ایکٹ کے سیکشن (4) 83 میں ترمیم کر کے یہ صراحت شامل کی جائے کہ وقف ٹریبونل میں صرف وقف کے مقاصد کے لئے کل وقتی صدر نشین افسر مقرر کئے جائیں۔ وقف ٹریبونل کو عبوری راحت اور نقصانات کے ازالے وغیرہ کا حکم جاری کرنے کا بھی اختیار ہوگا۔

اسلامی اصولوں کی رو سے اوقاف کا اصل مالک و مختار اللہ ہے اور متولی وقف جائدادوں کے منتظم ہیں اور ان کے فوائد غریبوں اور ضرورت مندوں کے لئے ہیں۔ مگر وقف ایکٹ پر مناسب عمل درآمد سے متعلق دیگر ضابطوں میں ان اصولوں کا انعکاس نہیں ہوتا۔ اوقاف کو دو طریقوں سے فائدہ پہنچایا جانا چاہئے۔ اول، اوقاف کے مناسب بندوبست میں آسانی لانے کے لئے مختلف ضابطوں کے بعض پہلوؤں میں ترمیم کی جائے۔ دوسرے یہ کہ چند اور قوانین ایسے اختیارات فراہم کرتے ہیں کہ وقف بورڈ ان کا فائدہ اٹھا کر قانونی طور پر مزید باختیار ہو سکتے ہیں۔ ان دونوں طریقوں کی ریاستی سطح کی مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:

• پبلک پریمیسز (نا جائز قبضہ کرنے والوں کو ہٹانے) سے متعلق ایکٹ: گزٹ میں نوٹیفائی کئے گئے تمام اوقاف کو سرکاری

جائداد تصور کیا جانا چاہئے۔ اوقاف، لوگوں کے ایک بڑے حصے کے لئے ہوتے ہیں۔ اوقاف کی بعض سرگرمیاں مثلاً اسکول اور یتیم خانے چلانا، ضرورت مندوں کی ماہانہ مالی امداد وغیرہ فلاحی اور سیکولر نوعیت کی ہیں۔ ان جائدادوں پر کسی بھی غاصبانہ قبضہ کو سرکاری اراضی پر قبضے کی سی حیثیت دی جانی چاہئے۔ پبلک پریمیسز (نا جائز قبضہ کرنے والوں کو ہٹانے سے متعلق) ایکٹ 1971 کو وقف جائدادوں پر قبضہ ہٹانے کے سلسلے میں بھی عائد کیا جانا چاہئے اور کر دیے کے بقایہ جات کو بازار شرح کے مطابق اسی طرح وصول کیا جانا چاہئے جس طرح لگان کے بقایہ جات وصول کئے جاتے ہیں۔

وقف جائیدادوں کو بعض قوانین سے
مستثنیٰ رکھنے سے ان جائیدادوں کے
وسیع تر فلاحی مقاصد کو فروغ ملے گا

جیسا کہ اس باب کے آغاز میں کہا گیا تھا، وقت جائیدادوں کی نوعیت سخی جائیدادوں سے بہت مختلف ہے۔ وقف جائیدادوں کا اصل مالک و مختار اللہ ہے جسے دنیوی اصطلاح میں ایک نادریدہ عدالتی حاکم سے تمیز کیا جاسکتا ہے۔ اور ان جائیدادوں سے حاصل ہونے والے فوائد ہر لحاظ سے دے کچلے لوگوں، غریبوں اور ضرورت مندوں کے لئے مقصود ہوتے ہیں۔ پھر سخی ریاستی اور مرکزی قوانین عموماً اس فرق کو ملحوظ نہیں رکھتے۔ لہذا وقف جائیدادوں کو بعض قوانین کے دائرے سے باہر رکھنے سے ان جائیدادوں کے وسیع تر فلاحی مقاصد کو بروئے کار لانے میں مدد مل سکتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی مندرجہ ذیل قوانین میں مناسب اگرچہ معمولی ترمیمات کے ذریعے اوقاف کے عام اجتماعی مقاصد کو کوئی ٹھیس پہنچائے بغیر ان کے بندوبست کو مضبوط کر کے میں آسانی ہو سکتی ہے۔ حکومت وقف بورڈوں اور باشعور رائے عامہ سے صلاح مشورے کے بعد اس سلسلے میں ضروری کارروائی کر سکتی ہے۔

ترمیمات کے متقاضی بعض قوانین یوں ہیں:

☆ رینٹ کنٹرول ایکٹ، اراضی اصلاحات ایکٹ

☆ زرعی اراضی حد بندی ایکٹ

☆ شہری اراضی حد بندی ایکٹ

☆ رجسٹریشن آف پراپرٹیز ایکٹ

☆ کرایہ داری ایکٹ

☆ انکم ٹیکس ایکٹ

☆ پرائیویٹ فاریسٹ ویمننگ اینڈ ایسٹاٹمنٹس ایکٹ

اس باب میں زیادہ گہری خرابیوں، افراد اور اداروں کے ذریعے وقف جائیدادوں کے غلط استعمال پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ صورت حال بہت ہی تنظیمی، انتظامی اور قانونی رکاوٹوں کے سبب پیدا ہوئی ہے۔ مذکورہ بالا معلومات حکومتوں اور قانونی نظام کے ذریعے تدارکی اقدامات کے لئے کافی ہے۔ اس سے اوقاف کو وقف جائیدادوں کے بہتر بندوبست اور ان کی فلاحی سرگرمیوں کو پھیلانے اور فروغ دینے میں مدد ملے گی۔ اس سے ایک حد تک ریاست کے، حالات کو سدھارنے کی وسیع تر کوششوں، میں بھی مدد ملے گی جو لازمی طور پر بہت بڑے پیمانے پر کی جاتی ہیں۔ اس کے ذریعے مسلم فرقہ خود کفالت کی جانب ایک اور قدم بڑھاسکے گا۔ وقف جائیدادوں کو عالمی معیار کی یونیورسٹیاں اور کالج، اسپتال اور صحت مراکز اور کنونشن سنٹر جیسی سہولتیں قائم کرنے کے لئے استعمال کرنا ممکن ہے۔ ان جائیدادوں کو شہریوں کی کفالت گا ہیں، پالی ٹیکنک اور کوچنگ سنٹر قائم کرنے کے لئے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔

فکر آئندہ: تناظرات اور سفارشات

1- سیاق

اس رپورٹ میں اس سوال پر غور کیا گیا کہ کیا ہندوستان کے مختلف سماجی۔ مذہبی طبقوں کو ترقی کے ثمرات میں مساوی حصہ حاصل رہا ہے یا نہیں اور کیا اس سلسلے میں ہندوستانی مسلمانوں پر خصوصی توجہ کی گئی۔ یہ ذکر شروع ہی میں کر دیا گیا تھا کہ اقلیتوں کو تشخص، تحفظ اور مساویانہ انصاف سے متعلق مسائل سے الجھنا پڑتا ہے۔ یہ صراحت بھی کی گئی تھی کہ یہ تینوں معاملات باہم متعلق ہیں۔ مگر چون کہ اس کمیٹی کا دائرہ اختیار بنیادی طور پر مساویانہ انصاف پر مرکوز ہے، اس لئے اس رپورٹ میں بنیادی طور پر ترقی کے مختلف پہلوؤں کے لحاظ سے، دیگر طبقوں کے تقابلیں میں مسلمانوں کی محرومیوں سے سروکار رکھا گیا ہے۔ یہاں اس بات کا اعادہ بھی مناسب ہوگا کہ رپورٹ کے تعارفی باب میں ہی یہ صراحت کر دی گئی تھی کہ تمام غریب لوگوں میں مشترک اور اقلیتوں، بطور خاص مسلمانوں کو درپیش مسائل میں فرق ہے۔

مختلف ریاستوں کے مسلمانوں کی حالت میں خاصا فرق پایا جاتا ہے مگر مسلم فرقہ ترقی کے عملاً تمام شعبوں میں نقصانات اور محرومیوں سے دوچار ہے

ہمارے تجزیے سے ظاہر ہوتا ہے کہ مختلف ریاستوں کے مسلمانوں کے حالات میں (اور ان مسلمانوں کے حالات میں جو اپنے آپ کو اوبلی سی اور دیگر طبقوں میں شمار کرتے ہیں) قابل لحاظ فرق پایا جاتا ہے اور یہ کہ مسلم فرقہ ترقی کے عملاً تمام مظاہر میں خسارے اور محرومیوں سے دوچار ہے۔ درحقیقت زیر غور تمام اشاریوں کے لحاظ سے مسلمانوں کی حالت کم دیش ایس سی / ایس ٹی سے کچھ بہتر مگر ہندو اوبلی سی، دیگر اقلیتوں اور عام ہندوؤں (بیشتر اعلیٰ ذات والے) سے بدتر ہے۔ کثیر مسلم آبادی والی ریاستوں میں یہ صورت حال مغربی بنگال، بہار، اتر پردیش اور آسام میں بطور خاص سنگین ہے لیکن توجہ طلب بات یہ ہے کہ ان خساروں اور محرومیوں کے باوجود مسلمانوں میں نوزائیدوں کی شرح اموات اور صنفی تناسب کم ہے۔ نزیقاتی خسارے کے علاوہ، مسلمانوں میں بڑے پیمانے پر یہ احساس بھی موجود ہے کہ ان کے خلاف امتیاز برتا جاتا ہے اور انہیں الگ تھلگ رکھا جا رہا ہے۔ اس سے مسئلہ سنگین تر ہو جاتا ہے۔

مساوات اور انصاف کو یقینی بنانے کا طریق کار ایسا ہونا چاہئے کہ تنوع پیدا کیا جاسکے اور امتیازات کا شکار ہونے کا احساس زائل ہو سکے

کمیٹی کی پرزور تجویز ہے کہ ملک کے مسلمانوں کو درپیش محرومیوں سے نمٹنے سے متعلق پالیسیوں میں، سب کو شامل رکھنے والی ترقی اور تنوع کا احترام کرتے ہوئے، مسلم فرقے کو بنیادی دھارے میں شامل کرنے پر خصوصی توجہ دی جائے۔ رہائش، کام اور تعلیم کے شعبوں میں تنوع اور

کثرت کو تسلیم کرنے اور اس کے ساتھ ہی سرکاری پروگراموں اور پالیسی اقدامات کے ذریعے پیدا شدہ مواقع میں، حقیقی طور پر محروم طبقوں کی حصہ داری بڑھانے کی بھی فوری ضرورت ہے۔ کسی کثرت پر مبنی سماج میں، مساویانہ انصاف اور شمولیت پسندی کی اہمیت پوری طرح ظاہر ہے۔ مگر مساویانہ انصاف اور یکساں مواقع کو یقینی بنانے کے طریقے ایسے ہونے چاہئیں کہ تنوع برقرار رہے اور امتیازات کئے جانے کا احساس ختم ہو سکے۔ یہ سبھی ممکن ہے جب مسلمانوں کے ہندوستانی سماجی تار و پود کا ایک لازمی اور اٹوٹ حصہ ہونے کی اہمیت کو پوری طرح تسلیم کیا جائے۔ اس سیاق میں، یہاں زیر غور لائے جانے والے پالیسی تقاضات اور سفارشات کو دو عمومی زمروں میں رکھا جاسکتا ہے:

- ہذا عمومی پالیسی پیش قدمیاں / طریقے جو اس رپورٹ میں زیر تجزیہ سماجی و اقتصادی اور تعلیمی ترقی کے مختلف پہلوؤں کے لحاظ سے یکساں ہیں۔
- ہذا مخصوص پالیسی اقدامات جو اس رپورٹ میں زیر غور خاص امور اور / یا پہلوؤں (مثلاً تعلیم، قرضے وغیرہ) سے تعلق رکھتے ہیں۔

2 عمومی پالیسی اقدامات اور طریقے

یہاں ہم ان حدود و درجہ ضروری اقدامات کا ذکر کریں گے جو بجائے خود بہت اہم ہیں اور جن سے آگے چل کر ذکر کئے جانے والے زیادہ خصوصی طریقوں کو زیادہ موثر بنانے میں مدد ملے گی۔

2.1 شفافیت، نگرانی اور اعداد و شمار کی دست یابی کی ضرورت

تمام سماجی۔ مذہبی طبقوں کی سماجی و اقتصادی حالت کے بارے میں معتبر اعداد و شمار کی مستقل دست یابی، حکومت کے پروگراموں میں شرکت اور ایسی ہی دیگر چیزیں مناسب پالیسیاں وضع کرنے، شفافیت کو یقینی بنانے اور مختلف پیش قدمیوں اور پروگراموں کی موثر نگرانی کے لئے نہایت اہم ہیں۔ بالفاظ دیگر تفصیلی اعداد و شمار کی دست یابی اچھی نگرانی کی بنیادی ضرورت ہے۔ اس سے اعداد و شمار معلومات کے حق سے متعلق قانون جیسے پالیسی اقدامات کو بھی زیادہ کارگر بنایا جاسکتا ہے۔ اس کمیٹی کو معتبر اعداد و شمار کی نادرست یابی کا شدید مسئلہ درپیش رہا ہے۔ اور اس لئے اسے دست یاب اعداد و شمار جمع کرنے، ان کا موازنہ کرنے اور انہیں مستحکم کرنے کی آزادانہ کوشش کرنی پڑی۔ اس طریقہ کار سے صدر درجہ دشواریوں کے ساتھ حاصل کئے گئے اعداد و شمار بھی اتنے جامع نہیں تھے کہ ان کی مدد سے مختلف امور کا اطمینان بخش تجزیہ کیا جاسکے۔ لہذا مختلف سماجی۔ مذہبی طبقوں سے متعلق اعداد و شمار جمع کرنے اور انہیں تحقیق کاروں اور عام لوگوں کو فراہم کرنے کے انتظامات فوری طور پر ضروری ہیں۔

مختلف طبقوں سے متعلق تمام ضروری اعداد و شمار کے حامل ایک نیشنل ڈاٹا بینک (این ڈی ای) تشکیل دینے کی سفارش کی جاتی ہے

ہماری تجویز ہے کہ ایک قومی ڈاٹا بینک (این ڈی بی) قائم کیا جائے جہاں مختلف سماجی۔ مذہبی طبقوں کے بارے میں تمام تر ضروری اور ہامنی اعداد و شمار رکھے جائیں۔ پھر ان تمام اعداد و شمار کی کمپیوٹر کاری کی جائے اور انٹرنیٹ پر فراہم کر دیا جائے۔ مردم شماری، پیش کش اکاؤنٹس سے منسلکس (این اے ایس) اور این ایس ایس اور بڑے پیمانے پر خاص معیاری اعداد و شمار کی فراہمی کے اہم ترین ذرائع ہیں مگر یہ ادارے سماجی۔ مذہبی طبقوں کے سماجی، اقتصادی اور تعلیمی حالات کا جائزہ لینے کی خاطر اہم عوامل اور اشاریوں سے متعلق اعداد و شمار فوری طور پر فراہم نہیں کر پاتے۔

ایک خود مختار ایسیسمنٹ اینڈ مانیٹرنگ (جائزہ و نگرانی) اتھارٹی (اے ایم اے) قائم کی جائے جو مختلف پروگراموں کے تحت مختلف طبقوں کو پہنچنے والے فوائد کا جائزہ لے

پروگراموں پر عمل درآمد میں مساویانہ انصاف اور ترقیاتی عمل میں مسلمانوں کی بہتر شرکت سے امتیازات کا شکار ہونے کا احساس دھیرے دھیرے زائل ہو جائے گا مگر اس کے ساتھ ہی امتیازات دور کرنے کیلئے قانونی انتظامات کو مضبوط کیا جانا چاہئے

لہذا مختلف شہریوں کے مختلف زمروں کے حالات کا تعین کرنے کے مسلسل عمل سے متعلق اعداد و شمار کی ضرورت پر از سر نو غور کرنا اشد ضروری ہے تاکہ ترقی کے ثمرات کی فراہمی کی صورت حال کو سمجھا اور اندازہ لگایا جاسکے۔ این ڈی بی میں، قومی اور ریاستی سطح پر چلائے جانے والے مختلف استفادہ کار رخی پروگراموں اور مختلف سماجی۔ مذہبی طبقوں کے استفادہ کاروں کی تفصیلات سے متعلق اعداد و شمار بھی دست یاب ہوں گے۔ مختلف قومی اور ریاستی ایجنسیاں اور ادارے روزگار، قرضوں کی فراہمی، پروگراموں میں شرکت وغیرہ کی تفصیلات بھی این ڈی بی کو فراہم کریں گے۔ اس مقصد کے لئے، این ڈی بی کو مذکورہ بالا ایجنسیوں کے اعداد و شمار کے ساتھ ساتھ مرکزی اور ریاستی حکومت کے مختلف محکموں سے معلومات حاصل کرنے کے وسائل اور اختیارات بھی دئے جانے چاہئیں۔ درحقیقت مرکزی اور ریاستی حکومتوں کے محکموں کے لئے این ڈی بی کو معلومات فراہم کرنا لازمی قرار دیا جانا چاہئے۔ کچھ عرصہ قبل وجود میں آنے والا مرکزی اے ایس ایس ایف کمیشن مجوزہ این ڈی بی کا ایک عمومی خاکہ فراہم کر سکتا ہے۔ این ڈی بی کو ایک خود مختار ادارہ ہونا چاہئے۔

اس قسم کے اعداد و شمار دست یاب ہو جائیں تو پھر جائزہ لینے اور نگرانی کے طریقوں کو ٹھوس اور مستقل شکل دینے کی ضرورت ہوگی تاکہ بروقت مناسب پالیسیاں تجویز کی جاسکیں۔ کمیٹی کی سفارش ہے کہ مختلف پروگراموں کے ذریعے مختلف سماجی۔ مذہبی طبقوں کو پہنچنے والے ترقی کے ثمرات کا اندازہ کرنے کے لئے ایک خود مختار ایسیسمنٹ اینڈ مانیٹرنگ (جائزہ و نگرانی) اتھارٹی (اے ایم اے) قائم کی جائے۔ اہل تعلیم و تدریس، پیشہ ور ماہرین، سول سوسائٹی کی تنظیمیں اور ان کے ساتھ ہی سرکاری اراکین کے طور پر حکومت کے حکام اس اتھارٹی میں شامل کئے جاسکتے ہیں جو مرکزی اور ریاستی سطح کے پروگراموں پر عمل درآمد میں مختلف طبقوں کی شرکت کی گہری نگرانی کے فرائض انجام دیں۔ چونکہ حکومتی اور سرکاری دستاویزات کی کمپیوٹر کاری کی جارہی ہے اس لئے اے ایم اے کے لئے شرکت کے 'نوع' کی مستقل بنیاد پر نگرانی ممکن ہو سکے گی۔ کمپیوٹر کاری سے نگرانی کی تمام سطحوں، بطور خاص پانچویں اور نگر پالیکیوں، ضلع اور ریاستی و مرکزی سطحوں پر نگرانی میں آسانی پیدا ہوگی۔ نگرانی کا عمل مسلسل جاری رہنا چاہئے اور اس کے ساتھ ہی ہر پانچ سال پر تفصیلی نگرانی کا نظم بھی رکھا جانا جائے۔ اس عمل کے نتائج، حسب ضرورت پالیسیوں کو از سر نو وضع کرنے کے لئے بھی کارگر انداز سے استعمال کئے جاسکتے ہیں۔

2.2 مساوی مواقع کی فراہمی کی قانونی بنیادوں کو تقویت

مسلم فرقے میں بڑے پیمانے پر موجود امتیازات کا شکار ہونے کے احساس پر غور کرنا ضروری ہے۔ مگر ایسے عملی مطالعے شاید ہی کہیں دست یاب ہوں جن سے امتیازات کی موجودگی ثابت کی جاسکے۔ 1 اس شعبے میں تحقیق کی حوصلہ افزائی کی جانی چاہئے مگر یہ کام اعداد و شمار کی نافرمانی کے سبب فی الحال خاصا دشوار ہے۔ توقع ہے کہ اعداد و شمار کی بہتر فراہمی کی صورت میں اس سلسلے میں مزید مطالعات سامنے آئیں گے۔ اگرچہ پروگراموں پر عمل درآمد میں مساویانہ انصاف لائے جانے اور ترقیاتی عمل میں مسلم فرقے کی بہتر شرکت کے نتیجے میں، امتیازات کا

1 ایک حالیہ مطالعے سے ظاہر ہوا ہے کہ گجرات کے ذریعہ مطالعہ کاؤس میں اہل انفرادی موجودگی کے باوجود خواتین اور بچوں پر پروگرام کا ایک بھی استفادہ کار مسلمان نہیں تھا اور ان میں سے کسی ایک کو بھی ذریعہ اعلان (جی پی ایل) کارڈ جاری نہیں کیا گیا تھا۔ دیکھئے بھگیا سورا (2004)، نوویٹر آرنون گھراچان ویس ویس/انڈی کی این ریگنٹا سارے واگھری فرانس ویس جال، کانٹرکٹ ایڈ کیٹنگ اے گجراتی۔ ہندو آئین میں۔ ایچ ایم ایس، ہڈریڈیشن ان دی گجراتی ورلڈ کے مونیوگ پورک شاپ سے متعلق مقالہ، اسکول آف اورینٹل اینڈ افریکن اسٹڈیز، لندن

شکار ہونے کا یہ احساس دھیرے دھیرے زائل ہو جائے گا مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ ان معاملات کے خاتمے کے لئے قانونی انتظامات کو مضبوط کیا جائے۔

آئین ہند نے حصہ III بنیادی حقوق میں نہایت جامع انداز سے نہ صرف تمام شہریوں کو بلکہ بلکہ اقلیتوں کے مذہب، ذات اور ثقافت سے متعلق حقوق کے تحفظ کا بھی انتظام کیا ہے۔ لہذا ریاست کے ذریعے اقلیتوں کے حقوق کی کسی بھی خلاف ورزی اور پامالی کو عدالت میں چیلنج کیا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ قومی انسانی حقوق کمیشن (این ایچ آر سی) اور اقلیتوں سے متعلق قومی کمیشن (این سی ایم) جیسے ادارے بھی ہیں جو ریاست کی کسی کارروائی کے خلاف اقلیتوں کی شکایات پر غور کرنے کے لئے قائم کئے گئے ہیں۔ مگر ان طریقوں اور انتظامات کا عمل دخل خاصا محدود ہے اور ان کے ذریعے غیر ریاستی ایجنسیوں کے خلاف روزمرہ شکایات پر غور نہیں کیا جاسکتا۔ اقلیتیں، اکثریت پیشتر محسوس کر سکتی ہیں کہ روزگار رہائشی سہولتوں، سرکاری یا نجی بینکوں سے قرضوں کے حصول یا بچوں کی اچھی تعلیم کے مواقع کے معاملوں میں ان کے خلاف امتیاز برتا جا رہا ہے۔ یہ بات از خود ظاہر ہے کہ اگر اقلیتوں میں یہ احساس پایا جاتا ہے تو قانون کو ایسا موثر طریقہ کار فراہم کرنا چاہئے جو ان شکایات کی تفتیش کر کے موثر تدارکی اقدامات کر سکے۔ اگر اقلیتوں میں پریشان کئے جانے کا احساس پایا جاتا ہے تو لازمی ہے کہ ریاست ان شکایات کے تیز رفترازالے کے لئے کوئی طریقہ کار تلاش کرے۔ یہ طریقہ کار ایسا ہونا چاہئے جس سے اقلیتوں کو اس بات کا پورا اطمینان ہو سکے کہ کسی سرکاری اہل کار یا کسی عام شخص کے ذریعے انہیں مساوی مواقع سے محروم کئے جانے یا ان کے ساتھ تعصب یا امتیاز کے کسی بھی معاملے پر فوراً غور کیا جائے گا اور راحت پہنچائی جائے گی۔ اس طریقہ کار تک ایسے تمام افراد اور اداروں کی رسائی ہونی چاہئے جو یہ شکایت کرنا چاہتے ہوں کہ کسی آجری شخص کے ذریعے ان کے زمرہ جاتی پس منظر یا صنف کی بنیاد پر ان کے ساتھ کوئی کم موافق سلوک روا رکھا گیا ہے۔

یہ فرض کر لینا غلط ہے کہ اس ملک میں اکثریت اور اقلیتی فرقوں کے درمیان کوئی ناگزیر تصادم پایا جاتا ہے۔ یہ ایک غلط منطقی اور بے جا مفروضہ ہے۔ محرومیاں، غریبی اور امتیازات تمام سماجی۔ مذہبی طبقوں میں موجود ہو سکتے ہیں۔ البتہ ان کے تناسب میں فرق ممکن ہے۔ مگر اس سے بھی انکار نہیں جاسکتا کہ کسی اقلیتی فرقے سے وابستگی بجائے خود امتیازات کے تئیں حساس ہونے کا باعث ہوتی ہے۔ یہ زور دہی فطری ہے اور کسی بھی ملک کی مذہبی اقلیتوں میں پائی جاسکتی ہے۔ اس حقیقت کو تسلیم کرنا نہ تو اقلیتوں کی ناز برداری ہے اور نہ اکثریت پر وار کرنا ہے۔ یہ محض ایک حقیقت کو قبول کرنا ہے۔ یہ قانون کا ایک معروف اصول ہے کہ انصاف نہ صرف کیا جانا چاہئے بلکہ نظر بھی آنا چاہئے۔ یہ کمیٹی اسی سبب میں سفارش کرتی ہے کہ حکومت کے ذریعے محروم طبقوں کی شکایات پر غور کرنے کے لئے ایک مساوی موقع کمیشن (ایکول آپرٹیونٹی کمیشن۔ ای او سی) تشکیل دیا جانا چاہئے۔ اس پالیسی طریقہ کار کی ایک مثال برطانیہ کا ریسرچسٹریٹس (نسلی تعلقات) ایکٹ، 1976 ہے۔ یہ کمیشن مختلف قسم کے امتیازات کے ازالے کا ایک طریق کار فراہم کرنے کے ساتھ ہی اقلیتوں کو یہ یقین بھی دلا سکے گا کہ قانون کی نگاہ میں ان کے خلاف روا رکھے جانے والے ہر نامناسب سلوک یا کارروائی پر سختی سے لگی ہوئی ہیں۔

2.3 حکمرانی میں شرکت میں اضافہ

کمپنی کی سفارش ہے کہ حد بندی اسکیم کے تحت حلقوں کو مخصوص کئے جانے سے متعلق تضادات کو دور کیا جائے

ترقیاتی عمل میں کافی سے کم شرکت کا ایک سبب حکمرانی کے اداروں میں ناکافی شرکت بھی ہو سکتا ہے۔ ہندوستانی جمہوریت مختلف فرقوں اور سماجی، اقتصادی اور سیاسی گروپوں کو چلی سٹھوں سے لے کر ریاستی اور مرکزی سیاسی اداروں تک حکمرانی کی مختلف سطحوں کے لئے جمہوری طریقے سے منتخب کئے جانے اور شریک ہونے کے مواقع فراہم کرتی ہے۔ ملک کے تمام فرقوں کے لئے قومی، ریاستی، مرکزی علاقوں کی اور مقام چلی سٹھوں پر جمہوری شرکت ممکن ہے۔ مقامی خود حکومتی ادارے، پنجابیتیں اور ضلع پریشدیں دہلی علاقوں میں اور میونسپلٹیاں اور کارپوریشنیں شہری علاقوں میں، اس کے اہم ذرائع ہیں۔ پارلیمانی جمہوریت کے ان اداروں کے علاوہ بہت سے نیم حکومتی ادارے بھی ہیں جو انتخابی جمہوریت اور عوامی نمائندگی کے اصول پر کام کرتے ہیں۔ مثلاً کسی علاقے کی ترقی کے لئے مالی وسائل فراہم کرنے کی غرض سے بنائی گئی کوئی کوآپریٹو سوسائٹی علاقے کے باشندوں میں سے اپنے نمائندوں کا انتخاب کر سکتی ہے۔ کسی بھی قابل لحاظ سماجی و ثقافتی وچھیدگی کے حامل سماج میں، جیسا کہ ہندوستان میں ہے، عام بالغ رائے دی پر مبنی جمہوری عمل اکثر نسلی، لسانی اور مذہبی اقلیتوں کو آبادی میں ان کے کم تناسب کے سبب، حکمرانی کے اداروں کے لئے منتخب اور ان میں شرکت کا موقع دینے میں ناکام بھی ہو جاتا ہے۔ گذشتہ تقریباً ساٹھ برسوں کے دوران اقلیتوں کو اجتماعی شعبوں میں شاید ہی کبھی مناسب جگہ حاصل ہوئی ہو۔ تقریباً تمام سیاسی معاملات اور شعبوں میں مسلمانوں کی شرکت کم ہے جو آگے چل کر ہندوستانی سماج اور سیاسی نظام کے لئے مضر ہو سکتی ہے۔ نظر انداز طبقے یا تو تعداد میں کم ہوتے ہیں اور یہ کمی حکمرانی کے عمل میں ان کی نمایاں موجودگی کی راہ میں حائل ہوتی ہے یا پھر وہ سیاسی طور پر با اختیار نہیں ہوتے۔ عام بالغ رائے دی پر مبنی سیاسی نظام میں تعداد کی طاقت کے پیش نظر ہندوستان کی اقلیتیں کارگر فعالیت اور سیاسی اہمیت سے محروم ہیں۔ وہ ایسے اثر و رسوخ یا مواقع سے بھی محروم ہیں جو ترقیاتی عمل میں ان کی با معنی اور سرگرم شرکت کو ممکن بنا سکے۔ اس کے لئے تمام ضروری طریقے اختیار کئے جانے چاہئیں۔ محض مادی تہذیبی اقلیتوں کو حقیقی طور پر با اختیار نہیں کر سکتیں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ اجتماعی فعالیت وہ خود پیدا کریں یا انہیں فراہم کی جائے۔

تنوع سے مختلف پہلوؤں سے متعلق ترغیبات فراہم کرنے کے امکانات تلاش کئے جانے چاہئیں۔ اس کے لئے بہت سی ترغیبات دی جاسکتی ہیں تاکہ تعلیم، سرکاری اور نجی ملازمتوں اور رہائشی سہولتوں کے شعبوں میں تمام طبقوں کیلئے مساوی مواقع یقینی بنائے جاسکیں

نامزدگی کے نئے طریقہ کار کی تشکیل اور عمل درآمد

سیاسی عمل میں شرکت بڑھانے کے لئے لازمی ہے کہ حکمرانی کے اداروں میں نمائندگی میں اضافہ ہو۔ چلی سٹھوں پر اقلیتوں کی نمائندگی میں اضافے کے لئے 'نامزدگی' کا اچھی طرح وضع کیا گیا طریقہ کار مرتب کیا جاسکتا ہے۔ ایسے طریقے اختیار کئے جانے چاہئیں کہ سرکاری اداروں میں اقلیتوں کی نمائندگی بڑھانے کے لئے انہیں بڑی تعداد میں نامزد کیا جاسکے۔ کمپنی کی سفارش ہے کہ مقامی اداروں میں اقلیتوں کی نمائندگی کو یقینی بنانے کے لئے حکومت آمد پریڈیشن کی جانب سے کی گئی پیش قدمیوں کے طرز پر ریاستی سطح پر مناسب ضابطے وضع کئے جاسکتے ہیں۔ (دیکھئے نوٹس باب میں باکس 9.2)۔ ان ضابطوں پر عمل درآمد کرنے والی ہر ریاست کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ اس سلسلے میں لسانی اور مذہبی دونوں اقلیتوں کا لحاظ رکھے۔ حکمرانی کے مقامی اداروں میں زیادہ تنوع پیدا کرنے کے لئے جس سے اقلیتی فرقوں کی شرکت نمایاں ہو سکے حکومت کی کوششیں یقین و اعتماد کی فضا پیدا کرنے اور ہندوستان کو ایک زندہ اور متحرک جمہوریت بنانے کے سلسلے میں دور رس اثرات کی حامل ہوں گی۔

انتخابی حلقوں کی حد بندی کے زیادہ معقول ضابطے

تعمیلی یہ سفارش بھی کرتی ہے کہ دوسرے باب میں زیر بحث لائی جانے والی حد بندی کی اسکیموں کے تحت، انتخابی حلقوں کو مخصوص کرنے کے عمل سے متعلق تضادات کو دور کیا جائے۔ حد بندی کا ایسا معقول تر طریقہ کار جس کے تحت مسلمانوں کی کثیر آبادی والے حلقوں کو درج فہرست ذاتوں کے لئے مخصوص نہ کیا جاسکے، اقلیتوں، بطور خاص مسلمانوں کو ہندوستانی پارلیمنٹ اور ریاستی اسمبلیوں کے انتخابات میں شرکت اور منتخب ہونے کا زیادہ سے زیادہ موقع فراہم کرنے میں معاون ہوگا۔ ان دو اقدامات کے علاوہ مسلمانوں کی شرکت میں اضافہ کرنے کے لئے دیگر طریقے بھی کارگر ہو سکتے ہیں۔

2.4 مشترک مواقع: تنوع کو تقویت دینے کی ضرورت

زندگی گزارنے، تعلیم اور کام کرنے کے شعبوں میں تنوع کو فروغ دینا فوری طور پر ضروری ہے۔ اس کے لئے بہت سی پیش قدمیاں درکار ہوں گی جن میں سے بعض کا ذکر یہاں کیا جا رہا ہے۔ بعض سماجی۔ مذہبی حلقوں کے زیادہ سے زیادہ اپنے حوال میں بند ہو جانے اور باضابطہ روزگار اور تعلیمی اداروں میں ان کی محدود حصے داری کے سبب مختلف طبقوں کے درمیان راہ و رسم کے امکانات کم سے کم تر ہوتے جا رہے ہیں۔ اس راہ و رسم اور اشتراک و تعاون کی بحالی اور فروغ کے لئے کوششیں کی جانی چاہئیں اور زندگی کے مختلف شعبوں میں تنوع کے فروغ کو وسیع تر پالیسی مقاصد کا حصہ سمجھا جانا چاہئے۔ اس ضمن میں کی جانے والی کوششوں کی بنیاد سماجی۔ مذہبی طبقے میں ہوں گے مگر بعض مخصوص دائروں (مثلاً روزگار اور تعلیم) میں صنف کو بھی اس میں شامل کیا جانا چاہئے۔ ان کوششوں کا مقصد تنوع کا ایک ایسا اشاریہ تیار کرنا ہے جو شفاف ہو اور یہ آسانی رو بہ عمل لایا جاسکے۔

تنوع کے لئے ترغیبات

تنوع کے اشاریے یا تنوع کے بعض پہلوؤں کے لئے بعض ترغیبات فراہم کرنے کے امکانات تلاش کئے جانے چاہئیں۔ مانا کہ یہ ایک پیچیدہ معاملہ ہے لیکن اگر تنوع اور کثرت کے تعین کا کوئی شفاف اور قابل قبول یہاں وضع کیا جاسکے تو اس کے لئے بہت سی ترغیبات فراہم کی جاسکتی ہیں تاکہ تعلیم، سرکاری اور نجی روزگار اور رہائشی سہولتوں کے دائروں میں مختلف سماجی۔ مذہبی طبقوں کے مساوی مواقع کو یقینی بنایا جاسکے۔ مساویانہ انصاف پیدا کرنے والے تنوع کے اصول کو صرف اکثریت اور اقلیتوں کے معاملے ہی میں نہیں، اقلیتوں کے درمیان بھی عمل میں لایا جانا چاہئے۔ تاکہ حقیقی طور پر محروم لوگوں کو فائدہ پہنچایا جاسکے۔ تنوع کے ایک قابل قبول تصور کے تحت مندرجہ ذیل مقاصد کے لئے ترغیبات فراہم کی جاسکتی ہیں:

- ☆ ان تعلیمی اداروں کے لئے مالی امداد میں اضافے کی صورت میں ترغیبات جہاں تنوع زیادہ ہو اور اسے برقرار رکھا جاسکتا ہو۔ یہ ترغیبات، سرکاری اور نجی دونوں زمروں کے کالجوں اور یونیورسٹیوں کے لئے ہو سکتی ہیں۔
- ☆ نجی زمرے کو کارکنوں کی تعداد میں تنوع کو فروغ دینے کے لئے ترغیبات۔ اگرچہ یہ ترغیبات صنعت کاروں کی سماجی ذمہ داریوں میں شامل ہوں گی مگر بعض مثبت اقدامات اس سلسلے کو شروع کرنے میں مددگار ہو سکتے ہیں۔
- ☆ بلڈروں کو ایسی رہائشی سہولتیں تعمیر کرنے کے لئے ترغیبات جہاں آبادی زیادہ 'متنوع' ہوتا کہ مختلف سماجی۔ مذہبی طبقوں کے درمیان 'مشترک رہائشی ماحول' کو فروغ دیا جاسکے۔

مشترک اجتماعی مقامات کا فروغ

بیشتر غریب بچوں کو پارکوں، کتب خانوں اور اپنے گھروں تک میں مطالعے کی جگہ میسر نہیں ہوتی۔ ایسے مشترک مقامات مختلف طبقوں کے درمیان راہ و رسم کو فروغ دیتے ہیں اور تعلیمی سرگرمیوں کو دور کار نہایت ضروری ترغیبات فراہم کرتے ہیں۔ مسلمان یا سول سوسائٹی ایسے مقامات کو لیاقت بڑھانے والے کا اس چلانے، ریڈنگ روم قائم کرنے یا ایسی ہی دیگر تعمیری سرگرمیوں کے لئے استعمال کر سکتی ہے۔ ریاست کو بھی چاہئے کہ مخلوط آبادی والے علاقوں اور دیگر بستیوں میں ایسی پیش قدمیوں کی حوصلہ افزائی کرے۔ ایسی پیش قدمیاں بنیادی طور پر سول سوسائٹی کے دائرہ عمل میں آتی ہیں مگر غیر زیر استعمال/خالی پڑے ہوئے میونسپل مقامات/اراضیوں کی فراہمی ان سرگرمیوں کو فروغ دینے میں مددگار ہو سکتی ہے۔ 2 جنواہر لال نہرو قومی شہری تجدید مشن (جے این این یو آر ایم) کے لئے مختص رقم کا ایک حصہ اس مقصد کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

حتاس بنانے کے اقدامات

نئے انداز کے پروگراموں کو مرتب اور رو بہ عمل لانے یا خدمات کی فراہمی کے عمل میں تنوع کے احترام اور استحکام کو فروغ دینے کے لئے، متعلقہ سرکاری اہل کاروں کو تنوع کی ضرورت اور بعض طبقوں کو الگ تھلگ کئے جانے کے مسائل کے بارے میں حتاس بنایا جانا چاہئے۔ مختلف محکموں، خاص طور پر وہ جہاں عوام سے مسلسل رابطہ رہتا ہے، کے اہل کاروں اور بطور خاص صحت کارکنوں، اساتذہ، پولس اہل کاروں اور دیگر سیکوریٹی ایجنسیوں کے اہل کاروں کے لئے بڑے پیمانے پر حتاس کاری کے پروگرام چلائے جانے چاہئیں۔

اس قسم کی ایک بہت مشکل کوشش کو کانگائی مان نام کی این بی او نے مغربی بنگال برہمنوں کی نصابی کتابوں (دو درجہ سات تا دس) کے طے میں کی ہے۔

سیمیٹی سفارش کرتی ہے کہ اسکول کی نصابی کتابوں کے مواد کا جائزہ لینے کا ایک طریقہ کار وضع کیا جائے اور اسے ادارہ جاتی بنیادیں فراہم کی جائیں

3 خصوصی پالیسی اقدامات

اس باب کے دوسرے حصے میں زیر غور آنے والی پیش قدمیاں تنوع، مساویہ انصاف اور شمولیت پسندی کو فروغ دینے کی ترغیب فراہم کریں گی، انہیں تقویت دینے کے لئے تعلیم، روزگار، قرضوں کی فراہمی کے دائروں میں خصوصی پالیسی اقدامات بھی رو بہ عمل لائے جانے چاہئیں۔ اس سلسلے میں دو نکتوں پر زور دینے کی ضرورت ہے۔ ایک یہ کہ نیچے تجویز کئے گئے اور مذکورہ بالا پالیسی اقدامات کو نکلوانے میں رو بہ عمل لانے کی بجائے ایک ساتھ عمل میں لایا جائے جس سے ان کے اثرات زیادہ گہرے ہو سکیں گے۔ دوسرے یہ کہ اس باب میں زیر بحث تمام پیش قدمیوں میں خواتین سے متعلق امور پر زیادہ نمایاں توجہ درکار ہے۔

3.1 تعلیم کی انتہائی اہمیت

تعلیم تک رسائی اقتصادی ترقی سے پیدا ہونے والے مواقع سے مستفید ہونے کے لئے بے انتہا اہم ہے۔ اس رپورٹ میں مسلم فرقے کو درپیش تعلیمی محرومیاں واضح ہو کر سامنے آئی ہیں۔ تعلیم کی پختی سطحوں سے لے کر اعلیٰ تعلیم تک میں شرکت کے لحاظ سے ہندوستانی مسلمانوں کی صورت حال دیگر بیشتر طبقوں کے مقابلے میں صدمہ درجہ مایوس کن ہے۔ تقابلی انداز سے دیکھیں تو ان کی حالت اور زیادہ اہتر ہوئی ہے، اور یہ مسئلہ لڑکیوں/خواتین کے معاملے میں اس سے بھی سنگین تر ہے۔ اس کے بہت سے اسباب ہیں جو غریبی سے لے کر اسکول کے ماحول کو ناقابل رسائی بنانے والے مفروضہ امتیازات تک پھیلے ہوئے ہیں۔ لیکن اس خرابی کے باوجود اور چند حالیہ برسوں کے دوران مسلم بچوں کے اسکول میں داخلوں کی رفتار اور تعداد تیز تر ہوتی نظر آتی ہے۔ مناسب پالسیاں اس عمل کو برقرار رکھنے میں معاون ہو سکتی ہیں۔ ہمارے تجربے سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ زیادہ مسائل اسکول کی تعلیم میں درپیش آتے ہیں۔ گھر کے اخراجات، مقام رہائش، صنف وغیرہ عوامل یکساں ہوں تو مسلم بچوں کے اسکول کی تعلیم مکمل کرنے کے امکانات ایس سی/ ایس ٹی کے سوابقی تمام طبقوں سے کم نظر آتے ہیں۔ اسکولی تعلیم کی رکاوت پار کر لی جائے تو گریجویٹیشن تک کی تعلیم مکمل کرنے کے امکانات کے معاملے میں مختلف طبقوں کے درمیان فرق کم اور بعض اوقات بہت غیر اہم ہو جاتا ہے۔ لہذا اسکولی تعلیم پر زیادہ توجہ مناسب ہوگی۔

17 سال عمر تک مفت اور لازمی تعلیم ریاست کی ذمہ داری ہے۔ اور اس فریضے کی تکمیل مسلمانوں بلکہ تمام سماجی و اقتصادی محرومیوں کے شکار طبقوں کی تعلیمی حالت سدھارنے کے لئے انتہائی ضروری ہے۔ مزید یہ کہ مندرجہ ذیل دائروں میں بھی زیادہ نمایاں توجہ مناسب ہوگی۔

اسکول کی نصابی کتابوں میں سماجی تنوع کا بہتر انعکاس

بچوں کے تعلیمی برسوں کے دوران ان پر سب سے دیر پا اثر اسکول کی نصابی کتابوں کا ہوتا ہے۔ گھروالوں کے ساتھ ساتھ، اسکول بھی بچوں میں

یونیورسٹی گرانٹس کمیشن (یوجی سی) کو ایک ایسا نظام وضع کرنے کی ترغیب دی جانی چاہئے جس کے تحت کالجوں اور یونیورسٹیوں کو فراہم کردہ رقم کا ایک حصہ طلباء کے تنوع سے مشروط کیا جاسکے

تین بنیادی صفات کے علاوہ ایسی بنیادی اقدار اور رویے پیدا کرتے ہیں جو ان کی کردار سازی اور ان میں قدروں کا شعور و احساس جاگزیں کرنے میں مددگار ہوتے ہیں۔ نصابی کتابوں کی اہمیت کے پیش نظر، اس کمیٹی کا احساس ہے کہ یہ کتابیں سماجی اقدار کی تعلیم کا نہایت اہم ذریعہ بن سکتی ہیں۔ نصابی کتاب میں نہ صرف یہ کہ حقیقت کا اظہار ہونا چاہئے بلکہ اسے اقدار کا شعور و احساس پیدا کرنے میں بھی معاون ہونا چاہئے۔ نئے نصابی کتابوں کو بار بار پڑھتے ہیں، اس لئے ان کی باتیں ان کے ذہن پر نقش ہو جاتی ہیں جس سے ان میں پیش کردہ اقدار کا احساس بچوں میں راسخ ہوتا چلا جاتا ہے۔ اگر ان کتابوں میں مختلف طبقوں کی موجودگی کا اظہار نہ ہو یا کچھ خاص فرقوں سے متعلق ہنگ آمیز باتیں ہوں تو اس سے اندیشہ رہتا ہے کہ ان فرقوں کے بچے دیگر وسیع تر معاشرے سے الگ تھلگ جا پڑیں گے۔ نصابی کتابوں کی چھوٹی چھوٹی باتیں بھی مذہبی عدم برداشت کے بیج بونے، ذات برادری سے متعلق تعصب پیدا کرنے اور/یا صنفی فرق کے بارے میں حساسیت کم کرنے کا ذریعہ بن سکتی ہیں، جب کہ نصابی کتابوں کا ارادہ اور مقصد اس کے بالکل برعکس ہونا چاہئے۔ لہذا کمیٹی سفارش کرتی ہے کہ نصابی کتابوں کے مضمومات کی قدر پیمائی کا سلسلہ شروع کیا جائے تاکہ انہیں ایسے تمام واضح اور مضمر مواد سے پاک کیا جاسکے جس سے نامناسب سماجی اقدار، بطور خاص مذہبی نارواداری کی تعلیم ہوتی ہو۔ 3

اسکولی تعلیم کے لئے اقدامات

یونیورسٹیوں اور خود مختار کالجوں میں پسماندہ ترین طبقوں کے داخلوں کو آسان بنانے کیلئے داخلے کا ایک علاحدہ پیمانہ وضع کیا جانا چاہئے

10 سال سے کم عمر بچوں کی تعداد میں مسلمانوں کا تناسب سب سے زیادہ ہے۔ سارے ملک میں یہ تناسب 23 فی صد ہے جب کہ مسلمانوں

Statement 12.1

| Total Points | 100 |
|---|-----|
| • Assessment of Merit to the maximum of | 60 |
| • Assessment of Backwardness to the maximum of | 40 |
| Backwardness to be defined as the sum of the following (Each with about one third weight) | |
| (1) Household income (income criteria to be revised periodically) | 13 |
| (2) Backward district (list to be updated on annual basis) / residence in a notified urban slum | 13 |
| (3) Backward class (assessed based on a combination of family occupation and caste) | 14 |

میں 27 فی صد۔ تاہم ابتدائی تعلیم کی سطح پر داخلوں اور اسکول میں برقرار رہنے کی شرح مسلمانوں میں سب سے کم ہے۔ (اگرچہ حالیہ برسوں کے دوران اس میں کچھ اضافہ نظر آیا ہے)۔ ان حقائق کے پیش نظر ابتدائی تعلیم مسلم فرقے کے لئے بطور خاص اہم ہے اور 16-5 سال عمر کے تمام بچوں کے لئے مفت اور معیاری تعلیم کو یقینی بنایا جانا فوری طور پر ضروری ہے۔ اس کے علاوہ مندرجہ ذیل پیش قدمیاں بھی مناسب ہوں گی:

☆ اس حقیقت کے پیش نظر کہ شہری بستیوں میں کنبوں کی کثیر تعداد ایک کمرے کے مکانات میں رہتی ہے، طلبہ کے لئے اجتماعی مطالعہ گاہوں کا قیام حد درجہ ضروری ہے جہاں وہ چند گھنٹے توجہ کے ساتھ مطالعہ کر سکیں۔ اس دائرے میں حکومت، این جی او اور کارپوریشن سیکٹر بھی تعاون کر سکتے ہیں۔

☆ تمام کثیر مسلم آبادی والے علاقوں میں اعلیٰ معیار کے سرکاری اسکول قائم کئے جانے چاہئیں۔

☆ لڑکیوں کے لئے خصوصی اسکول، بطور خاص 12-9 درجات تک کے اسکولوں کا قیام۔ اس سے مسلم لڑکیوں کی اسکولی تعلیم میں اضافہ ہوگا۔ مخلوط تعلیم کے اسکولوں میں خاتون بچروں کی تعداد بڑھائی جانی چاہئے۔

☆ آئین نے مادری زبان میں تعلیم حاصل کرنے کا حق دیا ہے۔ اردو بولنے والوں کی تعداد معلوم کرنے اور ان کی کثیر تعداد والے علاقوں میں اردو میں ابتدائی تعلیم کی فراہمی کا انتظام کرنے کی فوری ضرورت ہے۔

☆ اس سلسلے میں بھی جواہر لال نہرو قومی شہری تجدید میشن کے لئے مختص رقم استعمال کرنے کے امکانات تلاش کئے جاسکتے ہیں۔

غیر میٹرکولیٹ لوگوں کے لئے تکنیکی تعلیم و تربیت

جیسا کہ تعلیم سے متعلق باب میں ذکر کیا گیا تھا۔ بیشتر مسلم لڑکیاں اور لڑکے میٹرکولیشن امتحانات میں یا تو ناکام ہو جاتے ہیں یا اس سے پہلے ہی تعلیم چھوڑ دیتے ہیں۔ مڈل اسکول تعلیم مکمل کر لینے کے بعد مزید تعلیم حاصل نہ کر پانے والے اس گروپ کے بچوں کو مختلف نوعیت کی تکنیکی تربیت فراہم کی جانی چاہئے۔ مینوفیکچرنگ اور خدمات کے زمرے میں مہارتوں کی طلب مسلسل تبدیل ہو رہی ہے۔ ان میں سے بیشتر کے لئے اعلیٰ تعلیم و تربیت یافتہ افراد کی زیادہ ضرورت نہیں ہوتی بلکہ مناسب تکنیکی تربیت کے ساتھ مڈل اسکول تعلیم کے حامل نوجوان کافی ہوتے ہیں۔ تاہم آئی ٹی آئی اداروں اور پالی ٹیکنکوں کے ذریعے چلائے جانے والے تقریباً تمام پیشہ ورانہ تربیت کے پروگراموں میں داخلے کے لئے میٹرکولیشن سرٹیفکٹ طلب کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں کمیٹی کی سفارش ہے کہ:

☆ آئی ٹی آئی اداروں میں داخلے کی اہلیت گھٹا کر درجہ آٹھ کر لی جائے۔ آئی ٹی آئی کورسوں کا دائرہ بڑھا کر ان میں خوردہ فروشی کے زمرے سمیت بازار کی نئی ابھرتی ہوئی ضرورتوں پر توجہ مرکوز کی جانی چاہئے۔

☆ آئی ٹی آئی اور پالی ٹیکنکوں میں مہارتوں کو فروغ دینے کی سرگرمیوں میں ایسے زمروں پر خصوصی توجہ دی جانی چاہئے جہاں نموکے امکانات زیادہ ہیں اور جہاں مسلمانوں کی کثیر تعداد سرگرم ہے۔ ان تربیتی سرگرمیوں میں مسلمانوں کی کثیر تعداد والے علاقوں پر توجہ دی جانی چاہئے۔

اساتذہ کی تربیت کے نصاب میں لازمی طور پر ایسا مواد شامل کیا جانا چاہئے جس سے ملک میں موجود تنوع / کثرت کی اہمیت واضح ہو اور اساتذہ کو مسلمانوں اور دیگر نظر انداز فرقوں کی ضرورتوں اور امنگوں کے بارے میں حساس بنایا جاسکے

اقلیتی طلبا کو معقول کرائے پر ہاسٹل سہولتوں کی فراہمی ترجیحی بنیادوں پر کی جانی چاہئے

☆ ان پروگراموں میں شرکت کے اہل بچوں میں مدرسوں میں تعلیم یافتہ بچوں کو بھی شامل کیا جانا چاہئے کیوں کہ وہ موجودہ باضابطہ تکنیکی تعلیم کے بہت سے اداروں میں تربیت حاصل کرنے کے اہل نہیں ہوتے۔

اعلیٰ تعلیم کے لئے پیش قدمیاں

ہمارے تجزیے سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان اعلیٰ تعلیم سے وابستگی کے لحاظ سے خاصے خسارے میں ہیں۔ اور یہ 'خسارہ ایس سی / ایس ٹی کے سوا باقی تمام سماجی۔ مذہبی طبقوں کے مقابلے میں سب سے زیادہ ہے۔ یہ ذکر پہلے ہی کیا جا چکا ہے کہ اس خسارے کو کم کرنے کا بہترین طویل مدتی طریقہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں اسکولی تعلیم مکمل کرنے کی شرح میں اضافے کی کوشش کی جائے۔ اوسط اور قلیل مدتی اقدامات کے لئے دو قسم کی حکمت عملی اختیار کی جانی چاہئے:

حکمت عملی نمبر 1

یونیورسٹی گرانٹس کمیشن (یو جی سی) کو ایک ایسا نظام وضع کرنے کی ترغیب دی جانی چاہئے جس کے تحت کالجوں اور یونیورسٹیوں کو رقوم کی فراہمی طلبہ کے تنوع سے مشروط کر دی جائے۔ اقلیتوں کے زیر انتظام اور یونیورسٹیوں سے الحاق رکھنے والے یا ریاستی اداروں سے تسلیم شدہ کالجوں سے وابستہ کرنے کا نظام وضع کیا جانا سمیت تمام نجی کالجوں کے لئے یہ شرط رکھی جاسکتی ہے کہ اگر ان میں ہر فرقے اور طبقے کے طلبہ ہوں اور وہ معقول فیس لیں تو انہیں مزید رقوم چاہئے تاکہ ان کے ایسے طلبہ جو فراہم کی جائے گی۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا، ان مقاصد کے لئے تنوع کا ایک مناسب اشاریہ مرتب کرنا ضروری ہوگا۔ مناسب ہوگا اگر یو جی سی باضابطہ/ بنیادی دھارے کی تعلیم میں تعلیمی اداروں کو اپنے احاطوں میں تنوع کے فروغ کے بارے میں حساس بنانے کے لئے خود اپنے طور پر قدم اٹھائے۔

جاننا چاہیں وہ مدرسہ تعلیم ختم کرنے کے بعد ایسا کر سکیں۔

آندھرا پردیش، کرناٹک، تمل ناڈو وغیرہ ریاستوں کے مسلمانوں نے بڑی تعداد میں اقلیتوں کے زیر انتظام پیشہ ورانہ ادارے قائم کئے ہیں جن سے مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کے لئے اعلیٰ تعلیم کی راہیں کھلی ہیں۔ فرقہ جاتی کوششوں کے طور پر ان کی حوصلہ افزائی کی جانی چاہئے مگر ان اداروں میں بھی طلبہ کا تنوع ہونا چاہئے۔ ان اداروں کے لئے سرکاری مالی امداد کو ٹیوشن اور دیگر فیس کے کم ہونے اور طلبہ کے تنوع سے مشروط کیا جاسکتا ہے۔ کم فیس اور لیاقت و ذرائع پر مبنی وظائف (مزید سرکاری رقوم کے ذریعے) تعلیم میں اقلیتوں کے غریب لوگوں کی شرکت میں اضافہ کر سکتے ہیں۔

مدارس کی اسناد کو سول سرویسز بینکوں، ڈیفنس سرویسز اور دیگر مقابلہ جاتی امتحانات میں شرکت کیلئے اہلیت کی بنیاد تسلیم کیا جائے

حکمت عملی نمبر 2

یونیورسٹیوں اور خود مختار کالجوں میں، تمام طبقوں میں سے سب سے پسماندہ طبقوں کے داخلوں کو آسان کرنے کے لئے، داخلوں کا ایک

علاحدہ بیانہ وضع کرنے کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں استعمال کے جانسنے والے درجہ بندی کے نظام کی ایک مثال یہاں پیش کی جا رہی ہے۔ یہ نظام تمام فرقوں کے غریبوں کے لئے مددگار ہو سکتا ہے۔ سابقہ حکمت عملی کے تکملے کے طور پر، سرکاری مالی امداد کا ایک حصہ تعلیمی اداروں کے ذریعہ داخلوں میں اس بیانے کے استعمال کے ساتھ مشروط کیا جا سکتا ہے۔

ہاسلوں کی فراہمی

اقلیتی طلبہ کے لئے معقول کرائے پر ہاسل سہولت کی فراہمی کا بندوبست ترجیحی بنیادوں پر کیا جانا چاہئے۔ اگرچہ اس کی ضرورت تمام اقلیتی طلبہ کو ہے مگر تمام چھوٹی بڑی آبادی والے شہروں میں لڑکیوں کے لئے ایسی سہولتوں کی فراہمی بطور خاص مطلوب ہے۔ ایسے ہاسلوں کی موجودگی سے لڑکیوں کی تعلیم جاری رکھنے کو (ثانوی/کالج سطح سے آگے) یقینی بنایا جاسکے گا کیوں کہ اس صورت میں انہیں تعلیمی اداروں تک پہنچنے کے لئے اپنے گھر سے زیادہ دور کا سفر نہیں کرنا پڑے گا۔ لڑکوں کی کالج سطح کی تعلیم کے لئے بھی ہاسلوں کی اتنی ہی اہمیت ہے۔ شہروں میں مکانوں کے کرائے بہت زیادہ ہیں جس کی وجہ سے کم آمدنی والے گھروں کے طلبہ کی اعلیٰ تعلیم میں رکاوٹ آتی ہے۔ گراہم زیادہ ہونے کے علاوہ مسلمانوں کو کرائے دار کے طور پر قبول کرنے میں پس و پیش کے سبب بھی انہیں شہروں میں مکان کرائے پر لینے میں دشواری ہوتی ہے۔ مثالی صورت یہ ہے کہ ایسی سہولتوں کی فراہمی خود فرقے کی شرکت سے کی جائے۔ لہذا ریاست اس سلسلے میں اہل فرقہ کی کوششوں میں مدد کے طور پر مالی معاونت اور دیگر سہولتیں فراہم کر سکتی ہے۔ ضلع کے صدر مقامات اور تعلیمی ادارے ایسی سہولتوں کی بہترین جائے وقوع ہو سکتے ہیں۔

کیمٹی کی سفارش ہے کہ پرائمری سیکٹر ایڈوانسز (پی ایس اے) تک مسلمانوں کی رسائی کو فروغ دیا جائے

اس کی ایک اور صورت یہ ہو سکتی ہے کہ ضلع صدر مقامات پر پسماندہ طبقوں کے لئے بورڈنگ ہاؤس قائم کئے جائیں جہاں رہ کر اقلیتوں اور دیگر طبقوں کے غریب بچے مقامی اسکولوں میں تعلیم حاصل کر سکتے ہیں۔ اس سے ترک تعلیم کی شرح میں کمی آئے گی اور ہائر سکندری سطح تک اسکول میں برقرار رہنے کو یقینی بنایا جاسکے گا۔ ایسی سہولتیں بچوں کو ان کے الگ تھلگ علاقوں سے باہر نکلنے کے ساتھ ہی اس بات کو بھی یقینی بنانے میں مددگار ہوں گی ان ہاسلوں کے پڑھائی میں معاون ماحول کے سبب، دیرینہ ناخواندگی کی صورت حال ان بچوں کی کارکردگی پر اثر انداز نہ ہو سکے۔ ان بورڈنگ ہاؤسوں میں ان بچوں کی تعلیم کو سہارا دینے اور اس پر نظر رکھنے کی غرض سے اصلاحی کلاسوں کے لئے ٹیوٹر بھی فراہم کئے جا سکتے ہیں۔ ان پیش قدمیوں کے لئے مالی وسائل، تعلیمی طور پر پسماندہ طبقوں کی تعلیمی حالت کو اٹھانے کے لئے مرکزی جانب سے مختص کی جانے والی خصوصی رقوم میں سے فراہم کئے جا سکتے ہیں۔ یہاں بھی مسلم فرقے کو شرکت کے لئے آمادہ کرنا ہوگا۔ مسلم اوقاف کو ترغیب دی جانی چاہئے کہ وہ اس کوشش کے لئے اپنے اثاثوں کا استعمال کریں۔ اس کے علاوہ، این جی او اور کثیر القاصد تنظیموں کے عطیات کا بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔

اصل ضرورت ایسے پالسی اقدامات کی ہے جس سے باضابطہ بینکوں کی تجارتی سرگرمیوں میں اقلیتوں بطور خاص مسلمانوں کی شرکت اور حصے میں اضافہ کیا جاسکے

اساتذہ کی تربیت

اساتذہ کے نصاب میں ایسا مواد شامل کیا جانا چاہئے جس سے ملک میں موجود تنوع / کثرت کی اہمیت کا شعور پیدا ہو اور اساتذہ کو مسلمانوں اور دیگر نظر انداز طبقوں کی ضرورتوں اور امنگوں کے بارے میں حساس بنایا جاسکے۔ اس پر عمل درآمد کی نگرانی نیشنل کونسل آف ٹیچرز ایجوکیشن (این سی ٹی ای) کی جانب سے کی جانی چاہئے۔ ایک اور معاملہ مسلم اسکول میں اساتذہ، بطور خاص خاتون ٹیچروں کی قلت کا ہے۔ تعلیم کی موجودہ سطح کے پیش نظر، مسلمانوں کی زیادہ تعداد کے بنی ایڈکورس میں داخل ہونے کے امکانات کم ہیں۔ مگر مسلمانوں کی زیادہ بڑی تعداد ڈیپرائیوڈ پیرا ٹیچرز بننے کی اہل ہو سکتی ہے۔ عبوری اقدام کے طور پر اس سلسلے میں مسلمانوں کی شرکت میں اضافے کے لئے کوشش کی جانی چاہئے۔

اردو زبان کے فروغ کی کوششیں

مناسب ہوگا کہ متعلقہ انٹرویو پینلوں اور بورڈوں میں مسلم فرقے سے متعلق ماہرین بھی شامل کئے جائیں

اردو صرف مسلمانوں کی زبان نہیں ہے، حالاں کہ عصری حالات اسے اسی صورت میں پیش کر رہے ہیں۔ یہ زبان بے توہمی کی شکار رہی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بہت سے اردو بولنے والے بچے اپنی مادری زبان میں تعلیم حاصل کرنے سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اس بے توہمی کا یہ نتیجہ بھی ہے کہ ناقص بنیادی سہولتوں اور تربیت یافتہ اساتذہ کی مناسب تعداد نہ ہونے کے سبب اردو ذریعہ تعلیم والے طلبہ کی کارکردگی خاصی خراب رہتی ہے۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ریاست کی آئینی ذمہ داری کے تحت لازمی ہے کہ اردو زبان کو اتنی تقویت دی جائے کہ مستظاہر بڑی تعداد میں اردو اساتذہ فراہم ہو سکیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی کہ ثانوی تعلیم کی سطح پر سرسلسانی فارمولے میں پیدا ہونے والے بگاڑ کی اصلاح کی جانی چاہئے تاکہ ہندی علاقے کے اسکولوں میں اردو کے لئے گنجائش پیدا کی جاسکے۔ اس کے ساتھ ہی تین اور اقدامات بھی مناسب ہوں گے:

☆ اردو اسکولوں کے اکثر اساتذہ ایسے ہوتے ہیں جنہیں اردو نہیں آتی۔ یہ مسئلہ اس لحاظ سے پیچیدہ تر ہو جاتا ہے کہ اردو اساتذہ کی بعض جگہیں ایس سی / ایس ٹی کے لئے مخصوص کر دی جاتی ہیں اور ایسے امیدوار دست یاب نہیں ہوتے۔ اس تضاد کو فوری طور پر دور کیا جانا چاہئے۔

☆ ملک کے ان حصوں میں اعلیٰ معیار کے اردو ذریعہ تعلیم کے اسکول قائم کئے جانے چاہئیں جہاں ان کا مطالعہ کیا جا رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی یقینی بنایا جانا چاہئے کہ اردو میں معیاری نصابی کتابیں فراہم ہوں اور ان اسکولوں کے طلبہ روزگار حاصل کرنے کے

4. خود امداد گروپوں میں مسلمانوں کی قلیل شرکت کی چند مثالوں کے لئے دیکھئے سوہ (2004)

5. 500 فی صد سے زیادہ مسلم آبادی والے دیہات کے لئے خود امدادی گروپوں کی کم سے کم تعداد کا نشانہ مقرر کیا جاسکتا ہے۔ مسلم آبادی کی کثرت کے پیش نظر اس کے ذریعے بائیکاٹ کرکٹ تحریک میں مسلمانوں کی شمولیت خود امداد گروپوں میں ہو جائے گی۔ 25-50 فی صد مسلم آبادی والے گاؤں میں یہ کام مسلمانوں کی مادی و اقتصادی حالت کا جائزہ لے کر کیا جاسکتا ہے۔ مسلمانوں کی شرکت بڑھانے کے لئے خود مسلمانوں کے ذریعے طے کردہ نظریات اور نشانے مقرر کئے جانے ہوں گے۔ 25 فی صد سے کم مسلم آبادی والے گاؤں میں مسلمانوں کی شرکت میں اضافہ کرنے کے لئے خود امدادی تحریک کو فروغ دینے والے اداروں کو بائیکاٹ کرکٹ کے سلسلے کو فروغ دینے کی غرض سے خود امدادی گروپوں کو تشکیل دینے اور تربیت دینے کے لئے مالی ترغیبات دی جانی چاہئیں۔ چونکہ مسلمانوں کی کثیر تعداد غیر زرعی زمروں سے وابستہ ہے اس لئے سرگرمیوں سے مخصوص آئینے میں جاری کی جانی چاہئیں۔ بڈاگوں / دیہات کے گروپوں کا جائزہ دست کاری کی سرگرمیوں کے لحاظ سے لیا جانا چاہئے۔ دست کاروں میں مقابلے کا سامان کرنے کی صلاحیت پیدا کرنے کے لئے امدادی اقدامات ان کی تربیت، مہارتوں کے فروغ اور بازار فراہم کرنے کی سرگرمیوں پر مبنی ہونے چاہئیں۔

لائق ہو سکیں۔

☆ اردو بولنے والوں کی معتد بہ تعداد والی ریاستوں میں، سرکاری اور سرکاری امداد یافتہ تمام اسکولوں میں اردو کو اختیاری مضمون بنایا جانا چاہئے۔

مدارس اور بنیادی دھارے کی تعلیم

مدارس، مسلمانوں کو مذہبی تعلیم فراہم کرنے کے معاملے میں ایک اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ کئی مدارس بنیادی دھارے کی تعلیم بھی فراہم کرتے ہیں اور بہت سے مدارس اپنے نصاب کی جدید کاری کر رہے ہیں۔ یہ مسلم فرقے کی جانب سے اپنی تعلیمی حالت کو فروغ دینے کی ایک اہم سرگرمی ضرور ہے، مگر یہ بات بھی اہم ہے کہ اسکول جانے کی عمر والے صرف 4 فی صد مسلم بچے ہی مدارس میں تعلیم پاتے ہیں۔ لہذا تجدید شدہ مدارس بھی مسلمانوں کی تمام تر تعلیمی ضروریات کی تکمیل نہیں کر سکتے اور ریاست کو ان علاقوں میں بنیادی دھارے کے اسکول قائم کرنے ہوں گے جہاں وہ موجود نہیں ہیں۔ بہ الفاظ دیگر، مدارس کو باضابطہ اسکولوں کا متبادل نہیں بلکہ ضمیمہ سمجھا جانا چاہئے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل اقدامات مناسب ہوں گے:

☆ مدارس کو ایک ہائر سکندری اسکول بورڈ سے وابستہ کرنے کا نظام وضع کیا جانا چاہئے تاکہ ان کے ایسے طلبہ جو باضابطہ بنیادی دھارے کی تعلیم میں جانا چاہیں وہ مدرسہ تعلیم ختم کرنے کے بعد ایسا کر سکیں۔

☆ مدارس کی اسناد کو اعلیٰ تعلیم کے اداروں میں داخلے کے لئے بھی 'یکساں قدر و قیمت' فراہم کی جانی چاہئے۔ ایسی گنجائشیں نکالی جانی چاہئیں کہ مدارس کے فارغین چاہیں تو باضابطہ بنیادی دھارے کی تعلیم سے بھی استفادہ کر سکیں۔ بہ الفاظ دیگر انہیں بطور خاص ان کورسوں میں مواقع فراہم کئے جانے چاہئیں جہاں داخلے، داخلے کے ٹیسٹ/مقابلہ جاتی امتحان کے ذریعے ہوتے ہیں۔

☆ مدارس کی اسناد کو سول سروسز، بینکوں، ڈیفنس سروسز اور دیگر مقابلہ جاتی امتحانات میں شرکت کے لئے اہلیت کی بنیاد تسلیم کیا جائے۔ اس میں بنیادی تصور یہ ہے کہ ایک ایسا عمل شروع کیا جائے جس کے تحت مدارس کے فارغین پر بھی روزگار کے ان مواقع کی راہیں کھلی سکیں اور انہیں ان میں شریک ہونے کی تحریک حاصل ہو سکے۔ تاہم یہ طریقہ کار مقابلہ جاتی امتحانات کے موجودہ نظام کے دائرے ہی میں ہونا چاہئے۔

☆ 1990 کی دہائی میں حکومت نے مدارس کی جدید کاری کا ایک منصوبہ شروع کیا تھا۔ یہ ایک صحیح سمت میں اٹھایا جانے والا قدم تھا مگر مضامین کے انتخاب، اساتذہ کے معیار اور روایتی مضامین کی کثرت والے نصاب میں جدید کی گنجائش نکالنے کے طریق کار کے بعض نقائص کے سبب اس کا پورا فائدہ نہیں اٹھایا جا سکا۔ حکومت کے لئے مناسب ہوگا کہ اس منصوبے کی توسیع کرنے سے پہلے اس پر نظر ثانی کر کے اسے از سر نو وضع کرنے کی کوشش کرے۔

ملک ان دنوں تیز رفتار اقتصادی نمو کے دور سے گذر رہا ہو۔ یہی موقع ہے جب محروم لوگوں کو مہارتوں کے فروغ اور تعلیم کے ذریعے نئے مواقع سے مستفید ہونے کے لئے مدد دی جاسکتی ہے

ان پیشوں اور کاروباروں سے متعلق پیش قدمیوں کے لئے مالی اور دیگر امداد فراہم کی جائے جن سے مسلمانوں کی کثیر تعداد وابستہ ہے اور جن میں نمو کے امکانات بھی ہیں

3.2 قرضوں اور سرکاری پروگراموں تک رسائی میں اضافہ

بینک قرضوں اور سرکاری پروگراموں سے متعلق باب میں اس پر روشنی ڈالی جا چکی ہے کہ مسلمانوں کے لئے قرضوں کی فراہمی بہت کم ہے۔ اس کا ایک سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں میں آمدنی کی سطحیں کم ہونے کی وجہ سے قرضوں کی طلب بھی کم ہے مگر اس کی کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ یہ مسئلہ اس لحاظ سے بھی زیادہ اہم ہے کہ مسلمانوں کی نمایاں طور پر کثیر تعداد خود روزگاری، خصوصاً گھر میں مرکوز کاروباروں میں سرگرم ہے۔ لہذا قرضوں کی ناکافی فراہمی مسلمانوں کے سماجی و اقتصادی اور تعلیمی حالات کے لحاظ سے دور رس اثرات و مضمرات کی حامل ہے۔ جہاں بھی مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کے حالات کا تقابلی تجزیہ کیا گیا ہے، یہی ظاہر ہوا ہے کہ دیگر اقلیتوں کی بینک قرضوں اور سرکاری پروگراموں تک رسائی مسلمانوں سے کہیں بہتر ہے اور جہاں بھی ان پر خصوصی توجہ دی گئی ہے وہ بعض سرکاری پروگرام کا فائدہ اٹھانے والوں میں سرفہرست رہی ہیں۔ بعض ایسے پروگراموں میں جہاں قرضوں کی فراہمی میں مسلمانوں کا حصہ مناسب رہا ہے، فراہم شدہ مجموعی رقم بہت کم رہی ہیں۔ غریبی سے متعلق باب میں بھی یہی نظر آیا تھا کہ خط افلاس سے نیچے گذر بسر کرنے والوں میں مسلمانوں کی تعداد دوسروں سے زیادہ ہے۔ ان عملی حقائق کے پیش نظر مندرجہ ذیل سفارشات کی جاسکتی ہیں:

☆ کمیٹی کو ایسی کئی شکایات موصول ہوئی ہیں کہ بعض بینک کثیر مسلم آبادی والے علاقوں کو اپنی سرگرمیوں کے دائرے سے خارج کر دیتے ہیں۔ کم از کم اس احساس کو کسی حد تک دور کرنے کے لئے امریکی حکومت کے ذریعے اختیار کردہ طریق کار کے خطوط پر ایک آسان سا ضابطہ مناسب ہوگا۔ اس کے تحت بینکوں کے لئے کسی کے بھی طلب کرنے پر یہ بتانا ضروری ہوگا کہ انہوں نے کن علاقوں میں قرضے فراہم کئے ہیں۔ اگر افراد کو معلومات فراہم کرنے پر زیادہ خرچ آ رہا ہو تو یہ معلومات ریڈرو بینک آف انڈیا کے سپرد کی جاسکتی ہے جو اسے معلومات کے حق سے متعلق قانون کے تحت لوگوں کو فراہم کر سکتا ہے۔ بینکوں کو اپنے صارفین کے سماجی۔ مذہبی طبقے سے متعلق معلومات بھی مرتب کر کے آر بی آئی کو فراہم کرنی چاہئے۔ اس سلسلے میں انفرادی کھاتوں کے بجائے مختلف سماجی۔ مذہبی طبقوں کے متعلق مجموعی معلومات فراہم کی جاسکتی ہے۔ لہذا کمیٹی کی سفارش ہے کہ پرائیویٹ سیکٹور ایڈوائسری (پی ایس اے) تک مسلمانوں کی رسائی کو فروغ دیا جائے۔ اقلیتوں کے لئے مخصوص پروگراموں کے مقررہ نٹانے حاصل کرنے میں کمی رہ جائے تو اسے این ایم ڈی ایف سی، این اے بی آر ڈی اور ایس آئی ڈی بی آئی کے تعاون سے پورا کیا جانا چاہئے اور اس رقم سے خصوصی پروگراموں کی مالی اعانت کی جانی چاہئے۔ تاہم اصل ضرورت ایسے پالیسی اقدامات کی ہے جس سے باضابطہ بینکوں کی تجارتی سرگرمیوں میں اقلیتوں بطور خاص مسلمانوں کی شرکت اور حصے میں اضافہ کیا جاسکے۔ چونکہ باضابطہ بینکوں سے حاصل ہونے والے قرضوں کی رقم، فرقوں کے لئے مخصوص پروگراموں کے مقابلے کہیں زیادہ ہوتی ہے اس لئے اقلیتوں کی شرکت میں اضافے سے انہیں حاصل ہونے والے فوائد بھی بڑھیں گے۔

☆ 2001 کی مردم شماری کے اعداد و شمار کے تجزیے سے واضح ہو گیا ہے کہ بینک سہولتیں کسی گاؤں/استی میں مسلمانوں کی آبادی سے

معکوس نسبت رکھتی ہیں۔ اس معاملے پر ترجیحی بنیادوں پر غور کرتے ہوئے بینکوں کو ترغیب دی جانی چاہئے کہ وہ کثیر مسلم آبادی والے علاقوں میں مزید شاخیں کھولیں۔ پی ایس اے سے متعلق آر بی آئی کی وقتے وقتے سے جاری ہونے والی رپورٹوں میں 'بقایہ رقم' کا ذکر کرنے کے بجائے اقلیتوں سے متعلق منظور یوں یا ادائیگیوں کے اعداد و شمار فراہم کئے جانے چاہئیں۔ ان رپورٹوں میں دیگر کے عنوان سے فراہم کردہ اعداد و شمار کو الگ الگ کر کے بھی پیش کیا جانا چاہئے تاکہ این اے بی اے آر ڈی اور دیگر مالیاتی اداروں میں بینکوں کے ذریعے لگائے گئے سرمائے سے متعلق معلومات حاصل ہو سکے۔

☆ کمیٹی یہ سفارش بھی کرتی ہے کہ سرکاری پروگراموں میں مزید اسکیموں کو شامل کیا جانا چاہئے اور ان کے تحت این اے بی اے آر ڈی اور ایس آئی ڈی بی آئی کے ذریعے قرضوں کی فراہمی کا بھی احاطہ کیا جانا چاہئے۔ ایس آئی ڈی بی آئی کو چاہئے کہ صنعت کاری فروغ پروگرام کے تحت کچھ رقم اقلیتوں کی تربیت کے لئے مختص کرے۔ ان پروگراموں میں نہ صرف روایتی پیشوں سے وابستہ دست کاروں کی مہارتوں کو فروغ دیا جانا چاہئے بلکہ انہیں جدید مہارتیں بھی فراہم کی جانی چاہئیں تاکہ وہ اپنے پیشے پر عالم کاری کے معزز اثرات کا سامنا کر سکیں۔ ان پیشوں سے متعلق طبقوں میں مسلمانوں کی کثیر تعداد کے پیش نظر ان پر خصوصی توجہ دی جانی چاہئے۔

مسلمانوں کے ذریعے قائم کئے جانے والے ٹرسٹوں مثلاً اوقاف اور مسجد کمیٹیوں کے رجسٹریشن میں آسانیاں لائی جانی چاہئیں

☆ متعلقہ اعداد و شمار کے ناکافی ہونے کے باوجود، بڑے پیمانے پر یہ احساس پایا جاتا ہے کہ خود امداد می گروپوں اور دیگر مائکرو کریڈٹ پروگراموں میں مسلمانوں کی شرکت بہت کم ہے۔ این اے بی اے آر ڈی کی مائکرو کریڈٹ اسکیموں میں اقلیتوں کی حصہ داری بڑھانے کے لئے پالیسی وضع کی جانی چاہئے جس میں یہ وضاحت کی جائے کہ این اے بی اے آر ڈی کسی گاؤں میں مسلم آبادی کے فی صد تناسب پر مبنی مخصوص اور ترجیحی اسکیموں کی صورت میں کیا اقدامات کر سکتا ہے تاکہ مائکرو کریڈٹ میں مسلمانوں کی حصہ داری بڑھائی جاسکے۔ ان اسکیموں میں مختلف طبقوں کی حصہ داری سے متعلق اعداد و شمار جمع کئے جانے چاہئیں اور انہیں آر بی آئی یا این ڈی کو فراہم کیا جانا چاہئے۔ ان اسکیموں پر عمل درآمد کو مخصوص حالات کے مطابق ڈھالا جاسکتا ہے۔ 5

نہایت اہم بنیادی سہولتوں تک رسائی میں کمی بھی مسلمانوں کے لئے باعث تشویش رہی ہے

☆ سرکاری ملازمتوں اور دیگر پروگراموں میں مسلمانوں کی حصہ داری کے تفصیلی تجزیے سے ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں میں مسلمانوں کی حصہ داری بہت کم ہے۔ اس سلسلے میں یہاں کسی قسم کے امتیازی سلوک کی شکایت تو نہیں کی جا رہی ہے مگر پھر بھی مناسب ہوگا کہ متعلقہ اضرو پو پٹنوں اور بورڈوں میں مسلم فرقے سے متعلق ماہرین بھی شامل کئے جائیں۔ یہ طریقہ ایس سی / ایس ٹی کے معاملے میں پہلے سے رائج ہے۔

☆ 2001 کی مردم شماری کے اعداد و شمار کے مطابق، وزیر اعظم کے 15 نکاتی پروگرام کے تحت آنے والے اضلاع کی تعداد پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ کمیٹی کی تجویز ہے کہ 25 فی صد سے زیادہ مسلم آبادی والے تمام 158 اضلاع کو 15 نکاتی پروگرام کے تحت لایا جائے۔ ان اضلاع کی ترقی کے لئے خصوصی امداد فراہم کی جانی چاہئے۔ اتنی ہی مسلم آبادی والے قصبوں / بلاکوں کے لئے بھی اسی اصول کے تحت عمل کیا جانا چاہئے۔

تمام سرگرمیوں کے بارے میں مسلمانوں سے متعلق معلومات میں شفافیت برتی جانی چاہئے۔ اس معلومات کو ایک مقررہ صورت میں ہر تین ماہ بعد شائع/فراہم کرنا اور محکموں اور ریاستی حکومتوں کی ویب سائٹ پر دست یاب کرانا لازمی قرار دیا جانا چاہئے۔ ریاستی اضلاع/بلاک سطحوں پر درخواستوں پر کارروائی یا انہیں مسترد کئے جانے کے معاملے میں کوتاہی اور تاخیر کی اطلاع فراہم کرنے کا انتظام کیا جانا چاہئے۔ شفافیت میں اضافے پر زیادہ توجہ کے تحت درخواست گزاروں کو یہ جاننے کا پورا حق ہونا چاہئے کہ ان کی درخواستوں پر کارروائی کس مرحلے میں ہیں۔ اس سلسلے میں معلومات طلب کی جائے تو اسے فراہم کیا جانا چاہئے۔ یہ معلومات ویب سائٹوں اور سچ اسکریمنوں پر بھی دست یاب کرائی جانی چاہئے۔ یہ ایک دور رس اثرات کا حامل قدم ہوگا جس سے مسلمانوں ہی کو نہیں تمام اقلیتوں کو فائدہ پہنچے گا۔

حکومت کے پروگراموں کے جائزے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو ان کا کوئی خاص فائدہ نہیں پہنچا ہے۔ ان پروگراموں سے مستفید ہونے والوں میں مسلمانوں کی تعداد اکثر کافی نہیں ہوتی اور جہاں یہ تعداد مناسب ہوتی ہے وہاں ان پروگراموں کے لئے مختص رقم اتنی کم ہوتی ہے کہ اس کا کوئی قابل لحاظ اثر مرتب نہیں ہوتا۔ اعداد و شمار جس انداز سے جمع کئے جاتے ہیں اس سے مختلف طبقوں کو حاصل ہونے والے فوائد کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ ریاستی اور مرکزی دونوں سطحوں پر سرکاری پروگراموں میں مختلف طبقوں کی شرکت سے متعلق تفصیلی اعداد و شمار پابندی سے جمع کئے جانے چاہئیں۔ جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے، یہ اعداد و شمار این ڈی بی کو فراہم کئے جانے چاہئیں، جو انہیں جمع کرے اور طالبین کو دست یاب کرائے۔

آخری بات جو کم اہم نہیں ہے یہ ہے کہ اگرچہ ایس سی، ایس ٹی اور او بی سی کے لئے بہت سی مرکز کے زیر اہتمام اسکیمیں (سی ایس ایس) اور سینٹرل پلان اسکیمیں (سی پی ایس) ہیں مگر اقلیتوں کی بہبود سے متعلق ایسی اسکیمیں تقریباً ناپید ہیں۔ جو ہیں بھی ان کے لئے مختص سرمایہ بہت ہی کم ہے۔ لہذا اگر ان پسماندہ اضلاع اور آبادیوں پر خصوصی توجہ دی جائے جہاں حرفتوں اور پیشوں والی برادریاں موجود ہیں تو اس سے اسکیموں تک رسائی اور فوائد میں پانے جانے والے فرق میں نمایاں کمی لائی جاسکتی ہے۔ مرکزی حکومت کو چاہئے کہ اقلیتوں کی بہبود کے لئے بھاری رقم والی چند اسکیمیں جاری کرے جن میں مسلمانوں کی مساوی اور منصفانہ حصے داری کے لئے مناسب انتظامات کئے گئے ہوں۔

3.3 روزگار کے مواقع اور حالات میں بہتری

ملک ان دنوں تیز رفتار اقتصادی نمو کے دور سے گزر رہا ہے۔ یہی موقع ہے جب محروم لوگوں کو مہارتوں کے فروغ اور تعلیم کے ذریعے نئے مواقع سے مستفید ہونے کے لئے مدد دی جاسکتی ہے۔ مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ خود روزگاری کی سرگرمیوں سے وابستہ ہے۔ اس کے علاوہ، ان کا ایک خاصا اہم طبقہ، بطور خاص خواتین، گھروں میں مرکوز کاموں میں سرگرم ہے۔ ان میں سے بعض کارکن ایسے زمروں میں لگے ہوئے ہیں جو نمو پذیر ہے ہیں مگر بہت سے کارکن جمود کے شکار کاروباروں/زمروں سے بھی وابستہ ہیں۔ نمو پذیر زمروں میں سرگرم کارکنوں کے لئے ایسے پاسی اقدامات درکار ہیں جن سے وہ اس زمرے کی بڑی بازار فرشی فرموں کے سلسلے کا حصہ بن سکیں۔ جمود کے شکار زمرے میں پھنسے ہوئے کارکنوں کے لئے کام تبدیل کرنے کی حکمت عملی وضع کی جانی چاہئے۔ مہارتوں کا فروغ، تعلیم اور قرضوں کی فراہمی جیسے اقدامات، جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے، ان دونوں حکمت عملیوں میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ دوسرا نقصان باضابطہ روزگار سے متعلق ہے کیوں کہ باضابطہ کاموں، بطور خاص سرکاری زمرے یا بڑے نجی زمرے کی باغواہ ملازمتوں میں مسلمانوں کا تناسب بہت کم ہے۔ خود روزگاری میں سرگرم کارکنوں کے ساتھ ساتھ باضابطہ کارکنوں کے کام کے حالات خاصے غیر یقینی اور ابتر ہیں۔

اس صورت حال کے پیش نظر مندرجہ ذیل پیش قدمیاں مناسب ہوں گی:

☆ ان پیشوں اور کاروباروں سے متعلق پیش قدمیوں کے لئے مالی اور دیگر امداد فراہم کی جائے جن سے مسلمانوں کی کثیر تعداد وابستہ ہے اور جن میں نمو کے امکانات بھی ہیں۔ ان پیش قدمیوں کے تحت کارکنوں کی موجودہ مہارتوں کے ساتھ ساتھ انہیں جدید ٹیکنالوجی کے طریقوں، نئی ٹکنالوجی اور بازار کی بھرتی ہوئی ضرورتوں سے بھی واقف کرایا جاسکتا ہے۔ مایا آرکیٹیک، جس کا ذکر پانچویں باب میں کیا جا چکا ہے، ایسی پیش قدمیوں کی ایک اچھی مثال ہے۔ ایسے اقدامات کے لئے ریاستی امداد اور کارپوریشن کے گران اقدامات کا بازار رنجی ہونا ان کی کامیابی کے لئے بہت ضروری ہے۔ بعض مخصوص معاملوں میں ان اقدامات سے مستفید ہونے والے مہارت یافتہ لوگ ایسے نوجوانوں پر مشتمل ہو سکتے ہیں جنہوں نے زیادہ تعلیم حاصل نہ کی ہو۔ ان معاملوں میں، ان اقدامات میں لازمی طور پر چند تعلیمی سرگرمیاں بھی شامل کی جاسکتی ہیں۔

☆ مذکورہ بالا اقدامات کثیر مسلم آبادی والے علاقوں میں بھی کئے جاسکتے ہیں مگر ان کے ساتھ ہی بعض علاقہ میں اقدامات بھی مناسب ہوں گے۔ چونکہ ان علاقوں میں مہارتوں کو فروغ دینے کی ضرورت زیادہ ہوگی اس لئے یہاں غیر میٹریکولیٹ لوگوں کو مہارتوں کی تربیت دینے کے لئے آئی ٹی آئی، پالی ٹیکنک اور دیگر ایسے ہی ادارے قائم کئے جاسکتے ہیں۔ ایسے اداروں کے آس پاس دست یاب ہونے سے نہ صرف نمونہ پیر صنعتوں سے وابستہ کارکنوں کو بلکہ انہیں بھی مدد ملے گی جو مہارتوں کے حصول یا فروغ کے ذریعے نئے زمروں میں منتقل ہونا چاہتے ہوں۔

☆ غیر باضابطہ زمرے میں خود روزگاری سے وابستہ لوگوں، بطور خاص گھروں میں مرکوز کارکنوں کے اتر حالات کے پیش نظر مناسب ہوگا کہ ان لوگوں کے لئے سماجی تحفظ کا ایک خاص نظام وضع کیا جائے۔ ان اسکیموں میں غیر باضابطہ زمرے کے اتفاقی کارکنوں کو بھی شامل کیا جانا چاہئے۔ چونکہ ریاست ایسی اسکیم پر پہلے ہی سے غور کر رہی ہے، اس لئے اس کے جلد رد و عمل لائے جانے سے مسلمانوں کے ایک بڑے حصے کو فائدہ پہنچے گا اور غیر باضابطہ کارکنوں کی بڑی تعداد کو بھی مدد ملے گی۔ 6

☆ تقررات کا ایک زیادہ شفاف طریق کار، اس نظام میں لوگوں کا اعتماد قائم کرنے میں مددگار ہوگا۔ یہاں یہ نہیں کہا جا رہا ہے کہ سلیکشن کمیٹیوں میں اقلیتوں کی شمولیت سے مسلمانوں کے منتخب ہونے کے امکانات بڑھ جائیں گے مگر اس سے تقررات کے عمل کے دوران مسلم امیدواروں کے اعتماد میں اضافہ ضرور ہوگا۔

☆ ملازمتوں، بطور خاص ان میں جہاں عوام سے رابطے کے زیادہ مواقع ہوتے ہیں، مسلمانوں کا حصہ بڑھانا لازمی ہے۔ ملازمتوں میں مسلمانوں کی زیادہ موجودگی سے مسلم فرقے کا اعتماد اور شرکت بڑھے گی اور مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ تعداد اور تناسب میں ملازمتیں حاصل کرنے کی ترغیب ہوگی۔ اس کے لئے اساتذہ، صحت کارکنوں، پولیس اہل کاروں، بینک کارکنوں وغیرہ میں مسلمانوں کا تناسب بڑھانے کی کوششیں کی جانی چاہئیں۔ آجروں کو ترغیب دی جانی چاہئے کہ وہ اپنے اداروں کو مساوی موقع ادارے قرار